آپ بیتی

تلاشِ حق

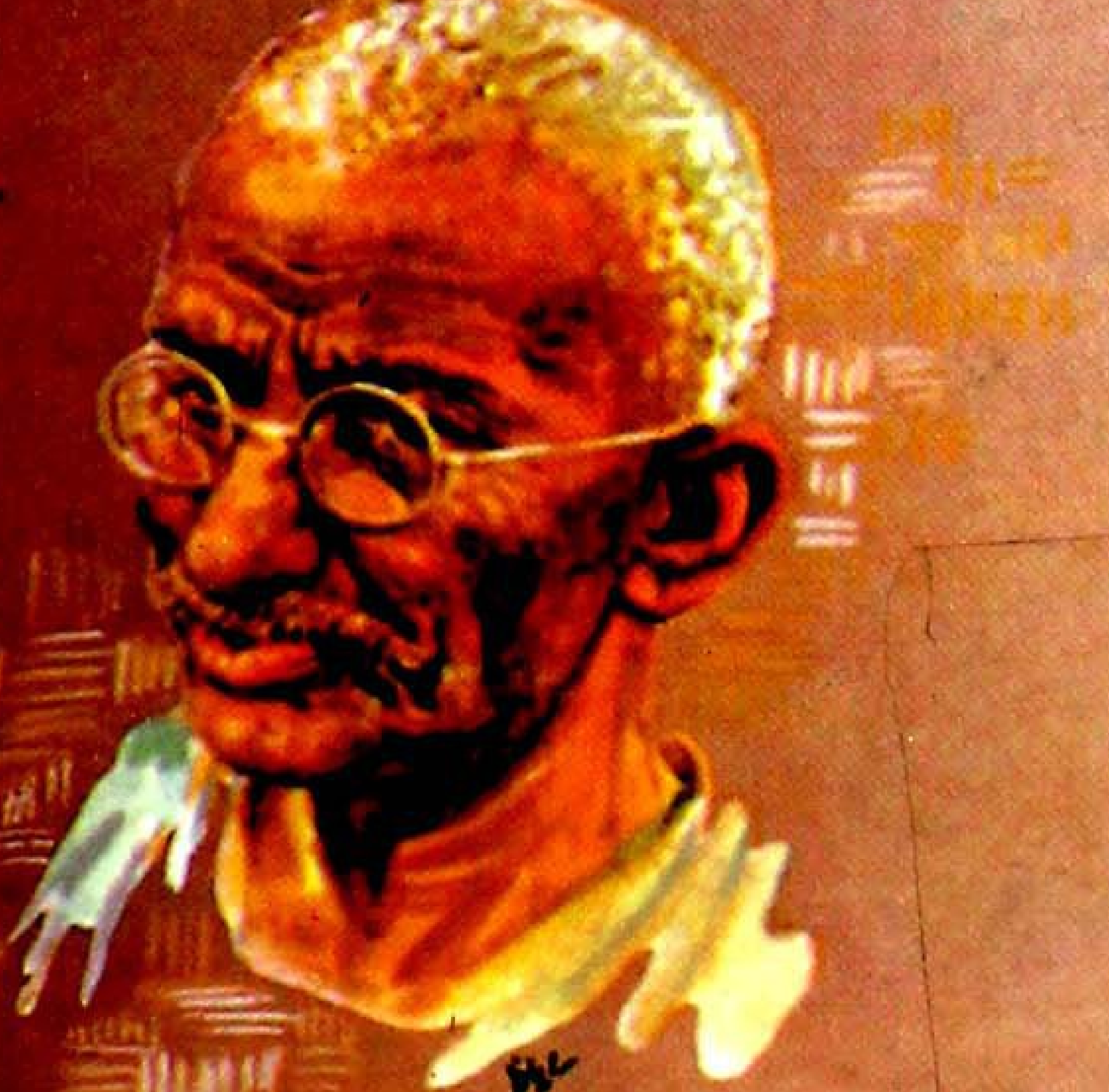

مہاتما گاندھی

Marfat.com

3899

Marfat.com

3899

تلاشِ حق

آپ بیتی

مہاتما گاندھی

فکشن ہاؤس
۱۸۔مزنگ روڈ، لاہور

Marfat.com

3899

STORY OF MY EXPERIMENT WITH TRUTH

87054

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	= تلاش حق (آپ بیتی)
مترجم	= ڈاکٹر سید عابد حسین
پبلشرز	= فکشن ہاؤس
	18 - مزنگ روڈ لاہور فون 7237430
کمپوزنگ	= المحمود کمپیوٹر کمپوزنگ سروس
پرنٹرز	= المطبعة العربية ۲- ایبک روڈ، بالمقابل شمسی چیمبر، پرانی انارکلی، لاہور، پاکستان
تاریخ اشاعت	= 1993ء
سرورق	= ریاظ
قیمت	= -/250 روپے

Marfat.com

3899

فہرست مضامین

حصہ اول

تمہید	17
پیدائش اور نسب	19
بچپن	23
بچپنے کی شادی	25
شوہری کے ٹھاٹھ	29
ہائی اسکول کی تعلیم	33
ایک المناک واقعہ	39
ایک المناک واقعہ نمبر ۲	43
چوری اور اس کا کفارہ	47
میرے والد کی وفات اور میری دہری فضیحت	51
مذہب کی جھلک	55
انگلستان کی تیاریاں	61
برادری سے خارج	67
لندن میں داخلہ	71
میرے ایک عقیدے کی تبدیلی	75
انگریز نمائی	79

Marfat.com

تبدیلیاں	83
غذائیات کے تجربے	87
حجاب میری سیر بن گیا	91
جھوٹ کا ناسور	95
مختلف مذہبوں کا مطالعہ	99
نربل کے بل رام	103
نراین ہیم چندر	107
عظیم الشان نمائش	111
بیرسٹر تو ہو گئے مگر اب؟	113
میری بے بسی اور مایوسی	117

حصہ دوم

رائے چند بھائی	123
میں نے زندگی کیونکر شروع کی	127
پہلا مقدمہ	131
پہلا دھچکا	135
جنوبی افریقہ جانے کی تیاریاں	139
نٹال پہنچنا	143
چند تجربے	147
پریٹوریا کا سفر	151
مزید تکلیفیں	155
پریٹوریا میں پہلا دن	161
عیسائیوں کی صحبت	165
ہندوستانیوں سے ملاقات کی کوشش	169
قلیوں کی درگت	173

Marfat.com

مقدمے کی تیاریاں	177
مذہبی جوش	181
آدمی کیا سوچتا ہے اور خدا کیا کرتا ہے۔	185
نٹال میں مستقل سکونت	189
رنگ کی قید	195
نٹال انڈین کانگرس	199
بالا سندرم	203
تین پاؤنڈ کا محصول	207
مختلف مذاہب کا مطالعہ	211
خانہ داری	215
وطن کا رخ	219
ہندوستان میں	223
وفاداری کا جوش اور تیمارداری کا جذبہ	227
بمبئی کا سفر	231
پونا اور مدراس	235
جلد واپس آؤ	239

حصہ سوم

طوفان کی گرج	245
طوفان	249
آزمائش	253
طوفان کے بعد سکون	259
بچوں کی تعلیم	263
جوش خدمت	267
برہمچاریہ (۱)	271

Marfat.com

برہمچاریہ (۲) 275

سادہ زندگی 279

جنگ بوئر 283

حفظان صحت کا اہتمام اور قحط کا امدادی کام 287

ہندوستان کو واپسی 289

پھر ہندوستان میں 293

محرر اور خدمت گار 297

کانگریس میں 301

لارڈ کرزن کا دربار 305

ایک مہینہ گوکھلے کی صحبت میں (۱) 307

ایک مہینہ گوکھلے کی صحبت میں (۲) 311

ایک مہینہ گوکھلے کی صحبت میں (۳) 315

بنارس میں 319

بمبئی میں بس جانے کا ارادہ 323

دھرم کی آزمائش 327

پھر جنوبی افریقہ چلا 331

حصہ چہارم

محبت کے سارے جتن بیکار گئے 337

ایشیا سے آئے ہوئے صاحب بہادر 341

ذلت چپ چاپ سہہ لی 343

جوش ایثار میں ترقی 347

مشاہدہ نفس کا نتیجہ 349

نباتاتی مشرب کے لئے ایک قربانی 353

مٹی پانی کے علاج کے تجربے 357

Marfat.com

تنبیہ	361
حکومت سے مقابلہ	365
ایک گناہ اور اس کی ندامت	369
فرنگیوں سے میل جول	373
فرنگیون سے میل جول نمبر (۲)	377
انڈین اوپنین	381
قلیوں کے باڑے یا گھیٹو	385
کالا طاعون	389
کالا طاعون نمبر (۲)	393
ہندوستانی محلے میں آگ لگ گئی	397
ایک کتاب کا جادو	399
فنیکس کی بستی	403
پہلی رات	407
پولک آگے بڑھے	411
خدا حافظ حقیقی ہے	415
گھر گرہستی کی ایک جھلک	419
زولو بغاوت	423
احتساب نفس	427
ستیاگرہ کا آغاز	431
غذائیات کے مزید تجربے	433
کستوری بائی کی ہمت	435
گھر کے اندر ستیاگرہ	439
ضبط نفس کی کوشش	443
فاقہ	447
معلم کی حیثیت سے	451

Marfat.com

ادبی تعلیم	455
روحانی تربیت	459
پھولوں میں کانٹے	463
فاقہ کفارے کی حیثیت سے	465
گوکھلے سے ملنے کے لئے سفر	469
جنگ عظیم میں میرا حصہ	473
روحانی کشمکش	477
چھوٹی سی ستیا گرہ	481
گوکھلے کی رواداری	485
پسلی کے ورم کا علاج	489
وطن کو واپسی	493
وکالت کے زمانے کی چند قابل ذکر باتیں	495
چالبازی	499
موکل رفیق بن گئے	501
میں نے ایک موکل کو کیونکر بچایا	503

حصہ پنجم

پہلا تجربہ	509
گوکھلے کے ساتھ پونا میں	511
کیا یہ دھمکی تھی۔	515
شانتی نکیتین	519
تیسرے درجے کے مسافروں کی مصیبت	523
محبت کی کشمکش	525
کمبھ کا میلا	527
لکشمن جھولا	531

Marfat.com

آشرم کی بنا	535
مشکلے نیست کہ آساں نہ شود	537
"پابند مزدوروں کی" موقوفی	541
نیل کا دھبا	545
بہاریوں کی شرافت اور نیک دلی	549
"اہنسا کا نظارہ	553
مقدمہ واپس لے لیا گیا۔	557
کام کے طریقے	561
میرے ساتھی	565
دیہات کی اصلاح	569
گورنر کی نیک دلی	573
مزدوروں سے سابقہ	575
آشرم کی ایک جھلک	579
اپاس	581
کھیدا کی ستیا گرہ	585
پیاز کا چور	587
کھیدا کی ستیا گرہ کا انجام	591
اتحاد کی گرما گرمی	593
رنگروٹوں کی بھرتی	497
قریب مرگ	603
رولٹ بل اور میری کشمکش	607
وہ شاندار منظر	611
وہ یادگار ہفتہ	615
وہ یادگار ہفتہ نمبر (۲)	621
میری ہمالیہ برابر غلطی	625

Marfat.com

"نوجیون" اور "ینگ انڈیا"	627
پنجاب میں	631
خلافت کے بدلے گئو رکشا؟	635
امرتسر کانگریس	639
کانگریس کے اندرونی حلقے میں	643
کھدر کی تحریک کا جنم	647
مل گیا	651
ایک سبق آموز مکالمہ	655
چڑھتا دریا	659
ناگپور میں	663
خدا حافظ	665

Marfat.com

تمہید

چار پانچ سال ہوئے میں نے اپنے چند عزیز رفیقوں کے کہنے سے اپنی زندگی کے حالات لکھنے کا ارادہ کیا۔ ابتدا تو میں نے کر دی مگر ابھی پہلا ورق الٹنے کی بھی نوبت نہ آئی تھی کہ بمبئی میں بلوے شروع ہو گئے اور یہ کام رک گیا۔ اس کے بعد اور واقعات پیش آئے جن کا انجام یہ ہوا کہ میں قید ہو کر یرادوا کی جیل میں پہنچ گیا۔ اسی جیل میں میرے ساتھ جیرام داس جی بھی قید تھے۔ انہوں نے فرمائش کی کہ تم سب کام چھوڑ کر آپ بیتی کو ختم کر دو۔ میں نے کہلا بھیجا کہ میں اپنے لئے مطالعے کا پروگرام بنا چکا ہوں اور جب تک اسے پورا نہ کر لوں کسی اور کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔ اگر میں قید کی میعاد یرادوا میں گزارتا تو آپ بیتی ضرور ختم ہو جاتی کیونکہ جب میں چھوٹا ہوں تو ایک سال اس کام کے لئے باقی تھا۔ اب سوامی آنند جی نے پھر اسرار شروع کیا ہے اور میں بھی جنوبی افریقہ کی ستیاگرہ کی تاریخ سے فارغ ہو گیا ہوں اس لئے جی چاہتا ہے کہ نوجیون میں چھاپنے کے لئے آپ بیتی لکھنا شروع کر دوں۔ سوامی جی یہ چاہتے تھے کہ میں اسے الگ لکھوں اور کتاب کی صورت میں چھپواؤں۔ مگر مجھے اتنی فرصت نہیں ہے میں تو بس اتنا کر سکتا ہوں کہ ہفتہ وار ایک باب لکھتا جاؤں۔ آخر نوجیون کے لئے ہر ہفتہ کچھ نہ کچھ لکھنا پڑتا ہے، پھر آپ بیتی ہی کیوں نہ لکھ دیا کروں؟ سوامی جی اس پر راضی ہو گئے۔ لیجیئے میں نے بھی محنت سے کام شروع کر دیا۔

مگر میرے ایک باخدا (1) دوست کو اس بارے میں کچھ شبہے تھے جو انہوں نے میری خاموشی کے دن (2) مجھ سے بیان کئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا یہ آپ کو کیا سوجھی کہ اس جھگڑے میں پڑ گئے۔ آپ بیتی لکھنا مغربی ملکوں کا دستور ہے میں نے آج تک نہیں سنا کہ مشرق میں سوا ان لوگوں کے جن پر مغرب کا اثر ہو گیا ہے، کسی نے آپ بیتی لکھی ہو اور آپ لکھیں گے کیا؟ فرض کیجیئے آج آپ جن اصولوں کے قائل ہیں انہیں کل ترک کر دیں یا اب جو تجویزیں آپ کے سامنے ہیں وہ آئندہ بدل جائیں تو کیا اس کا اندیشہ نہیں کہ جو لوگ آپ کی تحریر اور تقریر پر عمل کرتے ہیں وہ دھوکے میں پڑ جائیں

Marfat.com

گے؟ کیا آپ کے خیال میں یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ ابھی اس قسم کی کتاب نہ لکھیں بلکہ کبھی نہ لکھیں؟

ان دلیلوں کا مجھ پر کچھ اثر ضرور ہوا لیکن اصل میں میرا مقصد اس قسم کی کتاب لکھنا نہیں ہے جو آپ بیتی کہلاتی ہے میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ میں نے حق کی تلاش میں جو تجربے کئے ہیں ان کی کہانی سنا دوں۔ یہ سچ ہے کہ ساری عمر انہی تجربوں میں گزری ہے۔ اس لئے یہ کہانی آپ بیتی بن جائے گی۔ لیکن اگر کتاب کے ہر صفحہ میں سوا ان تجربوں کے کسی چیز کا ذکر نہ ہو تو میں ایسی آپ بیتی لکھنے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا۔ اب چاہے یہ میرے نفس کا فریب ہو مگر مجھے یقین ہے کہ ان تجربوں کا ایک مسلسل بیان پڑھنے والوں کے لئے فائدے سے خالی نہ ہو گا۔ سیاست کے میدان میں جو تجربے میں نے کئے ہیں وہ ہندوستان میں بلکہ ایک حد تک "مہذب" دنیا میں مشہور ہو گئے ہیں، میری نظر میں نہ ان تجربوں کی کوئی وقعت ہے اور نہ "مہاتما" کے لقب کی جو ان کی بنا پر مجھے لوگوں نے دے رکھا ہے مجھے اکثر اس لقب سے بہت دکھ پہنچا ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے کبھی ایک لمحے کے لئے بھی اس نے میرے دل کو نہیں لبھایا۔ البتہ ان روحانی تجربوں کو میں خوشی سے بیان کروں گا جو صرف مجھی کو معلوم ہیں اور جن کی بدولت مجھے سیاسی میدان میں کام کرنے کے لئے تھوڑی بہت قوت حاصل ہوئی۔ اگر یہ تجربے واقعی روحانی ہیں تو خود ستائی کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔ ان کا کچھ اثر میری ذات پر ہو سکتا ہے تو یہی کہ میری عاجزی اور بڑھ جائے گزرے ہوئے زمانے پر میں جتنا زیادہ غور کرتا ہوں اتنی ہی مجھ پر اپنی نارسائی کھلتی جاتی ہے۔

وہ چیز جس کی مجھے تلاش ہے جس کی آرزو اور سعی میں تیس سال سے بے چین ہوں، معرفت نفس، دیدار الٰہی، حصول "موکشا" (1) ہے۔ یہی تلاش، یہی کوشش میرا اوڑھنا بچھونا ہے، یہی میری زندگی ہے۔ میری تحریر و تقریر کا میری ساری سیاسی جدوجہد کا یہی مقصد ہے۔ لیکن چونکہ مجھے ہمیشہ سے یقین ہے کہ جو کام ایک شخص کے لئے ممکن ہے وہ سب کے لئے ممکن ہے۔ اس لئے میں نے جتنے تجربے کئے وہ خلوت کی تاریکی میں نہیں بلکہ جلوت کی روشنی میں کئے؟ اور میرے خیال میں اس سے ان کی روحانی قدر و قیمت میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

بعض معاملے بندے اور خدا کے درمیان ایسے ہوتے ہیں جن کی کسی اور کو خبر نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں بیان میں نہیں آسکتیں۔ جن تجربوں کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں یہ ایسے نہیں ہیں۔ مگر ہیں یہ بھی روحانی بلکہ یوں کہیے کہ اخلاقی تجربے، کیونکہ اخلاق ہی مذہب کی جان ہے۔

اس کہانی میں صرف ان مذہبی باتوں کا ذکر ہو گا جنہیں بچے اور بوڑھے دونوں اچھی طرح سمجھ سکیں۔

Marfat.com

اگر میں ان کو جذبات سے الگ ہو کر سچائی اور عاجزی سے بیان کر سکا تو ان سے اور بہت سے تجربہ کرنے والوں کو روحانی ترقی میں مدد ملے گی۔ میرا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ یہ تجربے مکمل ہیں۔ میں انہیں اس سے زیادہ قابل وثوق نہیں سمجھتا جتنا ایک دیانت دار سائنس داں اپنے تجربوں کو سمجھتا ہے۔ وہ بہت زیادہ صحت کے ساتھ خوب سمجھ بوجھ کر ذرا ذرا سی باتوں کا خیال رکھتے ہوئے تجربے کرتا ہے۔ مگر پھر بھی اسے یہ دعویٰ نہیں ہوتا کہ جو نتیجے اسے حاصل ہوئے وہ آخری اور قطعی ہیں بلکہ وہ ان میں ترمیم اور اصلاح کی گنجائش سمجھتا ہے۔ میں نے بہت گہرے مشاہدہ باطن سے کام لیا ہے، اپنے نفس کو اچھی طرح ٹٹولا ہے اور ہر نفسیاتی حالت کی تحلیل کی ہے لیکن یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں کہ میں جن نتیجوں پر پہنچا ہوں وہ آخری اور قطعی یا خطا سے بری ہیں۔ البتہ اتنا دعویٰ مجھے ضرور ہے کہ میری ذات کے لئے یہ نتیجے بظاہر بالکل صحیح اور فی الحال قطعی ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں ان پر اپنے عمل کی بنیاد نہ رکھتا لیکن میں نے ہمیشہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے غور کر لیا ہے کہ کس نتیجے کو قبول کروں اور کسے رد کروں اور اس کے بعد جو رائے قائم ہوئی اس پر عمل کیا ہے، جہاں تک میری افعال میری عقل اور میرے دل کو مطمئن کر سکیں میرا فرض ہے کہ اپنے پچھلے فیصلوں پر مضبوطی سے قائم رہوں۔

اگر مجھے محض علمی اصولوں پر بحث کرنا ہوتا تو ظاہر ہے کہ مجھے آپ بیتی لکھنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیئے تھی چونکہ میرا مقصد یہ ہے کہ ان اصولوں پر جس طرح مختلف صورتوں میں عمل کیا گیا اس کا حال سناؤں اس لئے میں نے ان چند بابوں کا جو میں لکھ رہا ہوں، یہ نام رکھا ہے "ان تجربوں کی کہانی جو میں نے تلاش حق میں کئے" (1) ظاہر ہے کہ اس میں عدم تشدد، تجرد کی زندگی وغیرہ اخلاقی اصولوں کے تجربے بھی شامل ہیں جنہیں لوگ حق سے جدا سمجھتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک حق اصل اصول ہے۔ جس میں اور بہت سے اصول شامل ہیں۔ یہاں حق سے مراد محض لفظوں کی سچائی نہیں بلکہ خیال کی سچائی بھی ہے اور سچائی بھی ہمارے ادراک کی اعتباری سچائی نہیں بلکہ حق محض۔ جوہر ابدی یعنی خدا کی بے شمار تعریفیں کی گئی ہیں کیونکہ اس کے نور کی تجلیاں بے شمار ہیں۔ ان کے تصور سے مجھ پر رعب اور حیرت طاری ہو جاتی ہے اور میں ایک لمحے کے لئے ان میں محو ہو جاتا ہوں۔ لیکن خدا کی پرستش میں اسے حق محض سمجھ کر کرتا ہوں۔ میں نے اسے اب تک نہیں پایا مگر میں اسے برابر ڈھونڈ رہا ہوں۔ میں اس جستجو کی راہ میں ان سب چیزوں کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوں جو مجھے عزیز ہیں۔ یہاں تک کہ اگر میری جان کی قربانی طلب کی جائے تو انشاء اللہ مجھے اس میں بھی تامل نہ ہو گا۔ لیکن جب تک میری رسائی حق محض تک نہ ہو اس وقت تک مجھے بھی لازم ہے کہ اعتباری حق کا جو تصور میرے ذہن میں ہے اس

Marfat.com

پر مضبوطی سے قائم رہوں۔ اس وقت یہی اعتباری حق میرے لئے شمع ہدایت ہے اور یہی میرا زرہ بکتر۔ اگرچہ یہ راہ کٹھن ہے اور تنگ اور تلوار کی دھار کی طرح تیز مگر میرے لئے یہی سب سے سیدھی اور سہل ثابت ہوئی ہے۔ میری ہمالیہ کے برابر غلطیاں بھی میری نظر میں ہیچ ہیں کیونکہ میں نے اس راہ سے ذرا بھی قدم نہیں ہٹایا۔ اسی راہ نے مجھے اس سفر سے بچایا اور میں اپنے ایمان کی روشنی میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ اکثر مجھے اس سفر میں حق یعنی خدائے برحق کی جھلک نظر آئی اور مجھے روز بروز یقین ہوتا جاتا ہے کہ صرف اس کی ذات حقیقی وجود رکھتی ہے اور سب چیزیں غیر حقیقی ہیں۔ جس کا جی چاہے دیکھے کہ مجھے یہ یقین کیونکر حاصل ہوا ہے۔ آئے اور میرے تجربوں میں شریک ہو اور اگر اس سے ہو سکے تو میرے اس یقین میں بھی اس کے علاوہ مجھے یہ بھی یقین ہوتا جاتا ہے کہ جو چیز میرے لئے ممکن ہے وہ ایک بچے تک کے لئے ممکن ہے اور میرے اس قول کی معقول وجہیں ہیں۔ تلاش حق کی راہیں دشوار بھی ہیں اور آسان بھی، ممکن ہے کہ ایک مغرور آدمی کے لئے ان راہوں پر چلنا ناممکن ہو اور ایک معصوم بچے کے لئے ممکن ہو۔ طالب حق کو خاک راہ سے بھی زیادہ خاکسار ہونا چاہیئے۔ دنیا خاک کو پیروں سے کچلتی ہے لیکن طالب حق کو ایسی عاجزی اختیار کرنا چاہیئے کہ خاک بھی اسے کچل سکے۔ تبھی اس کو حق کی جھلک دکھائی دے گی۔ بے اس کے کبھی نہیں۔ داسشتا اور دشواستر کی گفتگو میں یہ بات خوب ثابت کی گئی ہے۔ عیسائیت اور اسلام بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

جو کچھ میں ان صفحوں میں لکھ رہا ہوں اگر اس میں سے کسی چیز میں پڑھنے والوں کو غرور کا شائبہ بھی نظر آئے تو انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ میری تلاش میں کوئی کھوٹ ہے اور جو جھلک مجھے نظر آیا کرتی ہے وہ محض ایک سراب ہے۔ چاہے مجھ جیسے سینکڑوں کی شہرت خاک میں مل جائے مگر حق کا بول بالا رہے۔ مجھ جیسے فانی انسانوں کے اعمال کا محاسبہ کرنے میں آپ کو حق کے معیار سے بال برابر بھی نہیں ہٹنا چاہیئے۔

مجھے امید ہے کہ کوئی شخص ان نصیحتوں کو جو آئندہ بابوں میں جابجا کی جائیں گی۔ محض میرے قول یا فعل کی سند پر قبول نہ کرے گا اور میری دعا ہے کہ کوئی ایسا نہ کرے۔ جن تجربوں کا میں نے ذکر کیا ہے انہیں مثال کے طور پر سمجھنا چاہیئے اور ان کی روشنی میں ہر شخص کو اپنی خواہش اور اپنی استعداد کے مطابق خود تجربے کرنا چاہئے۔ انشاء اللہ یہ تھوڑی سی مدد میرے تجربوں سے لوگوں کو ضروری ملے گی کیونکہ میں کسی ناگوار بات کو جس کا بیان کرنا ضروری ہے نہ تو چھپاؤں اور نہ گھٹا کر بیان کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں پڑھنے والوں کو اپنے سارے عیبوں اور ساری خطاؤں سے آگاہ کر دوں گا۔ میرا مقصد لوگوں کو یہ بتانا نہیں کہ دیکھو میں کتنا اچھا ہوں بلکہ فن ستیا گرہ کے تجربوں کو بیان کرنا ہے۔ میں اپنے اعمال کا

Marfat.com

محاسبہ کرنے میں حق کی طرح سخت گیر ہونے کی کوشش کروں گا اور یہی میں دوسروں سے چاہتا ہوں، جب میں اپنے آپ کو اس پیمانے پر ناپتا ہوں تو مجھے بے اختیار سور داس کا ہم زبان ہو کر کہنا پڑتا ہے۔

کہاں ہے کوئی ایسا کمبخت
قابل نفرت گنہگار جیسا میں ہوں؟
میں نے چھوڑ دیا اپنے خالق کو
یہ حال ہے میری بیوفائی کا

کیونکہ یہ خیال میرے لئے ہمیشہ سوہان روح رہتا ہے کہ میں اب تک اپنے خدا سے اتنا دور ہوں جو مجھے خوب معلوم ہے۔ میری زندگی کے ہر سانس کا مالک و مختار ہے، جس کے دریا کا میں ایک قطرہ ہوں مجھے معلوم ہے کہ یہ میری ہوائے نفس ہی ہے جو مجھے اس سے دور رکھتی ہے۔ لیکن پھر بھی مجھ سے یہ نہیں ہوتا کہ اس سے دامن چھڑا لوں۔

اب یہ تمہید مجھے ختم کر دینا چاہیئے۔ اصل کہانی آئندہ باب میں شروع ہوگی۔

م۔ ک۔ گاندھی
سابرمتی آشرم
26۔ نومبر 1925ء

Marfat.com

حوالہ جات

1 - انگریزی میں حبی کا ترجمہ خدا ترس کرنا چاہیئے مگر مہاتما جی جب اردو میں گفتگو کرتے ہیں تو قطعی پرہیز گار کی جگہ یا خدا کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس لئے ہم نے بھی یہی لفظ رکھا۔

2 - ہفتہ میں ایک دن دو شنبہ کو مہاتما جی کسی سے بات نہیں کرتے اور یہ دن ینگ انڈیا اور نوجیوں کے لئے مضمون لکھنے میں صرف کرتے ہیں (ع)

3 - لفظی معنی پیدائش اور موت سے چھٹکارا (م) اردو میں نجات ابدی کہہ سکتے ہیں (ع)، (م) سے مراد ہیں مہادیو ڈیسائی جنہوں نے اس کا گجراتی سے انگریزی میں ترجمہ کیا اور (ع) سے مترجم اردو مراد ہے۔

4 - ہم نے اختصار کے خیال سے اردو ترجمے کا نام "تلاش حق" رکھا ہے (ع)

Marfat.com

تلاشِ حق

حصہ اول

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب

پیدائش اور نسب

گاندھی خاندان کے لوگ ذات کے بنیے ہیں اور ابتدا میں پنساری کی دکان کرتے تھے لیکن تین پشتوں سے یعنی میرے دادا کے وقت سے وہ کاٹھیاوار کی مختلف ریاستوں میں دیوان رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے میرے دادا اتم چند گاندھی عرف اوتا گاندھی اپنے اصول کے بڑے پکے تھے۔ ریاست کی سازشوں سے مجبور ہو کر انہیں پوربندر سے جہاں وہ دیوان تھے جونا گڑھ جانا پڑا۔ وہاں انہوں نے نواب صاحب کو بائیں ہاتھ سے سلام کیا۔ کسی شخص کی نظر اس حرکت پر پڑ گئی جو بظاہر بے ادبی معلوم ہوتی تھی اُس نے اس کی وجہ پوچھی تو میرے دادا نے کہا "سیدھا ہاتھ پوربندر کے راجہ کی خدمت کا پابند ہو چکا ہے۔" اوتا گاندھی کی پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے دوسری شادی کی۔ پہلی بیوی سے ان کے چار لڑکے تھے اور دوسری سے دو لڑکے جہاں تک مجھے یاد ہے بچپن میں مجھے کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ اوتا گاندھی کے یہ سب لڑکے ایک ماں سے نہیں ہیں۔ ان چھ بھائیوں میں تلسی داس گاندھی سب سے چھوٹے تھے اور ان سے بڑے کرم چند گاندھی عرف، کبا گاندھی تھے۔ یہ دونوں بھائی آگے پیچھے پوربندر کے دیوان رہے۔ کبا گاندھی میرے والد تھے، وہ راجستانی عدالت کے رکن بھی تھے۔ یہ عدالت اب ٹوٹ گئی ہے مگر ان دنوں والیان ریاست اور ان کی برادری والوں کے باہمی جھگڑوں کو نبٹانے کے لئے یہ ایک بڑی بااثر جماعت تھی۔ کبا گاندھی کچھ دن راجکوٹ میں دیوان رہے اور اس کے بعد دنکانیر میں بھی۔ جب ان کا انتقال ہوا اس زمانے میں وہ ریاست راجکوٹ سے پنشن پاتے تھے۔

انہوں نے یکے بعد دیگرے چار شادیاں کیں کیونکہ اُن کی تین بیویاں ایک ایک کر کے مر گئیں۔ ان کی پہلی اور دوسری بیوی سے دو لڑکیاں ہوئیں چوتھی بیوی سے ایک لڑکی اور تین لڑکے

Marfat.com

ہوئے جن میں سب سے چھوٹا میں ہوں۔

میرے والد اپنی برادری کے بڑے خیر خواہ اور بہادر اور فیاض آدمی تھے لیکن نازک مزاج بھی بہت تھے۔ شاید وہ کسی حد تک جسمانی لذتوں کے دلدادہ تھے۔ کیونکہ چالیس برس سے زیادہ کی عمر میں انہوں نے چوتھی شادی کی۔ لیکن وہ کبھی رشوت نہیں لیتے تھے اور اپنوں اور بیگانوں میں ان کی منصف مزاجی کی دھوم تھی۔ ریاست کے ساتھ ان کی وفاداری مشہور تھی۔ کسی اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ نے ان کے سردار ٹھاکر صاحب راجکوٹ کا ذکر توہین آمیز الفاظ میں کیا تو انہوں نے کہا کہ معافی مانگو۔ کیا گاندھی نے صاف انکار کیا۔ اس لئے وہ چند گھنٹے تک حراست میں رکھے گئے۔ لیکن جب ایجنٹ نے ان کی ثابت قدمی دیکھی تو اسے رہائی کا حکم دینا پڑا

میرے والد کو دولت جمع کرنے کی ہوس نہ تھی۔ انہوں نے ہمارے لئے بہت کم جائیداد ترکے میں چھوڑی۔ انہوں نے سوائے تجربے کے مدرسے سے کہیں تعلیم نہیں پائی۔ زیادہ سے زیادہ ان کی لیاقت گجراتی کے پانچویں درجے کے برابر ہوگی۔ تاریخ اور جغرافیہ سے وہ بالکل ناواقف تھے۔ لیکن عملی کاموں میں بہت وسیع تجربے رکھتے تھے جس سے انہیں بڑی بڑی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے اور سینکڑوں آدمیوں سے نبٹنے میں بہت مدد ملتی تھی ان کی مذہبی تعلیم بہت کم تھی لیکن ان میں وہ دینداری موجود تھی جو مندروں میں آنے جانے اور مذہبی تقریروں کے سننے سے بہت سے ہندوؤں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ آخر عمر میں وہ ایک عالم برہمن کے کہنے سے جو ہمارے خاندان کے دوست تھے بھگوت گیتا کی تلاوت کرنے لگے تھے اور پوجا کے وقت اس کے چند شلوک زور سے پڑھا کرتے تھے۔

والدہ صاحبہ کے متعلق میرے حافظہ میں سب سے گہرا نقش ان کی عبادت اور پرہیز گاری کا ہے۔ وہ بڑی پکی دیندار تھیں ناممکن تھا کہ وہ کبھی ان دعاؤں کے جو وہ روز پڑھا کرتی تھیں، کھانا کھالیں۔ "حویلی" یعنی وشنو مندر میں جانا ان کے روزانہ فرائض میں داخل تھا۔ جہاں تک میری راد کار کرتی ہے انہوں نے کبھی "چترماس" (1) قضا نہیں کیا۔ وہ سخت سے سخت ریاضتوں کی نذر مان لیتی تھیں اور اسے انتہائی ثابت قدمی سے پورا کرتی تھیں۔ بیماری کے سبب سے وہ کبھی اس میں ڈھیل نہیں ڈالتی تھیں۔ بیمار ہونا ان کے لئے کوئی عذر نہ تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار وہ "چندریانا" (2) کی نذر ماننے کے بعد بیمار ہو گئیں مگر انہوں نے اپنی نذر میں خلل نہ پڑنے دیا۔ دو تین دن روزے پر روزہ رکھنا ان کے نزدیک کوئی بات نہ تھی۔ "چترماس" میں دن میں صرف ایک وقت کھانا ان کی عادت میں داخل تھا۔ ایک "چترماس" میں انہیں اس سے تسکین نہ ہوئی تو انہوں نے ایک دن پورا روزہ رکھنے کی نذر

Marfat.com

مان لی۔ ایک بار اسی زمانے میں انہوں نے یہ نذر مانی کہ جب تک سورج نہ دیکھ لوں گی کھانا نہیں کھاؤں گی ہم سب بچے ان دنوں آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھے اس انتظار میں کھڑے رہتے تھے کہ سورج نکلتے دیکھیں تو والدہ کو خبر کر دیں۔ سب جانتے ہیں کہ جب برسات کا موسم شباب پر ہوتا ہے تو سورج اکثر بے التفائی سے منہ چھپالیتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ کئی بار ایسا ہوا کہ یک بیک سورج کو بادلوں سے نکلتے دیکھ کر ہم لوگوں نے دوڑ کر انہیں خبر دی۔ وہ دوڑی ہوئی آئیں کہ اپنی آنکھ سے دیکھیں مگر اتنی دیر میں سیماب وش سورج غائب ہو گیا اور انہیں کھانا نصیب نہ ہوا۔ مگر وہ ہمیشہ خندہ پیشانی سے یہی کہتی تھیں "کوئی ہرج کی بات نہیں خدا کی مرضی نہ تھی کہ میں آج کھانا کھاؤں۔" اور جا کر روزمرہ کے دھندوں میں مصروف ہو جاتی تھیں۔

میری والدہ بڑی سمجھ دار تھیں۔ انہیں ریاست کے معاملوں کے متعلق اچھی معلومات تھی اور محل کی خواتین ان کی ذہانت کو بہت مانتی تھیں۔ میں اکثر بچپن کے حقوق سے فائدہ اٹھا کر ان کے ساتھ محل میں جایا کرتا تھا اور مجھے اب تک یاد ہے کہ ان سے اور ٹھاکر صاحب کی والدہ سے بارہا خوب بحثیں ہوئیں۔

میں ان ماں باپ کے گھر میں 2 اکتوبر 1869ء کو بہ مقام پوربندر جسے سدامیری بھی کہتے ہیں پیدا ہوا۔ میرا بچپن کا زمانہ پوربندر ہی میں گزرا۔ مجھے یاد ہے کہ میں مدرسے میں بٹھایا گیا تھا۔ مجھے پہاڑے یاد کرنے میں کسی قدر دقت ہوئی مجھے اس زمانے کے متعلق اس سے زیادہ کچھ یاد نہیں کہ میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ اپنے استاد کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔ اس سے ظاہر کہ میرا ذہن کند تھا اور عاقلہ کمزور۔

حوالہ جات

1- لفظی معنی چار مہینے کا زمانہ اس نذر کو کہتے ہیں جس کی رو سے برسات کے چار مہینوں میں برابر پورے آدھے روزے رکھے جاتے ہیں (م)

2- ایک طرح کا روزہ جس میں کھانے کی مقدار چاند کے گھٹنے بڑھنے کے حساب سے گھٹتی بڑھتی ہے (م)

Marfat.com

87154

Marfat.com

دوسراباب

بچپن

میری عمر سات برس کی ہوگی کہ میرے والد راجستانی عدالت کے رکن ہو کر پور بندر سے راجکوٹ گئے۔ وہاں میں ایک ابتدائی مدرسے میں داخل کیا گیا۔ مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہیں اور استادوں کے نام اور ان کی بہت سی باتیں بھی ذہن میں محفوظ ہیں۔ پور بندر کی طرح یہاں بھی میری پڑھائی کے متعلق کوئی بات قابل ذکر نہیں۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ میں معمولی سا طالب علم تھا۔ اس مدرسے سے میں مضافات کے ایک اسکول اور وہاں سے بارہ برس کی عمر میں ہائی اسکول گیا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اس قلیل عرصے میں میں نے کبھی اپنے استادوں سے اپنے ہم مکتبوں سے جھوٹ نہیں بولا۔ میں بہت شرمیلا تھا اور کسی سے ملتا جلتا نہ تھا۔ سو میری کتابوں اور میرے کام کے کوئی میرا رفیق نہ تھا۔ گھنٹہ بجتے ہی اسکول پہنچ جانا اور چھٹی ہوتے ہی گھر بھاگنا میرا روزمرہ کا معمول تھا۔ میں سچ مچ بھاگتا ہوا جاتا تھا کیونکہ مجھے کسی سے بات کرنے کی تاب نہ تھی۔ یہ بھی خوف رہتا تھا کہ کوئی میری ہنسی نہ اڑائے۔

ہائی اسکول میں پہلے سال امتحان کے موقعہ پر ایک واقعہ پیش آیا جو قابل ذکر ہے۔ مسٹر جائیس انسپکٹر اسکول معائنے کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے ہمیں ہجے کی مشق کے لئے پانچ لفظ لکھوائے ان میں سے ایک لفظ (cristle) (1) تھا۔ میں نے اس کے ہجے غلط لکھے۔ استاد نے مجھے اپنے بوٹ کی نوک سے ٹھکرا کر آگاہ کرنا چاہا مگر میں باخبر نہ ہوا۔ یہ بات کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آسکتی تھی کہ وہ چاہتے ہیں میں اپنے ساتھی کی سلیٹ سے ہجے نقل کرلوں کیونکہ میرے خیال میں استاد وہاں تھے ہی اس لئے کہ ہمیں نقل نہ کرنے دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرے سوا سب لڑکوں کے یہاں ہر لفظ کے ہجے صحیح نکلے۔ ایک میں ہی بیوقوف ثابت ہوا۔ بعد میں استاد نے مجھے میری یہ بیوقوفی سمجھانا چاہی مگر مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ مجھے نقل کرنے کا فن کبھی نہ آیا۔

تاہم استاد کی جو عزت میرے دل میں تھی اس میں اس واقعے سے کوئی فرق نہ آیا۔ مجھ میں یہ قدرتی بات تھی کہ بڑوں کی برائی نظر نہ آتی تھی۔ آگے چل کر مجھے ان استاد کی اور کمزوریاں بھی معلوم ہوئیں مگر میں اسی طرح ان کا ادب کرتا رہا کیونکہ میں نے بڑوں کی فرمانبرداری سیکھی تھی۔ ان کے کاموں پر نکتہ

Marfat.com

چینی کرنا نہیں سیکھا تھا۔

اس زمانے کے دو اور واقعات میرے حافظے میں ہمیشہ نقش رہے عام طور سے سوائے اسکول کی کتابوں کے اور کسی کتاب میں میرا جی نہ لگتا تھا۔ مجھے اپنا روزانہ سبق چار و ناچار یاد کرنا پڑتا تھا۔ مجھے استاد کی خفگی بڑی لگتی تھی اور انہیں دھوکا دینا بھی پسند نہ تھا اس لئے میں سبق یاد تو کر لیتا تھا لیکن بے دلی سے۔ غرض جب سبق ہی جیسا چاہیئے یاد نہ ہوتا تھا تو اور کتابوں کے پڑھنے کا ذکر کیا ہے مگر خدا جانے کیونکر میری نظر ایک کتاب پر پڑی جو میرے والد نے خریدی تھی۔ یہ شرون پتری بھگتی ناٹک (شرون کے احترام والدین کا ناٹک) تھا، میں نے اسے بیحد شوق سے پڑھا۔ اس زمانے میں ہمارے یہاں سفری ناٹک والے آئے۔ میں نے جو سین دیکھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ شرون اپنے کندھوں پر ایک بہنگی رکھے اپنے اندھے ماں باپ کو جاترا کے لئے لے جا رہا ہے۔ یہ کتاب اور یہ منظر میرے دل پر ایسے نقش ہو گئے کہ مٹائے نہ مٹے۔ میں نے اپنے دل میں کہا دیکھ یہ مثال ہے جس کی تجھے تقلید کرنا چاہیئے۔ شرون کے مرنے پر اس کے والدین نے جو دردناک بین کئے تھے ان کی یاد بھی میرے دل میں اب تک تازہ ہے اس دلگداز لے نے مجھے تڑپا دیا اور میں اسے اپنے ارگن باجے پر جو مجھے میرے والد نے خرید دیا تھا بجایا کرتا تھا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ ایک اور ناٹک کا ہے۔ اسی زمانے میں اپنے والد کی اجازت سے میں ایک ناٹک کی کمپنی کا تماشا دیکھنے گیا۔ اس تماشے "ہرش چندر" نے میرے دل کو موہ لیا۔ میں اسے بار بار دیکھتا تھا اور نہ تھکتا تھا۔ مگر آخر مجھے کہاں تک جانے کی اجازت ملا کرتی؟ یہ تماشا میرے جی میں بس گیا تھا اور خدا جانے کتنی بار میں نے دل ہی دل میں ہریشچندر کا پارٹ کیا ہو گا "سب لوگ ہریشچندر کی طرح سچے کیوں نہ ہو جائیں؟" یہ سوال میں اپنے دل میں دن رات کیا کرتا۔ حق کی پیروی کرنا اور وہ سب کچھ سہنا جو ہریش چندر نے سہا تھا۔ بس یہی ایک نصب العین تھا جس کی لگن اس تماشے نے میرے دل کو لگا دی تھی۔ میں ہریشچندر کے قصے کو لفظ بہ لفظ سچ سمجھتا تھا۔ اس کا خیال کر کے میں رونے لگتا تھا۔ آج میری عقل مجھ سے کہتی ہے کہ ہریشچندر کوئی تاریخی شخص نہیں ہو سکتا۔ مگر میرے لئے ہریشچندر اور شرون دونوں جیتی جاگتی حقیقت ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اگر میں اب ان ناٹکوں کو پھر پڑھوں تو مجھ پر اتنا ہی اثر ہو جتنا پہلے ہوا تھا۔

حوالہ

1 - انگریزی میں کتبلی کو کہتے ہیں (ع)

Marfat.com

تیسرا باب

بچپنے کی شادی

میرا بہت جی چاہتا ہے کہ مجھے یہ باب لکھنا نہ پڑے لیکن میں جانتا ہوں کہ اس کہانی کے دوران میں مجھے بہت سے ایسے تلخ گھونٹ پینا ہیں اور اگر مجھے حق کی پرستاری کا دعویٰ ہے تو سوا اس کے چارہ بھی نہیں۔ میرا دردناک فرض ہے کہ اپنی شادی کا بیان کروں جو تیرہ برس کی عمر میں ہوئی تھی۔ جب میں اس عمر کے لڑکوں کو دیکھتا ہوں جو میری نگرانی میں ہیں تو مجھے اپنے اوپر افسوس ہوتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ انہیں مبارکباد دوں کہ وہ اس مصیبت سے محفوظ رہے ہیں جو مجھ پر پڑی تھی مجھے اتنی کمسنی کی شادی کے لئے کوئی اخلاقی دلیل نظر نہیں آتی۔

کہیں اس کتاب کے پڑھنے والوں کو غلط فہمی نہ ہو۔ میری منگنی نہیں بلکہ شادی ہوئی تھی۔ کاٹھیا وار میں منگنی اور شادی دو الگ الگ رسمیں ہیں۔ منگنی اسے کہتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکی کے والدین ان کی شادی کا وعدہ کر لیں اور یہ ہونے کے بعد چھٹ بھی سکتی ہے۔ منگنی کے بعد لڑکا مر جائے تو لڑکی بیوہ نہیں ہوتی۔ یہ معاہدہ دونوں کے والدین آپس میں کر لیتے ہیں، لڑکے لڑکی کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے اکثر انہیں اس کی اطلاع تک نہیں دی جاتی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ میری منگنی تین بار ہوئی حالانکہ مجھے مطلق خبر نہیں کہ یہ کب ہوا۔ مجھ سے صرف اتنا کہا گیا کہ دو لڑکیاں جو میرے لئے پسند کی گئی تھیں مر گئیں۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ میری نسبت تین بار ہوئی۔ مجھے کچھ خفیف سا یاد ہے کہ میری تیسری منگنی اس وقت ہوئی جب میں ساتویں سال میں قدم رکھ چکا تھا۔ مگر جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے۔ کسی نے مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اس باب میں اپنی شادی کا ذکر کر رہا ہوں جو مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے۔

آپ کو یاد ہو گا کہ میرے دو بھائی تھے۔ بڑے بھائی کی شادی پہلے ہی ہو چکی تھی اب بزرگوں نے

Marfat.com

یہ فیصلہ کیا کہ میرے منجھلے بھائی کا جو مجھ سے دو تین سال بڑے تھے میرے ایک رشتے کے بھائی کا جو شاید ایک سال بڑے تھے اور میرا بیاہ ساتھ ساتھ کر دیا جائے۔ اس فیصلہ میں ہماری بہتری کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا اور ہماری مرضی کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ انہیں تو محض اپنی آسانی اور کفایت سے بحث تھی۔

ہندوؤں کے یہاں شادی کوئی کھیل نہیں ہے۔ اکثر دولہا اور دلہن کے والدین اس میں تباہ ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنا دھن دولت برباد کرتے ہیں۔ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ مہینوں تیاری ہوا کرتی ہے۔ کپڑے اور زیور بنائے جاتے ہیں۔ دعوتوں کے خرچ کا حساب لگایا جاتا ہے۔ ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اتنے بہت سے اور اتنے قسم کے کھانے پکوائے کہ اوروں سے بڑھ جائے۔ عورتیں چاہے ان کی آواز اچھی ہو یا نہ ہو، اتنا گاتی ہیں کہ ان کا گلا بیٹھ جاتا ہے اور ہمسایوں کی جان عذاب میں پڑ جاتی ہے لیکن یہ لوگ چپ چاپ سارا شور و غل برداشت کرتے ہیں۔ ان کے گھروں میں دعوت کا بچا کھچا سڑا گلا کھانا پھینکا جاتا ہے اور وہ دم نہیں مارتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ایک دن خود انہیں بھی یہی حرکتیں کرنا ہیں۔

میرے بزرگوں نے سوچا بہتر یہ ہے کہ یہ سارا بکھیڑا ایک ہی مرتبہ ہو جائے اس میں خرچ کم ہے اور شہرت زیادہ۔ کیونکہ اگر تین بار خرچ کرنے کے بجائے ایک خرچ کرنا ہو تو آدمی خوب جی کھول کر کر سکتا ہے۔ میرے باپ اور چچا دونوں بوڑھے تھے اور ہم تینوں کے سوا انہیں کسی اور بچے کی شادی کرنا باقی نہ تھا۔ غالباً وہ چاہتے تھے کہ اپنی زندگی کی آخری رنگ رلیاں منالیں۔ ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اکٹھی تین شادیوں کا فیصلہ کیا گیا اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں مہینوں تیاری ہوتی ہے۔

ہمیں ان تیاریوں سے آنے والی تقریب کی خبر ہوئی۔ میرے نزدیک اس کی اہمیت بس اتنی تھی کہ اچھے اچھے کپڑے پہننے میں آئیں گے۔ ڈھول بجے گی، بارات نکلے گی، عمدہ عمدہ کھانے پکیں گے اور ایک اجنبی لڑکی ساتھ کھیلنے کو ملے گی۔ شہوانی خواہش آگے چل کر پیدا ہوئی۔ میں اپنی اس شرمناک حالت پر پردہ ڈالنا مناسب سمجھتا ہوں۔ البتہ دو ایک باتیں جن کا بیان کرنا ضروری ہے آگے چل کر بیان کروں گا۔ لیکن یہاں ان باتوں سے اصل مدعا سے کوئی تعلق نہیں۔

غرض مجھ کو اور میرے بھائی کو لوگ راجکوٹ سے پوربندر لے گئے۔ آخری ناٹک سے پہلے جو ابتدائی تماشے ہوئے۔ ان میں بعض باتیں دلچسپ ہیں مثلاً ہمارے سارے جسم پر پانی میں پسی ہوئی ہلدی کا ملا جانا لیکن انہیں نظرانداز کرنا پڑے گا۔

Marfat.com

میرے والد دیوان سہی مگر پھر بھی نوکر تھے اور چونکہ ان پر ٹھاکر صاحب کی خاص نظر عنایت تھی اس لئے ان کی نوکری اور بھی سخت تھی، ٹھاکر صاحب نے انہیں آخر وقت تک جانے نہیں دیا۔ پھر جب اجازت دی تو ان کے لئے گاڑیوں کی ڈاک بٹھادی کہ سفر میں دو دن کم لگیں مگر تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ پوربندر سے راجکوٹ ایک سو بیس میل ہے۔ بیل گاڑی میں پانچ دن کا سفر ہے میرے والد نے یہ راہ تین دن میں طے کی۔ لیکن تیسری منزل میں گاڑی الٹ گئی اور انہیں بہت سخت چوٹ آئی۔ جب وہ آئے تو ان کے سارے جسم پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ انہیں اور ہم سب کو شادی کی جو خوشی تھی وہ آدھی رہ گئی۔ مگر رسم تو پوری کرنا ہی پڑی کیونکہ بھلا شادی کی تاریخ کیسے ٹل سکتی تھی؟ شادی کی طفلانہ دلچسپیوں میں میں اپنے والد کے زخمی ہونے کا رنج بھول بھال گیا۔

مجھے اپنے والدین سے بڑی محبت تھی اور دل و جان سے ان کی اطاعت کرتا تھا مگر اسی کے ساتھ نفسانی خواہشوں کا بندہ بھی تھا۔ ابھی میں نے یہ نہیں سیکھا تھا کہ مجھے اپنے والدین کی بندگی اور خدمت کی خاطر اپنی راحت و مسرت قربان کر دینا چاہیئے مگر ایک واقعہ جسے میری لذت پرستی کی سزا سمجھنا چاہیئے ایسا ہوا جس کی چبھن میرے دل سے آج تک نہیں گئی۔ اسے میں آگے چل کر بیان کروں گا۔ نشکل آنند کا ایک دوہا ہے "دنیا کی چیزوں کا ترک بغیر خواہشوں کے ترک کے کاغذ کی ناؤ ہے، تھوڑی دیر سے زیادہ نہیں چلتی، تم لاکھ کوشش کرو" میں جب کبھی اسے گاتا ہوں یا دوسروں کو گاتے سنتا ہوں تو یہ ناگوار تلخ واقعہ یاد آجاتا ہے اور میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔

میرے والد کو بہت چوٹ آئی تھی مگر انہوں نے ہمت اور ضبط سے کام لے کر ظاہر نہ ہونے دیا اور شادی میں پورا حصہ لیا۔ آج بھی میں اس زمانے کو یاد کرتا ہوں تو میری آنکھوں کے سامنے ان جگہوں کی تصویر پھرتی ہے جہاں بیٹھ کر انہوں نے شادی کی مختلف رسمیں انجام دیں۔ اس وقت مجھے شان و گمان بھی نہ تھا کہ ایک دن اپنے والد پر سختی سے نکتہ چینی کروں گا کہ انہوں نے میری شادی بچپن میں کر دی۔ اس روز تو مجھے ہر چیز درست اور بجا اور بھلی معلوم ہوتی تھی، آج بھی وہ سماں میری نظر میں ہے! ہمارا شادی کی چوکی پر بیٹھنا "اسپتبد" (1) کی رسم ادا کرنا دولہا دلہن کا ایک دوسرے کو میٹھا کنسار (2) کھلانا اور پھر ہم دونوں کی خلوت۔ آہ وہ پہلی رات! دو معصوم بچے بے جانے بوجھے زندگی کے سمندر میں کود پڑے۔ میری بھاوج نے مجھے اچھی طرح سکھا دیا تھا کہ مجھے پہلی رات کیا کرنا چاہئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میری بیوی کو کس نے سکھایا تھا۔ میں نے اس سے اس بارے میں کبھی کچھ نہیں پوچھا اور نہ اب پوچھنے کو جی چاہتا ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے سامنے جاتے ہوئے کس

Marfat.com

قدر جھجکتے تھے۔ ہماری شرم حد سے بڑھی ہوئی تھی میں دل میں سوچتا تھا کہ میں اپنی بیوی سے کیسے باتیں کروں گا،اور کیا کہوں گا۔ جو کچھ مجھے سکھایا گیا تھا اس سے کہاں تک کام چلتا۔ مگر سچ پوچھئے تو ان باتوں میں سکھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے پہلے جنم کے نقش اس قدر قوی ہیں کہ سکھانا پڑھانا بالکل فضول ہے۔ رفتہ رفتہ ہم ایک دوسرے سے واقف ہو گئے۔ بے تکلف بات چیت کرنے لگے۔ ہم دونوں کم سن تھے مگر میں نے بہت جلد شوہرانہ حکومت سے کام لینا شروع کر دیا۔

حوالہ جات

1- استبدی سے مراد ہے، ہندو دولہا دلہن کا مل کر سات قدم چلنا اور چلنے میں ایک دوسرے سے محبت اور وفاداری کا عہد و پیمان کرنا۔ جس کے بعد دونوں کا عقد کبھی نہیں ٹوٹ سکتا

2- کلر گیہوں سے بنتا ہے۔ عقد کے بعد اسے دولہا دلہن ساتھ کھاتے ہیں۔

Marfat.com

چوتھا باب

شوہری کے ٹھاٹھ

جب میری شادی ہوئی اس زمانے میں چھوٹے چھوٹے رسالے ایک پیسہ یا ایک پائی کو (مجھے ٹھیک یاد نہیں) بکا کرتے تھے جن میں بیوی میاں کی محبت کفایت شعاری بچپن کی شادی اور اسی قسم کی اور باتوں پر بحث ہوتی تھی۔ جب مجھے کوئی اس قسم کا رسالہ ملتا تھا تو میں اسے شروع سے آخر تک پڑھتا تھا اور میری عادت تھی کہ جو بات پسند نہ آتی اسے بھول جاتا اور جو پسند آتی اس پر عمل کرتا ان رسالوں میں شوہر کا یہ فرض بتایا گیا تھا کہ عمر بھر بیوی کا وفادار رہے اور یہ بات ہمیشہ کے لئے میرے دل پر نقش ہو گئی۔ اس کے علاوہ حق کا عشق میرے خمیر میں تھا اور یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ میں اپنی بیوی کو دھوکا دوں۔ پھر اس چھوٹی سی عمر میں مجھے بے وفائی کا موقع ملنا بھی مشکل تھا۔

مگر اس وفاداری کے سبق کا ایک برا نتیجہ بھی ہوا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میں اپنی بیوی سے وفاداری کرنے کا پابند ہوں تو انہیں بھی اس کا پابند ہونا چاہیئے کہ مجھ سے وفاداری کریں۔ اس خیال نے مجھے بدگمان شوہر بنا دیا۔

وفاداری کرنا ان کا فرض تھا مگر میں نے اسے اپنا حق بنا لیا کہ ان سے وفاداری کا مطالبہ کروں اور اس مطالبے کو پورا کرانے کے لئے ہر وقت چوکسی رکھنا ضروری سمجھا۔ مجھے اپنی بیوی کی پاکدامنی پر شبہ کرنے کی مطلق کوئی وجہ نہ تھی لیکن بدگمانی وجہ اور سبب کی پابند نہیں۔ میں ہمیشہ ان کی حرکات و سکنات کی نگرانی کرنے لگا تھا۔ اس لئے وہ بغیر میری اجازت کے کہیں جا نہیں سکتی تھیں۔ اس نے ہمارے آپس میں سخت نزاع کا بیج بو دیا۔ میری نگرانی اصل میں ایک طرح کی قید تھی اور کستورا بائی وہ لڑکی نہ تھی جو ان چیزوں کو چپ چاپ برداشت کر لے۔ انہوں نے ادبدا کر کہنا شروع کیا جس وقت جی چاہا چلی گئیں۔ میں نے زیادہ سختی کی تو انہوں نے اور بے باکی سے کام لیا اور میری جھنجھلاہٹ اور بڑھ گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دونوں شادی شدہ بچے اکثر ایک دوسرے سے بول چال ترک کر دیتے تھے، یچ

Marfat.com

پوچھئے تو میری بندشوں کی خلاف ورزی کرنے میں کستورابائی پر کوئی الزام نہیں آتا۔ بھلا ایک صاف دل لڑکی یہ کیونکر گوارا کر سکتی تھی کہ اس کے مندر جانے یا ہمجولیوں سے ملنے جلنے پر روک ٹوک کی جائے۔ اگر مجھے ان پر بندشیں عائد کرنے کا حق تھا تو کیا انہیں اس کا حق نہ تھا؟ آج میں یہ سب باتیں اچھی طرح سمجھتا ہوں مگر اس زمانے میں تو مجھے شوہرانہ اختیارات برتنے کا خبط تھا۔

مگر یہ نہ سمجھئے گا کہ ہماری زندگی میں سوائے تلخی اور ناکامی کے کچھ نہ تھا میری سختیوں کی بنیاد آخر محبت ہی تو تھی۔ میں اپنی بیوی کو زبردستی زوجیت کا مکمل نمونہ بنانا چاہتا تھا۔ میں انہیں اس پر مجبور کرنا چاہتا تھا کہ عفت کی زندگی بسر کریں۔ جو میں سیکھوں وہ بھی سیکھیں اور اپنی زندگی کو میری زندگی میں اپنے خیالات کو میرے خیالات میں ضم کر دیں۔

مجھے معلوم نہیں کہ کستورابائی کی بھی یہ آرزو تھی یا نہیں۔ وہ ان پڑھ تھیں ان کے مزاج میں خلقی طور پر سادگی، خودداری، استقلال اور کم سخنی تھی یا کم سے کم مجھ سے وہ زیادہ گفتگو نہیں کرتی تھیں۔ انہیں اپنی جہالت کا کوئی غم نہ تھا اور جہاں تک مجھے یاد ہے کبھی انہیں میری دیکھا دیکھی پڑھنے لکھنے کا شوق نہیں ہوا۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ میرے حوصلے یک طرفہ تھے۔ میرے سارے جوش الفت کا مرکز یہی ایک عورت تھی اور میں چاہتا تھا کہ ادھر سے بھی ایسی ہی محبت کا اظہار ہو۔ جانبین سے گرم جوشی نہ سہی پھر بھی ہمارے تعلقات سراسر رنج و کلفت پر مبنی نہ تھے کیونکہ کم سے کم ایک طرف سے تو بے قراری محبت تھی۔

مجھے اعتراف ہے کہ میں ان پر دل و جان سے فریفتہ تھا اسکول میں بھی انہیں کے خیال میں محو رہتا تھا اور آنے والی رات اور خلوت کا تصور ہر وقت میرے دل و دماغ پر مسلط رہتا تھا۔ ان کی جدائی ناقابل برداشت تھی۔ رات کو میں بڑی دیر تک فضول باتیں کر کے ان کی نیند حرام کر دیتا تھا۔ اگر اس جوش جنون کے ساتھ ساتھ میرے دل میں فرض شناسی کی لگن نہ ہوتی تو یا تو میں بیماریوں میں مبتلا ہو کر قبل از وقت موت کا شکار ہو جاتا یا میری زندگی ایسی ہو جاتی جس سے موت بہتر ہے مگر روزمرہ کے فرائض ادا کرنا ضروری تھا اور یہ مجھ سے ناممکن تھا کہ جھوٹ بولوں۔ اسی آخری چیز نے مجھے بہت سے گڑھوں میں گرنے سے بچایا۔

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ کستورابائی ان پڑھ تھیں۔ میرا بہت جی چاہتا تھا کہ انہیں پڑھاؤں مگر شہوانی محبت سے فرصت نہ ملتی تھی۔ پھر ایک وقت یہ تھا کہ مجھے ان کی مرضی کے خلاف پڑھانا پڑتا تھا اور وہ بھی رات کے وقت۔ بزرگوں کے سامنے گفتگو تو درکنار میری اتنی مجال نہ تھی کہ انہیں دیکھ بھی

Marfat.com

سکوں۔ ان دنوں کاٹھیاوار میں ایک خاص قسم کا بیکار اور وحشیانہ پردہ رائج تھا اور ایک حد تک اب بھی ہے۔ غرض پڑھائی کے لئے صورت حال ہر طرح ناموافق تھی مجھے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ نوجوانی کے زمانے میں میں نے کستورابائی کو پڑھانے کی جتنی کوششیں کیں وہ زیادہ تر ناکام رہیں۔ جب میں ہوائے نفس کی نیند سے چونکا تو میری قومی خدمت کی زندگی شروع ہو چکی تھی۔ جس سے مجھے بہت کم فرصت ملتی تھی۔ میں نے چاہا کہ اتالیق رکھ کر انہیں پڑھواؤں مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کستورابائی کو سیدھے سادھے خط لکھنے میں اور آسان گجراتی سمجھنے میں بھی دقت ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ محبت جو مجھے ان سے تھی ہوائے نفس سے پاک ہوتی تو وہ آج ایک تعلیم یافتہ خاتون ہوتیں۔ کیونکہ اس صورت میں ان کی بدشوقی دور کرنے میں کامیاب ہو جاتا مجھے معلوم ہے کہ پاک محبت کے آگے کوئی چیز ناممکن نہیں۔

میں نے ایک چیز کا ذکر کیا ہے جس نے مجھے شہوانی محبت کے مہلک نتیجوں سے کم وبیش محفوظ رکھا۔ اس سلسلے میں یہ امر قابل ذکر ہے۔ بہت سی مثالیں دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ جس شخص کی نیت خالص ہو اسے خدا ایک نہ ایک دن ضرور نجات دیتا ہے۔ ہندوؤں میں بچپن کی شادی کی ظالمانہ رسم کے ساتھ ایک اور رسم ہے جس کی وجہ سے اس کے برے نتائج میں ایک حد تک کمی ہو جاتی ہے۔ والدین نوجوان میاں بیوی کو زیادہ دن تک ساتھ نہیں رہنے دیتے۔ کمسن بیوی سال کے آدھے سے زیادہ میکے میں بسر کرتی ہے۔ یہی صورت ہمیں بھی پیش آئی۔ یعنی شادی کے پہلے پانچ سال میں (تیرہ برس سے اٹھارہ برس کی عمر تک) ہم دونوں سب ملا کر تین سال سے زیادہ اکٹھے نہ رہے ہوں گے۔ ہماری یکجائی کو چھ مہینے بھی نہیں ہونے پاتے تھے کہ میری بیوی کے میکے سے بلاوا آ جاتا تھا۔ اس زمانے میں یہ بہت گراں گزرتا تھا۔ لیکن اسی نے ہم دونوں کو بچالیا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں میں انگلستان چلا گیا۔ اس طرح ایک عرصہ کے لئے جدائی ہو گئی اور ہم دونوں کی صحت کے لئے بہت مفید تھی۔ انگلستان سے میری واپسی کے بعد بھی ہم دونوں کے ساتھ چھ مہینے سے زیادہ نہیں رہا کیونکہ مجھے اکثر راجکوٹ سے بمبئی آنا جانا پڑتا تھا اس کے بعد مجھے جنوبی افریقہ سے بلاوا آیا اور وہاں سے واپسی کے بعد میں بڑی حد تک نفسانی خواہشوں سے نجات پا چکا تھا۔

Marfat.com

Marfat.com

پانچواں باب

ہائی اسکول کی تعلیم

میں کہہ چکا ہوں کہ جس زمانے میں میری شادی ہوئی میں اسکول میں پڑھتا تھا۔ ہم تینوں بھائی ایک ہی اسکول میں تھے۔ بڑے بھائی بہت اونچے درجے میں تھے اور جن بھائی کی شادی میری شادی کے ساتھ ساتھ ہوئی وہ مجھ سے صرف ایک درجہ آگے تھے۔ شادی کے سبب سے ہم دونوں کا ایک سال ضائع ہوا۔ بلکہ میرے بھائی کے لئے اس کا نتیجہ اور بھی برا ہوا کیونکہ انہوں نے پڑھنا بالکل چھوڑ ہی دیا۔ خدا جانے کتنے لڑکوں پر یہ مصیبت آتی ہے جوان پر آئی۔ یہ صرف آج کل کی ہندو سماج ہی کا دستور ہے کہ طالب علمی اور شادی کی زندگی ساتھ ساتھ چلتی ہے۔

میری پڑھائی جاری رہی۔ ہائی اسکول میں میں کودن نہیں سمجھا جاتا تھا۔ میرے استادوں کو ہمیشہ مجھ سے محبت رہی۔ تعلیمی ترقی اور چال چلن کے سرٹیفکیٹ ہر سال لڑکوں کے والدین کے پاس بھیجے جایا کرتے تھے مجھے کبھی خراب سرٹیفکیٹ نہیں ملا۔ بلکہ دوسرا درجہ پاس (1) کرنے کے بعد میں نے انعام بھی پائے۔ پانچویں درجے میں مجھے چار روپے کا اور چھٹے میں دس روپے کا وظیفہ ملا۔ اس میں میری قابلیت سے زیادہ میری خوش قسمتی کو دخل تھا کیونکہ وظیفے عام نہ تھے بلکہ کاٹھیاوار کے علاقہ سورٹھ کے لڑکوں میں جو سب سے اچھے طالب علم تھے ان کے لئے مخصوص تھے اور ان پچاس ساٹھ طالب علموں کی جماعت میں سورٹھ کے لڑکے زیادہ نہ ہوں گے۔

مجھے تو یہ یاد پڑتا ہے کہ میرا خیال اپنی قابلیت کے متعلق کچھ اچھا نہ تھا۔ مجھے انعام اور وظیفہ پا کر بہت تعجب ہوا کرتا تھا۔ لیکن اپنے چال چلن کی دیکھ بھال میں بہت سختی سے کیا کرتا تھا۔ اس پر اگر خفیف سا دھبہ بھی آگیا تو میری آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔ جب کبھی میری کوئی حرکت واقعی یا

Marfat.com

استاد کے خیال میں قابل سرزنش ہوتی تو مجھے ایسا دکھ ہوتا تھا کہ میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار مجھے جسمانی سزا دی گئی۔ سزا کی مجھے اتنی پروانہ تھی جتنی اس بات کی کہ میں سزا کا مستحق ٹھہرا۔ میں اس رنج میں بہت رویا یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب میں پہلی یا دوسری جماعت میں تھا۔ ساتویں جماعت میں مجھے اسی قسم کا ایک اور واقعہ پیش آیا۔ ان دنوں دوراب جی ایڈل جیمی ہیڈ ماسٹر تھے وہ ادب قاعدے میں بہت سخت اور اپنے اصول کے بڑے پابند تھے اور پڑھاتے بھی خوب تھے اس لئے لڑکے ان سے خوش رہتے تھے انہوں نے اونچی جماعتوں کے لڑکوں کے لئے کرکٹ اور جمناسٹک کو لازمی کر دیا تھا۔ مجھے دونوں چیزیں ناپسند تھیں۔ میں کسی ورزش یا کرکٹ فٹ بال میں ان کے لازمی ہونے سے پہلے کبھی شریک نہیں ہوا تھا۔ اس علیحدگی کی جس کے نیچا ہونے کا مجھے اب احساس ہے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں چھپتا تھا۔ ان دنوں میں اس خیال خام میں مبتلا تھا کہ جمناسٹک کو تعلیم سے کوئی تعلق نہیں۔ اب مجھ پر روشن ہو گیا ہے کہ نصاب تعلیم میں جسمانی تربیت کا بھی اتنا ہی حصہ ہونا چاہیئے جتنا دماغی تربیت کا۔

مگر ورزش میں شریک نہ ہونے سے میری صحت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے کتابوں میں کھلی ہوا میں ٹہلنے کے فوائد پڑھے تھے اور یہ ہدایت مجھے پسند آ گئی تھی اس لئے میں نے ٹہلنے کی عادت ڈال لی تھی جو اب تک چلی جاتی ہے۔ پابندی سے ٹہلنے کی وجہ سے میرا جسم خاصا مضبوط ہو گیا۔

میں جمناسٹک کو اس لئے ناپسند کرتا تھا کہ مجھے اپنے والد کی تیمار داری کی دل سے خواہش تھی اسکول بند ہوتے ہی میں سیدھا گھر پہنچتا تھا اور ان کی خدمت میں مصروف ہو جاتا تھا لازمی ورزش اس خدمت میں حائل ہونے لگی میں نے جیمی صاحب سے درخواست کی مجھے جمناسٹک سے مستثنیٰ کر دیں تاکہ میں اپنے والد کی تیمار داری کر سکوں مگر انہوں نے کچھ توجہ نہ کی۔ ہر سنیچر کو صبح کا مدرسہ ہوا کرتا تھا۔ ایک سنیچر کو ایسا اتفاق ہوا کہ مجھے سہ پہر کو چار بجے جمناسٹک کرنے گھر اسکول جانا تھا۔ میرے پاس گھڑی نہیں تھی اور بادل کے سبب سے وقت کا اندازہ غلط ہوا۔ جب میں اسکول پہنچا تو دیکھا سب لڑکے جا چکے ہیں۔ دوسرے دن جیمی صاحب نے حاضری کا رجسٹر دیکھا تو مجھے غیر حاضر پایا۔ جب مجھ سے انہوں نے غیر حاضری کا سبب پوچھا تو میں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ انہیں میری بات یقین نہ آئی اور انہوں نے مجھ پر ایک آنہ یا دو آنے (مجھے ٹھیک یاد نہیں) جرمانہ کر دیا۔

مجھ پر جھوٹ کا الزام! اس بات سے مجھے بہت سخت دکھ پہنچا۔ میں اپنی بے گناہی کیسے ثابت

Marfat.com

کرتا؟ کوئی صورت نظر نہ آئی تھی۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ سچے کو چوکس بھی رہنا چاہیئے۔ اسکول میں میری غفلت کی یہ پہلی مثال تھی اور یہی آخری بھی تھی۔ مجھے کچھ دھندلا سا خیال ہے کہ اخیر میں میں نے جرمانہ معاف کرالیا۔

میں ورزش سے مستثنیٰ کر دیا گیا کیونکہ خود میرے والد نے ہیڈ ماسٹر صاحب کو لکھ دیا کہ انہیں مدرسے کے وقت کے بعد گھر پر میری ضرورت ہوتی ہے، ورزش میں غفلت کرنے سے تو مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا لیکن ایک اور غفلت کی سزا میں اب تک بھگت رہا ہوں، خدا جانے میرے دماغ میں یہ خیال کہاں سے آ گیا کہ خط اچھا ہونا تعلیم کا کوئی ضروری جز نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ انگلستان جانے تک میں اس خیال پر قائم رہا۔ آگے چل کر خصوصاً جنوبی افریقہ میں جب میں نے وہاں کے وکیلوں اور خاص وہاں کے رہنے والے نوجوانوں کا خوب صورت خط دیکھا تو مجھے بڑی شرم آئی اور اپنی غفلت پر بہت پچھتایا مجھے معلوم ہو گیا برے خط کو ناقص تعلیم کی علامت سمجھنا چاہیئے۔ میں نے اپنا خط درست کرنے کی کوشش کی لیکن وقت گزر چکا تھا، لڑکپن کی غفلت کی کبھی تلافی نہ ہو سکی۔ ہر نوجوان مرد اور عورت کو میری مثال سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے اور یہ جان لینا چاہیئے کہ اچھا خط تعلیم کا لازمی جزو ہے۔ اب میری رائے یہ ہے کہ بچوں کو لکھنا سکھانے سے پہلے ڈرائنگ سکھانا چاہیئے۔ وہ حرفوں کو مشاہدے سے اچھی طرح پہچانیں جیسے چیزوں مثلاً پھولوں، چڑیوں وغیرہ کو پہچانتے ہیں اور لکھنا اس وقت سیکھیں جب انہیں چیزوں کی تصویر بنانا آ جائے۔ تب ان کا خط خوبصورت ہو گا۔

مجھے اسکول کے زمانے کی جو باتیں یاد ہیں ان میں دو اور قابل ذکر ہیں میں نے اپنی شادی کے سبب سے ایک سال ضائع کر دیا تھا اور میرے استاد کی خواہش تھی کہ میں اس کی تلافی میں ایک سال میں دو درجے بڑھا دیا جاؤں۔ یہ رعایت عموماً محنتی لڑکوں کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس لئے میں تیسرے درجے میں صرف چھ مہینے رہا اور ششماہی امتحان پاس کر کے جس کے بعد گرمیوں کی چھٹی ہوتی ہے۔ چوتھے درجے میں چڑھا دیا گیا۔ اس درجہ میں اکثر مضمون انگریزی میں پڑھائے جاتے تھے۔ میں بدحواس ہو گیا۔ اقلیدس بالکل نیا مضمون تھا جس میں کمزور تھا اور چونکہ پڑھائی انگریزی میں ہوتی تھی اس لئے اور بھی دقت تھی۔ استاد اپنے مضمون کو خوب پڑھاتے تھے مگر میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ اکثر میرا دل چھوٹ جاتا تھا اور میں سوچتا تھا کہ پھر تیسرے درجے میں چلا جاؤں، مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دو سال کی پڑھائی ایک سال میں سمیٹنا میرے بس کی بات نہیں مگر اس میں نہ صرف میری دقت تھی بلکہ میرے استاد کی بھی سبکی ہوتی تھی کیونکہ انہوں نے میری محنت پر بھروسا کر کے میری ترقی کی سفارش کی

Marfat.com

تھی۔ اس دوہری ذلت کے خوف سے میں میدان میں جمارہا۔ آخر جب بڑی کوششوں سے میں اقلیدس کی تیرہویں شکل تک پہنچا تو مجھ پر یک بیک یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ مضمون بالکل سہل اور سادہ ہے۔ جس مضمون میں انسان کو محض اپنی سمجھ سے کام لینا ہو وہ ہرگز مشکل نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد سے ہمیشہ اقلیدس مجھے سہل بھی معلوم ہوئی اور دلچسپ بھی۔

البتہ سنسکرت ذرا ٹیڑھی کھیر تھی۔ اقلیدس میں کوئی چیز زبانی یاد کرنے کی نہ تھی اور سنسکرت میں میں سمجھتا تھا کہ سب کچھ حفظ یاد کرنا پڑتا ہے۔ یہ مضمون بھی چوتھے درجے سے شروع ہوتا تھا۔ چھٹے درجے میں پہنچ کر میری ہمت نے جواب دے دیا، جو استاد اس مضمون کو پڑھاتے تھے وہ کام لینے میں بہت سخت تھے اور مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ لڑکوں پر بڑا جبر کرتے ہیں۔ سنسکرت اور فارسی کے استادوں میں باہم ایک طرح کی رقابت تھی۔ فارسی کے استاد لڑکوں کے ساتھ نرمی کرتے تھے۔ لڑکے آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ فارسی بہت آسان ہے اور فارسی کے استاد بڑے اچھے آدمی ہیں اور طالب علموں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اس "آسانی" نے مجھے لبھالیا اور ایک دن میں فارسی کی جماعت میں جا بیٹھا۔ سنسکرت کے استاد کو اس سے رنج پہنچا۔ انہوں نے بلا کر کہا "تم یہ بھول گئے کہ تم ویشنو باپ کے بیٹے ہو؟ اپنے مذہب کی زبان نہیں پڑھو گے؟ اگر تمہیں کوئی بات مشکل نظر آتی ہے تو میرے پاس آکر کیوں نہیں پوچھتے؟ میں تم سب طالب علموں کو سنسکرت پڑھانے میں اپنی مقدور بھر کوشش کرتا ہوں جب تم آگے بڑھو گے تو اس میں بڑی دلچسپ چیزیں نظر آئیں گی۔ دیکھو ہمت نہ ہارو۔ آؤ پھر سے سنسکرت کی جماعت میں شریک ہو جاؤ۔"

اس مہربانی نے مجھے شرمندہ کر دیا۔ بھلا کیسے ممکن تھا کہ مجھے استاد کی اس محبت کا لحاظ نہ ہو۔ اب میں کرشن شنکر پانڈیا کو ہمیشہ شکر گزاری کے ساتھ یاد کرتا ہوں۔ کیونکہ جو تھوڑی بہت سنسکرت میں نے اس زمانے میں سیکھ لی اگر وہ نہ سیکھتا تو ہندو دھرم کی مقدس کتابوں میں میرا جی مشکل سے لگتا۔ بلکہ مجھے بہت افسوس ہے کہ میں نے اس سے زیادہ استعداد حاصل نہیں کی کیونکہ اب مجھے یقین ہو گیا کہ ہر ہندو لڑکے اور لڑکی کو سنسکرت اچھی طرح جاننا چاہیئے۔

اب میری رائے یہ ہے کہ ہندوستان کی اعلیٰ تعلیم کے نصاب میں مقامی زبان کے علاوہ ہندی، سنسکرت، فارسی، عربی، انگریزی کی بھی جگہ ہونی چاہیئے۔ کوئی صاحب اس لمبی فہرست کو دیکھ کر نہ ڈریں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہماری تعلیم کے نظام پر زیادہ توجہ کی جائے اور لڑکوں پر سارے مضامین غیر زبان کے ذریعہ پڑھنے کا بوجھ نہ ڈالا جائے تو ان زبانوں کے حاصل کرنے میں دقت نہ ہو گی بلکہ ہنستے

Marfat.com

کھیلتے سیکھ لی جائیں گی۔ اگر کوئی شخص ایک زبان علمی اصول کے مطابق سیکھ لے تو اسے اور زبانیں آسانی سے آجاتی ہیں۔

اصل میں ہندی، گجراتی اور سنسکرت کو ہم ایک زبان سمجھ سکتے ہیں اور اسی طرح عربی فارسی کو بھی۔ اگرچہ فارسی آرسی اور عربی سامی خاندان السنہ ہے لیکن عربی فارسی دونوں کی پوری نشو و نما اسلام کی ترقی کے طفیل میں ہوئی کیونکہ اس نے صرف و نحو ہندی کی اختیار کی ہے اور الفاظ زیادہ تر عربی فارسی سے لئے ہیں۔ اس لئے جو شخص اچھی اردو سیکھنا چاہے اسے لازم ہے کہ عربی فارسی پڑھے، اور جو شخص اچھی ہندی، گجراتی، بنگالی یا مرہٹی سیکھنا چاہے اسے لازم ہے کہ سنسکرت پڑھے۔

حوالہ

1 - معلوم ہوتا ہے ان دنوں کاٹھیاوار کے ہائی اسکولوں میں آٹھ درجے ہوتے تھے اور آٹھواں انٹرنس تھا۔

Marfat.com

Marfat.com

چھٹا باب

ایک المناک واقعہ

ہائی اسکول میں جن لڑکوں سے مجھ سے مختلف اوقات میں دوستی رہی ان میں سے دو قلبی دوست کہے جاسکتے ہیں۔ ایک سے میری دوستی زیادہ دن نہیں رہی۔ میں نے اسے نہیں چھوڑا بلکہ اس نے مجھے چھوڑ دیا اس قصور پر کہ میں نے دوسرے سے میل جول پیدا کیا۔ اس دوسری دوستی کو میں اپنی زندگی کا ایک المناک واقعہ سمجھتا ہوں۔ یہ بہت دن قائم رہی۔ میں نے اسے اصلاح کے جوش میں شروع کیا تھا۔

میرا یہ رفیق اصل میں میرے منجھلے بھائی کا دوست تھا۔ یہ دونوں ہم سبق تھے میں اس کی کمزوریوں سے واقف تھا مگر اسے وفادار دوست سمجھتا تھا۔ میری ماں نے، میرے بڑے بھائی نے، میری بیوی نے مجھے متنبہ کیا کہ تمہاری صحبت خراب ہے۔ بیوی کی بات تو میں شوہری کے غرور میں کب سنتا تھا لیکن ماں اور بڑے بھائی کی رائے کے خلاف عمل کرنے کی مجھ میں ہمت نہ تھی پھر بھی میں نے ان سے عذر معذرت کی اور کہا "میں جانتا ہوں کہ اس میں وہ کمزوریاں ہیں جو آپ نے بتائیں۔ مگر آپ کو اس کی اچھائیوں کی خبر نہیں۔ وہ مجھے گمراہ نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس سے اس نیت سے ملتا ہوں کہ اس کی اصلاح کروں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ اپنے اطوار درست کر لے تو بڑا اچھا آدمی ہو جائے گا۔ میری التجا ہے کہ آپ میری طرف سے تردد نہ کریں۔"

اس سے ان کا اطمینان تو نہیں ہوا مگر انہوں نے میری توجیہہ مان لی۔ اور مجھے میری راہ چلنے دیا۔ آگے چل کر مجھے معلوم ہوا کہ میرا اندازہ غلط تھا۔ جو شخص کسی کی اصلاح کرنا چاہتا ہے وہ اس کے ساتھ شیر و شکر ہو کر نہیں رہ سکتا۔ سچی دوستی روحانی اتحاد کا نام ہے جو اس دنیا میں بہت کم ہوتا ہے۔ صرف

Marfat.com

انہی لوگوں میں جن کی طبیعت ایک سی ہو۔ دوستی پوری طرح مکمل اور پائیدار ہو سکتی ہے۔ دوستوں میں ہر ایک کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے، اسی لئے دوستی میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے۔ میری رائے میں کسی ایک شخص سے ایک جان دو قالب ہو جانے سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ انسان پر بہ نسبت نیکی کے بدی کا اثر جلد پڑتا ہے اور جو شخص خدا کا دوست ہونا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ یا تو اکیلا رہے یا ساری دنیا سے دوستی کرے۔ ممکن ہے میری رائے غلط ہو مگر مجھے تو قلبی دوستی پیدا کرنے میں ناکامی ہوئی۔

جن دنوں میں میری ملاقات اس دوست سے ہوئی راجکوٹ میں "ریفارم" کا بڑا زور تھا، اس نے مجھے بتایا کہ ہمارے بہت سے استاد چھپ کر شراب اور گوشت کا استعمال کرتے ہیں اس نے راجکوٹ کے بہت سے مشہور آدمیوں کے نام بھی لئے جو اس جماعت میں شریک تھے۔ اس نے کہا کہ اس زمرے میں ہائی اسکول کے بعض لڑکے بھی ہیں۔

مجھے یہ سن کر تعجب اور رنج ہوا۔ میں نے اپنے دوست سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا ہماری قوم گوشت نہیں کھاتی اس لئے کمزور ہے، انگریز لوگ گوشت کھاتے ہیں اسی لئے وہ ہم پر حکومت کرنے کے قابل ہیں۔ تم جانتے ہو میں کیسا مضبوط ہوں اور کتنا تیز دوڑتا ہوں۔ اس کا سبب یہی ہے کہ میری غذا گوشت ہے۔ گوشت کھانے والوں کے پھوڑے پھنسی نہیں نکلتے اور کبھی نکل بھی آئیں تو جلد اچھے ہو جاتے ہیں۔ ہمارے استاد اور ہمارے دوسرے بڑے آدمی جو گوشت کھاتے ہیں احمق نہیں ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس میں کیا خوبیاں ہیں۔ تمہیں بھی اس کی تقلید کرنا چاہیئے۔ آخر آزمائش کرنے میں کیا ہرج ہے؟ تم آزما دیکھو کہ گوشت کھانے سے کیسی طاقت آتی ہے۔

گوشت کھانے کی تائید میں یہ ساری دلیلیں ایک ہی نشست میں پیش نہیں کی گئیں۔ یہ اس طول طویل استدلال کا خلاصہ ہے جس سے میرا دوست مجھ پر وقتاً فوقتاً اثر ڈالتا رہا۔ میرے منجھلے بھائی پہلے ہی مغلوب ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ میرے دوست کی دلیلوں کی تائید کرتے تھے۔ میں واقعی اپنے بھائی اور اس دوست کے مقابلہ میں بالکل مریل معلوم ہوتا تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ قوی اور جفاکش بھی تھے اور جری بھی۔ اس ذوست کے کارناموں نے مجھ پر جادو سا کر دیا وہ بہت دور تک اور بڑی تیزی سے دوڑ سکتا تھا، کود پھاند (1) میں بہت مشتاق تھا اور سخت سے سخت جسمانی سزا برداشت کر لیتا تھا۔ وہ مجھے اکثر اپنے کارنامے دکھایا کرتا تھا اور یہ قاعدے کی بات ہے کہ انسان دوسروں میں وہ صفتیں دیکھ کر، جو اس میں نہ ہوں، دنگ رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد میرے دل میں ولولہ اٹھا کہ اس کا جیسا بنوں میں نہ کود سکتا

Marfat.com

تھا۔ نہ دوڑ سکتا تھامیں نے سوچا کہ میں بھی اس کی طرح مضبوط کیوں نہ ہو جاؤں؟

پھر میں بزدل بھی تھا۔ مجھے ہر وقت چوروں، بھوتوں اور سانپوں کا کھٹکا رہتا تھا۔ رات کو گھر سے باہر قدم رکھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اندھیرے سے میری روح فنا ہوتی تھی۔ میرے لئے اندھیرے میں سونا تقریباً ناممکن تھا کیونکہ مجھے وہم ہوتا تھا کہ ایک طرف سے بھوت چلے آرہے ہیں، دوسری طرف سے چور، تیسری طرف سے سانپ، بغیر کمرے میں روشنی رکھے مجھ سے سوتے نہ بنتا تھا۔ میں اپنے خوف کو اپنی کمسن بیوی پر جو میرے پہلو میں سوتی تھی کیونکر ظاہر کرتا؟ میں جانتا تھا کہ ان میں مجھ سے زیادہ ہمت ہے اور مجھے اپنے اوپر شرم آتی تھی، انہیں سانپوں اور بھوتوں کا کوئی ڈر نہ تھا۔ وہ اندھیرے میں ہر جگہ چلی جاتی تھیں۔ میرے دوست کو میری ان کمزوریوں کا حال معلوم تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں زندہ سانپ ہاتھ پر رکھ سکتا ہوں۔ چوروں کا مقابلہ کر سکتا ہوں اور بھوتوں کا قائل ہی نہیں ہوں۔ یہ گوشت کھانے کی برکت ہے۔

ہم اسکول کے لڑکوں میں نرند کی یہ تک بندی بہت مقبول تھی۔

ٹھنگنا دیسی پرجا ہے — لمبا فرنگی راجا ہے

کیونکہ وہ گوشت لڑاتا ہے — اور پانچ ہاتھ لمبا ہے

ان سب باتوں کا مجھ پر کافی اثر پڑا۔ میں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ مجھے رفتہ رفتہ یقین ہونے لگا کہ گوشت کھانا اچھا ہے۔ اس سے مجھ میں قوت اور جرات پیدا ہو جائے گی اور اگر سارا ملک گوشت کھانے لگے تو انگریز مغلوب ہو جائیں گے۔

اب تجربہ شروع کرنے کے لئے ایک دن مقرر ہوا۔ اسے پوشیدہ رکھنا بہت ضروری تھا۔ سارا گاندھی خاندان ویشنو تھا اور میرے والدین تو بڑے پکے ویشنو تھے۔ وہ پابندی سے "حویلی" جایا کرتے تھے بلکہ خود ہمارے خاندان کے جداگانہ مندر بھی تھے۔ جین مت کا گجرات میں بہت زور تھا اور اس کا اثر ہر وقت ہر جگہ نظر آتا تھا۔ گجرات کے جین اور ویشنو لوگوں کو گوشت کھانے سے جتنی سخت نفرت تھی اس کی مثال نہ ہندوستان میں ملتی ہے اور نہ کسی اور ملک میں۔ میری ولادت اور پرورش اس ماحول میں ہوئی تھی اور مجھے اپنے والدین سے بڑی محبت تھی۔ میں جانتا تھا کہ جس دم وہ میرے گوشت کھانے کی خبر سن پائیں گے صدمے کے مارے مر جائیں گے۔ سچائی کی محبت نے مجھے اور بھی زیادہ احتیاط پر مجبور کر دیا میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اس وقت اس کا احساس نہ تھا کہ اگر میں نے گوشت کھانا شروع کر دیا تو والدین کو دھوکا دینا پڑے گا۔ لیکن میں نے دل میں ٹھان لی کہ "ریفارم" ضرور کروں گا اس میں

Marfat.com

زبان کی چاٹ کو دخل نہ تھا۔ میں نے گوشت کے مزے کی کوئی خاص تعریف نہیں سنی تھی۔ مگر میں چاہتا تھا کہ میں قوی اور بہادر ہو جاؤں اور میرے دیس کے لوگ بھی ایسے ہی ہو جائیں تاکہ ہم انگریزوں کو شکست دیں اور ہندوستان کو آزاد کرالیں "سوراج" کا لفظ میں نے اب تک نہیں سنا تھا مگر آزادی کے معنی جانتا تھا" ریفارم" کے جوش نے مجھے اندھا کر دیا۔ میں نے اس بات کو مخفی رکھنے کا بندوبست کیا اور اپنے دل کو سمجھالیا کہ محض اس فعل کو والدین سے چھپانا حق سے انحراف نہیں ہے۔

حوالہ

1- Higher and doing Jumping

Marfat.com

ساتواں باب

ایک المناک واقعہ (۲)

(پچھلے باب کا سلسلہ)

آخر وہ دن آگیا۔ اس وقت میرا جو حال تھا اسے پوری طرح بیان کرنا مشکل ہے۔ ایک طرف تو "ریفارم" کا جوش اور زندگی میں ایک اہم تبدیلی کی جدت کا لطف تھا اور دوسری طرف اسی کام کو چوروں کی طرح چھپ کر کرنے کی شرم تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا دونوں میں سے کون سی چیز مجھ پر غالب تھی۔ ہم نے دریا کے کنارے جا کر ایک گوشہ تنہائی ڈھونڈھا اور میں نے اپنی عمر میں پہلی بار گوشت ---- دیکھا اس کے ساتھ تنوری روٹی بھی تھی مجھے دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز پسند نہ آئی۔ بکری کا گوشت چمڑے کی طرح سخت تھا۔ مجھ سے کسی طرح نہیں کھایا جاتا تھا۔ مجھے قے ہو گئی اور کھانا چھوڑ کر اٹھنا پڑا۔

اس کے بعد کی رات بڑی بری طرح گزری۔ مجھے بڑا ہولناک خواب نظر آیا جب آنکھ لگتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زندہ بکری میرے پیٹ کے اندر ممیا رہی ہے اور میں گھبرا کر اچھل پڑتا تھا مگر میں اپنے دل کو سمجھاتا تھا کہ گوشت کا کھانا فرض ہے اور اس سے مجھے کچھ تسکین ہو جاتی تھی۔

میرا دوست آسانی سے ہار ماننے والا آدمی نہ تھا۔ اب عمدہ مسالے ڈال کر گوشت کے مزیدار کھانے پکانے لگا کھانا کھانے کے لئے ہمیں اب دریا کے کنارے سونی جگہ ڈھونڈھنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ ایک ریاست کے مکان میں کھاتے تھے۔ جس میں کھانے کا علیحدہ کمرہ میز کرسی سے سجا ہوا تھا۔ میرے دوست نے وہاں کے بڑے باورچی سے ساز باز کر کے یہ انتظام کیا تھا۔

میں اس لالچ میں آگیا۔ مجھے روٹی سے کراہت تھی وہ دور ہو گئی، بکری پر ترس آتا تھا وہ جاتا رہا اور گوشت کی بوٹی میں تو نہیں مگر سالن میں مزا آنے لگا۔ یہ سلسلہ قریب قریب ایک سال تک چلتا رہا

Marfat.com

لیکن اس عرصہ میں گوشت کی دعوتیں سب ملا کر چھ سے زیادہ نہیں ہوئیں کیونکہ ریاست کا مکان روز روز نہیں ملتا تھا اور پھر یہ دقت بھی تھی کہ گوشت کے مزیدار کھانوں میں اکثر صرفہ بہت ہوتا تھا۔ میرے پاس اس ریفارم کی قیمت ادا کرنے کے لئے دام نہ تھے اس لئے ہر مرتبہ خرچ کا انتظام میرے دوست ہی کو کرنا پڑتا تھا۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں سے اتنا روپیہ لاتا ہے مگر کسی نہ کسی طرح وہ لے ہی آتا تھا کیونکہ وہ اس پر تلا ہوا تھا کہ مجھے گوشت کھانے کا عادی کر دے، مگر آخر اس کی آمدنی بھی محدود ہی ہوگی اس لئے بہت کم دعوتیں ہو سکیں اور وہ بھی طویل وقفوں کے بعد۔

جب کبھی میں یہ چوری کی دعوتیں اڑاتا تھا تو ظاہر ہے کہ گھر آکر کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔ میری والدہ قدرتی طور پر کھانے کے لئے اصرار کرتی تھیں اور خواہش نہ ہونے کا سبب پوچھتی تھیں میں ان سے کہہ دیتا تھا "آج مجھے بھوک نہیں ہے میرے ہاضمے میں کچھ خرابی ہے۔" یہ بہانے کرنے پر میرا دل مجھے ملامت کرتا تھا میں جانتا تھا کہ جھوٹ بول رہا ہوں اور وہ بھی اپنی والدہ سے۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اگر میرے باپ کو میرے گوشت کھانے کی خبر ہو گئی تو انہیں بہت سخت صدمہ ہوگا۔ یہ خیال میرے لئے سوہان روح تھا۔

اس لئے میں نے اپنے دل میں کہا: "اگرچہ گوشت کھانا بہت ضروری چیز ہے اور یہ بھی بہت ضروری ہے کہ ملک میں غذا کی اصلاح کی جائے لیکن اپنے ماں باپ کو دھوکا دینا اور ان سے جھوٹ بولنا گوشت نہ کھانے سے بھی بدتر ہے۔ جب تک وہ زندہ ہیں گوشت کھانا ممکن نہیں۔ جب وہ نہ رہیں گے اور میں آزاد ہو جاؤں گا تو کھلم کھلا گوشت کھاؤں گا لیکن اس وقت تک میں اس سے پرہیز کروں گا۔

اس فیصلے کی اطلاع میں نے اپنے دوست کو کر دی۔ اس دن سے آج تک میں نے پھر کبھی گوشت نہ کھایا۔ میرے والدین کو مرتے دم تک معلوم نہیں ہوا کہ ان کے دو لڑکوں نے گوشت کھانا شروع کر دیا تھا۔ اس پر خلوص خواہش کی وجہ سے کہ اپنے والدین سے جھوٹ نہ بولوں میں نے گوشت چھوڑ دیا مگر اپنے دوست کی صحبت نہ چھوڑی۔ اس کی اصلاح کرنے کے جوش نے مجھے برباد کر دیا تھا۔ مگر مجھے اس کا بالکل احساس نہ تھا۔

اس شخص کی صحبت نے مجھے بیوی سے بیوفائی کرنے پر اکسایا میں بال بال بچ گیا۔ یہ دوست مجھے ایک بار ایک قہوہ خانے میں لے گیا۔ اس نے مجھے ضروری ہدایتیں دے کر اندر بھیجا۔ سب باتیں پہلے ہی طے ہو چکی تھیں، روپیہ پہلے ہی ادا کر دیا گیا تھا میں گناہ کے منہ میں جا چکا تھا۔ مگر خدا نے اپنی رحمت کاملہ سے مجھے میرے نفس سے بچا لیا۔ میں اس بدکاری کے گھر میں پہنچ کر قریب قریب اندھا اور گونگا

Marfat.com

ہو گیا میں پلنگ پر اس عورت کے قریب بیٹھ گیا مگر گم سم۔ ظاہر ہے کہ اسے غصہ آ گیا اور اس نے مجھے گالیاں دے کر گھر سے نکال دیا۔ اس وقت مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میری مردمی کو بٹہ لگ گیا اور شرم کے مارے جی چاہتا تھا کہ زمین پھٹے اور میں سما جاؤں لیکن اس کے بعد میں نے ہمیشہ خدا کا شکر کیا کہ اس نے مجھے بچا لیا۔ مجھے اپنی زندگی میں اس قسم کے چار واقعات یاد ہیں اور ان میں سے اکثر میں اپنی کوشش سے نہیں بلکہ خوش قسمتی سے محفوظ رہا۔ خالص اخلاقی نقطہ نظر سے تو چاروں مرتبہ میں لغزش کا مرتکب قرار پاؤں گا۔ کیونکہ شہوانی خواہش موجود تھی اور یہ ارتکاب فعل سے کم نہیں لیکن عام خیال یہ ہے کہ جو شخص جسم کو گناہ میں آلودہ ہونے دے وہ گویا گناہ سے بچ گیا۔ میں بھی بس اسی حد تک بچا۔ بعض فعل ایسے ہوتے ہیں جن سے محفوظ رہنا خود انسان کے لئے اور آس پاس کے لوگوں کے لئے لطیفہ غیبی سے کم نہیں۔ جیسے ہی اس کا اخلاقی احساس جاگتا ہے وہ خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے اپنے فضل سے بچا لیا۔ جس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انسان اکثر انتہائی کوشش کے باوجود خواہش گناہ سے مغلوب ہو جاتا ہے اسی طرح یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ خود گناہ کی طرف راغب ہوتا ہے مگر خدا کی قدرت سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ کیونکر ہوتا ہے۔ انسان کس حد تک فاعل مختار ہے اور کس حد تک واقعات کا کھلونا ہے، تدبیر کہاں تک چلتی ہے اور تقدیر کہاں تک دخل دیتی ہے۔ یہ سب باتیں بھید ہیں اور ہمیشہ بھید ہی رہیں گی۔

آمدم بر سر مطلب۔ اس واقعے کے بعد بھی میری آنکھیں نہیں کھلیں اور مجھے اپنے دوست کی بدکاری کا احساس نہیں ہوا۔ اس لئے مجھے اور بہت سے کڑوے گھونٹ پینا پڑے۔ یہاں تک کہ میں نے اپنی آنکھ سے اس کی وہ حرکتیں دیکھیں جن کا مجھے شان و گمان بھی نہ تھا مگر اس کا ذکر آگے چل کر کروں گا کیونکہ میں واقعات سلسلہ وار بیان کروں گا۔

البتہ ایک بات یہیں کہہ دینا چاہیئے کیونکہ اس کا تعلق اسی زمانے سے ہے۔ مجھ میں اور میری بیوی میں جو ناچاقی تھی اس کی ایک وجہ یقیناً اس دوست کی صحبت بھی تھی۔ میں اپنی بیوی کا عاشق تھا مگر اس کے ساتھ بدگمان بھی بہت تھا اور اس دوست نے میری بدگمانی کی آگ کو اور بھڑکایا مجھے اس کی راست گوئی میں بھی شبہہ نہیں ہوا۔ اکثر میں نے اس کی چغل خوری کی بنا پر اپنی بیوی کو دکھ دیا ہے۔ جس پر مجھے آج تک ندامت ہے۔ صرف ایک بیوی ہی ان سختیوں کو سہ سکتی ہے۔ اس لئے میں عورت کو مجسم صبر و تحمل سمجھتا ہوں۔ اگر کسی نوکر پر بیجا شبہہ ہو تو وہ نوکری چھوڑ سکتا ہے۔ اگر بیٹے پر ہو تو وہ باپ کا گھر چھوڑ سکتا ہے۔ اگر دوست پر ہو تو وہ دوستی ترک کر سکتا ہے۔ بیوی کو شوہر پر شبہہ ہو تو

Marfat.com

وہ خاموش رہتی ہے لیکن جہاں شوہر کو اس پر شبہہ ہوا تو اس بے چاری کی موت ہی آ جاتی ہے۔ وہ جائے تو کہاں جائے؟ ہندو بیوی کو یہ حق نہیں کہ عدالت میں طلاق کی درخواست دے اس غریب کے لئے قانون نے کوئی تدبیر نہیں بتائی۔ مجھے یہ ہمیشہ یاد رہے گا اور عمر بھر پچھتا تا رہوں گا کہ میں نے اپنی بیوی کو اس مصیبت میں ڈالا جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہ تھی۔

بدگمانی کا ناسور میرے دل سے اس وقت گیا جب میں نے "اہمسا" (1) کے سب پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ اس وقت مجھے "برہمچاریہ" (2) کی عظمت اور شوکت کی خبر ہوئی اور مجھ پر یہ حقیقت کھلی کہ بیوی شوہر کی لونڈی نہیں بلکہ اس کی رفیق اور مددگار اور اس کی رنج و راحت میں برابر کی شریک ہے، وہ بھی اپنے راہ عمل کے انتخاب میں اسی طرح آزاد ہے جیسے اس کا شوہر۔ جب کبھی مجھے وہ شک اور شبے کے بھیانک دن یاد آتے ہیں تو مجھے اپنی حماقت اور اپنے شہوانی ظلم سے انتہائی نفرت ہوتی ہے اور اپنے دوست کی اندھی تقلید پر سخت افسوس ہوتا ہے۔

حوالہ جات

1 - "اہمسا" کے لفظی معنی ہیں عصمت، عدم تشدد (م)

2 - "برہمچاریہ" کے لفظی معنی ہیں وہ کام جس سے انسان خدا تک پہنچتا ہے۔ اس کے اصطلاحی معنی ہیں "ضبط نفس" خصوصاً شہوانی خواہش کو قابو رکھنا (م)

Marfat.com

آٹھواں باب

چوری اور اس کا کفارہ

مجھے ابھی اپنی چند اور لغزشوں کا ذکر کرنا ہے جو گوشت کھانے کے زمانے میں اور اس سے پہلے مجھ سے سرزد ہوئیں۔ ان کا سلسلہ میری شادی کے وقت سے یا اس کے تھوڑے ہی دن بعد شروع ہوتا ہے۔

میرے ایک عزیز کو اور مجھے سگریٹ پینے کا چسکا لگ گیا۔ یہ بات نہ تھی کہ ہم اس عادت کو اچھا سمجھتے ہوں یا سگریٹ کی خوشبو پر ریجھے ہوں۔ ہمیں تو صرف منہ سے دھواں نکالنے میں ایک خیالی لطف آتا تھا۔ میرے چچا اس کے عادی تھے اور جب ہم انہیں سگریٹ پیتے دیکھتے تھے تو ہمارا جی چاہتا تھا کہ ان کی طرح ہم بھی پیئں۔ مگر ہمارے پاس دام تو تھے نہیں اس لئے ہم نے ابتدا اس طرح کی کہ ہم سگریٹ کے ٹکڑے جو ہمارے چچا پی کر پھینک دیتے تھے چرالاتے تھے۔

مگر یہ ٹکڑے ہر وقت نہیں مل سکتے تھے اور ان سے دھواں بھی زیادہ نہیں نکلتا تھا۔ اس لئے ہم نے نوکروں کی جیب خرچ میں سے پیسے چرانا شروع کئے کہ ہندوستانی سگریٹ خریدیں۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ انہیں رکھیں کہاں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ہم بڑوں کے سامنے تو سگریٹ پی نہیں سکتے تھے چند ہفتہ تک تو ہم کسی نہ کسی طرح ان چرائے ہوئے پیسوں سے کام چلاتے رہے۔ اس عرصے میں ہم نے سنا کہ ایک درخت کی ڈال میں مسامات ہوتے ہیں اور اس کے ٹکڑے سگریٹ کی طرح پیے جاسکتے ہیں ہم انہیں لے آئے اور پینا شروع کر دیا۔

لیکن ان چیزوں سے ہماری تسلی نہ ہوتی تھی، آزادی نہ ہونا ہمیں کھلنے لگا۔ ہم سے یہ برداشت نہ ہوتا تھا کہ ہم بغیر بڑوں کی اجازت کے کچھ نہ کر سکیں۔ آخر زندگی سے متنفر ہو کر ہم نے خودکشی کی ٹھان

Marfat.com

لی۔

مگر اب یہ سوال تھا کہ خودکشی کیسے کی جائے؟ زہر کھائیں تو زہر کہاں سے لائیں؟ ہم سے کسی نے کہا کہ دھتورے کے بیج زہر قاتل ہیں۔ ہم دوڑے ہوئے جنگل میں گئے اور یہ بیج لے آئے۔ ہم نے شام کے وقت کو اس کام کے لئے مبارک سمجھا۔ ہم "کیدار جی مندر" میں گئے وہاں کے چراغ میں گھی ڈالا "درشن" لئے اور کوئی سونی جگہ ڈھونڈنے لگے۔ مگر ہماری ہمت نے جواب دے دیا۔ فرض کرو کہ ہم فوراً نہ مرے؟ اور آخر مرنے سے فائدہ ہی کیا؟ آزادی نہیں ہے تو نہ سہی اسی حالت کو کیوں نہ برداشت کریں؟ پھر بھی ہم دو تین بیج نگل ہی گئے۔ ہم دونوں موت سے ڈر گئے اور ہم نے طے کیا کہ "رام جی مندر" جاکر حواس درست کریں اور خودکشی کا خیال چھوڑ دیں۔

مجھے معلوم ہو گیا کہ خودکشی کرنا اتنا سہل نہیں جتنا اس کا ارادہ کرنا اور اس دن سے جب کبھی میں سنتا ہوں کہ فلاں شخص خودکشی کی دھمکی دے رہا ہے تو مجھ پر بہت کم اثر ہوتا ہے۔

خودکشی کے خیال کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دونوں نے سگریٹ کے ٹکڑے پینا اور سگریٹ کے لئے نوکروں کے پیسے چرانا چھوڑ دیا۔ جب سے میں بالغ ہوا ہوں مجھے کبھی تمباکو پینے کی خواہش نہیں ہوئی اور میں اس عادت کو تہذیب کے خلاف صفائی کے خلاف اور مضر سمجھتا ہوں۔ یہ بات میری سمجھ میں کبھی نہ آئی کہ ساری دنیا میں لوگ تمباکو پینے پر کیوں جان دیتے ہیں۔ مجھ سے تو ریل کے ڈبے میں جہاں تمباکو پینے والے بھرے ہوں نہیں بیٹھا جاتا۔ میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔

لیکن اس سے کہیں بڑی چوری کا میں کچھ دن بعد مرتکب ہوا جب میں نے پیسے چرائے تو میری عمر بارہ تیرہ سال کی بلکہ اس سے بھی کم تھی۔ دوسری چوری کے وقت میں پندرہ برس کا تھا۔ اس بار میں نے اپنے گوشت کھانے والے بھائی کی بازوبند سے ایک سونے کا ٹکڑا چرایا۔ یہ بھائی پچیس روپے کے مقروض تھے۔ وہ بازو پر خالص سونے کا بازوبند باندھا کرتے تھے۔ اس میں سے ایک ٹکڑا کاٹ لینا کوئی مشکل بات نہ تھی۔

چنانچہ ایسا کیا گیا اور قرض ادا ہو گیا لیکن اتنا سنگین جرم تھا کہ مجھ سے کسی طرح برداشت نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے عہد کر لیا کہ پھر کبھی چوری نہ کروں گا میرا یہ بھی ارادہ ہوا کہ اپنے والد کے سامنے جرم کا اعتراف کر لوں مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ یہ بات نہ تھی کہ مجھے والد کے ہاتھ سے مار کھانے کا ڈر ہو۔ جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے ہم لوگوں کو کبھی نہیں مارا۔ خوف تھا تو یہ کہ انہیں بہت دکھ ہو گا۔

آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اعتراف نامہ لکھ کر اپنے والد کو دوں اور ان سے معافی کی درخواست

Marfat.com

کروں۔ میں نے سارا واقعہ ایک کاغذ پر لکھا اور خود لے جا کر انہیں دیا۔ اس رقعے میں میں نے نہ صرف اپنے جرم کا اعتراف کیا بلکہ یہ خواہش بھی کی کہ مجھے اس کی کافی سزا دی جائے اور آخر میں ان سے درخواست کی کہ میرے قصور کے بدلے وہ اپنا دل نہ کڑھائیں۔ میں نے اس بات کا عہد کیا کہ پھر کبھی چوری نہ کروں گا۔

میں نے اعتراف نامہ انہیں دیا تو میں کانپ رہا تھا۔ وہ ان دنوں ناسور میں مبتلا تھے اور صاحب فراش ہو گئے تھے۔ ایک کھرے تخت پر لیٹے رہتے تھے۔ میں نے رقعہ انہیں دے دیا اور چوکی کے سامنے بیٹھ گیا۔

انہوں نے اسے اول سے آخر تک پڑھا اور موتیوں کے قطرے ٹپ ٹپ ان کے رخساروں پر اور کاغذ پر گرنے لگے۔ دم بھر وہ آنکھیں بند کر کے سوچتے رہے اس کے بعد انہوں نے رقعہ پھاڑ کر پھینک دیا۔ وہ اسے پڑھنے کے لئے بیٹھ گئے تھے

اب وہ پھر لیٹ گئے۔ میں بھی رونے لگا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ انہیں کیسا دکھ ہے۔ اگر میں نقاش ہوتا تو آج اتنے دن کے بعد بھی پورے منظر کی تصویر کھینچ دیتا۔ اس واقعے کی یاد میرے دل میں اب تک تازہ ہے۔

ان محبت کے موتیوں نے میرے دل کو پاک کر دیا اور میرے گناہ کو دھو ڈالا۔ اس محبت کو وہی خوب جانتا ہے جس نے اس کا لطف اٹھایا ہے جیسا اس بھجن میں ہے:

صرف وہ شخص

جس نے محبت کے تیر کھائے ہیں   اس کی قوت کا انداز کر سکتا ہے

یہ میرے لئے "اہمسا" کا عملی سبق تھا اس وقت تو مجھے اس میں سوائے باپ کی محبت کے کچھ نظر نہ آتا تھا مگر آج میں جانتا ہوں کہ یہ خالص "اہمسا" تھا جب یہ "اہمسا" ہمہ گیر ہو جاتا ہے تو جس چیز کو چھوتا ہے اس کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ اس کی قوت کی کوئی انتہا نہیں۔

اس طرح کا شاندار عفو میرے والد کی طبیعت سے بعید تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ خفا ہو جائیں گے، سر پیٹ لیں گے، مجھے سخت سست کہیں گے، لیکن ان کا سکون دیکھ کر حیرت ہوتی تھی اور یقیناً اس کی وجہ یہی تھی کہ میں نے صاف صاف اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا۔ گناہ کا پورا اعتراف اور آئندہ اس سے باز رہنے کا عہد ایسے شخص کے سامنے جو انہیں قبول کرنے کا اہل ہے، توبہ کی خالص ترین صورت ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میرے اس اعتراف سے والد کو میری طرف سے پورا اطمینان ہو گیا اور انہیں مجھ سے جو محبت تھی وہ بے انتہا بڑھ گئی۔

Marfat.com

Marfat.com

نواں باب

میرے والد کی وفات اور میری دوہری فضیحت

جس زمانے کا میں ذکر کر رہا ہوں مجھے سولھواں برس شروع ہو گیا تھا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میرے والد ناسور میں مبتلا اور صاحب فراش تھے۔ زیادہ تر میری والدہ، گھر کا ایک پرانا نوکر اور میں ان کی خدمت کرتے تھے۔ میرے سپرد تیمار داری کا کام تھا جو زخم کی مرہم پٹی کرنے، دوا پلانے اور جب ضرورت ہو، دوا تیار کرنے پر مشتمل تھا۔ روز رات کو میں اپنے والد کے پیر دبایا کرتا تھا اور اس وقت تک نہ اٹھتا تھا جب تک وہ خود نہ کہیں یا انہیں نیند نہ آ جائے۔ میں یہ خدمت بڑے شوق سے کرتا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے اس میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ روز مرہ کے فرائض سے جو وقت بچتا تھا وہ میں کچھ تو اسکول میں اور کچھ اپنے والد کی خدمت میں صرف کرتا تھا۔ شام کو ٹہلنے میں صرف اسی وقت جایا کرتا تھا جب وہ اجازت دیں یا جب ان کی طبیعت اچھی ہو۔

اسی زمانے میں میری بیوی کے بچہ ہونے والا تھا۔ اب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ بات میرے لئے دو طرح سے شرمناک تھی۔ ایک تو یہ کہ میں نے طالبعلمی کے زمانے میں ضبط نفس سے کام نہیں لیا۔ دوسرے یہ کہ شہوانی خواہش تحصیل علم کے مشغلے پر جسے میں اپنا فرض سمجھتا تھا اور اس سے بڑے فرض یعنی والدین کی خدمت پر جسے میں نے شرون کی تقلید میں بچپن سے اپنا نصب العین بنایا تھا، غالب آ گئی۔ روز رات کو میرے ہاتھ تو والد کے پیر دبانے میں مشغول رہتے تھے مگر میرا دل سونے کے کمرے میں لگا رہتا تھا اور وہ بھی ایسے وقت میں جب مذہب طب اور عقل سب کی رو سے جماع کی ممانعت تھی مجھے اپنی خدمت سے چھٹی ملنے کی بڑی خوشی ہوتی تھی اور اپنے والد کو سلام کر کے میں سیدھا سونے کے کمرے میں پہنچتا تھا۔

ادھر میرے والد کی طبیعت روز بروز خراب ہوتی جاتی تھی۔ وید اپنے سارے مرہم، یونانی طبیب

Marfat.com

اپنے ضماد، مقامی نیم حکیم اپنی عطائی دوائیں آزما چکے تھے۔ ایک انگریز سرجن بھی اپنی قابلیت ختم کر چکا تھا۔ آخری تدبیر اس نے یہ بتائی تھی کہ آپریشن کیا جائے لیکن ہمارے خاندانی طبیب نے مخالفت کی۔ انہوں نے کہا کہ اس ضعیفی میں اپریشن ٹھیک نہیں۔ یہ بڑے قابل اور مشہور طبیب تھے اس لئے انہیں کی رائے مانی گئی۔ آپریشن کا خیال ترک کر دیا گیا اور اس کے لئے جو دوائیں خریدی جا چکی تھیں وہ بیکار گئیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر طبیب آپریشن کی اجازت دے دیتے تو زخم آسانی سے اچھا ہو جاتا۔ آپریشن کے لئے سرجن بھی وہ تجویز ہوا تھا جس کی ان دنوں بمبئی میں بڑی شہرت تھی، مگر خدا کی مرضی کچھ اور تھی جب موت ہی آ جائے تو صحیح علاج کیسے سوجھتا؟ میرے والد بمبئی سے لوٹ آئے تھے ان کے ساتھ سارا آپریشن کا سامان تھا جو اب کسی مصرف کا نہ تھا۔ وہ اب زندگی سے مایوس ہو گئے تھے۔ کمزوری روز بروز بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ آخر ان سے یہ کہنا پڑا کہ بستر ہی پر ضروری حاجتوں سے فارغ ہو لیا کریں۔ لیکن انہوں نے آخر وقت تک انکار کیا اور بستر سے اٹھ کر جانے کی تکلیف برداشت کرتے رہے۔ ویشنو دہرم میں ظاہری صفائی کے قاعدے اتنے سخت ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ صفائی بہت ضروری ہے لیکن مغربی طب نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ انتہائی صفائی کا خیال رکھتے ہوئے ضروری حاجتیں بستر ہی پر پوری ہو سکتی ہیں۔ مریض کو مطلق تکلیف نہیں ہوتی اور بستر پر خفیف سا دھبہ بھی نہیں آنے پاتا۔ میرے نزدیک یہ صفائی ویشنو دہرم کے بالکل مطابق ہے لیکن اس زمانے میں اپنے والد کا بستر سے اٹھنے پر یہ اصرار دیکھ کر دنگ رہ گیا اور میرا دل ان کی تعریف سے معمور ہو گیا۔

آخر وہ خوفناک رات آ گئی۔ میرے چچا اس دن راجکوٹ ہی میں تھے مجھے خفیف سا خیال ہے کہ وہ یہ بری خبر سن کر کہ میرے والد کی طبیعت گرتی جاتی ہے۔ راجکوٹ آئے تھے، دونوں بھائیوں میں بڑی محبت تھی۔ میرے چچا دن بھر والد کی پٹی کے پاس بیٹھے رہتے تھے اور بڑے اصرار سے ہم سب کو سونے کے لئے رخصت کر کے خود وہیں سوتے تھے۔ کسی کو شان و گمان بھی نہ تھا کہ آج کی رات قیامت کی رات ہے البتہ خطرہ تو روز ہی رہتا تھا۔

کوئی ساڑھے دس یا گیارہ کا وقت تھا۔ میں پیر دبا رہا تھا۔ میرے چچا نے کہا اب تم جاؤ میں دباتا ہوں۔ میں خوش ہوا سیدھا سونے کے کمرے میں پہنچا۔ میری بیوی بیچاری غافل سو رہی تھی مگر بھلا جب میں پہنچ گیا تو وہ کب سونے پاتی تھیں؟ میں نے انہیں جگا دیا۔ ابھی پانچ چھ منٹ ہوئے ہوں گے کہ نوکر نے دروازہ پر دستک دی میں ڈر سے چونک پڑا۔ نوکر کنے کہا "اٹھو ابا کی طبیعت بہت خراب

Marfat.com

ہے۔ "میں جانتا تھا کہ ان کی طبیعت بہت خراب ہے۔ اس وقت "بہت خراب" کے جو معنی تھے میں سمجھ گیا میں اچھل کر بستر سے اٹھا اور دروازے کی طرف چھپٹا۔

"کیا ہو گیا؟ خدا کے لئے بتادو۔"

"ابا گزر گئے۔"

آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا! اب میں تھا اور کف افسوس ملنا! میرا دل شرم اور درد سے معمور تھا میں دوڑ کر والد کے کمرے میں گیا۔ مجھے یہ خیال آرہا تھا کہ اگر شہوانی خواہش مجھے اندھا نہ کر دیتی تو میں اس روحانی کرب سے بچ جاتا جو آخری لمحوں میں اپنے والد کے پاس حاضر نہ رہنے سے مجھے ہوا میں ان کے پیر دباتا ہوتا اور میری گود میں ان کا دم نکلتا۔ مگر اب یہ عزت میرے چچا کو نصیب ہوئی۔ انہیں اپنے بڑے بھائی سے ایسی محبت تھی کہ آخری وقت ان کی خدمت کرنے کے وہی مستحق قرار پائے۔ میرے والد کو ہونے والے واقعے کا کچھ اندازہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے اشارے سے کاغذ اور قلم دوات مانگ کر یہ الفاظ لکھے تھے "دفن کفن کی تیاری کرو" پھر انہوں نے اپنے بازو سے بازو بند اور گلے سے تلسی کے دانوں کی طلائی مالا کھول کر پھینک دی اس کے ایک لمحے کے بعد ان کا دم نکل گیا۔

وہ فضیحت جس کا میں نے اس باب کی ابتدا میں ذکر کیا ہے یہی شرمناک واقعہ ہے کہ شہوانی خواہش نے اس نازک وقت بھی مجھے نہ چھوڑا جب میرے والد جاں بلب تھے اور مجھے ان کی خدمت میں رہنا چاہیئے تھا یہ وہ دھبہ ہے جسے میں نہ کبھی مٹا سکا نہ بھول سکا اور میرا ہمیشہ یہ خیال رہا کہ اگرچہ مجھے اپنے والدین سے بے حد محبت تھی اور میں اس کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھا لیکن جب وہ خدا کی ترازو میں تولی گئی تو بہت کم نکلی، کیونکہ اس کے ساتھ ہی میرے دل پر شہوانی خواہش کا قبضہ تھا۔ اس لئے میں ہمیشہ یہ سمجھتا رہا کہ میں اس زمانے میں وفادار مگر شہوت پرست شوہر تھا۔ مجھے شہوانی خواہش کے پنجے سے چھوٹنے میں بہت دن لگے اور اسے مغلوب کرنے سے پہلے بڑے بڑے امتحانوں سے گزرنا پڑا۔

قبل اس کے کہ میں اس باب کو جس میں دوہری فضیحت کا ذکر ہے ختم کروں یہ بھی بتا دوں کہ میری بیوی نے جو چوہے کا سا بچہ جنا وہ تین چار دن سے زیادہ نہیں جیا۔ اس کے سوا اور کیا توقع ہو سکتی تھی؟ جن لوگوں کی شادی ہو گئی ہے وہ میری مثال سے عبرت حاصل کریں۔

Marfat.com

Marfat.com

دسواں باب

مذہب کی جھلک

چھ سات برس کی عمر سے سولہہ (1) برس کے سن تک میں اسکول میں رہا۔ اس عرصہ میں مجھے دنیا بھر کی چیزیں سکھائی گئیں سوائے مذہب کے۔ یوں کہنا چاہیئے کہ مجھے ان کی صحبت سے، بغیر ان کی کوشش کے، جو کچھ حاصل ہو سکتا تھا وہ میں نے حاصل نہیں کیا۔ البتہ اپنے ماحول (2) سے میں (مذہب کے متعلق) ادھر ادھر کی باتیں سیکھتا رہا۔ میری مراد یہاں مذہب کے لفظ سے اس کا وسیع ترین مفہوم معرفت نفس ہے۔

میں ویشنو ماں باپ کے یہاں پیدا ہوا اس لئے مجھے اکثر "حویلی" جانا پڑتا تھا لیکن یہ مندر میرے دل کو نہیں لگتا تھا۔ اس کی شان و شوکت اور چمک دمک مجھے پسند نہ تھی۔ میں نے یہ افواہیں بھی سنیں کہ وہاں بدکاری ہوتی ہے اس لئے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہ رہی۔ اس وقت سے میں "حویلی" سے کوئی روحانی فیض حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن جو چیز مجھے وہاں نہیں ملی وہ اپنی کھلائی سے حاصل ہوئی۔ یہ ہمارے خاندان کی بڑی پرانی خادمہ تھی۔ جس کی محبت مجھے آج تک یاد ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں بھوت پریت سے ڈرتا تھا۔ رمبھا (یہ کھلائی کا نام تھا) نے اس خوف کو دور کرنے کی ایک سہل سی تدبیر بتائی یعنی "رام نام" (3) کا جپنا، مجھے اس کی بتائی تدبیر پر اتنا عقیدہ نہ تھا جتنا خود اس پر۔ اس لئے اس کمسنی میں میں نے "رام نام" جپنا شروع کیا کہ بھوت پریت کے خوف سے نجات ملے۔ ظاہر ہے کہ یہ خوف تھوڑے دن کے بعد جاتا رہا۔ لیکن جو بیج بچپن میں بویا گیا تھا وہ ضائع نہیں گیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ اسی نیک عورت رمبھا کے بوئے ہوئے بیج کا اثر ہے کہ اب "رام نام" میرے لئے حکمی تدبیر کا اثر رکھتا ہے۔

Marfat.com

اسی زمانے میں میرے ایک رشتہ کے بھائی نے جو راماین پر بڑا گہرا عقیدہ رکھتے تھے میرے اور میرے بھائی کے لئے رام رکشا سیکھنے کا انتظام کیا۔ ہم نے اسے زبانی یاد کر لیا اور روز صبح اشنان کے بعد اسے پڑھنے کا ورد کر لیا جب تک ہم پور بندر میں رہے یہ سلسلہ جاری رہا۔ راجکوٹ پہنچنے کے بعد ہم اسے بھول بھال گئے مجھے اس پر کچھ عقیدہ بھی نہ تھا میں تو اسے ایک حد تک اس لئے پڑھتا تھا کہ مجھے رام رکشا صحیح تلفظ سے ادا کرنے پر گھمنڈ تھا۔

البتہ جس چیز نے میرے دل پر گہرا اثر کیا وہ راماین کی تلاوت تھی جو والد صاحب کے سامنے ہوا کرتی تھی۔ اپنی بیماری کے کچھ دن میرے والد نے پور بندر میں بسر کئے۔ وہاں وہ روز شام کو راماین سنتے تھے۔ پڑھتے بلیشور کے لدھ مہاراج تھے جو رام چندر جی سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے کوڑھ کا علاج کسی دوا سے نہیں کیا بلکہ "بلوا" کی پتیاں لگانے سے بلیشور کے مندر میں مہادیو کی مورت پر چڑھا کر پھینک دی جاتی تھیں اور "رام نام" جپنے سے یہ ان کے عقیدے نے ان کے مرض کو اچھا کر دیا۔ خدا جانے یہ صحیح ہے یا غلط بہر حال لوگ اس قصے کو سچ سمجھتے تھے اور یہ تو واقعہ ہے کہ جس زمانے میں لدھ مہاراج راماین پڑھتے تھے ان کا کوڑھ بالکل جا چکا تھا۔ ان کی آواز سریلی تھی وہ دوہے اور چوپائی گاتے تھے اور ان کا مطلب اس ذوق و شوق سے بیان کرتے تھے کہ انہیں اپنی کچھ خبر نہ رہتی تھی اور سننے والے بھی بے خود ہو جاتے تھے۔ میری عمر اس زمانے میں تیرہ برس کی ہو گی مگر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ انہیں راماین پڑھتے سن کر میں وجد کیا کرتا تھا اسی سے اس گہری عقیدت کی بنیاد پڑی جو مجھے راماین سے ہے۔ آج میں تلسی داس کی راماین کو دعا اور وظیفے کی کتابوں میں سب سے بڑھ کر سمجھتا ہوں۔

اس کے چند مہینے بعد ہم لوگ راجکوٹ آئے۔ یہاں راماین نہیں پڑھی جاتی تھی۔ البتہ ہر اکادشی (5) کو بھگوت گیتا کی تلاوت ہوتی تھی۔ میں شریک ہوتا تھا مگر پڑھنے والا ایسا نہ تھا جو سننے والوں میں جوش پیدا کر سکے۔ اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ بھگوت گیتا وہ کتاب ہے جو دلوں میں مذہبی ذوق و شوق پیدا کرتی ہے، میں نے اسے گجراتی میں بڑے شوق سے پڑھا ہے۔ لیکن جب میں نے اپنے اکیس دن کے روزہ کے دوران میں اصل سنسکرت کتاب کے کچھ حصے پنڈت مدن موہن مالوی کی زبان سے سنے تو دل میں کہا کاش میں اسے بچپن میں ایسے بھگت کی زبان سے سنتا تاکہ مجھے کمسنی ہی میں اس کا مذاق پیدا ہو جاتا۔ اس عمر میں انسان جو سنتا یا دیکھتا ہے اس کے نقش دل میں بہت گہرے ہوتے ہیں اور میں ہمیشہ افسوس کرتا رہتا کہ بدقسمتی سے مجھے اس زمانے میں اس قسم کی اور کتابیں سننے کا موقع نہیں ملا۔

Marfat.com

البتہ راجکوٹ میں یہ فائدہ ضرور ہوا کہ مجھے ابتدا ہی سے ہندو مذہب کی تمام شاخوں اور دوسرے مذہبوں کے ساتھ رواداری برتنے کی تربیت ملی۔ کیونکہ میرے والدین "حویلی" میں بھی جاتے تھے اور شیو اور رام کے مندر میں بھی اور ہم سب لڑکوں کو ساتھ لے جاتے تھے۔ میرے والد کے پاس جین سادھو بھی آیا کرتے تھے وہ میرے والد سے دینی اور دنیوی موضوعوں پر گفتگو کیا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ ان کے مسلمان اور پارسی دوست بھی تھے جو ان سے اپنے اپنے مذہب کی باتیں کیا کرتے تھے اور وہ ہمیشہ ادب سے اور اکثر دلچسپی سے سنا کرتے تھے، میں ان کا تیمار دار تھا اس لئے مجھے اکثر یہ گفتگوئیں سننے کا موقع ملتا تھا۔ ان سب باتوں نے مل کر مجھے سب مذہبوں سے رواداری کرنا سکھایا۔

صرف عیسائیت اس زمانے میں اس سے مستثنیٰ تھی میں اسے ایک لحاظ سے ناپسند کرتا تھا اور اس کی معقول وجہ تھی۔ اس زمانے میں عیسائی مشنری ہائی اسکول کے قریب ایک نکڑ پر کھڑے ہو کر وعظ کہتے تھے اور ہندوؤں کو اور ان کے دیوتاؤں کو دل کھول کر گالیاں دیتے تھے۔ میں یہ سن کر بہت بد ہوا۔ میں نے ان کی تقریر صرف ایک بار کھڑے ہو کر سنی۔ مگر یہ بھی اس بات کے لئے کافی تھا کہ میں نے عہد کر لیا کہ آئندہ کبھی یہ تجربہ نہ کروں گا۔ اسی زمانے میں میں نے ایک مشہور ہندو کے عیسائی ہو جانے کی خبر سنی۔ سارے شہر میں چرچا تھا کہ بپتسمہ کے وقت اسے شراب پلائی گئی اور گائے کا گوشت کھلایا گیا۔ اس کا لباس تبدیل کر دیا گیا اور اب وہ ہمیشہ یورپی کپڑے پہنتا ہے اور ہیٹ لگاتا ہے۔ ان باتوں سے میرے دل میں خلش پیدا ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ جو مذہب گائے کا گوشت کھانے پر، شراب پینے پر اور لباس بدل دینے پر مجبور کرتا ہے وہ مذہب کہلانے کا مستحق نہیں، میں نے یہ بھی سنا کہ ایک نو عیسائی نے اپنے باپ دادا کے مذہب ان کے رسم و رواج اور ان کے ملک کو گالیاں دینا شروع کر دیا ہے۔ ان سب چیزوں نے میرا دل عیسائیت سے پھیر دیا۔

لیکن میرے دوسرے مذہبوں سے رواداری کرنے کے یہ معنی نہیں تھے کہ میں خدا پر جیتا جاگتا عقیدہ رکھتا تھا۔ اس زمانے میں میری نظر سے منوسمرتی (6) گزری جو میرے والد کے کتب خانے میں تھی اس میں تخلیق اور اسی قسم کے دوسرے مسائل کا ذکر پڑھ کر میں زیادہ متاثر نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس میرا رجحان دہریت کی طرف ہو گیا۔

ان دنوں میں اپنے ایک رشتے کے بھائی (جو اب بھی زندہ ہیں) کی قابلیت کا بہت قائل تھا۔ میں نے ان سے اپنے شبہے بیان کئے۔ مگر وہ انہیں دور نہ کر سکے انہوں نے مجھے یہ جواب دے کر ٹال دیا

Marfat.com

"جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو تم خود ان شبہوں کو رفع کر سکو گے۔ اس عمر میں تمہیں اس قسم کے سوال نہ کرنا چاہیئں" میں خاموش ہو گیا مگر میری تشفی نہیں ہوئی "منوسمرتی" کے جو باب غذا، وغیرہ کے متعلق ہیں وہ مجھے روز مرہ کے عمل کے خلاف معلوم ہوتے تھے۔ اس بارے میں میں نے اپنے شبہے بیان کئے تو وہی جواب ملا۔ میں نے اپنے جی میں کہا "جب میرے ذہن میں پختگی آجائے گی اور میرا مطالعہ وسیع ہو جائے گا تو یہ باتیں میری سمجھ میں آجائیں گی۔"

بہر حال "منوسمرتی" سے مجھے اس زمانے میں "اہمسا" کا سبق نہیں ملا۔ میں اپنے گوشت کھانے کا قصہ بیان کر چکا ہوں "منوسمرتی" سے بظاہر اس فعل کی تائید ہوتی تھی۔ میرا یہ بھی خیال تھا کہ سانپ، کھٹمل وغیرہ کو مارنا بالکل جائز ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اس زمانے میں بارہا کھٹمل اور دوسرے کیڑے فرض سمجھ کر مارے ہیں۔

لیکن ایک عقیدے نے میرے دل میں گہری جڑ پکڑ لی کہ اخلاق ساری زندگی کی بنیاد ہے اور حق اخلاق کا لب لباب ہے۔ حق ساری کوششوں کا مرجع بن گیا یہ میری نظر میں روز بروز بلند تر اور برتر ہوتا گیا اور اس کی جو تعریف میرے ذہن میں تھی وہ بھی وسیع تر ہو گئی۔

اسی طرح چند گجراتی اشعار نے میرے دل و دماغ کو مسخر کر لیا ان میں بدی کے بدلے نیکی کرنے کی تلقین تھی جو میرے لئے شمع ہدایت بن گئی۔ اس کا میرے دل میں اتنا جوش تھا کہ میں نے اس کے مطابق عملی تجربے شروع کر دیئے۔ وہ اشعار جو میری نظر میں لاجواب ہیں یہ ہیں:

جو کوئی تجھ کو پانی پلائے اس کو اچھا کھانا کھلا
جو کوئی تجھ سے ہنس کر بولے اس کے آگے سر کو جھکا
تانبے کا جو پیسہ دے تو اس کو کیسۂ زر دے دے
جان بچائے جو تیری تو اس کی خاطر سر دے دے
ہے یہ قول حکیموں کا اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں
ایک کے بدلے دس دیتے ہیں، نیکی کا دم بھرتے ہیں
پر جو سچے داتا ہیں ہے ان کا سب سے ایک سلوک
پاپ کے بدلے پن کرنا اور بد سے کرنا نیک سلوک

Marfat.com

حوالہ جات

1- یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ گیارہویں باب میں لکھا ہے کہ انٹرنس ۱۸۸۷ء میں پاس کیا اور اس وقت حساب سے اٹھارہ برس کی عمر ہوتی ہے۔

2- Surroundings

3- رامچندر جی کے مختلف ناموں کا وظیفہ (ع)

4- ایک دعا (ع)

5- چاند کے مہینے کی گیارہویں تاریخ ہندی تقویم میں مہینے کے دو حصے ہوتے ہیں۔ (روشن اور تاریک) دونوں میں تاریخیں ایک سے چودہ یا پندرہ تک گنی جاتی ہیں (ع)

6- منو کے قانون۔ منو ایک ہندو واضع قانون تھے اور ان کے قانون مذہبی اہمیت رکھتے ہیں (م)

Marfat.com

Marfat.com

گیارہواں باب

انگلستان کی تیاریاں

میں نے انٹریس کا امتحان 1887 ءمیں پاس کیا۔ اس زمانے میں یہ امتحان دو جگہ ہوا کرتا تھا احمد آباد میں اور بمبئی میں۔ ملک کے عام افلاس کی وجہ سے کاٹھیاوار کے طلبہ احمد آباد جایا کرتے تھے کیونکہ یہ قریب بھی پڑتا تھا اور یہاں خرچ بھی کم ہوتا تھا۔ میرا خاندان بھی مفلس تھا اس لئے میں بھی یہی صورت اختیار کرنے پر مجبور تھا۔ یہ پہلا سفر تھا جو میں نے راجکوٹ سے احمد آباد تک کیا اور وہ بھی بغیر کسی ساتھی کے۔

میرے بزرگ چاہتے تھے کہ میں انٹریس پاس کرنے کے بعد کالج میں پڑھوں کالج بھاول نگر میں تھا اور بمبئی میں بھی مگر چونکہ بھاول نگر میں خرچ کم تھا اس لئے میں نے یہ طے کیا کہ وہاں جا کر اس کالج میں داخل ہو جاؤں۔ جانے کو تو میں چلا گیا لیکن وہاں پہنچ کر میرے حواس جاتے رہے۔ ہر چیز میرے لئے مشکل تھی۔ پروفیسروں کے لیکچروں میں دلچسپی ہونا تو در کنار میں انہیں سمجھ بھی نہ سکتا تھا۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ اس کالج کے پروفیسر اعلیٰ درجے کے سمجھے جاتے تھے یہ میری ہی خامی تھی کہ میں ان کے درس سے استفادہ نہ کر سکا۔ پہلی ٹرم ختم ہوتے ہی میں گھر چلا آیا۔

ماوجی دیو ایک عالم اور دانشمند برہمن اور ہمارے خاندان کے قدیم دوست اور مشیر تھے۔ ان کے تعلقات ہم لوگوں سے والد کے انتقال کے بعد بھی باقی رہے۔ اتفاق سے وہ میری تعطیل کے زمانے میں ایک دن تشریف لائے اور والدہ اور بڑے بھائی سے باتیں کرنے لگے۔ گفتگو کے دوران میں انہوں نے میری تعلیم کا حال پوچھا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں ساملداس کالج میں پڑھتا ہوں تو انہوں نے کہا "اب زمانہ بدل گیا ہے اور تم میں سے کوئی بغیر معقول تعلیم حاصل کئے اپنے والد کی گدی پانے کی توقع

Marfat.com

نہیں کر سکتا۔ اس لڑکے کی تعلیم ابھی جاری ہے اس لئے اسی کی ذات سے تمہیں یہ امید ہو سکتی ہے کہ یہ گدی کو قائم رکھے گا۔ بی اے پاس کرنے میں اسے چار پانچ سال لگیں گے اور سند ملنے کے بعد زیادہ سے زیادہ ساٹھ کی نوکری ملے گی دیوان کا عہدہ ملنے سے رہا اگر میرے لڑکے کی طرح اس نے قانون پڑھا تو اور بھی زیادہ دن لگیں گے اور اتنے عرصے میں خدا جانے کتنے آدمی وکالت پاس کر کے اس عہدے کے امیدوار ہو جائیں گے۔ میری رائے میں اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم اسے انگلستان بھیج دو۔ میرا بیٹا کیول ارام کہتا ہے کہ بیرسٹری کا امتحان بہت سہل ہے۔ تین سال میں یہ لوٹ آئے گا خرچ بھی چار پانچ ہزار سے زیادہ نہ ہو گا۔ ذرا اس بیرسٹر کو دیکھو جو ابھی انگلستان سے آیا ہے۔ کیسی شان سے رہتا ہے! وہ جس دن چاہے دیوان ہو جائے۔ میں تو تمہیں بہت اصرار کے ساتھ مشورہ دیتا ہوں کہ موہن داس کو اسی سال انگلستان بھیج دو۔ کیول رام کے بہت سے دوست وہاں ہیں۔ وہ ان کے نام تعارف کے خطوط دے دے گا اور موہن داس وہاں بڑے آرام سے رہے گا۔"

جوشی جی (اسی لقب سے ہم لوگ ماؤجی دیو کو پکارتے تھے) پورے اطمینان کے ساتھ میری طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے پوچھا "کیا تم انگلستان جانے کو یہاں پڑھنے پر ترجیح نہیں دیتے؟" میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی تھی میں اپنی مشکل پڑھائی سے یوں ہی جی چراتا تھا جھٹ سے اس تجویز پر راضی ہو گیا۔ میں نے کہا "مجھے کل کے بھیجتے آج بھیج دیجئے مگر اتنی جلدی جلدی قانون کے امتحان پاس کرنا مشکل ہے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ڈاکٹری پڑھنے جاؤں۔"

میرے بھائی نے میری بات کاٹ کر کہا "والد کو یہ پیشہ بالکل پسند نہیں تھا تمہارا ہی خیال کر کے انہوں نے کہا تھا کہ ہم ویشنو لوگوں کو مردوں کی چیر پھاڑ کے پاس نہ پھٹکنا چاہیئے۔ وہ یہی چاہتے تھے کہ تم قانون پڑھو۔"

جوشی جی بولے "میں گاندھی جی کی طرح ڈاکٹری پیشہ کا مخالف نہیں ہوں ہمارے شاستروں نے اس کی ممانعت نہیں کی لیکن ڈاکٹری پڑھ کر تم دیوان نہیں بن سکتے اور میں چاہتا ہوں کہ تمہیں دیوان کا عہدہ بلکہ اس سے بڑھ کر رتبہ ملے۔ یہی ایک صورت ہے کہ تم اتنے بڑے خاندان کی پرورش کر سکو۔ زمانہ روز بروز بدل رہا ہے اور بڑے سخت دن آرہے ہیں اس لئے دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ تم بیرسٹر بنو۔" میری ماں سے مخاطب ہو کر انہوں نے کہا "جو بات میں نے کہی ہے مہربانی سے اس پر غور کیجئے اب کی جب میں یہاں آؤں گا تو امید ہے کہ انگلستان کی تیاریاں ہو رہی ہوں گی۔ اگر میرے لائق کوئی کام ہو تو مجھے ضرور بتائیے گا۔

Marfat.com

جوشی جی چلے گئے اور میں شیخ چلی کے سے منصوبے باندھنے لگا۔

میرے بڑے بھائی بہت متفکر تھے۔ مجھے انگلستان بھیجنے کے مصارف کہاں سے آئیں؟ یہ تردد بھی تھا کہ میرے جیسے کمسن لڑکے کو تنہا پردیس میں بھیجنا مناسب ہے یا نہیں ادھر میری والدہ عجب شش و پنج میں تھیں۔ انہیں میری جدائی بہت ناگوار تھی۔ انہوں نے اس معاملے کو ٹالنے کی کوشش کی۔ کہنے لگیں۔ "اب تمہارے چچا گھر بھر میں سب سے بڑے ہیں پہلے ان سے صلاح لینا چاہیئے۔ اگر وہ راضی ہو گئے تو دیکھا جائے گا۔"

میرے بھائی کو ایک اور خیال آیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا "ریاست پور بندر پر ہمارا حق ہے۔ لیلیٰ صاحب آج کل ریاست کے منتظم ہیں وہ ہمارے خاندان کی بڑی عزت کرتے ہیں اور چچا سے بہت خوش ہیں ممکن ہے وہ ریاست میں سفارش کر دیں کہ تمہیں انگلستان میں تعلیم دلانے کے لئے کچھ مدد دی جائے۔"

مجھے یہ بات پسند آئی اور میں پور بندر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ ان دنوں ریل نہ تھی بیل گاڑی میں پانچ دن کا راستہ تھا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں بزدل تھا لیکن اس وقت انگلستان جانے کے شوق میں جس سے میرا دل معمور تھا یہ بزدلی کافور ہو گئی۔ میں نے دھوراجی تک جانے کے لئے بیل گاڑی کرایہ پر لی اور دھوراجی سے اونٹ پر سفر کیا کہ ایک دن پہلے پور بندر پہنچ جاؤں مجھے اونٹ پر بیٹھنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔

غرض کسی نہ کسی طرح میں پہنچ گیا چچا کو آداب کر کے میں نے سارا ماجرا سنایا۔ انہوں نے کچھ دیر سوچ کر کہا "مجھے یقین نہیں کہ آدمی انگلستان میں رہ کر اپنے دہرم پر قائم رہ سکتا ہے۔ جو کچھ میں نے سنا ہے اس سے تو بہت شبہ ہوتا ہے جب میں ان بڑے بڑے بیرسٹروں کو دیکھتا ہوں تو مجھے ان کی اور یورپینوں کی زندگی میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا انہیں کسی چیز کے کھانے پینے میں باک نہیں، سگار ان کے منہ سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ لباس ویسا ہی بے شرمی کا ہے جیسا کہ انگریزوں کا۔ یہ سب باتیں ہمارے خاندان کے رواج سے میل نہیں کھاتیں۔ میں چند روز میں جاترا کے لئے جا رہا ہوں اور میری زندگی تھوڑی رہ گئی ہے بھلا ایسے وقت میں کہ موت سر پر ہے میں تمہیں کیونکر سمندر پار انگلستان جانے کی اجازت دوں؟ مگر میں تمہیں روکنا بھی نہیں چاہتا اصل میں اجازت جو کچھ ہے تمہاری ماں کی ہے۔ اگر وہ کہہ دیں تو شوق سے سدھارو اللہ نگہبان۔ ان سے کہہ دینا کہ میں دخل نہیں دوں گا اگر تم گئے تو میری دعائیں تمہارے ساتھ جائیں گی۔"

Marfat.com

میں نے کہا کہ "میں جانتا تھا کہ آپ اس سے زیادہ کچھ نہ کریں گے اب میں والدہ کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا۔ مگر کیا آپ لیلیٰ صاحب سے میری سفارش بھی نہ کریں گے؟"

انہوں نے کہا "میں یہ کیسے کر سکتا ہوں مگر وہ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ تم انہیں اپنے خاندانی تعلقات بتاؤ اور ملنے کی درخواست کرو۔ وہ یقیناً تم سے ملیں گے بلکہ ممکن ہے کہ مدد بھی کریں۔"

میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے چچا نے سفارش کا خط کیوں نہیں دیا۔ کچھ خفیف سا خیال ہے کہ شاید وہ میرے انگلستان جانے میں جو ان کے خیال میں دھرم کے خلاف تھا براہ راست مدد دیتے ہوئے رکتے تھے۔

میں نے لیلی صاحب کو لکھا اور انہوں نے مجھے اپنے گھر بلایا۔ وہ جب مجھ سے ملے تو سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے۔ چلتے چلتے انہوں نے مجھے دو ٹوک جواب دے دیا "پہلے بی اے پاس کرو پھر میرے پاس آنا۔ اس وقت تمہیں کوئی مدد نہیں دی جاسکتی۔" میں نے ان سے ملنے کی بڑی تیاریاں کی تھیں۔ بہت سوچ سمجھ کر چند جملے یاد کئے تھے اور سب ان کے سامنے آیا تو زمین دوز ہو کر دونوں ہاتھوں سے سلام کیا۔ مگر یہ سب بیکار گیا۔

مجھے اپنی بیوی کے زیور کا خیال آیا اور اپنے بھائی کا خیال آیا جن پر مجھے بڑا بھروسہ تھا۔ ان کی فیاضی حد سے بڑھی ہوئی تھی اور مجھ سے وہ اپنے بیٹے کی طرح محبت کرتے تھے۔

میں پور بندر سے راجکوٹ آیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ میں نے جوشی جی سے مشورہ لیا۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے جانے پر اصرار کیا اور کہا کہ اگر ضرورت ہو تو قرض لینے میں تامل نہ کرنا چاہیئے۔ میں نے اپنی بیوی کا زیور بیچنے کی تجویز پیش کی جس سے دو تین ہزار روپیہ مل جاتا۔ میرے بھائی نے وعدہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح روپے کا بندوبست کر دیں گے۔

مگر میری والدہ اب تک راضی نہ تھیں انہوں نے لوگوں سے کھود کھود کے انگلستان کے حالات پوچھے۔ کسی نے ان سے کہہ دیا کہ نوجوان وہاں بگڑ جاتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ وہ گوشت کھانے لگتے ہیں۔ کسی نے کہا وہاں بغیر شراب کے گزر نہیں ہوتا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا "جب یہ حال ہے تو کیسے کام چلے گا؟" میں نے کہا "آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں؟ میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا۔ اگر ایسا خطرہ ہوتا تو بھلا جوشی جی مجھے جانے دیتے؟"

انہوں نے کہا مجھے تم پر اعتبار ہے۔ مگر پردیس میں کیسے اعتبار کروں؟ میں حیران ہوں سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ اچھا بچارجی سوامی سے پوچھوں گی۔"

Marfat.com

بچار جی سوامی اصل میں مودھی بنئے تھے مگر اب جین سادھو ہو گئے تھے وہ بھی جوشی جی کی طرح ہمارے خاندان کے مشیر تھے۔ انہوں نے میری مدد کی اور کہا۔ "میں اس لڑکے سے تین باتوں کا پکا عہد لوں گا۔ پھر اسے اجازت دینے میں کوئی ہرج نہیں۔" انہوں نے مجھ سے قسم کھلوائی اور یہ عہد لیا کہ میں شراب، عورت اور گوشت کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ جب یہ ہو گیا تو میری ماں نے جانے کی اجازت دے دی۔

ہائی اسکول میں مجھے رخصت کرنے کے لئے جلسہ کیا گیا۔ راجکوٹ کے ایک نوجوان کا انگلستان جانا ایک غیر معمولی بات تھی۔ میں نے چند لفظ شکریئے کے لکھ لئے تھے۔ مگر بڑی دقت سے ہکلا ہکلا کر میری زبان سے نکلے۔ مجھے یاد ہے جب میں انہیں پڑھنے کھڑا ہوا تو میرے سر میں چکر تھا اور میں سارے بدن سے کانپ رہا تھا۔

بزرگوں کی دعاؤں کے ساتھ میں بمبئی روانہ ہوا۔ راجکوٹ سے بمبئی تک میرا پہلا سفر تھا۔ میرے بھائی مجھے پہنچانے گئے تھے لیکن مثل ہے کہ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ ابھی بمبئی میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا تھا۔

Marfat.com

Marfat.com

بارہواں باب

برادری سے خارج

اپنی ماں سے اجازت اور دعائیں لے کر، اپنی بیوی اور تین چار مہینے کے بچے سے رخصت ہو کر میں خوشی خوشی بمبئی روانہ ہوا لیکن وہاں میرے بھائی کے دوستوں نے ان سے کہا کہ جون اور جولائی میں بحر ہند میں طلاطم رہتا ہے اور یہ اس لڑکے کا پہلا بحری سفر ہے اس لئے احتیاط کا تقاضا ہے کہ یہ نومبر سے پہلے روانہ ہو۔ کسی نے یہ خبر سنائی کہ حال ہی میں کوئی جہاز طوفان میں ڈوب گیا ہے۔ میرے بھائی یہ سن کر گھبرا گئے اور انہوں نے میری فوری روانگی میں خطرہ سمجھ کر اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ وہ مجھے بمبئی میں ایک دوست کے پاس چھوڑ کر راجکوٹ چلے گئے اور اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے میرا سفر خرچ اپنے نسبتی بھائی کے پاس رکھوا دیا اور اپنے دوستوں سے کہہ دیا کہ مجھے جس قسم کی مدد کی ضرورت ہو دیتے رہیں۔

بمبئی میں مجھ سے وقت کاٹے نہ کٹتا تھا۔ میں ہمیشہ انگلستان جانے کے خیال میں رہا کرتا تھا۔ اس عرصہ میں ذات برادری کے لوگوں میں میرے سمندر پار جانے کی خبر سے بے چینی پھیل گئی۔ کوئی مودھ بنیا اب تک انگلستان نہیں گیا تھا۔ لوگ میری اس جرات کا مواخذہ کرنے پر تل گئے۔ برادری کا ایک عام جلسہ ہوا اور میں اس کے سامنے طلب کیا گیا۔ میں نے تعمیل کی۔ خدا جانے مجھ میں ایک دم سے کہاں کی جرائت آ گئی۔ جلسے کے سامنے جانے میں، میں ذرا بھی نہیں ڈرا۔ مجھے خفیف سی جھجک بھی محسوس نہ ہوئی۔ برادری کے سردار سیٹھ صاحب نے جو میرے دور کے رشتہ دار اور میرے والد کے دوست تھے، مجھ سے اس طرح خطاب کیا:

"برادری کی نظر میں تمہارا انگلستان جانا ٹھیک نہیں ہے، ہمارے دھرم میں سمندر پار جانے کی ممانعت ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ وہاں آدمی دھرم کے خلاف کام کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اسے

Marfat.com

انگریزوں کے ساتھ کھانا پڑتا ہے! ۔"

میں نے اس کا یہ جواب دیا: ۔ میرے خیال میں انگلستان جانا ہرگز دہرم کے خلاف نہیں ہے، میں وہاں آگے پڑھنے کے لئے جارہا ہوں اور میں اپنی والدہ سے عہد کر چکا ہوں کہ ان تین چیزوں سے جن کا آپ لوگوں کو زیادہ ڈر ہے پرہیز کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ عہد مجھے برائی سے محفوظ رکھے گا۔"

سیٹھ جی نے فرمایا مگر میں جو تم سے کہتا ہوں کہ وہاں دھرم پر قائم رہنا ممکن نہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے باپ سے مجھ سے کیا تعلقات تھے۔ تمہارا فرض ہے کہ میری بات مانو۔"

میں نے کہا: "مجھے ان تعلقات کا حال معلوم ہے اور میں آپ کو بزرگ سمجھتا ہوں، مگر میں اس معاملے میں مجبور ہوں۔ میں انگلستان جانے کا عزم کر چکا ہوں اور اسے ترک نہیں کر سکتا۔ میرے والد کے دوست اور مشیر نے جو ایک عالم برہمن ہیں میرے انگلستان جانے کو جائز رکھا ہے اور میری والدہ اور بھائی نے بھی اجازت دے دی۔"

"مگر تمہیں برادری کے حکم کا لحاظ نہیں؟"

"میں سچ مچ مجبور ہوں۔ میرے خیال میں برادری کو اس معاملے میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔"

اس پر سیٹھ جھنجھلا گئے وہ مجھے سخت سست کہنے لگے۔ میں چپ بیٹھا رہا۔ آخر سیٹھ نے حکم سنایا: "آج سے یہ لڑکا برادری سے باہر سمجھا جائے گا جو کوئی اس کی مدد کرے گا اسے پہنچانے کھاڑی جائے گا وہ سوا روپیہ جرمانہ کا مستوجب ہو گا۔"

مجھ پر اس حکم کا کوئی اثر نہیں ہوا اور میں سیٹھ سے رخصت ہو کر چلا آیا۔ مگر مجھے یہ فکر تھی کہ میرے بھائی کیا کہیں گے خوش قسمتی سے وہ ثابت قدم رہے اور انہوں نے اپنے خط میں یقین دلایا کہ باوجود سیٹھ کے حکم کے ان کی اجازت بدستور قائم ہے۔

اس واقعے سے مجھے اور بے چینی پیدا ہو گئی کہ کسی طرح جلدی چلا جاؤں۔ اگر ان لوگوں نے میرے بھائی پر دباؤ ڈالا تو خدا جانے کیا صورت ہو؟ اور فرض کرو ناگہانی حادثہ پیش آگیا۔ میں اس الجھن میں تھا کہ میں نے سنا ایک جونا گڑھ کے وکیل بیرسٹری کرنے انگلستان جا رہے ہیں اور 4 ستمبر کے جہاز سے روانہ ہو جائیں گے، میں اپنے بھائیوں کے دوستوں سے جن کے سپرد وہ مجھے کر گئے تھے ملا۔ ان کی بھی یہی رائے ہوئی کہ مجھے ایسے شخص کی ہمراہی کا موقع ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔ وقت بہت کم تھا۔ میں نے اپنے بھائی کو تار دے کر اجازت مانگی اور انہوں نے دے دی، میں نے اپنے نسبتی بھائی سے روپیہ مانگا۔ انہوں نے سیٹھ کے حکم کا حوالہ دیا اور کہا مجھ میں برادری سے خارج ہونے کی ہمت نہیں۔ تب میں اپنے

Marfat.com

خاندان کے ایک دوست کے پاس گیا اور ان سے درخواست کی کہ مجھے اتنا روپیہ قرض دے دیں جو کرایہ اور اوپر کی ضروریات کے لئے کافی ہو اور میرے بھائی سے وصول کر لیں۔ انہوں نے مہربانی سے نہ صرف میری درخواست منظور کر لی بلکہ مجھے بہت تسلی بھی دی۔ میں نے فوراً جہاز کا ٹکٹ لیا۔ اب مجھے سفر کا سامان کرنا تھا۔ ایک اور دوست کو ان باتوں کا تجربہ تھا انہوں نے مجھے کپڑے بنوا دیئے اور دوسری چیزیں فراہم کر دیں۔ بعض کپڑے مجھے پسند تھے اور بعض ناپسند۔ نکٹائی سے جسے میں آگے چل کر شوق سے باندھنے لگا اس وقت مجھے سخت نفرت تھی۔ چھوٹا کوٹ پہنتا مجھے بے حیائی معلوم ہوتی تھی لیکن انگلستان جانے کی لگن میرے دل میں ایسی تھی کہ یہ ناپسندیدگی کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ راستے کے کھانے پینے کا سامان میرے ساتھ بہت کافی تھا۔ میرے دوستوں نے اسی کیبن (1) میں ایک برتھ (2) محفوظ کر لی تھی۔ جس میں جوناگڑھ کے وکیل تری امبک رائے جی مضمون دار تھے۔ انہوں نے مجھے مضمون دار جی کی حفاظت میں دیا اور کہا یہ ابھی اٹھارہ برس کا لڑکا ہے جسے دنیا کا کوئی تجربہ نہیں۔ مضموندار جی نے کہا آپ اس لڑکے کی طرف سے مطمئن رہیے۔

خدا خدا کر کے ہم 4 ستمبر کو بمبئی سے روانہ ہوئے۔

حوالہ جات

1- Cabin

2- Birth

Marfat.com

Marfat.com

تیرہواں باب

لندن میں داخلہ

مجھے سمندر کے سفر میں متلی بالکل نہیں ہوئی۔ لیکن کچھ دن کے بعد میری طبیعت میں الجھن اور بے چینی پیدا ہونے لگی۔ میں اسٹورڈ تک سے باتیں کرنے جھپتا تھا۔ مجھے انگریزی بولنے کی بالکل عادت نہ تھی اور دوسرے درجے میں سوا مضمونداری کے سب مسافر انگریز تھے۔ میں ان سب سے باتیں نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ جب وہ مجھ سے مخاطب ہوتے تھے تو میں ان کے الفاظ کم سمجھتا تھا اور اگر سمجھ بھی گیا تو جواب نہیں دے سکتا تھا۔ مجھے بولنے سے پہلے ایک ایک لفظ سوچنا پڑتا تھا۔ میں چھری کانٹے کے استعمال سے ناواقف تھا اور مجھ میں اتنی جرات بھی نہ تھی کہ کسی سے پوچھوں کن کن کھانوں میں گوشت نہیں ہے۔

اس لئے میں لوگوں کے ساتھ میز پر کبھی کھانا نہیں کھاتا تھا۔ بلکہ اپنے کیبن میں کھالیا کرتا تھا اور میری غذا زیادہ تر مٹھائی اور پھل تھے جو میں ساتھ لایا تھا مضمونداری کو اس قسم کی کوئی دقت نہ تھی اور وہ سب سے ملتے جلتے تھے وہ بے تکلف ڈیک پر پھرتے تھے اور میں کیبن میں چھپا بیٹھا رہتا تھا۔ اور ڈیک پر صرف اس وقت جاتا تھا جب وہاں دو چار آدمیوں سے زیادہ نہ ہوں۔ مضمونداری مجھے برابر سمجھاتے تھے کہ مسافروں سے ملا کرو اور ان سے بے تکلف باتیں کیا کرو۔ وہ کہتے تھے کہ وکیل کی زبان تیز ہونا چاہئے اور اپنے پیشے کے تجربے سنایا کرتے تھے۔ ان کی نصیحت تھی کہ انگریزی بولنے کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور غلطیوں کی پروانہ کرو۔ غیر زبان میں غلطیاں تو ہوتی ہی ہیں لیکن میں اپنی جھینپنے کی عادت کسی طرح دور نہ کر سکا۔

ایک انگریز مسافر مجھ سے اتنی مہربانی سے پیش آیا کہ مجھے گفتگو کرنا ہی پڑی وہ مجھ سے عمر میں بڑا تھا۔ اس نے مجھ سے بہت سی باتیں پوچھیں تم کون ہو، کیا کام کرتے ہو، کیا کھاتے ہو، کہاں جارہے

Marfat.com

ہو، اتنا جھیپتے کیوں ہو وغیرہ وغیرہ مجھے مشورہ دیا کہ میز پر آیا کرو۔ وہ میرے اتنی سختی سے گوشت سے پرہیز کرنے پر بہت ہنسا اور ایک دن جب ہم بحر قلزم میں تھے اس نے دوستانہ لہجہ میں کہا

"ابھی تو خیر کام چلتا ہے مگر جب خلیج بسکے میں پہنچو گے تو تمہیں اپنے فیصلہ پر پھر سے غور کرنا پڑے گا۔ اور انگلستان میں تو اتنی سردی پڑتی ہے کہ کوئی بے گوشت کھائے زندہ نہیں رہ سکتا۔

میں نے کہا" مگر میں نے سنا ہے کہ لوگ وہاں بے گوشت کھائے بھی رہ سکتے ہیں اور رہتے ہیں "

وہ بولا" یقین جانو یہ من گھڑت ہے جہاں تک مجھے یاد ہے وہاں کوئی شخص نہیں رہتا جو گوشت نہ کھاتا ہو دیکھو آخر میں تم سے شراب پینے کو تو نہیں کہتا حالانکہ میں پیتا ہوں مگر یہ میں ضرور کہتا ہوں کہ تمہیں گوشت کھانا چاہئے کیونکہ بے اس کے تم زندہ نہیں رہ سکتے"۔

"آپ کے ہمدردانہ مشورہ کا شکریہ لیکن میں اپنی ماں سے صدق دل سے وعدہ کر چکا ہوں کہ گوشت کو ہاتھ نہ لگاؤں گا اس لئے میں اس کے کھانے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا اگر میں دیکھوں گا کہ اس کے بغیر کام نہیں چلتا تو میں ہندوستان واپس چلا جاؤں گا مگر یہاں رہنے کے لئے گوشت کھانا قبول کروں گا"۔

ہم خلیج بسکے میں داخل ہو گئے لیکن مجھے نہ تو گوشت کی ضرورت پیدا ہوئی۔ شراب کی۔ وطن میں مجھے یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ میں لوگوں سے تصدیق کرالوں کہ میں نے گوشت نہیں کھایا۔ میں نے اس انگریز دوست سے تصدیق نامہ مانگا۔ اس نے خوشی سے دے دیا اور میں نے اسے بہت دن تک احتیاط سے رکھا لیکن جب میں نے آگے چل کر دیکھا جو لوگ کھاتے ہیں انہیں بھی ایسے تصدیق نامے مل جاتے ہیں تو میری نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہ رہی اگر کسی کو میری بات کا اعتبار نہ ہو تو تصدیق نامے سے کیا فائدہ؟

غرض ہم کمپٹن پہنچ گئے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے سنیچر کا دن تھا جہاز میں کالا سوٹ پہنتا تھا۔ سفید فلالین کا سوٹ جو میرے دوستوں نے بنوایا تھا اس لئے اٹھا رکھا گیا تھا کہ جہاز سے اتر کر پہنا جائے۔ میرا خیال تھا کہ جب ساحل پر اتروں گا تو سفید کپڑے پہننا زیادہ مناسب ہو گا۔ اس لئے میں نے فلالین کا سوٹ پہنا۔ یہ ستمبر کے آخری دنوں کا ذکر ہے۔ میں نے دوسروں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ سوائے میرے کوئی سفید کپڑے پہنے ہوئے نہیں ہے۔ میں نے دیکھا کہ سب نے اپنا اپنا سامان مع کنجیوں گرنڈلے کمپنی کے ایک ایجنٹ کے سپرد کر دیا۔ اس لئے میں نے بھی یہی کیا۔

Marfat.com

میرے پاس چار تعارف کے خط تھے ڈاکٹر پ۔ ج مہتا کے نام۔ دلپت رام جی شکل کے نام، پرنس رنجیت سنگھ جی کے نام اور دادا بھائی نورو جی کے نام۔ جہاز پر کسی نے ہمیں یہ مشورہ دیا تھا کہ لندن میں وکٹوریہ ہوٹل میں ٹھہریں۔ اس لئے مضموندار جی نے اور میں نے وہاں قیام کیا۔ مجھے پہلے ہی کیا کم شرم تھی کہ میں اکیلا سفید کپڑے پہنے ہوں۔ جب ہوٹل میں مجھے معلوم ہوا کہ گرنڈ کے کے ہاں سے میرا اسباب کل اتوار کے سبب سے نہیں مل سکتا تو میں بے حد پریشان ہوا۔ ابھی دن شام کو آٹھ بجے کے قریب ڈاکٹر مہتا جنہیں میں نے سَتھمپٹن سے تار دیا تھا، تشریف لائے۔ انہوں نے نہایت گرمجوشی سے میرا خیر مقدم کیا۔ وہ میرے سفید کپڑوں کو دیکھ کر ہنسے۔ ان سے باتیں کرتے کرتے میں نے شغل کے طور پر ان کی ٹاپ ہیٹ اٹھالی اور اس پر الٹی طرف ہاتھ پھیرنے لگا۔ جس سے اس کے بال ادھر ادھر ہٹ گئے۔ ڈاکٹر مہتا نے میری اس حرکت کو کسی قدر غصے کی نظر سے دیکھا اور مجھے روک دیا۔ لیکن جو نقصان ہونا تھا وہ ہو ہی گیا۔ اس واقعے سے مجھے آئیندہ کے لئے عبرت ہو گئی۔ یہ میرا یورپی آداب مجلس کا پہلا سبق تھا۔ جس کی باریکیاں ڈاکٹر مہتا نے مجھے دل لگی کے پیرائے میں سمجھادیں۔ انہوں نے کہا کہ "دوسروں کی چیزیں نہ چھوا کرو، پہلی ملاقات میں اس قسم کے سوال نہ کیا کرو جیسے ہم ہندوستان میں کرتے ہیں چلا کر بات نہ کیا کرو، لوگوں سے گفتگو کرتے وقت انہیں "سر" نہ کہا کرو، یہ ہندوستان ہی کا دستور ہے۔ یہاں تو صرف نوکر چاکر اپنے آقا کو "سر" کہتے ہیں" اور اسی قسم کی بہت سی باتیں انہوں نے مجھے بتائیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہوٹل کے رہنے میں بہت خرچ ہے اور مجھے مشورہ دیا کہ میں کسی خاندان کے ساتھ رہوں۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اس معاملہ کو پیر تک ملتوی رکھیں۔

مضموندار جی کو اور مجھے ہوٹل میں تکلیف تھی اور خرچ بھی بہت تھا مالٹا سے ہمارے ہمسفر ایک سندھی تھے۔ جن سے مضموندار جی کی دوستی ہو گئی تھی وہ لندن میں اجنبی نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ اگر کہو تو تمہارے لئے کمرے تلاش کردوں۔ ہم راضی ہو گئے اور پیر کے دن جیسے ہی اسباب آیا ہم ہوٹل کا بل ادا کر دیا اور ان کمروں میں اٹھ گئے جو سندھی دوست نے ہمارے لئے کرایہ پر لئے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے ہوٹل کا بل تین پاؤنڈ کے قریب تھا جسے دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے اتنا روپیہ دینا پڑا اور لطف یہ کہ میں تقریباً فاقہ سے رہا، کیونکہ مجھے کوئی کھانا پسند نہیں آتا تھا۔ اگر مجھے ایک چیز نا پسند ہوئی تو میں دوسری منگاتا تھا اور دونوں کے دام دینا پڑتے تھے۔ اصل میں میرا گزارا اب تک ان چیزوں پر تھا جو میں بمبئی سے ساتھ لایا تھا۔

Marfat.com

نئے کمروں میں بھی میں پریشان تھا۔ مجھے اپنا گھر اور اپنا ملک بہت یاد آتا تھا۔ ماں کی محبت کا خیال دم بھر دل سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ رات کو میرے رخساروں پر آنسوؤں کا تار بندھ جاتا تھا اور گھر کی ایک ایک چیز کی یاد نیند حرام کر دیتی تھی کسے اپنا دردِ پنہاں سناتا اور فرض کیجئے سناتا بھی تو فائدہ کیا ہوتا؟ کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی تھی جس سے تسکین ہو۔ ہر چیز اجنبی تھی۔ لوگ ان کے طور طریق یہاں تک کہ ان کے گھر بھی۔ میں انگریزی آداب و رسوم کے معاملے میں بالکل مبتدی تھا اور مجھے ہر وقت احتیاط سے کام لینا پڑتا تھا۔ پھر ترکاری کے سوا کچھ نہ کھانے کا عہد ایک اور مصیبت تھی۔ جو کھانے میں کھا سکتا تھا۔ وہ بے مزہ اور پھیکے تھے۔ غرض میں عجب مخمصے میں پھنسا تھا نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن انگلستان میں رہنا مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تھا اور ہندوستان واپس جانا محال تھا میرا ضمیر کہتا تھا کہ اب تو تم آ ہی گئے ہو، کسی نہ کسی طرح یہ تین سال پورے کرو۔

حوالہ

1 - اونچی ٹوپی جو لندن میں مہذب طبقے کے لوگ رسمی لباس کے ساتھ پہنتے ہیں۔

Marfat.com

چودھواں باب

میرے ایک عقیدے کی تبدیلی

ڈاکٹر مہتا پیر کے دن وکٹوریہ ہوٹل پہنچے۔ ان کا خیال تھا کہ میں وہیں ملونگا۔ یہاں انہیں معلوم ہوا کہ ہم لوگ جا چکے ہیں۔ وہ ہمارا نیا پتہ معلوم کر کے ہمارے مکان پہنچے۔ مجھے جہاز پر محض حماقت سے داد کی شکایت ہو گئی تھی۔ وہاں ہمیں منہ دھونے اور نہانے کے لئے سمندر کا پانی ملتا تھا جس میں صابن حل نہیں ہوتا۔ مگر میں صابن کو تہذیب کی نشانی سمجھ کر استعمال کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جلد بجائے صاف ہونیکی چکنائی سے آلودہ ہو جاتی تھی۔ اسی سے میں داد میں مبتلا ہو گیا۔ میں نے ڈاکٹر مہتا کو دکھایا تو انہوں نے کہا سرکہ کا تیزاب لگاؤ مجھے یاد ہے کہ تیزاب کی جلن سے میں بلبلا اٹھا تھا۔ ڈاکٹر مہتا نے میرے کمرے کو اور اس کے سامان کو دیکھا تو ناپسندیدگی سے سر ہلا کر بولے اس سے کام نہیں چلے گا انگلستان آنے میں ہمارا مقصد پڑھنے لکھنے سے زیادہ یہاں کی زندگی اور معاشرت کا تجربہ حاصل کرنا ہے اور اس کے لئے تمہارا کسی خاندان کے ساتھ رہنا ضروری ہے لیکن اس سے پہلے یہ مناسب ہے کہ تم کچھ دن ......کے ساتھ بطور امیدوار کے رہو میں تمہیں وہاں لے چلوں گا۔ (1)

میں نے اس رائے کو شکریئے کے ساتھ قبول کیا اور ان دوست کے یہاں اٹھ گیا۔ وہ مجھ سے بہت مہربانی اور اخلاق سے پیش آئے۔ انہوں نے مجھے اپنے بھائی کے برابر سمجھا۔ مجھے انگلستان کے طور طریقے سمجھائے اور انگریزی بولنے کی مشق کرائی۔ مگر میری غذا کا مسئلہ بہت پیچیدہ تھا۔ مجھے بغیر نمک مسالے کے ابلی ہوئی ترکاری پسند نہ آتی تھی۔ مکان والی حیوان تھی کہ میرے لئے کیا چیز پکائے صبح ناشتے میں ہم جئی کا دلیہ کھاتے تھے جس سے پیٹ بھر جاتا تھا۔ لیکن دوپہر اور شام کے کھانے سے میں ہمیشہ بھوکا اٹھتا تھا میرے دوست سمجھتے اکثر سمجھاتے تھے کہ گوشت کھایا کرو مگر میں ہمیشہ اپنے عہد کا عزر پیش کر کے خاموش ہو رہتا تھا۔ دوپہر اور شام کے کھانے میں پالک ڈبل روٹی اور مربہ ملتا تھا۔

Marfat.com

میری خوراک اچھی تھی اور معدہ بڑا تھا۔ لیکن میں شرم کے مارے ڈبل روٹی کے دو تین ٹکڑوں سے زیادہ نہ مانگ سکتا تھا کیونکہ یہ بدتمیزی معلوم ہوتی تھی۔ اس پر یہ طرہ کہ دودھ نہ دوپہر کو ملتا تھا نہ شام کو میرے دوست یہ حالت دیکھتے دیکھتے ایک دن اکتا کر کہنے لگے اگر تم میرے سگے بھائی ہوتے تو میں تمہیں کھڑے کھڑے نکال دیتا۔ وہ عہد بھی کوئی چیز ہے جو ایک جاہل ماں کے سامنے کیا گیا ہو اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ یہاں کی حالت سے متعلق واقفیت نہ تھی؟ یہ میرے سے عہد ہی نہیں ہے قانون اسے ہرگز عہد تسلیم نہ کریگا ایسے وعدے کی پابندی محض ضعیف الاعتقادی ہے اور میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ اس طرح کی ضد سے تمہیں یہاں کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ تم اس سے پہلے گوشت کھا چکے ہو اور تمہیں اس کا مزا پسند آیا تھا۔ جہاں کوئی ضرورت تھی وہاں تک تم نے کھایا اور جہاں سخت ضرورت ہے وہاں نہیں کھاتے۔ کتنے افسوس کی بات ہے!"

مگر میں ٹس سے مس نہیں ہوا۔

روز میرے دوست یہی بحث کرتے تھے مگر میری طرف سے ہمیشہ ایک جواب تھا۔ قطعی انکار جتنی زیادہ وہ بحث کرتے تھے اتنا ہی میں اپنے عقیدے میں سخت ہوتا جاتا تھا۔ میں روز خدا سے دعا کرتا تھا کہ وہ مجھے بچائے اور وہ مجھے بچاتا تھا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ میں خدا کو پہچانتا تھا۔ یہ محض عقیدے کا کھیل تھا۔ وہ عقیدہ جس کا بیج میری کھلائی رمبھا نے میرے دل میں بویا تھا۔

ایک دن میرے دوست نے مجھے بنیتھم کا "نظریہ افادیت" پڑھ کر سنانا شروع کیا۔ میں نے بہت چکرایا۔ عبارت اتنی مشکل تھی کہ میری سمجھ میں نہ آتی تھی میرے دوست اس کا مطلب سمجھانے لگے۔ میں نے کہا "مجھے تو معاف ہی رکھئے یہ پیچیدہ مسئلے میرے بس کے نہیں۔ میں مانتا ہوں کہ گوشت کھانا ضروری ہے مگر میں اپنا عہد نہیں توڑ سکتا۔ اس میں بحث کی گنجائش نہیں، مجھے یقین ہے کہ میں بحث میں آپکا مقابلہ نہیں کر سکتا، مگر خدا کے لئے آپ مجھے بے وقوف اور ضدی سمجھ کر چھوڑ دیجئے میں آپ کی محبت کی قدر کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ میری ہمدردی کے سبب سے مجھ سے بار بار یہ بات کہتے ہیں۔ مگر میں مجبور ہوں جو عہد کرلیا وہ کرلیا اب اسے توڑ نہیں سکتا"۔

میرے دوست نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ انہوں نے کتاب بند کردی اور کہا "بہت اچھا اب میں کبھی بحث نہ کروں گا۔" مجھے بڑی خوشی ہوئی انہوں نے پھر کبھی اس مسئلے پر بحث نہیں کی۔ مگر انہیں میری طرف سے جو تشویش تھی۔ وہ بدستور رہی وہ سگریٹ اور شراب پیتے تھے مگر انہوں نے

Marfat.com

مجھ سے ان چیزوں کے استعمال کے لئے کبھی نہیں کہا، بلکہ ان دونوں سے پرہیز کرنے کی ہدایت کی۔ انہیں صرف اس بات کی فکر تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو میں گوشت نہ کھانے سے کمزور ہو جاؤں اور انگلستان نے میرا دل اچاٹ ہو جائے۔

اس طرح میں نے ایک مہینہ امیدواری کا زمانہ بسر کیا۔ میرے دوست کا گھر رچمنڈ میں تھا۔ وہاں سے ہفتہ میں ایک دفعہ سے زیادہ لندن جانا ممکن نہ تھا اس لئے ڈاکٹر مہتا اور دلپت رام جی شکل کی رائے ہوئی کہ میں کسی خاندان میں رکھا جاؤں۔ شکل جی نے مغربی کینز نگٹن میں ایک اینگلو انڈین کا گھر تجویز کیا اور وہاں میرے قیام کا بندوبست کر دیا۔ گھر کی مالکہ ایک بیوہ تھیں۔ میں نے ان سے اپنے عہد کا حال بیان کیا۔ بڑی بی نے وعدہ کیا کہ میری خبر گیری اچھی طرح کریں گی اور میں ان کے مکان میں رہنے لگا۔ یہاں بھی مجھے قریب قریب فاقہ ہی رہتا تھا۔ میں نے گھر سے مٹھائی اور دوسری کھانے کی چیزیں منگوائی تھیں مگر ابھی تک کچھ نہیں آیا تھا مجھ ہر چیز بد مزہ معلوم ہوتی تھی۔ مالکہ مجھ سے روز پوچھتی تھیں کہ کھانا پسند آیا یا نہیں؟ مگر وہ بیچاری کیا کر سکتی تھیں؟ میرے حجاب کا اب تک بھی وہی حال اور جو کچھ بھی میرے سامنے آتا تھا اس سے زیادہ مانگنے کی مجھ میں جرات نہ ہوتی تھیں۔ ان کی دو لڑکیاں تھیں۔ یہ بڑے اصرار سے مجھے ڈبل روٹی کے تین ٹکڑے اور دے دیتی تھیں۔ مگر انہیں کیا خبر تھی کہ میرا پیٹ بھرنے کے لئے ایک پوری روٹی چاہیے۔

مگر اب لندن میں میرے قدم ذرا ذرا جم گئے تھے۔ ابھی باقاعدہ پڑھائی کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ البتہ میں نے حال ہی میں شکل جی کے کہنے سے اخبار پڑھنا شروع کیا تھا۔ ہندوستان میں میں نے کبھی اخبار نہیں پڑھا تھا۔ لیکن یہاں پابندی سے پڑھتے پڑھتے مجھے شوق پیدا ہو گیا۔ میں روزانہ ڈیلی نیوز، ڈیلی ٹیلیگراف اور پیل میل گزٹ کا سرسری مطالعہ کر لیا تھا۔ اس میں مجھے مشکل سے ایک گھنٹہ لگتا تھا اس لئے میں نے شہر کے چکر لگانا شروع کیا۔ میں نباتاتی ریستوران کی تلاش میں نکلا۔ مالکہ مکان نے مجھ سے کہا تھا کہ شہر میں ایسی کئی جگہیں ہیں۔ میں روز دس بارہ میل چلتا تھا او کسی سستے ریستوران میں جا کر روٹی سے پیٹ بھر لیتا تھا۔ مگر طبیعت سیر نہ ہوتی تھی۔ اس روزانہ گشت کے دوران میں مجھ فیر نگڈن اسٹریٹ میں ایسا ریستوران مل گیا۔ اسے دیکھ کر مجھے ایسی خوشی ہوئی جیسے کسی بچے کو اپنی من بھاتی چیز پانے سے ہوتی ہے۔ اس میں داخل ہونے سے پہلے مجھے دروازہ کے قریب ایک شیشے کی کھڑکی کے نیچے کچھ کتابیں نظر آئیں جو بکنے کے لئے رکھی تھیں۔ ان میں سے سالٹ کی کتاب "نباتی مشرب (2) کی حمایت" میں نے ایک شلنگ میں خریدی اور سیدھا کھانے کے کمرے میں پہنچا۔ انگلستان آنے کے بعد

Marfat.com

سے یہ پہلا دن تھا کہ میں نے سیر ہو کر کھانا کھایا خدا نے میری مدد کی۔

میں نے سالٹ کی کتاب اول سے آخر تک پڑھی اور مجھ پر اس کا بہت اثر ہوا۔ جس تاریخ سے میں نے یہ کتاب پڑھی میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ میں نے اپنی مرضی سے نباتاتی مشرب اختیار کیا۔ میں نے اس دن کو دعائیں دیں۔ جب میں نے اپنی ماں کے سامنے گوشت نہ کھانے کا عہد کیا تھا۔ اب تک گوشت سے صرف سچائی کی خاطر اور اس عہد کے خیال سے پرہیز کرتا تھا جو میں نے اپنی والدہ کے سامنے کیا تھا مگر میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ ہر ہندوستانی گوشت کھانا اختیار کرلے اور مجھ انتظار تھا کہ ایک دن ایسا آئے جب میں کھلم کھلا گوشت کھاؤں اور دوسروں کو اس مبارک کام میں شریک کرلوں اب میں نے نباتاتی مشرب اختیار کرلیا اور آیندہ سے اس کے پھیلانے کو اپنا دھرم بنالیا۔

حوالہ جات

1- ان صاحب کا نام گاندھی نے نہیں لکھا۔ مگر قرینے سے معلوم ہوتا ہے یہ بھی کوئی ہندوستانی طالب علم تھے۔

2- لفظی معنی یہ عقیدہ کے سوائے نباتات کے کوئی چیز نہ کھانا چاہئے مگر اس عقیدے کے لوگ دودھ وغیرہ اور بعض انڈا اور مچھلی بھی استعمال کرتے ہیں البتہ گوشت سے سب پرہیز کرتے ہیں۔

Marfat.com

پندرھواں باب

انگریز مابی

میرا عقیدہ نباتاتی مشرب کے بارے میں روز بروز راسخ ہوتا گیا۔ سالٹ کی کتاب پڑھ کر مجھے غذا کے متعلق اور کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ ان میں سے ایک ہاورڈ ولیمس کی "اخلاقیات غذا" جس میں "غذائیات" کی تاریخ عہد قدیم سے آج تک مشاہیر کی سیرت کے آئینے میں پیش کی گئی تھی مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ فیثاغورث اور حضرت عیسی سے لے کر آج تک جتنے فلسفی اور پیغمبر گزرے ہیں سب نباتاتی مشرب رکھتے تھے ڈاکٹر اینا کنکسفورڈ کی کتاب "غذا کا مکمل دستور العمل" بھی دلچسپ تھی ڈاکٹر ایلنس نے صحت اور حفظان صحت کے متعلق جو کتابیں لکھی ہیں ان سے بھی مجھے بہت مدد ملی۔ وہ اس طریقہ علاج کے حامی تھے جو محض مریضوں کی غذا کی دیکھ بھال تک محدود ہے وہ خود نباتاتی مشرب رکھتے تھے اور اپنے مریضوں کی سختی سے ہدایت کرتے تھے کہ محض نباتات استعمال کریں ان سب کتابوں کو پڑھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ "غذائیات" کے تجربے میری زندگی کا ایک اہم جزبن گئے۔ ابتدا میں یہ تجربے زیادہ تر صحت کے نقطہ نظر سے کئے گئے آگے چل کر ان کا اصل محرک مذہب بن گیا۔

مگر میرے دوست کو اب بھی میری طرف سے تشویش تھی۔ میری محبت کے جوش میں انہیں یہ خیال ہوا کہ اگر میں اسی طرح گوشت کھانے کا مخالف رہا تو ایک تو میرا جسم کمزور ہو جائے گا دوسرے میں بالکل بے شعور رہوں گا کیونکہ انگریزوں کی صحبت میں میرا جی نہ لگے گا۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ مجھے "نباتاتی مشرب" کی کتابوں سے دلچسپی ہو گئی ہے تو وہ ڈرے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے مطالعہ سے میرا دماغ خراب ہو جائے۔ میں اپنا کام بھول کر ان تجربوں میں اوقات ضائع کروں اور پورا مراقی بن جاؤں۔ اس

Marfat.com

لئے انہوں نے میری اصلاح کی ایک آخری کوشش کی ۔ ایک دن انہوں نے مجھے تھیٹر دیکھنے کی دعوت دی ۔ تماشے سے پہلے ہم ہوبرن ریستوران میں کھانا کھانے گئے ۔ وکٹوریا ہوٹل سے رخصت ہونے کے بعد مجھے بڑے ریستوران میں جانے کا یہ پہلا اتفاق تھا اور مجھے یہ جگہ ایک عالیشان محل معلوم ہوتی تھی ۔ ہوٹل میں رہ کر میں نے کوئی مفید تجربہ حاصل نہیں کیا تھا ۔ کیونکہ اس وقت تک میرے حواس بجانہ تھے میرے دوست بظاہر مجھے اس ریستوران میں اس خیال سے لے گئے تھے کہ حجاب کے سبب سے میں کھانے کے متعلق پوچھ گچھ نہ کرسکوں گا ۔ وہاں بہت سے لوگ کھانا کھانے کے لئے جمع تھے ۔ میرے دوست بھی مجھے لے کر ایک علیحدہ میز پر بیٹھ گئے ۔ پہلے شوربا آیا مجھے یہ فکر تھی کہ اس میں کیا کیا چیزیں پڑی ہیں ۔ مگر دوست سے پوچھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اس لئے میں نے کھانا لانے والے ملازم کو بلایا میرے دوست میز کے دوسری طرف بیٹھے تھے مگر انہوں نے میرا اشارا دیکھ لیا اور سختی سے پوچھا کہ کیا بات ہے ؟ میں نے بہت جھجکتے ہوئے کہا کہ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ شوربا ترکاری کا ہے یا نہیں ۔ میرے دوست نے غصے سے چلا کر کہا "تم اتنے بے تکے ہو کہ مہذب صحبت کے قبل نہیں اگر تم تمیز سے نہیں بیٹھ سکتے تو بہتر ہے کہ چلے جاؤ کسی اور ریستوران میں جاکر کھانا کھالو اور باہر میرا انتظار کرو" میں بہت خوش ہوا فوراً اٹھ کر چلا گیا ۔ قریب ہی ایک "نباتاتی ریستوران" تھا مگر بند تھا اس لئے میں نے اس رات کو کھانا نہیں کھایا ۔ میں اپنے دوست کے ساتھ تھیٹر گیا مگر انہوں نے اس ناگوار واقعے کا جو میرے سبب سے پیش آیا کوئی ذکر نہ کیا اور مجھے تو ظاہر ہے کہ کچھ کہنے کی گنجائش نہ تھی ۔

یہ آخری دوستانہ نزاع تھی جو ہم دونوں میں ہوئی ۔ اس کا ہمارے باہمی تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑا مجھے معلوم تھا کہ انہوں نے جو کچھ کیا محبت سے کیا اور میں اس کی قدر کرتا تھا ۔ جتنا زیادہ ہمارے خیالات اور طرز عمل میں اختلاف تھا اتنی ہی زیادہ میں ان کی عزت کرتا تھا ۔

مگر میں نے یہ طے کیا کہ ان کی تشویش رفع کردوں اور ان کو یقین دلا دوں کہ اب میں بے تکے پن کی حرکتیں نہیں کروں گا ۔ بلکہ کوشش کروں گا کہ شائستہ بنوں اور اپنے ترکاری کھانے کی تلافی میں اور آداب سیکھوں جو انسان کو مہذب صحبت کے قابل بنا دیتے ہیں اور اس مقصد کے لئے میں نے ایک نا ممکن کام کا بیڑا اٹھایا یعنی انگریز جنٹلمین بننے کا ۔

میں نے سوچا کہ بمبئی کے بنے ہوئے کپڑے جو میں پہنے ہوں انگلستان کی سوسائٹی کے قابل نہیں ہیں اس لئے میں نے آرمی اینڈ نیوی کی کوٹھی سے نئے کپڑے خرید لئے ۔ ایک لمبی ریشمی ہیٹ بھی

Marfat.com

انیس شلنگ میں خریدی جو اس زمانے کے لحاظ سے بڑی قیمتی تھی مجھے اس پر بھی قناعت نہ ہوئی بلکہ دس پاونڈ ضائع کر کے ایک ایوننگ سوٹ بونڈ اسٹریٹ میں سلوایا جو اس زمانے میں فیشن کا مرکز سمجھی جاتی تھی اور اپنے بھائی سے سونے کی دہری گھڑی زنجیر منگوائی، بندھی بندھائی ٹائی لگانا فیشن کے خلاف تھا اس لئے میں نے خود ٹائی باندھنے کی صنعت سیکھی۔

ہندوستان میں تو آئینہ میرے لئے بڑے تکلف کی چیز تھی مجھے آئینہ دیکھنا صرف اس دن نصیب ہوتا تھا جس دن گھر کا نائی میرے ڈارھی مونڈتا تھا۔ یہاں میں روز دس منٹ ایک بڑے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ٹائی ٹھیک کرنے اور مانگ نکالنے میں ضائع کرتا تھا۔ بدقسمتی سے میرے بال بھی نرم نہ تھے اور انہیں جمانے میں برش سے خاصی کشتی لڑنا پڑتی تھی۔ جب کبھی میں سر پر ٹوپی رکھتا یا اتارتا تھا تو میرا ہاتھ خود بخود بال درست کرنے کے لئے سر پر پہنچ جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک مہذب عادت یہ تھی کہ جب شائستہ سوسائٹی میں بیٹھنا ہوتا تھا تو تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ہاتھ سر پر جا کر مشین کے پرزے کی طرح یہی عمل کر آتا تھا۔

مگر ان سب باتوں کے باوجود بھی جنٹلمین بننے میں ایک آنچ کی کسر تھی۔ اسلئے میں نے دوسری چیزوں کی طرف توجہ کی جو انگریز جنٹلمین کے لئے ضروری ہیں۔ مجھ سے کہا گیا کہ ناچ، فرانسیسی زبان اور خطابت سیکھنا میرے لئے ضروری ہے فرانسیسی نہ صرف ہمسایہ ملک فرانس کی زبان تھی بلکہ سارے براعظم یورپ میں سمجھی جاتی تھی جس کی سیاحت کا میں قصد رکھتا تھا۔ میں نے طے کیا کہ ایک رقاصی کی کلاس میں ناچ سیکھوں گا اور تین پاؤنڈ ایک ٹرم کی فیس ادا کردوں گا۔ میں تین ہفتہ میں کوئی چھ بار کلاس میں گیا لیکن یہ میرے بس کی بات نہ تھی کہ جسم کی حرکت میں موزونیت پیدا کروں میں پیانو سمجھ نہیں سکتا تھا اس لئے تال کے ساتھ قدم رکھنا میرے لئے ناممکن تھا۔ اب میں کرتا تو کیا کرتا ایک سادھو کا قصہ مشہور ہے کہ اس نے چوہوں کو بھگانے کے لئے بلی پالی بلی کو دودھ پلانے کے لئے گائے رکھی۔ گائے چرانے کے لئے آدمی رکھا غرض اسی طرح سلسلہ بڑھتا گیا۔ میرے حوصلے بھی اس سادھو کے خاندان کی طرح بڑھتے گئے۔ میں نے سوچا کہ مغربی موسیقی کا مذاق پیدا کرنے کے لئے وایولن بجانا سیکھوں۔ اس لئے میں نے تین پاؤنڈ کا ایک وایولن خریدا اور سکھانے والے کی فیس میں بھی کچھ خرچ ہوا۔ میں ایک تیسرے استاد کے پاس خطابت سیکھنے گیا اور ایک گنی ابتدائی فیس کی ادا کی انہوں نے نبیل کی کتاب "کامل خطیب" نصاب کے طور پر مقرر کی اور میں نے اسے خرید لیا پٹ کی ایک اسپیچ سے میں نے ابتدا کی۔

Marfat.com

لیکن بیل کی کتاب نے صدنائے جرس بن کر مجھے خواب غفلت سے بیدار کیامیں نے دل میں کہا "مجھے کچھ انگلستان میں اپنی عمر تو گزارنا نہیں پھر آخر خطابت سیکھنے سے کیا فائدہ؟ اور ناچ سیکھ کر میں جنٹلمین کیسے بن جاؤں گا؟ رہا وایولن تو وہ میں ہندوستان میں بھی سیکھ سکتا ہوں۔ میں طالب علم ہوں مجھے اپنی پڑھائیکی فکر کرنا چاہیئے مجھے "انس آف کورٹ" میں داخل ہونے کی تیاری کرنا چاہیئے۔ اگر میں اپنی سیرت کی بدولت جنٹلمین بن جاؤں تو فبہا ورنہ مجھے اس حوصلہ سے ہاتھ دھولینا چاہیئے۔

اس قسم کے خیالات کا میرے دل میں ہجوم تھا اور میں نے انکار اظہار اپنے خطابت کے استاد کے نام ایک خط میں کیا جس میں ان سے یہ درخواست تھی کہ مجھے آیندہ حاضری سے معذور رکھیں میں نے اب تک صرف دو یا تین سبق لئے تھے اسی طرح کا خط میں نے ناچ سکھانے والی کو لکھا اور وایولن سکھانے والی کے پاس خود جاکر میں نے درخواست کی کہ میرا وایولن جس قیمت پر بکے بیچ دیں۔ وہ مجھ پر مہربان تھیں اس لئے میں نے ان سے کہہ دیا کہ مجھے یکایک یہ محسوس ہوا ہے کہ میں ایک جھوٹے نصب العین کی پیروی کر رہا ہوں انہوں نے میرے طرز عمل کی کامل تبدیلی میں میری ہمت افزائی کی۔

یہ سودا مجھے کوئی تین مہینہ رہا۔ لباس میں اہتمام اور تکلف برسوں باقی رہا لیکن اس وقت سے میں طالب علم بن گیا۔

Marfat.com

سولہواں باب

تبدیلیاں

کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ زمانہ جس میں میں نے ناچ وغیرہ کے تجربے کئے میری زندگی میں عیش پرستی کا زمانہ تھا۔ آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ ان دنوں بھی میرے ہوش و حواس قائم تھے۔ میں فیشن کی ترنگ میں مست سہی مگر کبھی کبھی مشاہدہ نفس سے بھی کام لیتا تھا۔ میں پیسے پیسے کا حساب رکھتا تھا اور سمجھ بوجھ سے خرچ کرتا تھا چھوٹی چھوٹی چیزیں مثلاً آمنی بس (1) کا کرایہ یا خط کے ٹکٹ یا اخبار کے پیسے بھی درج کر لیتا تھا اور شام کو سونے سے پہلے میزان دیکر باقی نکال لیتا تھا۔ یہ عادت مجھے ہمیشہ رہی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ باوجود یہ کہ میرے ہاتھ میں قومی کاموں کے لئے لاکھوں روپیہ رہا مگر میں نے اس کے خرچ کرنے میں نہایت کفایت شعاری برتی اور جتنی تحریکیں میری نگرانی میں تھیں ان میں سے کسی پر کبھی قرض نہیں رہا بلکہ ہمیشہ بچت ہی رہی ہر نوجوان مجھ سے سبق حاصل کرے۔ اور جتنا روپیہ اس کے ہاتھ میں آئے اور خرچ ہو سب کا حساب رکھے۔ اس سے آگے چل کر بڑا فائدہ ہوگا۔

میں اپنی زندگی کا سختی سے احتساب کرتا تھا اس لئے مجھے یہ محسوس ہوگیا کہ کفایت شعاری برتنے کی ضرورت ہے میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنا خرچ آدھا کر دوں گا حساب دیکھنے سے معلوم ہوا کہ بس وغیرہ کے کرایہ میں کافی خرچ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ خاندان کے ساتھ رہنے میں ہر مہینہ اچھی خاصی رقم کا بل ادا کرنا پڑتا تھا۔ پھر اخلاق کا تقاضا تھا کہ خاندان کے ارکان کو کبھی کبھی کھانا کھلانے لے جاؤں اور ان کے ساتھ دعوتوں میں جاؤں۔ ان باتوں میں سواری کا بہت خرچ تھا۔ خصوصاً اگر کوئی خاتون ساتھ ہو تو دستور کے مطابق کل مصارف مجھی کو ادا کرنا پڑتے تھے۔ کھانے کے لئے باہر جانا ایک جداگانہ مد تھی کیونکہ گھر پر کھانے کی بنا پر ہفتہ وار بل میں کوئی رقم مجرا نہیں ہوتی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ سب رقمیں بچائی جاسکتی ہیں اور رسمی معاشرت کی بیجا پابندی سے جو بھار میرے جیب خرچ پر پڑتا ہے وہ رد کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ الگ کمرے لے کر رہوں اور اپنے کام کے لحاظ سے تبدیل مقام کرتا رہوں تاکہ کفایت بھی ہو اور تجربہ بھی بڑھے۔ کمروں کا انتخاب میں اس طرح کرتا تھا کہ جہاں مجھے کام کرنا ہو وہاں پیدل چل کر آدھ گھنٹے میں پہنچ جایا کروں۔ اس سے پہلے جب مجھے باہر جانا ہو تو مجبوراً سواری پر جاتا تھا اور ٹہلنے کے لئے الگ وقت نکالنا پڑتا تھا۔ نئے انتظام میں ورزش اور کفایت شعاری کا ساتھ ہو گیا۔ کرائے کا کرایہ بچتا تھا اور آٹھ دس میل چل بھی لیتا تھا۔ زیادہ تر اسی پیدل چلنے کی عادت کی بدولت میں قیام انگلستان کے زمانے میں بیماری سے محفوظ رہا اور میرا جسم خاصا مضبوط ہو گیا۔

غرض میں نے دو کمرے کرائے پر لئے ایک سونے کا کمرا اور ایک نشست کا کمرا یہ میری زندگی کی تبدیلی کی دوسری منزل تھی۔ تیسری ابھی آنے کو تھی۔

اس سے میرا خرچ آدھا ہو گیا۔ اب یہ سوال تھا کہ وقت کو کس طرح کام میں لاؤں مجھے معلوم تھا کہ بیرسٹری کے امتحانوں کے لئے زیادہ مطالعہ کی ضرورت نہیں اس لئے میرے پاس وقت کی کمی نہ تھی۔ میری انگریزی کمزور تھی۔ اور اس کی مجھے ہمیشہ فکر رہتی تھی لیلی صاحب (جو آگے چل کر سر فریڈرک کہلائے) کے الفاظ اب تک میرے کانوں میں گونجتے تھے۔ "پہلے بی اے پاس کر آؤ" میں نے سوچا کہ مجھے بیرسٹری کے علاوہ کوئی ادبی سند بھی لینا چاہیئے۔ میں نے آکسفورڈ اور کمبرج کے نصاب کے متعلق دریافت کیا اور چند دوستوں سے مشورہ کیا تو معلوم ہوا کہ اگر میں ان دونوں یونیورسٹیوں میں سے کسی میں جاؤں تو بہت خرچ پڑے گا۔ اور انگلستان میں بہت دن ٹھہرنا ہو گا اس لیے میں تیار نہ تھا۔ ایک دوست نے کہا کہ اگر تمہیں واقعی مشکل امتحان دینے کا شوق ہے تو لندن کا میٹریکولیشن پاس کرلو۔ اس میں محنت بھی کافی ہے۔ تمہاری عام استعداد بھی بڑھ جائے گی اور کچھ ایسا زائد خرچ بھی نہیں۔ میں نے اس تجویز کو بہت پسند کیا۔ لیکن اس امتحان کے نصاب نے مجھے ڈرا دیا۔ لاطینی اور کوئی جدید یورپی زبان (علاوہ انگریزی کے) لازمی تھیں میں نے کہا بھلا میں لاطینی کیسے سیکھ پاؤں گا۔ میرے دوست نے اس کے فوائد پر بہت زور دیا "لاطینی زبان وکیلوں کے لئے بڑے کام کی چیز ہے۔ قانون کی کتابوں کے سمجھنے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے اور بیرسٹری کے امتحان میں رومی (2) قانون کا پورا پرچہ لاطینی میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ لاطینی جاننے سے انگریزی زبان پر عبور ہو جاتا ہے" یہ بات میرے دل میں کھب گئی اور میں نے طے کرلیا کہ لاطینی چاہے جتنی مشکل ہو میں اسے سیکھ کر رہوں گا۔ فرانسیسی میں پہلے ہی شروع کر چکا تھا میں نے سوچا کہ جدید زبان میں سے اسی کو لوں میں

Marfat.com

میٹریکولیشن کے ایک پرائیویٹ کلاس میں شریک ہوگیا۔ امتحان سال میں دوبار ہوا کرتا تھا اور اب اگلے امتحان کو پانچ مہینے باقی تھے۔ اتنے عرصہ میں تیاری کر لینا میرے لئے قریب قریب ناممکن امر تھا۔ مگر انگریز جنٹلمین بننے کا شائق اب محنتی طالب علم بننے پر تیار ہوگیا۔ میں نے ایک ایک منٹ کا نقشہ اوقات بنایا لیکن نہ تو میری ذہانت سے اور نہ میرے حافظے سے یہ توقع تھی کہ اتنے دن میں امتحان کے دوسرے مضامین کے ساتھ لاطینی اور فرانسیسی دونوں قابو میں آجائیں گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لاطینی میں فیل ہوگیا مجھے بہت افسوس ہوا مگر میں نے ہمت نہ ہاری مجھے لاطینی کا مذاق پیدا ہوگیا تھا میں نے سوچا کہ دوسری بار کوشش کروں گا تو فرانسیسی اور اچھی ہوجائے گی اور اب کے میں سائنس کے حلقے میں بھی کوئی نیا مضمون لے لوں گا۔ کیمیا جو میرا مضمون تھی بہت دلچسپ ہونا چاہئے تھی لیکن تجربات کا موقع نہ ملنے سے اس میں جی نہیں لگتا تھا۔ یہ میرے ہندوستان کے امتحان میں لازمی مضامین میں سے تھی اس لئے میں نے ضدن میٹریکولیشن میں بھی اسی کو لے لیا تھا مگر اس بار میں نے بجائے کیمیا کے روشنی اور حرارت کا انتخاب کیا۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ مضمون آسان ہے اور مجھے بھی آسان معلوم ہوا۔

دوبارہ امتحان کی تیاری کے ساتھ ساتھ میں نے کوشش کی کہ اپنی زندگی کو اور سادہ بناؤں مجھے یہ احساس تھا کہ میری زندگی کا معیار ابھی تک میرے خاندان کی محدود آمدنی کی نسبت سے اونچا ہے جب مجھے اپنے بھائی کی مشکلوں کا خیال آتا تھا جو دریادل سے میرے متواتر مالی اداد کے مطالبے پورے کرتے تھے تو مجھے بہت دکھ ہوتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ جو لوگ آٹھ پاؤنڈ سے لے کر پندرہ پاؤنڈ ماہوار تک خرچ کرتے تھے ان میں سے اکثر کو وظیفے کی امداد ملتی تھی۔ میرے سامنے انتہائی سادگی کی مثالیں تھیں۔ مجھے متعدد غریب طالب علم ملے جو مجھ سے زیادہ تنگی سے بسر کرتے تھے۔ ان میں سے ایک بے چارہ غریبوں کے محلے میں دو شلنگ (3) ہفتہ وار کے کمرے میں رہتا تھا اور لوکھارٹ کی سستی کوکو کی دوکان میں دن میں چند بار دو پینی (4) کی کوکو اور روٹی سے پیٹ بھر لیتا تھا۔ میں اس کا مقابلہ تو کیا کرتا لیکن مجھے یہ خیال ہوا کہ میں یقیناً دو کمروں کے بجائے ایک کمرے سے کام چلا سکتا ہوں اور دو ایک وقت کا کھانا گھر پہ پکا سکتا ہوں اس میں چار پانچ پاؤنڈ ماہوار بچ جائیں گے، میں نے سادہ زندگی کے متعلق بعض کتابیں بھی پڑھیں۔ میں نے یہ کمرے چھوڑ کر ایک کمرہ کرایہ پر لیا۔ ایک گیس کا چولہا خریدا اور اپنا کھانا گھر پر پکانا شروع کیا۔ اس میں مجھے بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگتے تھے۔ کیونکہ صرف جئی کا دلیہ پکانا تھا اور کوکو بنانا۔ دوپہر کا کھانا میں باہر کھاتا تھا اور شام کو گھر آکر روٹی اور کوکو پر گزر کرتا تھا اس طرح میرا روزانہ خرچ ایک شلنگ تین پنس رہ گیا۔ یہی زمانہ محنت کی پڑھائی کا بھی تھا۔ سادہ زندگی کے

Marfat.com

سبب میرا بہت وقت بچتا تھا اور میں اپنے امتحان میں پاس ہو گیا۔

پڑھنے والے یہ نہ سمجھیں کہ اس طرح رہنے میں میری زندگی بے لطفی سے گزرتی تھی بلکہ اس کے برعکس اس تبدیلی کی بدولت میری بیرونی اور اندرونی زندگی میں ہم آہنگی پیدا ہو گئی۔ اور یہ طریقہ خاندان کی آمدنی کے لحاظ سے بھی مناسب تھا میری زندگی زیادہ سچی بن گئی اور میری روحانی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

حوالہ جات

1- Roman Law

(2) (3) (4) لارڈ کرزن کے زمانے میں پاؤنڈ اور روپے کی شرح مبادلہ معین کر دی گئی پاؤنڈ پندرہ روپے کا شلنگ بارہ آنے کا اور پینس ایک آنے کا ہوتا تھا۔ اس سے پہلے شرح مختلف رہا کرتی تھی۔

Marfat.com

سترھواں باب

غذائیات کے تجربے

جب میں نے اپنے نفس کا زیادہ گہرا احتساب کیا تو مجھے روز بروز اندرونی اور بیرونی تبدیلیوں کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اپنے طرز زندگی اور اخراجات میں تبدیلیاں کرنے کے ساتھ ہی، بلکہ اس سے بھی پہلے میں نے اپنی غذا میں تبدیلی شروع کر دی۔ میں نے دیکھا کہ جن لوگوں نے " نباتاتی مشرب پر کتابیں لکھی ہیں انہوں نے اس مسئلے کی باریکیوں پر مذہبی، علمی، عملی اور طبی پہلو سے غور کیا ہے۔ اخلاقی نقطہ نظر سے وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ جانوروں پر ہاتھ صاف کرے بلکہ اعلیٰ مخلوق کو ادنیٰ مخلوق کی حفاظت کرنا چاہیئے اور ان دونوں میں ویسا ہی اتحاد عمل ہونا چاہیئے جیسا کہ انسانوں میں آپس میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا تھا کہ انسان کی اصلی غرض کھانے سے زبان کا مزا نہیں بلکہ زندگی کا قائم رکھنا ہے۔ اس لئے ان میں سے بعض لوگوں کی رائے یہ تھی کہ نہ صرف گوشت سے بلکہ انڈے اور دودھ سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے اور وہ خود اس پر عمل کرتے تھے۔ سائنس کے نقطہ نظر سے انکا خیال تھا کہ انسان کی جسمانی ساخت ہی سے ظاہر ہے کہ اس کے لئے غذا کو پکا کر کھانا مناسب نہیں بلکہ اسے کچے پھل اور ترکریوں پر گزر کرنا چاہیئے۔ طبی نقطہ نظر سے ان کی رائے تھی کہ ہر قسم کے مسالے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اقتصادی اور عملی دلیلوں سے انہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ نباتاتی غذائیں سب سے کم خرچ ہے مجھ پر ان سب باتوں کا اثر ہوا اور مجھے نباتاتی ریستوران میں ان سب قسموں کے نباتاتی (1) ملا کرتے تھے۔ انگلستان میں ایک نباتاتی انجمن تھی۔ جس کا ایک ہفتہ دار اخبار نکلتا تھا۔ میں اس اخبار کا خریدار اور انجمن کا رکن ہو گیا۔ اور تھوڑے ہی دن میں اس کی مجلس انتظامی میں شامل کر لیا گیا۔ یہاں مجھے ان لوگوں

Marfat.com

سے ملنے کا اتفاق ہوا جو نباتاتی مشرب کے رکن رکین سمجھے جاتے تھے اور میں نے غذائیات پر تجربے شروع کر دئے۔

میں نے مٹھائی اور مسالے دار چیزیں جو گھر سے آئیں تھیں کھانا چھوڑ دیں طبیعت کا رنگ بدل جانے سے چٹپٹی چیزوں کا شوق رفتہ رفتہ کم ہوگیا اور اب مجھے بغیر مسالے کی ابلی ہوئی پالک میں جو رجمنڈ میں سیٹھی معلوم ہوتی تھی مزا آنے لگا۔ اس قسم کے بہت سے تجربوں سے میں نے یہ سیکھا کہ ذائقہ کا تعلق اصل میں زبان سے نہیں بلکہ دل سے ہے۔

ظاہر ہے کہ اقتصادی مصلحت بھی ہمیشہ میری پیش نظر رہتی تھی۔ اس زمانے میں لوگ چائے اور قہوے کو مضر سمجھتے تھے اور کوکو کے موافق تھے اور چونکہ میرا یہ عقیدہ ہوگیا کہ انسان کو صرف وہی چیزیں کھانا چاہئے جو جسم کی قوت کو قائم رکھتی ہیں۔ اس لئے میں نے چائے اور قہوے کی عادت چھوڑ دی اور ان کی جگہ کوکو استعمال کرنے لگا۔

جس ریستوران میں میں جایا کرتا تھا۔ اس کے حصے تھے۔ ایک میں خوشحال لوگ جایا کرتے تھے یہاں بہت سے کھانے تیار رہتے تھے۔ جس میں سے کھانے والا اپنی پسند کی چیزیں چن لیتا تھا اور ان کی قیمت دے دیتا تھا۔ اس طرح ہر ایک کھانے کی قیمت ایک شلنگ سے دو شلنگ تک ہوتی تھی۔ دوسرے حصے میں تین قسم کے کھانے اور ایک روٹی کا ٹکڑا ملتا تھا۔ انتہائی کفایت شعاری کے زمانے میں میں اسی حصے میں کھانا کھایا کرتا تھا۔

اس بڑے تجربے کے ساتھ ساتھ میں بہت سے چھوٹے چھوٹے تجربے بھی کر رہا تھا۔ مثلاً کچھ دن نشاستے دار چیزیں چھوڑ (2) دیں، کچھ دن محض روٹی اور پھل دار چیزیں چھوڑ دیں، کچھ دن محض روٹی اور پھل پر گزارا کیا، کچھ دن پنیر دودھ اور انڈوں پر۔ یہ آخری تجربہ قابل ذکر ہے یہ دو ہفتہ سے بھی کم چلا۔ جس مصلح نے بے نشاستے کی غذا پر زور دیا تھا اس نے انڈے کی بڑی تعریف کی تھی اور اس کی رائے تھی کہ انڈا گوشت میں داخل نہیں۔ بقول اس کے یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ انڈا کھانے میں کسی زندہ مخلوق کو نقصان نہیں پہنچتا۔ میں اس دلیل سے میں آگیا اور باوجود یہ کہ گوشت سے پرہیز کرنے کا عہد کر چکا تھا۔ میں نے انڈے کھالئے۔ لیکن یہ لغزش عارضی تھی مجھے اس عہد کی تاویل کرنے کا کوئی حق نہ تھا مجھے اس کے وہی معنی سمجھنا چاہئے تھے جو عہد لیتے وقت میری والدہ کے ذہن میں تھے۔ میں جانتا تھا کہ ان کے نزدیک انڈے بھی گوشت میں شامل ہیں جیسے ہی اس عہد کا صحیح مفہوم میری سمجھ میں آیا میں نے انڈے بھی چھوڑ دیے اور اس تجربے سے بھی ہاتھ دھویا۔

Marfat.com

اس دلیل میں ایک باریکی ہے جو غور کے قابل ہے ۔میں انگلستان میں گوشت کی تعریفیں سنیں ۔ پہلی کی رو سے گوشت سے مراد محض پرندوں اور چوپایوں کا گوشت ہے ، جو نباتاتی اس تعریف کے قائل تھے وہ پرندوں اور چوپاؤں کے گوشت سے پرہیز کرتے تھے مگر مچھلی اور انڈا کھاتے تھے ۔ دوسری تعریف کی رو سے گوشت کے مفہوم میں ہر جانور کا گوشت آجاتا ہے اس لئے مچھلی کھانا ناجائز ہے ۔ مگر انڈا جائز ہے تیسری تعریف کے مطابق گوشت میں سب جانوروں کا گوشت اور جو چیزیں ان سے پیدا ہوتی ہیں ۔ مثلاً انڈا اور دودھ سب داخل ہیں ۔اگر میں پہلی تعریف کو قبول کر لیتا تو میں نہ صرف انڈا بلکہ مچھلی بھی کھا سکتا تھا ۔ لیکن مجھے یقین ہو گیا کہ میں اسی تعریف کا پابند ہوں جسکی قائل میری والدہ ہیں اس لئے اگر میں اپنے عہد پر قائم رہنا چاہوں تو مجھے دونوں چیزیں چھوڑ دینا چاہیئیں ۔ چنانچہ میں نے یہی کیا ۔اس سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی ۔ کیونکہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ نباتاتی ریستوران میں بھی بہت سے کھانوں میں بھی انڈا پڑتا ہے ۔ مثلاً بہت سی قسم کی پڈنگ اور کیک میں اس کے معنی یہ تھے ، کہ اگر مجھے خود نہ معلوم ہو تو پوچھنا پڑتا تھا کہ فلاں چیز میں انڈا ہے یا نہیں اور یہ بہت برا معلوم ہوتا تھا مجھے اپنے فرض کے احساس سے یہ دقت تو ضرور ہوتی مگر میرے کھانے کا مسئلہ اور بھی سہل ہو گیا ۔ البتہ بہت چیزیں جن کا مجھے شوق ہو گیا تھا بادل ناخواستہ چھوڑنا پڑیں ۔ یہ دقتیں عارضی تھیں کیونکہ اپنے عہد کی سختی سے پابندی کرنے سے مجھے ظاہری مزے کے بدلے باطنی روحانی مزا ملا جو صریحی طور پر زیادہ صحت بخش زیادہ لطیف اور زیادہ پائیدار تھا ۔

اصلی امتحان ابھی باقی تھا یہ دوسرے عہد کے متعلق تھا لیکن جسے خدا بچانا چاہے کس کی مجال ہے کہ اسے گرا سکے ۔

یہاں چند کلمے عہد و پیمان کی تاویل کے متعلق کہنا بیجا نہ ہو گا ۔ عہدوں کی تاویل سے ساری دنیا میں سیکڑوں جھگڑے پیدا ہوئے ہیں ۔ چاہے جتنا ہی صاف عہد ہو لوگ اسے توڑ مروڑ کر اپنے مطلب کا بنا لیتے ہیں ۔ ایسے لوگ امیروں سے لے کر غریبوں تک اور راجا سے لے کر پرجا تک سماج کے ہر طبقے میں موجود ہیں ۔ خود غرضی انہیں اندھا کر دیتی ہے ۔ مبہم لفظوں سے غلط منطقی نتیجے نکال کر وہ اپنے آپ کو دنیا کو اور خدا کو دھوکا دیتے ہیں ۔ ایک زریں اصول یہ ہے کہ وہی معنی سمجھے جائیں جو عہد لینے والا ایمانداری سے سمجھتا ہے ۔ دوسرا یہ کہ جب ایک عہد کے دو مفہوم ہو سکتے ہوں تو اسے ترجیح دی جائے جو کمزور فریق کے نزدیک صحیح ہو ۔ ان اصولوں پر عمل کرنے سے فساد اور بے انصافی پیدا ہوتی ہے جس کی جڑ جھوٹ ہے وہ شخص جو صرف حق کا طالب ہے آسانی سے زریں اصول پر عمل کر سکتا ہے ۔ اسے

Marfat.com

تاویل کے لئے عالموں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ زریں اصول کے مطابق گوشت کے جو معنی میری والدہ سمجھتی تھیں صرف وہی میرے لئے سچے معنی ہو سکتے تھے نہ کہ وہ مفہوم جو میرے وسیع تر تجربے یا بہتر علم کے غرور نے مجھے سکھایا تھا۔ انگلستان میں جو تجربے میں نے کئے وہ کفایت شعاری اور حفظان صحت کے نقطہ نظر سے کئے۔ اس مسئلے کے مذہبی پہلو پر میں نے اس وقت غور کیا جب میں جنوبی افریقہ گیا وہاں میں نے بڑی جفاکشی سے تجربے کئے جن کا ذکر آگے آئے گا۔ مگر ان سب کی بنیاد انگلستان ہی میں پڑ گئی تھی۔

جو آدمی کوئی مذہب نیا نیا اختیار کرتا ہے اس میں اس شخص سے زیادہ جوش ہوتا ہے جس کا وہ آبائی مذہب ہے۔ نباتاتی مشرب انگلستان والوں کے لئے ایک نیا عقیدہ تھا اور میرے لئے بھی۔ کیونکہ میں کہہ چکا ہوں کہ میں پہلے گوشت کھانے کا سختی سے قائل تھا اور نباتاتی مشرب ذہنی عقیدے کی حیثیت سے میں نے بعد میں اختیار کیا۔ نئی عقیدت کے جوش میں میں نے لندن کے اس حصے میں جس میں رہتا تھا ایک نباتاتی کلب قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ سرایڈون ارنلڈ کو جو وہیں رہتے تھے میں نے صدر بنایا اور رسالہ "نباتاتی" کے ایڈیٹر اولڈ فیلڈ کو نائب صدر میں خود اسے کا معتبر بنا۔ کلب کچھ دن چمکتا رہا۔ مگر چند مہینے کے بعد بند ہو گیا۔ کیونکہ میں اپنی تبدیلی مقام کی عادت کے مطابق اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا گیا۔ مگر اس مختصر اور محدود تجربے سے مجھے انجمنیں قائم کرنے اور چلانے کا تھوڑا بہت سلقیقہ ہو گیا۔

حوالہ جات

1- Vegelrian

2- جیسے چاول آلو وغیرہ

Marfat.com

اٹھارھواں باب

حجاب میری سپر بن گئی

میں نباتاتی انجمن کی مجلس انتظامیہ کا رکن منتخب ہوا اور پابندی سے اس کے ہر جلسے میں شریک ہونے لگا۔ مگر ہمیشہ خاموش بیٹھا رہتا تھا۔ ایک بار ڈاکٹر اولڈ فیلڈ نے مجھ سے کہا "تم مجھ سے تو خوب باتیں کرتے ہو مگر یہ کیا بات ہے کہ تم کمیٹی کے جلسے میں کبھی زبان نہیں کھولتے؟ نکھٹو کی طرح بیٹھے رہتے ہو۔" میں اس پھبتی کو سمجھ گیا شہد کی مکھیاں ہمیشہ کام میں لگی رہتی ہیں مگر نر پورا احدی ہوتا ہے۔ اور واقعی یہ تعجب کی بات نہ تھی کہ میرا جی بولنے کو چاہتا ہو لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اپنے خیالات کیونکر ظاہر کروں۔ مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ اور سب ارکان کی معلومات مجھ سے زیادہ ہے۔ پھر اکثر یہ ہوتا تھا کہ جیسے ہی میں نے ہمت کر کے بولنا چاہا کوئی نئی بات چھڑ جاتی تھی یہ صورت عرصہ تک رہی۔

اس اثنا میں ایک بہت اہم مسئلہ بحث کے لئے پیش ہوا۔ میں نے غیر حاضر رہنا فرض شناسی کے خلاف سمجھا اور چپ چاپ رائے دے دینا بزدلی معلوم ہوئی۔ حسب ذیل واقعے سے بحث چھڑی تھی انجمن کے صدر ہلس صاحب تھے جو ٹیمز آئرن ورکس (1) کے مالک تھے یہ پیورٹین (2) مذہب رکھتے تھے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انجمن کا وجود ان کی مالی امداد پر منحصر تھا کمیٹی کے اکثر ممبران کے اور دے تھے۔ ڈاکٹر ایلنس بھی جن کی نباتاتی حلقوں میں بہت شہرت ہے مجلس انتظامیہ کے رکن تھے۔ یہ انضباط ولادت کی تحریک کے جو اس زمانے میں نئی نئی چلی تھی۔ حامی تھے اور مزدوروں میں اس کے طریقوں کی تلقین کرتے تھے۔ ہلس صاحب کا خیال تھا کہ ان طریقوں سے اخلاق کی جڑ کٹ جائے گی۔ ان کے نزدیک نباتاتی انجمن کا مقصد محض غذا کی اصلاح نہیں تھا بلکہ اخلاقی اصلاح بھی اور ڈاکٹر ایلنس جیسے شخص کو جو پیورٹین عقیدے کا مخالف تھا اس انجمن کا رکن رہنے دینا نامناسب تھا۔ اس لئے ان

Marfat.com

کے اخراج کی تحریک پیش ہوئی۔

مجھے اس مسئلے میں گہری دلچسپی تھی میں ڈاکٹر ایلنس جیسے الضباط ولادت کے طریقوں کو خطرناک سمجھتا تھا اور میرا خیال تھا کہ ہلس صاحب کو بہ حیثیت پورٹین کے ان مخالفت کرنے کا حق ہے۔ یوں بھی میں ہلس صاحب کی فیاضی کی بہت قدر کرتا تھا لیکن میرے نزدیک یہ بے انصافی تھی کہ کوئی شخص ایک نباتاتی انجمن سے محض اس بنا پر خارج کر دیا جائے کہ وہ پیورٹین اخلاق کو انجمن کے مقاصد میں سے نہیں سمجھتا۔ یہ ہلس صاحب کی ذاتی رائے تھی کہ پورٹین مذہب کے مخالف انجمن سے خارج کر دئے جائیں اسے انجمن کے علانیہ مقصد سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کا مقصد تو محض نباتاتی مشرب کو فروغ دینا تھا نہ کہ کسی خاص نظام اخلاق کی حمایت کرنا۔ اس لئے میری رائے تھی کہ ہر شخص جو اس کا قائل ہے کہ سوائے نباتاتی غذا کے کچھ نہ کھانا چاہیئے اس انجمن کا رکن ہو سکتا ہے اس سے کچھ بحث نہیں کہ اور اخلاقی مسائل میں اس کا کیا عقیدہ ہے۔ کمیٹی میں اور لوگ بھی میرے ہمراہ تھے لیکن میں نے اپنا فرض سمجھا کہ میں خود اپنے خیالات کا اظہار کروں اب سوال یہ تھا کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے تقریر کرنے کی مجھ میں ہمت نہ تھی اس لئے میں نے طے کیا کہ اپنے خیالات قلمبند کر لوں جب میں جلسے میں گیا تو یہ کاغذ میری جیب میں تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے مجھ سے یہ نہ بن پڑا کہ اسے پڑھ کر نا دوں۔ بلکہ صدر نے کسی اور سے پڑھوایا۔ ڈاکٹر ایلنس ہار گئے۔ یہ میری اداس قسم کی پہلی جنگ تھی اور اس میں ہارنے والے فریق سے ساتھ تھا لیکن مجھے اس خیال سے تسکین تھی کہ ہم حق بجانت ہیں مجھے کچھ خفیف سا خیال ہے کہ اس کے بعد میں نے مجلس انتظامیہ سے استعفادے دیا۔ جب تک میں انگلستان رہا اگر میں کسی سے ملنے بھی جاتا تھا اور وہاں پانچ چھ آدمی موجود ہوتے تھے تو میری زبان نہ کھلتی تھی۔

ایک بار میں مضمونداری کے ساتھ ونیٹز گیا یہاں ہم ایک نباتاتی مشرب خاندان کے ساتھ ٹھہرے۔ "اخلاقیات غذا" کے مصنف ڈاکٹر باورڈ بھی اسی صحت گاہ میں مقیم تھے ہم ان سے ملے اور انہوں نے ہمیں دعوت دی کہ ایک جلسے میں نباتاتی مشرب کی تلقین کے لئے تقریریں کریں۔ میں یہ معلوم کر چکا تھا کہ تقریر لکھ کر پڑھ دینا قابل اعتراض نہیں سمجھا جاتا۔ بہت سے لوگ اپنے خیالات اختصار اور تسلسل کے ساتھ ادا کرنے کے لئے ایسا کرتے تھے۔ زبانی تقریر کرنا میرے لئے ناممکن تھا اس لئے میں اپنی تقریر قلمبند کر لی تھی۔ میں یہ پڑھنے کھڑا ہوا مگر مجھ سے نہیں پڑھی گئی میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور میں سارے بدن سے کانپنے لگا حالانکہ تقریر فلسکیپ کے ایک صفحہ سے زیادہ نہ تھی آخر میری طرف سے مضمونداری کو پڑھنا پڑھی۔ خود

Marfat.com

ان کی تقریر بہت اچھی تھی اور لوگوں نے اس کی بڑی تعریف کی۔ مجھے اپنی نالائقی پر شرم آئی اور رنج ہوا۔

انگلستان میں مجمع میں تقریر کرنے کی آخری کوشش میں نے اپنی روانگی سے ایک دن پہلے کی۔ مگر اس بار بھی میں نے اپنا مضحکہ کرایا۔ میں نے ہوبرن ریستوران میں جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اپنے نباتاتی دوستوں کی دعوت کی۔ میں نے دل میں سوچا کہ نباتاتی ریستوران میں تو نباتاتی دعوت ہوا ہی کرتی ہے کیا وجہ ہے کہ غیر نباتاتی ریستوران میں ایسی دعوت نہ ہو اور میں نے ہوبرن ریستوران کے منیجر سے مل کر یہ طے کیا کہ ایسا کھانا پکے جس میں کوئی غیر نباتاتی چیز مطلق نہ ہو۔ نباتاتی مشرب والوں نے بڑی خوشی سے اس تجربے کا خیر مقدم کیا۔ دعوتیں ہمیشہ صحبت کے لئے ہوتی ہیں لیکن مغرب نے انہیں اتنی ترقی دی ہے کہ ایک مستقل فن بنالیا ہے۔ وہاں دعوت میں بڑی دھوم دھام ہوتی ہے۔ باجہ بجتا ہے۔ تقریریں کی جاتی ہیں۔ میری چھوٹی سی دعوت بھی اس طمطراق سے خالی نہ تھی۔ اس لئے تقریروں کا ہونا ضروری تھا۔ جب میری باری آئی تو میں بھی تقریر کرنے کھڑا ہوا۔ میں نے بڑے اہتمام سے ایک تقریر سوچی تھی جس میں چند جملوں سے زیادہ نہ تھے۔ لیکن میں ایک جملے سے آگے نہ بڑھ سکا۔ میں نے ایڈیسن کا قصہ پڑھا تھا کہ جب وہ پہلی بار دار العلوم میں تقریر کرنے لگا تو اس نے تین بار کہا" مجھے امید ہے" مگر اس کے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس پر ظریف نے اٹھ کر کہا" حضرت کو امید (3) تین بار رہی مگر ہوا ہوایا کچھ نہیں" میرا ارادہ تھا کہ اسی قصے سے ابتدا کر کے ایک ظریفانہ تقریر کروں۔ ابتدا تو میں نے کردی۔ مگر ایک جملہ کہہ کر اٹک گیا۔ میرے حافظے نے بالکل کام نہ دیا اور ظریفانہ تقریر کرنے کی کوشش میں میں خود آماجگاہ ظرافت بن گیا۔ میں نے سلسلہ کو چھوڑ کر کہا" میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری دعوت قبول کی" اور بیٹھ گیا۔

جنوبی افریقہ پہنچ کر میرا حجاب کچھ کم ہوا مگر رفع نہیں ہوا۔ فی البدیہہ تقریر کرنا میرے لئے ناممکن تھا۔ جب کبھی اجنبی مجمع کا سامنا ہوتا تو میں جھجکتا اور جہاں تک ہوسکتا تقریر کرنے سے پہلو بچاتا۔ آج بھی نہ مجھ سے یہ ممکن ہے اور نہ میں چاہتا ہوں کہ دوستوں کے مجمع کو فضول باتوں میں بجھائے رکھوں۔

مگر یہ بات ضرور ہے کہ اس خلقی حجاب سے، سوائے اس کے کہ کبھی کبھی میرا مضحکہ اڑایا گیا مجھے اور کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ بلکہ مجھے معلوم ہے کہ یہ چیز میرے لئے بڑی مفید ثابت ہوئی۔ رک رک کر تقریر کرنے سے مجھے ایک زمانے میں تکلیف ہوتی تھی مگر اب خوشی ہوتی ہے اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس نے مجھے لفظوں کی کفایت شعاری سکھائی۔ میں نے خیالات کو قابو میں رکھنے

Marfat.com

کی عادت ڈالی اور اب میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ میری زبان سے یا میرے قلم سے کوئی لفظ بے سوچ سمجھے نہیں نکلتا۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی میں نے اپنی تحریر تقریر میں کوئی لفظ ایسا استعمال کیا ہو جس پر بعد میں پشیمانی ہوئی ہو۔ اس طرح میں خدا جانے کتنی مصیبت سے اور تضیع اوقات سے محفوظ رہا۔ تجربے نے مجھے سکھایا ہے کہ خاموشی طالب حق کی روحانی تربیت کا جز ہے۔ انسا نکی یہ قدرتی کمزوری ہے کہ وہ جان بوجھ کر یا انجان پن میں سچی بات کو گھٹا بڑھا کر بیان کرتا ہے۔ اور اس پر قابو پانے کے لئے خاموشی ضروری ہے۔ کم سخن آدمی عموماً بے سوچ سمجھے زبان نہیں کھولتا۔ ایک ایک لفظ کو تولتا ہے۔ بہت سے لوگوں کو بات کرنے کی بے صبری ہوتی ہے ہر جلسے میں لوگ تقریر کی اجازت کے لئے پرچے لکھ لکھ کر صدر کا ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ اور جب اجازت ملتی ہے تو عموماً لوگ مقررہ وقت سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور وقت مانگتے ہیں اور پھر بغیر اجازت کے تقریر کرتے رہتے ہیں۔ آخر اس قدر باتیں کرنے سے دنیا کو کیسا فائدہ پہنچتا ہے؟ تضیع اوقات کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ میرا حجاب دراصل میرا زرہ بکتر ہے اس کے سبب سے مجھے روحانی ترقی کا موقع ملا۔ اس نے مجھے حق و باطل میں تمیز کرنا سکھایا۔

حوالہ جات

1- لوہے کا کارخانہ

2- پیوریٹن: پروٹسٹنٹ عیسائیوں کا ایک فرقہ جس کے پیرو اخلاق کے امور میں بہت تشدد کرتے ہیں۔

3- امید اردو میں حمل کو بھی کہتے ہیں انگریزی میں Conciwe کا لفظ تھا جس میں یہی ابہام ہے۔ اس کے معنی خیال کرنے کے بھی ہیں اور حمل سے ہونے کے بھی۔

Marfat.com

انیسواں باب

جھوٹ کا ناسور

چالیس سال پہلے انگلستان میں ہندوستانی طالب علم آج کل کے مقابلے میں بہت کم تھے۔ ان لوگوں کا دستور تھا کہ چاہے بیاہے بھی ہوں مگر کنوارے بنتے تھے انگلستان میں اسکول اور کالج کے طالب علم سب کنوارے ہوتے ہیں کیونکہ وہاں کے لوگوں کے نزدیک طالب علمی اور شادی کی زندگی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتی۔ ہمارے یہاں بھی پرانے زمانے میں یہی رواج تھا۔ ان دونوں طالب علم برہمچاری کہلاتے تھے مگر آج کل بچپن میں شادی ہوجاتی ہے جو انگلستان میں ان سنی بات ہے۔ اس لئے وہاں ہندوستانی طالب علموں کو یہ کہتے شرم آتی تھی کہ ہماری شادی ہوگئی ہے۔ اس سخن سازی کا ایک اور بھی سبب تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر اصلی حال معلوم ہوگیا تو جس خاندان میں وہ رہتے ہیں اس کی لڑکیوں کے ساتھ سیر کرنے یا ان سے عاشقانہ چھیڑ چھاڑ کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ چھیڑ چھاڑ کم و بیش پاکبازانہ ہوتی تھی۔ خود والدین اس معاملے میں شہ دیتے تھے۔ ممکن ہے کہ نوجوان مرد و عورت کا اس طرح ملنا اس ملک میں ضروری ہو کیونکہ وہاں ہر نوجوان کو اپنے رفیق کا انتخاب خود کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر ہندوستانی نوجوان انگلستان جاکر یہ تعلقات قائم کرتے ہیں جو وہاں کے نوجوان کے لئے بالکل قدرتی ہیں تو نتیجہ عموماً مہلک ہوتا ہے جس کی بہت سی مثالیں ہیں میں نے دیکھا کہ ہمارے نوجوانوں کا قدم ترغیب سے ڈگمگاجاتا ہے اور وہ جھوٹ کی زندگی بسر کرتے ہیں اس میل جول کی خاطر جو انگریز نوجوانوں کے لئے کتنا ہی معصومانہ کیوں نہ ہو مگر ان کے لئے اچھا نہیں۔ مجھے بھی یہ روگ لگ گیا میں بے تکلف اپنے آپ کو کنوارا کہتا تھا۔ حالانکہ میں بیاہا اور ایک بچے کا باپ تھا لیکن اس بناوٹ میں میرا بھلا نہ ہوا۔ محض میری دیر آشنائی اور کم سخنی نے مجھے بچایا ورنہ میں قعر گناہ میں گر جاتا۔ جب میں بات ہی

Marfat.com

نہیں کرتا تھا تو کوئی لڑکی مجھ سے کیوں بولتی یا میرے ساتھ جانے پر کیوں راضی ہوتی۔

میری بزدلی بھی میری دیر آشنائی سے کم نہ تھی جن لوگوں کے یہاں میں وینیٹز میں ٹھہرا تھا اس قسم کے خاندانوں میں قاعدہ تھا کہ مالکہ مکان کی لڑکی مہمانوں کو لے کر ٹہلنے جایا کرتی تھی۔ میری میزبان کی لڑکی ایک دن مجھے ان خوبصورت پہاڑیوں پر لے گئی جو وینیٹز کے گرد واقع ہیں۔ میں خاصا تیز چلتا تھا لیکن میری رفیق مجھ سے بھی تیز رفتار تھی۔ وہ مجھے کھینچے لئے جاتی تھی اور اس کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی میں اس کی باتوں پر کبھی کبھی آہستہ سے "ہوں ہوں" کہہ دیتا تھا یا زیادہ سے زیادہ ہاں سچ مچ کیسی خوبصورت جگہ ہے" وہ پرندے کی طرح اڑی چلی جاتی تھی اور میں اس فکر میں تھا کہ لوٹ کر گھر کب پہنچیں گے۔ اس طرح ہم ایک پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے اب یہ سوال تھا کہ نیچے کیسے اتریں۔ یہ پچیس برس کی پھرتیلی لڑکی، اگرچہ اس کے بوٹ اونچی ایڑی کے تھے تیر کی طرح زن سے نیچے پہنچ گئی میں جھینپتا ہوا ٹھوکریں کھاتا ہوا آہستہ آہستہ اتر رہا تھا۔ وہ پہاڑی کے دامن میں کھڑی مسکرا رہی تھی میری ہمت سبزھا رہی تھی اور بار بار کہہ رہی تھی کہ کہو تو میں تمہیں ہاتھ پکڑ کر اتار لاؤں۔ بھلا میں ایسی بزدلی بھی کیا کرتا، یہ ہزار وقت زمین پر بیٹھ بیٹھ کر میں کسی نیچے اترا وہ زور سے ہنسی اور "شاباش شاباش" پکارنے لگی۔ غرض اس نے مجھے اور بھی شرمندہ کیا اور اسے اس کا حق بھی تھا۔

لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ میں بالکل صاف بچ جاتا کیونکہ خدا کو تو یہ منظور تھا کہ مجھے جھوٹ کے ناسور سے نجات دے۔ میں ایک بار برائٹن گیا جو وینیٹز کی طرح ایک صحت گاہ ہے۔ یہ وینیٹز جانے سے پہلے کا ذکر ہے۔ وہاں ہوٹل میں ایک متوسط الحال بوڑھی بیوہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ انگلستان میں میرا پہلا سال تھا۔ طعام (1) نامے پر جتنے کھانوں کے نام تھے سب فرانسیسی میں تھے جو میں اس وقت تک نہیں سمجھتا تھا جس میز پر میں تھا اسی پر یہ بوڑھی خاتون بھی تھیں یہ دیکھ کر کہ میں اجنبی ہوں اور اس وقت پریشانی میں ہوں انہوں نے فوراً میری مدد کی۔ انہوں نے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم یہاں اجنبی ہو اور اس وقت کسی دقت میں مبتلا ہو تم نے اب تک کھانے کے لئے کوئی چیز کیوں نہیں منگائی؟" میں طعام نامے کی ہجے کر رہا تھا اور ویٹر کو بلا کر پوچھنے والا تھا کہ ان میں کیا کیا چیزیں ہیں کہ اتنے میں ان نیک خاتون نے مداخلت کی میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان سے کہا کہ میں فرانسیسی نہیں جانتا۔ اس لئے میری سمجھ میں نہیں آتا ان میں نے کون کون سے کھانے نباتاتی ہیں۔

انہوں نے کہا "آئیے میں آپ کی مدد کروں میں طعام نامہ آپ کو سمجھا دوں گی اور یہ بتا دوں گی کہ آپ کیا کیا چیزیں کھا سکتے ہیں" میں نے احسانمندی سے ان کی مدد قبول کی۔ اس طرح میری ان کی

Marfat.com

ملاقات کی بنیاد پڑی جو آگے چل کر دوستی بن گئی ۔ یہ دوستی میرے قیام انگلستان کے زمانے میں بلکہ اس کے بعد بہت دنوں تک قائم رہی ۔ انہوں نے مجھے اپنا لندن کا پتہ دیا اور دعوت دی کہ ہر اتوار کو میرے یہاں کھانا کھایا کرو ۔ اس کے علاوہ خاص خاص تقریبوں میں وہ مجھے بلایا کرتی تھیں ۔ میرے حجاب کو رفع کرنے کی کوشش کرتی تھیں مجھے نوجواں خاتونوں سے ملاقاتی تھیں ۔ اور گفتگو اس طرح چھیڑتی تھیں کہ مجھے ان سے باتیں کرنا پڑیں اس گفتگو میں خاص طور پر وہ ایک نوجوان خاتون کو شریک کرتی تھیں جو ان کے گھر میں رہتی تھیں ۔ اور اکثر ہم دونوں کو بالکل تنہا چھوڑ دیتی تھیں ۔

شروع شروع میں میں ان باتوں سے بہت گھبراتا تھا ۔ نہ میں گفتگو شروع کر سکتا تھا اور نہ مجھے مذاق کرنا آتا تھا مگر انہوں نے میری رہنمائی کی اور میں رفتہ رفتہ آداب مجلس سیکھنے لگا ۔ کچھ دنوں کے بعد مجھے سنیچر انتظار رہنے لگا اس نوجوان دوست سے گفتگو میں مزا آنے لگا ۔

یہ بوڑھی خاتون اسی طرح میرے آس پاس جال بچھاتی رہیں ۔ انہیں ہم دونوں کے ملنے سے دلچسپی تھی ۔ شاید اس میں ان کا بھی کوئی مقصد تھا ۔

میں عجب کشمکش میں تھا ۔ میں نے اپنے دل میں کہا کاش میں اس نیک خاتون سے یہ کہہ دیتا کہ میری شادی ہو گئی ہے ۔ تب ہم دونوں کی نسبت کا منصوبہ نہ باندھتیں خیر اب بھی کچھ نہیں گیا ہے اگر میں سچا حال بیان کر دوں تو ممکن ہے کہ آئندہ اس مصیبت سے بچ جاؤں " یہ باتیں سوچ کر میں نے انہیں ایک خط لکھا جس کا مضمون قریب قریب یہ تھا ۔

جب سے میری آپ کی ملاقات برائٹن میں ہوئی آپ مجھ پر بہت مہربان رہی ہیں ۔ آپ نے اس طرح میری خبر گیری کی جیسے ماں بیٹے کی کرتی ہے ۔ آپ کی یہ بھی رائے ہے کہ میں شادی کر لوں اور اس غرض سے آپ نے مجھے نوجوان خاتونوں سے ملایا مجھے یہ گوارا نہیں کہ بات اس سے آگے بڑھے اس سے تو میں یہ اچھا سمجھتا ہوں کہ آپ کے سامنے اعتراف کر لوں کہ میں آپ کی محبت کے قابل نہیں ۔ جب میں نے آپ کے یہاں آمدورفت شروع کی مجھے اسی وقت آپ سے کہہ دینا چاہیئے تھا کہ میری شادی ہو چکی ہے ۔ مجھے معلوم تھا کہ انگلستان میں جو ہندوستانی طالب علم ہیں وہ اپنی شادی کو چھپاتے ہیں اور میں نے بھی ان کی تقلید کی اب میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا ۔ مجھے یہ بھی کہہ دینا چاہیئے تھا ۔ کہ میری شادی بچپن میں ہو گئی تھی اور اب میں ایک لڑکے کا باپ ہوں ۔ مگر مجھے خوشی ہے کہ اب خدا نے مجھے سچ بولنے کی ہمت عطا فرمائی ہے ۔ کیا آپ میرا قصور معاف کر دیں گی؟ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے اس نوجوان خاتون سے جن سے آپ نے مجھے ملایا تھا ایسی بے تکلفی

Marfat.com

نہیں برتی جو نامناسب ہو۔ میں جانتا تھا کہ دوستی کی حد کہاں تک ہے آپ کو میری شادی کا حال تو معلوم نہیں تھا اس لئے قدرتی طور پر آپ کی خواہش تھی کہ ان کی نسبت مجھ سے ہو جائے۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ آپ کو سچے واقعات سے مطلع کردوں تاکہ بات اس سے آگے نہ بڑھنے پائے۔

"اگر یہ خط پہنچنے کے بعد آپ یہ محسوس کریں کہ میں آپ کی مہمان نوازی کا مستحق نہیں ہوں تو یقین مانیئے مجھے ناگوار نہ ہو گا۔ آپ نے اپنی مہربانی اور شفقت سے مجھے ہمیشہ کے لئے زیر بار احسان کردیا ہے۔ اگر اس کے بعد بھی آپ مجھے اپنے یہاں نہ نکالیں ار بدستور مہمانی کے قابل سمجھیں جس کا مستحق بننے کی میں انتہائی کوشش کروں گا تو ظاہر ہے کہ مجھے بے حد مسرت ہوگی اور میں اسے آپ کی لطف وکرم کی مزید علامت سمجھوں گا۔

ناظرین کو سمجھ لینا چاہئے کہ میرے لئے ایسا خط لکھنا تھوڑی دیر کا کام نہ تھا میں نے خدا جانے کتنی بار مسودہ بنابنا کر بدلا ہو گا۔ اسے بھیجنے کے بعد میرے دل پر سے وہ بوجھ ہٹ گیا جس سے وہ دبا جاتا تھا۔ تقریباً واپسی ڈاک ان کا جواب آیا جس کا مضمون کم وبیش یہ تھا۔

"آپ کا خط آیا جس میں آپ نے بڑی صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ ہم دونوں کو خوشی ہوئی اور ہم خوب دل کھول کر ہنسے۔ جس غلط بیانی کے ارتکاب کا آپ کو اعتراف ہے وہ معافی کے قابل ہے۔ مگر یہ اچھا ہوا کہ آپ نے ہمیں اصلی صورت حال بتادی۔ میری دعوت بدستور قائم ہے۔ امید ہے کہ آپ اگلے اتوار کو ضرور آئیں گے ہمیں اشتیاق ہے کہ آپ کی بچپن کی شادی کے سارے واقعات سنیں اور آپ کا مضحکہ اڑائیں۔ کیا اب بھی یہ کہنے کی ضرورت ہے ہماری دوستی میں اس واقعے سے کوئی فرق نہیں آیا؟"

اس طرح میں نے جھوٹ کے ناسور سے نجات پائی۔ اسکے بعد جب کبھی ضرورت ہوئی میں نے بے تامل لوگوں سے اپنی شادی کا ذکر کیا۔

حوالہ

1- menu

Marfat.com

بیسواں باب

مختلف مذہبوں کا مطالعہ

میرے قیام انگلستان کے دوسرے سال کے آخر میں دو تھیوموفول سے میری ملاقات ہوئی۔ یہ دو بھائی تھے اور دونوں کنوارے۔ انہوں نے مجھ سے "بھگوت گیتا" کا ذکر کیا وہ سرایڈون ارنلڈ کا ترجمہ "نغمہ آسمانی" پڑھ رہے تھے۔ اور انہوں نے مجھ سے یہ خواہش کی کہ اصل کتاب ان کے ساتھ مل کر پڑھوں مجھے بڑی شرمندگی ہوئی کیونکہ میں نے یہ مقدس کتاب نہ سنسکرت میں دیکھی تھی نہ گجراتی میں مجھے ان سے یہ کہنا پڑا کہ میں نے "گیتا" ابھی تک نہیں پڑھی مگر میں بڑی خوشی سے آپ کے ساتھ اس کا مطالعہ کروں گا اور اگرچہ میں سنسکرت بہت کم جانتا ہوں لیکن مجھے امید ہے کہ اصل کتاب کو اس حد تک سمجھ لوں گا کہ ترجمے کی مصنوی غلطیوں کو پہچان لوں۔ غرض میں ان کے ساتھ گیتا کی تلاوت کرنے لگا اور جب دوسرے باب کے یہ اشلوک پڑھے:۔

جہاں کسی نے محسوس چیزیں کی طرف توجہ کی
اس کے دل کو ان سے ایک لگاؤ سا ہو جاتا ہے
یہ لگاؤ رفتہ رفتہ خواہش بن جاتا ہے
خواہش بڑھتے بڑھتے لگن بن جاتی ہے اور آدمی کو اندھا کر دیتی ہے حافظ ہراس ہو کر اونچے مقصد سے ہاتھ دھو لیتا ہے اور دل میں زہر پھیلا دیتا ہے۔

یہاں تک کہ انسان کا دل اس کا مقصد اور خود انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ تو میرے دل پر بہت اثر ہوا اور یہ آج تک میرے کانوں میں گونجتے ہیں۔ مجھے اس کتاب کی انتہائی قدر و قیمت اور عظمت کا احساس ہوا اور اس دن سے برابر یہ احساس بڑھتا گیا یہاں تک کہ اب میرے نزدیک حق کی معرفت

Marfat.com

حاصل کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں اس نے مایوسی اور افسردگی کی گھڑیوں میں میری بڑی مدد کی ہے ۔ میں نے قریب قریب سب انگریزی ترجے پڑھے ہیں اور ان میں میرے خیال میں سرایڈون ارنلڈ کا ترجمہ بہترین ہے ۔ انہوں نے متن کی پوری پابندی کی ہے اور پھر بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ ہے اگرچہ میں نے ان دوستوں کے ساتھ "گیتا" پڑھی لیکن میں یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ میں نے اس دفعہ اسکا مطالعہ جیسا چاہئے کیا البتہ چند سال کے بعد میں نے اس کی مزاولت شروع کی ۔

ان بھائیوں نے مجھے سرایڈون ارنلڈ کی "نورایشیا" پڑھنے کی بھی ہدایت کی ۔ میں آرنلڈ صاحب کو ابتک محض "گیتا" کے مترجم کی حیثیت سے جانتا تھا ۔ ان کی "نورایشیا" مجھے "گیتا" سے بھی زیادہ دلچسپ معلوم ہوئی ۔ جب میں نے اسے شروع کیا تو بے ختم کئے نہ چھوڑ سکا ۔ یہ دونوں بھائی مجھے بلاواٹسکی لاج میں بھی لے گئے اور میڈم بلاواٹسکی اور مسز بیسنٹ سے میرا تعارف کرایا ۔ مسز بیسنٹ حال ہی میں تھیوسوفی انجمن میں داخل ہوئی تھیں اور ان کے تبدیل عقائد کے متعلق جو نزاع ہورہی تھی اس کا میں بہت دلچسپی سے مطالعہ کرتا تھا ۔ ان دوستوں نے مجھے مشورہ دیا کہ تھیوسوفی انجمن میں شریک ہوجاؤں لیکن میں نے بہ طریق مناسب انکار کردیا اور کہا "مجھے اپنے مذہب سے بہت کم واقفیت ہے اس لیے میں کسی مذہبی انجمن میں شریک نہیں ہونا چاہتا" مجھے یاد ہے کہ میں نے ان دونوں بھائیوں کے کہنے سے میڈم بلاواٹسکی کی کتب "تھیوسوفی کی کنجی" بھی پڑھی اس کتاب کو پڑھ کر مجھے ہندو مذہب کی کتابیں پڑھنے کا اور بھی شوق ہوگیا اور میرے دل سے وہ غلط خیال نکل گیا جو مشنریوں نے جمار کھا تھا کہ ہندو مذہب میں ضعیف الاعتقادی بھری پڑھی ہے ۔

اسی زمانے میں ایک نباتاتی بورڈنگ ہاؤس میں مجھے مانچسٹر کے ایک نیک عیسائی سے ملنے کا اتفاق ہوا انہوں نے مجھ سے عیسائیت کے متعلق گفتگو کی میں نے ان سے راجکوٹ کے واقعات کا جو مجھے یاد تھے ، ذکر کیا انہیں یہ سن کر تکلیف ہوئی ۔ انہوں نے کہا "میں گوشت نہیں کھاتا ہوں اور شراب بھی نہیں پیتا ۔ یہ سچ ہے کہ بہت سے عیسائی گوشت بھی کھاتے ہیں اور شراب بھی پیتے ہیں ۔ لیکن کتاب مقدس میں ان دونوں چیزوں کا حکم نہیں دیا گیا ۔ مہربانی کرکے آپ بائبل ضرور پڑھئے میں نے ان کا مشورہ قبول کرلیا اور انہوں نے مجھے کتاب کا ایک نسخہ لادیا مجھے کچھ خفیف سا خیال ہے کہ وہ خود بائبل فروخت کرتے تھے اور میں نے ان سے ایک نسخہ خریدا تھا ۔ جس میں مقالات کے نقشے انڈیکس اور دوسری چیزیں تھیں جن سے پڑھنے والے کو مدد ملے ۔ میں نے اس کا مطالعہ شروع کیا لیکن توریت کسی طرح مجھ سے آخر تک نہیں پڑھی جاتی تھی ۔ میں نے کتاب تخلیق پڑھ ڈالی لیکن اس کے بعد جسے

Marfat.com

پڑھتے پڑھتے نیند آجاتی تھی مگر صرف یہ کہنے کے لئے کہ میں نے کتاب ختم کرلی ہے۔ دوسرے حصے بھی بہ ہزار دشواری دیکھے مگر مطلق دلچسپی نہیں ہوئی اور نہ کچھ سمجھ میں آیا "کتاب اعداد" کو پڑھ کر مجھے بڑی کوفت ہوئی۔

لیکن انجیل کا مجھ پر کچھ اور ہی اثر ہوا خصوصاً "پہاڑی کا وعظ" تو بالکل دل میں بیٹھ گیا۔ میں نے اس کا مقابلہ "گیتا" سے کیا۔ ان آیتوں کو پڑھ کر "مگر میں تجھ سے کہتا ہوں کہ بدی میں مزاحم نہ ہو بلکہ جو تیرے سیدھے گال پر تمانچہ مارے اس کی طرف دوسرا گال بھی پھیر دے۔ اگر کوئی تیری قبالے لے تو اسے عبا بھی لیجانے دے" مجھے بے حد خوشی ہوئی اور شامل بھٹ کے وہ شعر یاد آئے "جو کوئی تجھ کو پانی پلائے اس کو اچھا کھانا کھلائے" میرے خام کار ذہن نے اپنی بساط کے موافق "گیتا" "نورایشیا" اور پہاڑی کا وعظ" کی تعلیم کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ یہ بات میرے دل کو لگی کہ ترک دنیا مذہب کا سب سے اونچا درجہ ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے میرا یہ شوق اور بھی بڑھ گیا کہ دوسرے مذہبی پیشواؤں کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کروں۔ ایک دوست نے مجھے کارلائل کی "ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ" پڑھنے کی ہدایت کی۔ میں نے اس کا ایک باب "ہیرو بہ حیثیت پیغمبر کے" پڑھا اور مجھ پر پیغمبر اسلام کی عظمت، شجاعت اور زہد و اتقا کی حقیقت منکشف ہوئی۔

اس زمانے میں میں مذہب سے اس سے زیادہ واقفیت نہ حاصل کر سکا کیونکہ امتحان کی کتابوں کے مطالعے سے مجھے اتنا وقت نہیں ملتا تھا کہ کچھ اور پڑھ سکوں لیکن میں نے اپنے دل میں یہ طے کرلیا کہ میں اور مذہبی کتابیں بھی پڑھوں گا اور تمام بڑے مذہبوں سے واقفیت حاصل کروں۔

بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ میں دہریت سے بھی تھوڑا بہت واقف نہ ہو جاتا؟ ہر ہندوستانی بریڈلا کو اور اس کی نام نہاد دہریت کو جانتا تھا۔ میں نے بھی اس کے متعلق ایک کتاب پڑھی تھی جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ اس کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا کیونکہ میں دہریت کے لق و دق صحرا سے پہلے ہی گزر چکا تھا۔ مسز بیسنٹ نے جن کی اس زمانے میں بڑی شہرت تھی دہریت سے خدا پرستی کی طرف رجوع کیا تھا۔ اس بات سے اس نفرت کو اور تقویت ہوئی جو میں دہریت کی طرف سے رکھتا تھا۔

اسی زمانے میں بریڈلا کا انتقال ہوا اور وہ ووکنگ کے قبرستان میں دفن کیا گیا میں اس کے جنازے میں شریک ہوا اور مجھ پر کیا موقوف ہے لندن میں جتنے ہندوستانی تھے سبھی شریک ہوئے۔ چند پادری بھی اسے دفن کرنے آئے تھے۔ قبرستان سے واپس آتے وقت میں ریل کے انتظار میں اسٹیشن پر ٹھہرنا

Marfat.com

پڑا مجمع میں ایک دہریہ مجاہد ایک پادری کے پیچھے پڑا ہوا تھا "کیوں صاحب آپ خدا کے قائل ہیں۔

بے چارے پادری نے آہستہ سے کہا" بے شک" ہوں

دہریے نے بر خود غلط تبسم کے ساتھ کہا۔ آپ بھی یہ مانتے ہیں کہ کرہ، زمین کا قطر اٹھائیں ہزار میل ہے۔

"جی ہاں"

"اچھا تو بتائیے آپ کا خدا کتنا بڑا ہے اور کہاں ہے؟"

"کاش ہم جانتے کہ وہ ہم دونوں کے دل میں رہتا ہے"

مجاہد نے فخریہ ہم لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا۔"بس بس رہنے دیجئے۔ آپ نے مجھے کوئی بچہ مقرر کیا ہے۔"

پادری عاجزی سے خاموش ہو گیا۔

اس گفتگو نے مجھے دہریت سے اور بھی بدظن کر دیا۔

حوالہ

Jheas Shhisl - 1

Marfat.com

اکیسواں باب

نربل کے بل رام

کو ہندو مذہب اور دوسرے مذہبوں سے مجھے کچھ یونہی سے واقفیت ہو گئی تھی مگر مجھے سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ یہ مجھے آزمائشوں میں ثابت قدم رکھنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ امتحان کے وقت انسان مطلق نہیں جانتا کہ کونسی چیز اس کے کام آئی۔ اگر وہ بے دین ہے تو اپنی نجات کو اتفاق سمجھتا ہے۔ اگر دیندار تو ہے کہتا ہے خدا نے بچالیا۔ وہ بعد میں یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ مذہبی تعلیم یا روحانی تربیت کی بدولت توفیق الٰہی نے اس کا ساتھ دیا لیکن عین نجات کے وقت اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ بچانے والی اس کی روحانی تربیت ہے یا کوئی اور چیز، کون ایسا ہے جسے اپنی روحانی قوت پر ناز ہو اور اس نے اسے مٹی میں ملتے نہ دیکھا ہو؟ ان آزمائش کے موقعوں پر دینیات کا علم بغیر دینداری کے جذبے کے پر کاہ کے برابر وقعت نہیں رکھتا۔

انگلستان ہی میں مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ خالی خولی مذہبی علم محض بیکار ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ پہلے متعدد موقعوں پر میں نے کیونکر نجات پائی تھی کیونکہ ان دنوں میری عمر بہت کم تھی۔ مگر اب بیس برس کا ہو چکا تھا اور بیوی بچے والا بھی تھا اس لئے مجھے ان باتوں کا تھوڑا بہت تجربہ تھا۔

جہاں تک مجھے یاد ہے میرے قیام انگلستان کے آخری سال یعنی 1890ء میں پورٹسمتھ میں نباتاتیوں کی کانفرنس تھی جس میں میں اور میرے ایک ہندوستانی دوست مدعو تھے۔ پورٹسمتھ ایک بندرگاہ ہے جس میں بحری افسروں اور خلاصیوں کی بہت بڑی آبادی ہے۔ وہاں بہت سے مکان ایسے ہیں جن میں بدوضع عورتیں رہتی ہیں جو رنڈیاں تو نہیں ہیں مگر اپنے اخلاق کی طرف سے بہت بے پرواہ ہیں ہم اسی قسم کے ایک مکان میں ٹھہرائے گئے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مجلس استقبالیہ اس بات سے بالکل ناواقف تھی۔ پورٹسمتھ ایسے شہر میں یہ معلوم کرنا بہت مشکل تھا کہ ہمارے جیسے مسافروں کے لئے

Marfat.com

جو دو چار دن کے لئے آتے ہیں کون سے مکان اچھے ہیں اور کون سے برے۔

ہم شام کو کانفرنس سے لوٹے۔ کھانے کے بعد ہم برج کھیلنے بیٹھے اور اس میں ہماری مالکہ مکان بھی شریک ہو گئی جیسے کہ انگلستان کے اچھے خاندانوں میں بھی دستور ہے۔ ایسے موقع پر کھیلنے والے آپس میں بے ضرر مذاق بھی کیا کرتے ہیں مگر یہاں میرے دوست میں اور مالکہ مکان میں فحش مذاق ہونے لگا مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے دوست اس فن میں استاد ہیں مجھ پر بھی یہ رنگ چھا گیا اور میں بھی شریک ہو گیا چین اس وقت جب میں پتے چھوڑ چھاڑ "کر حد سے آگے بڑھنے والا تھا خدا نے میرے نیک رفیق کی زبان سے یہ مبارک الفاظ کہلوائے "صاحبزادے تم میں کہاں سے یہ شیطان سما گیا! جاؤ یہاں سے بھاگ جاؤ"

میں شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ میں نے اس تنبیہ پر عمل کیا اور دل ہی دل میں اپنے دوست کا شکر گزار ہوا۔ مجھے وہ عہد یاد آگیا جو میں نے اپنی ماں سے کیا تھا اور میں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس شکار کی طرح جو شکاری سے بچ کر بھاگا ہو ہانپتا اپنے کمرے میں پہنچا میرا بند بند لرز رہا تھا اور دل دھڑک رہا تھا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ اپنی بیوی کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر میرے دل میں شہوانی خواہش ہوئی میں نے وہ رات جاگ کر کاٹی۔ میرے دل میں طرح طرح کے خیالات کا ہجوم تھا۔ کیا میں یہ مکان چھوڑ دوں؟ یا اس شہر سے بھاگ جاؤں میں کہاں ہوں؟ اگر میں حواس بجا نہ رہے تو کیا انجام ہو گا؟ میں نے یہ طے کیا اب بہت احتیاط سے کام لوں گا اس مکان سے اٹھ کر کسی اور مکان میں نہ جاؤں گا بلکہ کسی ترکیب سے پورٹسمتھ ہی سے چل دوں گا۔ کانفرنس صرف دو دن کی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ میں دوسرے دن شام کو پورٹسمتھ سے روانہ ہو گیا۔ میرے دوست کچھ دن وہاں اور ٹھہرے رہے۔

مجھے اس وقت تک یہ نہیں معلوم تھا کہ مذہب کی یا خدا کی حقیقت کیا ہے اور خدا ہارے دلوں پر کیونکر اثر ڈالتا ہے۔ مجھے محض ایک دھندلا سا خیال تھا کہ اس موقعے پر خدا نے بچایا۔ ہر امتحان کے وقت اسی نے مجھے بچایا ہے میں جانتا ہوں کہ اب یہ الفاظ "خدا نے مجھے بچایا" میرے لئے بڑے گہرے معنی رکھتے ہیں پھر بھی مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں ان کی پوری اہمیت اب تک نہیں سمجھا۔ جب تک میرا روحانی تجربہ اس سے زیادہ وسیع نہ ہو گا بس ان کو کماحقہ سمجھنے سے قاصر رہوں گا۔ لیکن مجھے جتنے امتحان پیش آئے۔ روحانی زندگی میں، وکالت کے پیشے میں، اداروں کے چلانے میں، سیاست میں، سب میں خدا نے مجھے بچایا۔ جب کوئی امید نہیں رہتی جب مددگار کام نہیں آتے اور سہارے ٹوٹ جاتے ہیں" تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں سے یہ مدد پہنچی، یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کہاں سے الحاج و

Marfat.com

زاری عبادت دعا اوہام نہیں ہیں یہ حقیقی افعال ہیں اور ان میں کھانے پینے، بیٹھنے چلنے سے زیادہ حقیقت ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں کہ صرف یہی چیزیں حقیقی ہیں او جو کچھ ہے وہ مجازی ہے۔

یہ عبادت یا دعا خطابت کا طرفان نہیں، محض زبانی اطاعت اور بندگی نہیں یہ وہ چیز ہے جو دل سے نکلتی ہے۔ اگر ہم تزکیہ قلب کی اس منزل پر پہنچ جائیں کہ دل "سوائے محبت کے ہر چیز سے خالی ہو" اگر اس کے سب تار کسے ہوئے ہوں تو ان کی لرزش نغمہ بن کر حد نظر سے آگے چل جاتی ہے" دعا کیلئے الفاظ کی ضرورت نہیں۔ وہ بجائے خود سعی محسوس سے مستغنی ہے۔ مجھے اس میں مطلق شبہ نہیں کہ دعا کو شہوانی جذبات سے پاک کرنے کے لئے اکسیر ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ انتہائی عاجزی بھی ہو۔

حوالہ

1- سورداس کے مشہور بھجن کی ٹیپ جو ہر بند کے آخر میں آتی ہے "اللہ ہے حامی بیکس کا واللہ سہارا بیکس کا۔

Marfat.com

Marfat.com

بائیسواں باب

نراین ہیم چندر

اسی زمانہ میں نرائن ہیم چندر انگلستان آئے۔ میں نے ان کا نام بہ حیثیت مصنف کے سنا تھا۔ ہم دونوں کی ملاقات مس منیلنگ کے یہاں ہوئی جو نیشنل انڈین ایسوسی ایشن کی رکن تھیں مس منیلنگ جانتی تھیں کہ میں لوگوں سے ملنے جلنے اور بات چیت کرنے میں بہت کچا ہوں جب کبھی میں ان کے ہاں جاتا تو خاموش بیٹھا رہتا تھا اور جب تک کوئی مجھے مخاطب نہ کرے میں کسی سے نہیں بولتا تھا۔

انہوں نے مجھے نراین ہیم چندر سے ملایا۔ وہ انگریزی نہیں جانتے تھے۔ ان کا لباس عجیب تھا۔ بھدا سا پتلون میلا کچیلا پارسی وضع کا بھورا کوٹ جس میں شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کے ساتھ نہ کالر نہ نکٹائی، پھندنے دار اونی ٹوپی۔

وہ اکہرے بدن کے پستہ قد آدمی تھے۔ گول چہرے پر چیچک کے داغ، ناک نہ ستواں نہ زیادہ پھیلی ہوئی۔ منہ پر داڑھی تھی جس میں وہ برابر ہاتھ سے کنگھی کرتے رہتے تھے۔

ایسی انوکھی شکل اور نرالی پوشاک کے آدمیوں پر خوش وضع لوگوں کے مجمع میں خواہ مخواہ نظر ٹھٹکتی تھی۔ میں نے ان سے کہا "میں نے آپ کا ذکر اکثر سنا ہے اور آپ کی بعض کتابیں بھی پڑھی ہیں۔ آپ میرے یہاں تشریف لائیں تو بڑی عنایت ہو"۔

نراین ہیم چندر کی آواز بھاری تھی۔ انہوں نے مسکرا کر کہا "اچھی بات ہے تم رہتے کہاں ہو؟"

"اسٹور اسٹریٹ میں"

تب تو ہم دونوں پاس ہی پاس رہتے ہیں۔ میں انگریزی پڑھنا چاہتا ہوں پڑھا دو گے؟"

مجھے جو تھوڑا بہت آتا ہے بڑی خوشی سے اور بڑی محنت سے آپ کو پڑھاؤں گا۔ آپ فرمائیں تو

Marfat.com

میں آپ کے یہاں حاضر ہو جایا کروں"؟

"جی نہیں میں خود تمہارے یہاں آؤں گا اور ترجمے کی کتاب بھی لیتا آؤں گا" غرض ہم نے وقت مقرر کرلیا۔ تھوڑے دنوں میں ہم دونوں میں گہری دوستی ہو گئی۔

نراین ہیم چندر صرف و نحو کے بکھیڑے سے پاک تھے "گھوڑا" ان کے نزدیک فعل تھا اور "دوڑو" اسم مجھے ایسی بہت سی مضحک مثالیں یاد ہیں۔ مگر وہ اس ناواقفیت کی کب پروا کرتے تھے۔ میرا طرف و نحو کا ناچیز علم ان کی نظر میں کوئی وقعت نہ رکھتا تھا۔ گرامر نہ جاننا ان کے نزدیک کوئی شرم کی بات نہیں تھی۔

وہ بڑی بے پروائی سے کہا کرتے تھے "میں نے تمہاری طرح اسکول میں نہیں پڑھا۔ اپنے خیالات ظاہر کرنے کے لئے مجھے کبھی صرف و نحو کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ بنگالی بھی جانتے ہو میں جانتا ہوں میں ہی نے مہارشی دیوایندر ناتھ ٹگور کی تصانیف کا گجراتی میں ترجمہ کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اور بہت سی زبانوں کے ادبی خزانے گجراتی میں منتقل کردوں تم جانتے ہو کہ لفظی ترجمہ کبھی نہیں کرتا میں تو بس اصل مطلب کو اپنی زبان میں ادا کردیتا ہوں۔ ممکن ہے کہ آگے چل کر مجھ سے زیادہ قابل لوگ بہتر ترجمہ کریں۔ مگر میں اپنے اسی کام میں خوش ہوں جو میں نے بغیر صرف و نحو کے کرلیا ہے۔ میں ہندی، مرہٹی، بنگالی جانتا ہوں اور اب انگریزی پڑھ رہا ہوں بس میری یہی خواہش ہے کہ بہت سے الفاظ سیکھ لوں اور کیا تم سمجھتے ہو کہ میرا حاصلہ بس اتنا ہی ہے؟ میں ابھی فرانس جاکر فرانسیسی سیکھوں گا لوگ کہتے ہیں کہ اس زبان کا بڑا وسیع ادب ہے۔ پھر ممکن ہوا تو جرمنی جاکر جرمنی زبان سیکھوں گا۔ غرض وہ اسی طرح باتیں کرتے چلے جاتے تھے۔

انہیں زبانیں سیکھنے کا اور غیر ملکوں کی سیاحت کا بڑا شوق تھا۔

"آپ امریکہ بھی جائیں گے نہ؟"

"ضرور جاؤں گا بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ بغیر ہی دنیا دیکھے ہندوستان واپس جاؤں"

مگر آپ کو روپیہ کہاں سے ملے گا؟

مجھے روپیہ کی کیا ضرورت ہے؟ میں کچھ تمہاری طرح فیشن ایبل آدمی ہوں نہیں مجھے تو بس پیٹ بھرنے کو روٹی اور تن ڈھکنے کو کپڑا چاہیئے۔ اور اس کے لئے جو تھوڑا بہت مجھے اپنی کتابوں سے اور دوستوں سے مل جاتا ہے کافی ہے، میں ہمیشہ تیسرے درجہ میں سفر کرتا ہوں۔ امریکہ بھی "ڈیک" پر جاؤں گا۔

Marfat.com

سادگی "نراین ہیم چندر" کا حصہ تھی اور ان کی صاف گوئی بھی اسی شان کی تھی غرور انہیں چھو کر بھی نہیں گیا تھا۔ البتہ بہ حیثیت مصنف کے وہ اپنی قابلیت کا اندازہ کسی قدر زیادہ کرتے تھے۔

ہم دونوں میں روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔ ہمارے خیالات اور طرز عمل میں بہت کچھ مشابہت تھی۔ دونوں نباتاتی تھے۔ اکثر دوپہر کا کھانا ساتھ کھاتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ میں سترہ شلنگ ہفتہ وار میں گزر کرتا تھا۔ اور اپنا کھانا آپ پکاتا تھا۔ کبھی میں ان کے یہاں چلا جاتا تھا۔ کبھی وہ میرے یہاں چلے آتے تھے۔ میں انگریزی طریقہ پر پکاتا تھا مگر انہیں سوائے ہندوستانی کھانے کے کچھ پسند نہ تھا۔ دال کے بغیر وہ کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔ میں گاجر وغیرہ کا شوربہ تیار کرتا تھا اور وہ میرے مذاق پر افسوس کیا کرتے تھے۔ ایک بار انہیں کہیں سے مونگ کی دال مل گئی اور وہ پکا کر میرے یہاں لائے۔ میں نے بڑے شوق سے کھائی۔ اس کے بعد سے ہم دونوں میں مبادلے کا باقاعدہ سلسلہ قائم ہو گیا۔ میں جو اچھی چیز پکاتا تا ان کے لئے لے جاتا تھا اور وہ اپنی محبوب چیزیں میرے لئے لاتے تھے۔

اس زمانے میں کارڈنل ہیننگ کا نام ہر شخص کی زبان پر کھارے کھاڑی کے مزدوروں کی ہڑتال جان برنس اور کارڈنل میننگ کی کوششوں سے قبل از وقت ختم ہو گئی تھی۔ میں نے نراین ہیم چندر سے ذکر کیا کہ ڈزرا عملی سے کارڈنل کی سادگی کی بڑی تعریف کی۔ انہوں نے کہا پھر تو میں اس رشی سے ضرور ملوں گا میں نے کہا وہ بڑے آدمی ہیں۔ آپ کی رسائی ان تک کیسے ہو گی؟

"کیوں اس میں کیا مشکل" ہے تم میری طرف سے انہیں خط لکھو ان کو یہ بتاؤ کہ میں مصنف ہوں اور ان سے مل کر انہیں اس کار خیر پر مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔ یہ بھی لکھ دینا کہ میں تمہیں ترجمان کے طور پر لاؤں گا کیونکہ میں انگریزی نہیں جانتا"۔

میں نے اس مضمون کا خط لکھا۔ دو تین دن کے بعد اس کے جواب میں کارڈنل صاحب کا کارڈ آیا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ فلاں وقت ہم دونوں سے ملیں گے۔ میں نے وہاں جانے کے لئے دستور کے مطابق ملاقات کا سوٹ پہنا نراین ہیم چندر کے وہی ٹھاٹ تھے، وہی کوٹ، پتلون میں نے چاہا کہ اس لباس کی ہنسی اڑاؤں۔ مگر انہوں نے الٹا مجھی کو بنا ڈالا۔

"تم جیسے مہذب لوگ سب بزدل ہوتے ہیں بڑے آدمی کسی شخص کے لباس کو نہیں دیکھتے اس کے دل کو دیکھتے ہیں"۔

ہم کارڈنل کے دولت خانے پر پہنچے۔ ابھی جا کر ہم بیٹھے ہی تھے کہ ایک دبلے پتلے لمبے سے پیر مرد بر آمد ہوئے اور انہوں نے ہم سے مصافحہ کیا۔ نراین ہیم چندر نے سلسلہ گفتگو یوں شروع کیا۔

Marfat.com

"میں آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ میں نے آپ کی بہت تعریف سنی تھی اور میرا جی چاہتا تھا کہ یہاں آکر اس نیک کام کا شکریہ ادا کروں جو آپ نے ہڑتالیوں کے لئے کیا ہے۔ میری عادت ہے کہ دنیا میں جتنے رشی ہیں سب کی خدمت میں جیا کرتا ہوں اسی لئے میں نے آپ کو بھی زحمت دی"۔

ظاہر ہے کہ یہ ان الفاظ کا ترجمہ ہے جو انہوں نے گجراتی میں کہے تھے

" مجھے آپ کے آنے سے خوشی ہوئی۔ خدا کرے آپ کو لندن کا قیام راس آئے اور یہاں کے لوگوں سے ملنے جلنے کا موقع ملے۔ خدا آپ پر برکت نازل کرے"۔

یہ الفاظ کہ کر کارڈنل صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہمیں رخصت کر دیا۔ ایک بار نرائن ہیم چندر قمیض اور دھوتی پہنے ہوئے میرے یہاں چلے آئے بیچاری مالکہ مکان نے دروازہ کھولا تو وہ ڈر گئی میرے پاس چلاتی ہوئی آئی (اس کے یہاں میں نیا نیا آیا تھا اس نے وہ نرائن ہیم چندر کو نہیں جانتی تھی) اور کہنے لگی "ایک پاگل سا آدمی تم سے ملنے آیا ہے میں دروازہ پر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ نرائن ہیم چندر کھڑے ہیں۔ مجھے سخت تعجب اور صدمہ ہوا۔ مگر ان کے چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی جو ہمیشہ رہتی تھی۔

" مگر یہ تو کہئے آپ کو سڑک پر لڑکوں نے نہیں چھیڑا"۔

"اجی وہ میرے پیچھے دوڑے مگر میں نے کچھ پروا نہیں کی تو وہ بھی چپ ہو رہے"

نرائن ہیم چندر چند مہینے لندن میں قیام کرنے کے بعد پیرس گئے انہوں نے فرانسیسی پڑھنا، فرانسیسی کتابوں کا ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ میں اتنی فرانسیسی جانتا تھا کہ ان کے ترجمے پر نظر ثانی کر سکوں۔ اس لئے وہ ترجمہ کر کے مجھ دکھایا کرتے تھے۔ یہ ترجمہ کیا خلاصہ ہوتا تھا۔

آخر انہوں نے امریکہ جانے کا مقصد بھی پورا کیا۔ بڑی مشکل سے انہیں ڈیک کا ٹکٹ ملا۔ وہاں بھی وہ ایک بار قمیض اور دھوتی پہن کر نکلے۔ ان پر "غیر مہذب لباس پہننے" کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ بری کر دئے گئے تھے۔

Marfat.com

تیسواں باب

عظیم الشان نمائش

1890ء میں پیرس میں ایک عظیم الشان نمائش ہوئی۔ میں نے اس کی دھوم دھام کا حال پڑھا تھا اور مجھے پیرس دیکھنے کا بھی شوق تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ اس وقت پیرس ہو آؤں تو ایک پنتھ دو کاج کا مضمون ہو گا نمائش کی ایک خاص کشش ایفل مینار تھا جو خالص لوہے کا اور ایک ہزار فٹ بلند تھا ظاہر ہے کہ اس کے علاوہ اور بہت سی دلچسپ چیزیں بھی تھیں لیکن یہ مینار سب سے بڑھکر تھا۔ کیونکہ اس وقت لوگوں کا خیال تھا کہ اتنا اونچا مینار قائم نہیں رہ سکتا۔

میں نے پیرس کے نباتاتی ریستوران کا نام سنا تھا۔ میں نے وہاں ایک کمرہ لے لیا اور سات دن ٹھہرا۔ میں نے پیرس کا سفر اور وہاں کی سیر دونوں میں بہت کم خرچ میں کام چلایا۔ میں شہر کا ایک نقشہ اور نمائش کی گائڈ لے کر پیدل پھرا کرتا تھا ان کے ذریعے سے انسان تمام بڑی سڑکوں پر اور خاص دلچسپ جگہوں پر جا سکتا تھا۔

مجھے نمائش کے متعلق سوائے اس کے کچھ یاد نہیں کہ بڑی عظیم الشان تھی اور وہاں مختلف قسم کی دلچسپ چیزیں تھیں۔ ایفل ٹاور مجھے اچھی طرح یاد ہے کیونکہ میں دو تین بار اس پر چڑھا تھا۔ پہلی منزل پر ایک ریستوران تھا اور صرف یہ کہنے کے لئے میں نے اتنی بلندی پر کھانا کھایا ہے میں نے سات شلنگ دوپہر کے کھانے پر ضائع کئے۔

پیرس کے پرانے گرجے مجھے اب تک یاد ہیں۔ ان رفعت اور شوکت اور ان کا سکون جس نے دیکھا ہے وہ بھول نہیں سکتا۔ نوتردام کی حیرت انگیز عمارت اور سنگ تراشی کے خوبصورت نمونے جن سے اس کی اندرونی آرائش کی گئی ہے ان چیزوں کی تصویر دل سے نہیں مٹ سکتی۔ مجھے اس

Marfat.com

وقت یہ محسوس ہوتا تھا کہ جن لوگوں نے کروڑوں خرچ کرکے یہ گرجے بنوائے ہیں ان کے دل میں یقیناً خدا کی محبت ہوگی۔

میں نے پیرس کی تراش خراش اور وہاں کے لہوولعب کے بہت سے قصے پڑھے تھے۔ یہ چیزیں ہر سڑک پر نظر آتی تھیں لیکن گرجے ان مناظر سے الگ تھلگ دوسری ہی شان سے کھڑے تھے۔ جہاں انسان ان میں سے کسی گرجے میں داخل ہوا وہ بھول جاتا تھا۔ کہ باہر اتنا شور شغب ہے اس کا اندازہ بدل جاتا اور جب وہ کسی شخص کے پاس سے گزرتا تھا جو کنواری کے بت کے آگے گھٹنوں کے بل جھکا ہوا ہو تو اس کی نقل و حرکت سنجیدگی اور عقیدت سے معمور ہو جاتی تھیں مجھے جو احساس اس وقت تھا وہ اب اور گہرا ہو تا جاتا ہے کہ یہ تعظیم اور عبادت محض ضعیف الاعتقادی نہیں تھیں اور یہ لوگ جو کنواری بت کے آگے گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے محض سنگ مرمر کی پرستش نہیں کررہے تھے ان کے دل میں سچی عقیدت کا جوش تھا اور وہ پتھر کو نہیں بلکہ ذات الٰہی کو پوجتے تھے جن کا جلوا انہیں اس میں نظر آتا تھا مجھے یہ خیال کہ اس پرستش سے وہ خدا کے عظمت و جلال کو گھٹا نہیں رہے بلکہ بڑھا رہے ہیں۔

میں چند الفاظ ایفل مینار کے متعلق بھی کہوں گا مجھے معلوم نہیں کہ اب اس سے کیا کام لیا جاتا ہے۔ مگر اس زمانے میں اس کی تعریف بھی بہت کی جاتی تھی اور مذمت بھی۔ مجھے یاد ہے کہ اس کی مزمت کرنے والوں میں ٹالسٹائی پیش پیش تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ایفل مینار انسان کی دانشمندی کی نہیں بلکہ اس کی حماقت کی یادگار ہے۔ وہ تمباکو کو دنیا کا سب سے بڑا نشہ سمجھتا تھا کیونکہ تمباکو پینے والوں سے اس کے نزدیک ایسے جرم سرزد ہوتے ہیں جن کے ارتکاب کی شرابیوں کو کبھی جرات نہیں ہوتی۔ شراب تو انسان کو بالکل دیوانہ کردیتی ہے مگر تمباکو سے اس کا تخیل دھندلا ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ خیالی پلاؤ پکانے اور ہوا در ہوا عماتیں بنانے لگتا ہے۔ ایفل مینار اس کے خیال میں ایسا ہی تخلیقی کارنامہ ہے جو انسان تمباکو کے نشے میں کر دکھاتا ہے۔ اس مینار میں آرٹ کی کوئی خوبی نہیں۔ اس سے نمائش کی خوبصورتی میں کوئی مدد نہیں ملی۔ لوگ اسے جوق در جوق دیکھنے کو آتے تھے اور اس پر چڑھتے تھے کیونکہ وہ ایک نئی چیز تھی اور اونچائی میں بے نظیر۔ یہ نمائش کا کھلونہ تھا۔ جب تک ہم میں بچپن ہے ہم کھلونوں کو دیکھ کر پھسل جاتے ہیں اور یہ مینار اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم سب بچے ہیں اور دکھاوے کی چیزوں پر جان دیتے ہیں۔ یہی ایفل منار کا مقصد کہا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

چوبیسواں باب

بیرسٹر تو ہوگئے مگر اب

میں نے اب تک اس چیز کا ذکر نہیں کیا ہے جس کے لئے میں انگلستان گیا تھا۔ یعنی بیرسٹری کا امتحان۔ اب ذرا اس کا بھی مختصر سا حال بیان کر دوں۔

باضابطہ بیرسٹر بننے کے لئے دو شرطیں پوری کرنا پڑتی تھیں:۔ بارہ ٹرم یعنی تین سال کی حاضری اور امتحانوں میں کامیابی۔ حاضری سے مراد یہ تھی کہ ہر ٹرم کی چوبیس ڈنر کی دعوتوں میں سے کم سے کم چھ میں شرکت کی جائے۔ شرکت کے لئے کھانا کھانے کی ضرورت نہ تھی بلکہ مقررہ وقت پر پہنچ جانا اور ڈنر کے آخر تک موجود رہنا کافی تھا۔ عام طور پر لوگ بہت خوشی سے یہاں کے ڈنر اور نفیس شرابوں سے لطف اٹھاتے تھے۔ اور ڈنر کی قیمت ڈھائی شلنگ سے تین شلنگ تک۔ یعنی دو روپے سے تین روپے تک ہوتی تھی۔ یہ کم سمجھی جاتی تھی کیونکہ ہوٹلوں میں اتنے دام فقط شراب ہی کے دینے پڑتے تھے۔ ہمارے ہندوستان میں جو لوگ "مہذب" نہیں ہیں انہیں یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ پینے کی چیز کے دام کھانے سے زیادہ ہوں۔ مجھے جب یہ پہلی بار معلوم ہوا تو سخت تعجب اور صدمہ ہوا۔ میں سوچتا تھا کہ یہ لوگ شراب پر اتنا روپیہ ضائع کر دیتے ہیں اور ان کا دل نہیں دکھتا آگے چل کر میں اس راز کو سمجھ گیا، میں اکثر ان دعوتوں میں کچھ نہیں کھاتا تھا۔ میرے کھانے کی چیزیں صرف روٹی و آلو اور گوبھی تھیں۔ ابتدا میں یہ چیزیں نہیں کھاتا تھا کیونکہ یہ مجھے پسند نہیں تھیں اور آگے چل کر جب یہ پسند آنے لگیں تو اس وقت تک مجھ میں اتنی جرات بھی پیدا ہو گئی تھی کہ اور کھانوں کی فرمائش کر سکوں۔

منتظموں کو طالب علموں سے اچھا کھانا ملتا تھا میں نے اور ایک پارسی طالب علم نے جو میری طرح نباتاتی تھا یہ درخواست دی کہ نباتاتی مشرب کی رعایت سے ہمیں وہ نباتاتی کھانے ملیں جو منتظموں کو

Marfat.com

دئے جاتے ہیں۔ یہ درخواست منظور ہو گئی اور ہمیں منتظموں کی میز سے پھل اور ترکاریاں ملنے لگیں۔

چار چار آدمیوں میں شراب کی دو دو بوتلیں ملتی تھیں۔ اور چونکہ میں انہیں چھوتا تک نہ تھا اس لئے مجھ سے لوگ ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ان کے حلقے میں شریک ہو جاؤں تاکہ دو بوتلیں تین آدمیوں کے حصے میں آئیں۔ ہر ٹرم میں ایک "بڑی رات" منائی جاتی تھی اور اس موقع پر علاوہ ریورٹ اور شیری کی مقررہ بوتلوں کے شامپین وغیرہ بھی ملتی تھی۔ مجھ سے اس رات کے آنے میں خاص اصرار ہوتا تھا اور سب لوگ مجھے اپنے پاس بٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔

میری سمجھ میں نہ اس وقت آیا تھا اور نہ اب تک آیا ہے کہ ڈنر کھا کر طالب علموں میں بیرسٹری قابلیت کیونکر پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک زمانے میں ان دعوتوں میں بہت کم طالب علم آیا کرتے تھے اس لئے انہیں منتظموں سے گفتگو کا موقع ملتا تھا اور تقریریں بھی ہوتی تھیں۔ اس صحبتوں سے انہیں دنیا کا تجربہ حاصل ہوتا تھا ان کے مذاق میں ستھرا پن اور نفاست پیدا ہوتی تھی اور ان کی قوت گویائی بڑھ جاتی تھی لیکن میرے زمانے میں باتیں ناممکن تھیں کیونکہ منتظموں کی میز حفظ مراتب کے خیال سے طالب علموں سے دور بچھتی تھیں یہ رسم رفتہ رفتہ بے معنی ہو گئی ہے لیکن قدامت پسند انگلستان نے اسے بدستور قائم رکھا ہے۔

نصاب تعلیم بہت سہل تھا اور بیرسٹروں کو لوگ مذاق میں دو ڈنر بیرسٹر کہتے تھے ہر شخص جانتا تھا کہ امتحان کی کوئی وقعت نہیں ہے میرے زمانے میں دو امتحان ہوتے تھے ایک رومی قانون میں اور ایک عام قانون میں۔ ان کے لئے باقاعدہ کتابیں مقررہ تھیں جن میں لوگ کئی بار کر کے امتحان دے سکتے تھے۔ مگر شاید ہی کوئی شخص ان کتابوں کو پڑھتا ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ بہت سے لوگوں نے محض خلاصہ اور شرح پڑھ کر رومی قانون کا امتحان دو ہفتہ میں اور عام قانون کا دو تین مہینے میں پاس کر لیا۔ سوالات کے پرچے سہل ہوتے تھے۔ اور ممتحن دل کھول کر نمبر دیتے تھے۔ رومی قانون کے امتحان میں پچانوے سے ننانوے فیصد تک اور آخری امتحان میں ستر فیصدی بلکہ اس نے زیادہ امیدوار پاس کئے جاتے تھے۔ اس لئے فیل ہونے کا خوف بہت کم تھا اور امتحان سال میں ایک بار نہیں بلکہ چار بار ہوتا تھا۔ ان سہل امتحانوں میں کسی کو دشواری محسوس نہ ہوتی تھی۔

لیکن میں نے اپنے لئے دشواری پیدا کر ہی لی میں اپنا فرض سمجھتا تھا کہ میں ساری درسی کتابیں پڑھوں۔ میرے لئے کتابوں کو نہ پڑھنا دغابازی تھی میں نے ان کے خریدنے میں بہت روپیہ صرف کیا میں نے یہ طے کیا کہ رومی قانون لاطینی کتابوں سے پڑھوں گا۔ جتنی لاطینی میں نے لندن کے میٹریکولیشن

Marfat.com

امتحان کے لئے پڑھی تھی وہ بہت کام آئی اور اس مطالعہ سے آگے چل کر جنوبی افریقہ میں بڑا فائدہ ہوا کیونکہ وہاں رومی ولندیزی قانون رائج تھا جسٹینین کی کتابیں پڑھنے سے مجھے جنوبی افریقہ کا قانو سمجھنے میں بہت مدد ملی۔

انگلستان کے عام قانون کو پڑھنے میں مجھے نو مہینے تک اچھی خاصی محنت کرنا پڑی۔ کیونکہ بردم کی "قانون عام" کو (یہ ضخیم کتاب ہے۔ مگر دلچسپ) پڑھنے میں بہت دن لگ گئے۔ "Equity" دلچسپ تھی۔ اس کا سمجھنا ذرا مشکل تھا۔ وہائٹ اور ٹیوڈر کی کتاب "معرکے کے مقدمے" جس میں سے چند مقدمے نصاب میں تھے دلچسپ اور مفید تھی۔ میں نے ولیم کی "Real Property" اور گوڈایو کی "اصول عدل" کو بھی شوق سے پڑھا۔ ولیم کی کتاب ناول معلوم ہوتی تھی۔ ہندوستان واپس آنے کے بعد میں نے صرف ایک کتاب مین کی "دھرم شاستر" اس قدر شوق سے پڑھی ہے۔ مگر یہاں ہندوستان کی قانونی کتابوں کے ذکر کا موقع نہیں۔

میں نے اپنے امتحان پاس کرلئے 10 جون 1891ء کو مجھے بیرسٹری کی سند ملی۔ 11 جون کو میرا نام ہائی کورٹ میں درج ہوا اور 12 جون کو میں جہاز میں بیٹھ کر ہندوستان روانہ ہوگیا۔

لیکن باوجود تعلیم ختم کرنے کے مجھ پر خوف اور مایوسی طاری تھی۔ میں اپنے آپ میں وکالت کرنے کی قابلیت نہیں پاتا تھا۔

اس یاس اور بے بسی کو بیان کرنے کے لئے ایک علیحدہ باب چاہیئے۔

Marfat.com

Marfat.com

پچیسواں باب

میری بے بسی اور مایوسی

بیرسٹر ہو جانا سہل تھا مگر بیرسٹری کرنا دشوار۔ میں نے قانون پڑھا تھا لیکن قانون سے کام لینا نہیں سیکھا تھا میں نے "قانونی مقولے" شوق سے پڑھے تھے مگر انہیں اپنے پیشے میں برتنا نہیں جانتا تھا۔ ان میں سے ایک مقولہ تھا "اپنی ملک کو اس طرح استعمال کرو کہ اس سے دوسروں کی املاک کو نقصان نہ پہنچے" مگر میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اسے انسان اپنے موکل کے حق میں کیونکہ استعمال کرے۔ اس مقولے کے متعلق جتنے معرکے کے مقدمے تھے میں نے سب کا مطالعہ کیا تھا لیکن مجھے یہ اطمینان نہ تھا کہ میں اسے خود اپنے مقدموں میں کام میں لاسکوں گا۔

علاوہ اس کے میں نے ہندوستان کا قانون بالکل نہیں پڑھا تھا۔ دھرم شاستر اور قانون شرع محمدی کا ایک حرف بھی نہیں جانتا تھا۔ مجھے عرضی دعوے تک لکھنا نہ آتا تھا کہ کیسے کام چلے گا۔ میں نے سنا تھا کہ سر فیروز شاہ مہتا عدالت میں شیر کی طرح گرجتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ انہوں نے انگلستان میں یہ کیسے سیکھ لیا۔ ان کی سی قانونی سوجھ بوجھ حاصل کرنا تو درکنار مجھے اس میں بھی بہت شبہ تھا کہ میں اس پیشے سے پیٹ بھرنے کے لائق کما سکوں گا۔

جب میں قانون پڑھتا تھا تو یہ شبہے اور وسوسے میرے دل میں رہتے تھے میں نے اپنی مشکلیں اپنے چند دوستوں سے بیان کیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ دادا بھائی نوروجی سے مشورہ کرو۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ انگلستان جاتے وقت میرے پاس دادا بھائی نوروجی کے نام تعارف کا خط تھا۔ میں نے اس سے بہت دیر میں کام لیا۔ میں سوچتا تھا کہ مجھے اتنے بڑے آدمی کو زحمت دینے کا کوئی حق نہیں۔ جب کبھی ان کی کسی تقریر کا اعلان ہوتا تھا تو میں وہاں جاتا تھا۔ ہال کے ایک کونے میں بیٹھ کر سنتا تھا اور

Marfat.com

دیدار و گفتار کا لطف اٹھا کر چلا آتا تھا۔ طالب علموں سے گہرا تعلق پیدا کرنے کے لئے انہوں نے ایک انجمن قائم کی تھی۔ میں اس کے جلسوں میں جایا کرتا تھا اور دادا بھائی کو طالب علموں سے جو محبت تھی اور ان لوگوں کے دل میں ان کا جو احترام تھا اسے دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ مجھے اتنی ہمت ہو گئی کہ میں نے تعارف کا خط پیش کر دیا انہوں نے کہا "تمہارا جب جی چاہے آؤ اور مجھ سے مشورہ لو" لیکن میں نے اس دعوت سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ میں سمجھتا تھا کہ بغیر اشد ضرورت کے انہیں زحمت دینا مناسب نہیں ان لئے جب میرے دوست نے کہا میں دادا بھائی نوروجی سے مل کر اپنی مشکلیں ان کے سامنے پیش کروں تو مجھے اس کی جرات نہ ہوئی۔ انہیں دوست یا کسی اور صاحب کی رائے ہوئی کہ میں فریڈرک پنکٹ صاحب سے ملوں۔ یہ قدامت پسند تھے مگر انہیں ہندوستانی طالبعلموں سے خاص اور بے غرض محبت تھی۔ بہت سے طالب علم ان سے مشورہ لیا کرتے تھے میں نے بھی ملاقات کی درخواست کی جسے انہوں نے منظور کر لیا۔ میں اس ملاقات کو کبھی نہ بھولوں گا۔ انہوں نے دوستانہ میرا خیر مقدم کیا اور میری مایوسی کو اپنے قہقہوں سے دور کر دیا۔ انہوں نے کہاں تم سمجھتے ہو کہ ہر شخص کے لئے فیروز شاہ مہتا ہونا ضروری ہے؟ فیروز شاہ اور بدرالدین جیسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ یقین مانو کہ معمولی وکیل ہونے کے لئے کسی خاص قابلیت کی ضرورت نہیں وہ محض ایمانداری اور محنت کی بدولت گزر کر سکتا ہے۔ سب مقدمے پیچیدہ نہیں ہوتے۔ اچھا یہ بتاؤ تمہارا عام مطالعہ کہاں تک ہے؟

جب میں نے ان سے اپنے محدود ذخیرہ معلومات کا ذکر کیا تو میں نے دیکھا کہ انہیں کسی قدر مایوسی ہوئی۔ اگر یہ حالت محض ایک لمحے تک رہی چشم زدن میں ان کا چہرہ خوشگوار تبسم سے دمکنے لگا اور وہ کہنے لگے "میں تمہاری مشکل سمجھ گیا۔ تمہارا عام مطالعہ بہت کم ہے۔ تمہیں دنیا کا تجربہ مطلق نہیں۔ حالانکہ یہ ایک وکیل کے لئے ناگزیر ہے تم نے ہندوستان کی تاریخ تک نہیں پڑھی۔ وکیل کو انسانی فطرت سے واقف ہونا چاہئے۔ اس میں یہ قابلیت ہونا چاہئے کہ انسان کی سیرت کو اس کی صورت سے پہچان لے اور ہندوستان کی تاریخ جاننا تو ہر ہندوستانی کے لئے ضروری ہے۔ اسے قانونی پیشے سے کوئی تعلق نہیں مگر تمہیں اتنی معلومات ضروری ہونا چاہئے۔ تمہارے کہنے سے معلوم ہوا کہ تم نے کے اور مسیلیس کی تاریخ غدر 1857ء بھی نہیں پڑھی، جاؤ اسے فوراً شروع کر دو اور دو اور کتابیں پڑھو جن سے انسانی فطرت کو سمجھنے میں مدد ملے" آخر میں ان کا اشارہ لافاٹر اور شمیل پینگ کی کتابوں کی طرف جو علم قیافہ کے متعلق لکھی گئی ہیں۔

میں ان محترم دوست کا بہت شکر گزار ہوا۔ ان کے سامنے میرا سارا خوف جاتا رہا لیکن جیسے ہی میں

Marfat.com

ان سے رخصت ہوا پھر فکروں میں گھر گیا۔ گھر جاتے ہوئے مجھے ان دونوں کتابوں کا خیال آیا اور میں اس اڈھیر بن میں مبتلا ہو گیا کہ انسان کی صورت سے اس کی سیرت کا پتہ کیونکر چلایا جائے۔ دوسرے دن میں نے لافاٹر کی کتاب خرید لی۔ شمیل پینگ والی دوکاندار کے یہاں ہی تھی۔ میں نے لافاٹر کی کتاب پڑھی جو مجھے اسینل کی " (Equity) سے بھی زیادہ مشکل معلوم ہوئی میری طبیعت اس میں بالکل نہیں لگی۔ میں نے اس میں شیکسپیر کے قیافے کا بہت غور سے مطالعہ کیا مگر مجھے یہ ڈھب نہ آیا کہ ان لوگوں میں سے جو لندن کی سڑکوں پر پھرتے تھے شیکسپیر کو چھانٹ لوں۔

لافاٹر کی کتاب سے میرے علم میں کوئی اضافہ نہیں ہوا پنکٹ صاحب کی نصیحت سے مجھے براہ راست بہت کم فائدہ ہوا مگر ان کی محبت بہت کام آئی انکا مسکراتا ہوا بے بناوٹ چہرہ میری آنکھوں میں پھرتا رہا اور مجھے ان کی اس رائے پر بھروسہ ہو گیا کہ وکیل بننے کے لئے اس سوجھ بوجھ قابلیت اور حافظے کی ضرورت نہیں جو فیروز شاہ میں ہے۔ بلکہ ایمانداری اور محنت کافی ہے اور چونکہ مجھ میں ان دونوں باتوں کی کمی نہ تھی اس لئے مجھے کسی قدر طمینان ہو گیا۔

میں کے اور سلیبین کی تاریخ انگلستان نہیں پڑھ سکا مگر میں نے جنوبی افریقہ میں پڑھی کیونکہ میں نے طے کر لیا تھا کہ جب موقع لگا اس کتاب کا مطالعہ کروں گا۔

غرض دل میں مایوسی کے ساتھ خفیف سی امید لئے ہوئے میں "آسام" نامی جہاز سے ساحل بمبئی پر اترا بندرگاہ میں سمندر میں تلاطم تھا اس لئے مجھے ایک کشتی میں بیٹھ کر کنارے پر جانا پڑا۔

Marfat.com

Marfat.com

حصّہ دوم

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب

رائے چندر بھائی

میں پچھلے باب میں کہہ چکا ہوں کہ بمبئی کی بندرگاہ میں سمندر میں تلاطم تھا جون اور جولائی میں بحر ہند کا طوفانی ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ عدن سے یہاں تک کم و بیش ہوا کا زور رہا قریب قریب ہر مسافر متلی اور دوران سر میں مبتلا تھا۔ البتہ میں بالکل چاق تھا اور ڈک پر کھڑا طوفانی سمندر کا تماشا دیکھتا تھا۔ اور موجوں کے تھپیڑوں کا لطف اٹھاتا تھا ناشتے کے وقت میرے علاوہ دو ہی ایک آدمی اور ہوتے تھے۔ جئی کا دلیہ کھانے وقت رکابیوں کو احتیاط سے گود میں رکھ لیتے کہ کہیں سارا دلیہ ان کے جسم پر نہ آن پڑے۔

یہ بیرونی طوفان میرے لئے اندرونی طوفان کی علامت تھا مگر جس طرح پہلے طوفان سے میرے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ اسی طرح دوسرے طوفان سے بھی میں نہیں گھبرایا۔ ایک طرف برادری سے نبٹنا تھا دوسری طرف وکالت شروع کرنے کی دقتیں تھیں جن کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ تیسری طرف مصلح کی حیثیت سے میں دماغ سوزی کر رہا تھا کہ فلاں فلاں اصلاحوں کے شروع کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے لیکن ابھی میرے لئے اور مصیبتیں تھیں جن کی مجھے خبر تک نہ تھی۔

میرے بڑے بھائی مجھ سے ملنے کے لئے بندرگاہ پر آئے تھے۔ وہ ڈاکٹر مہتا اور ان کے بڑے بھائی سے پہلے ہی مل چکے تھے اور چونکہ ڈاکٹر مہتا نے مجھے اپنے یہاں ٹھہرانے پر اصرار کیا اس لئے ہم سیدھے ان کے یہاں گئے۔ اس طرح جو ملاقات انگلستان میں شروع ہوئی تھی وہ ہندوستان میں جاری رہی اور رفتہ رفتہ دونوں میں مستقل دوستی ہو گئی۔

میں اپنی ماں کو دیکھنے کے لئے تڑپ رہا تھا۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ مجھے گلے سے لگانے کے لیے دنیا میں موجود نہیں اب مجھے یہ اندوہناک خبر ملی اور میں نے دستور کے مطابق آشنان وغیرہ کیا۔ ان

Marfat.com

کا خیال میرے قیام انگلستان ہی کے زمانے میں ہو چکا تھا مگر میرے بھائی نے مجھ سے یہ خبر پوشیدہ رکھی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ پردیس میں مجھے یہ شدید صدمہ نہ پہنچے۔ پھر بھی جب میں نے یہ خبر سنی تو میرے دل کو بڑا دھچکا لگا مگر اس کا ذکر تفصیل سے کرنا مناسب نہیں مجھے اتنا رنج ہوا کہ والدہ کے مرنے کا بھی نہ ہوا تھا۔ بہت سی امیدیں جنہیں میں نے دل میں جگہ دی تھی خاک میں مل گئیں۔ لیکن مجھے یاد ہے کہ میں نے اظہار غم میں بے اعتدالی نہیں کی میں آنسو تک پی جاتا تھا اور زندگی کے دھندوں میں مصروف رہتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ ڈاکٹر مہتا نے مجھے بہت سے دوستوں سے ملوایا۔ ان میں سے ایک ان کے بھائی ریواشنکر جگ جیون تھے جن سے مجھ سے عمر بھر کے لئے دوستی ہو گئی۔ خاص طور پر قابل ذکر ملاقات رائے چندر یا راجا چندر شاعر کی ہے یہ ڈاکٹر مہتا کے بڑے بھائی کے داماد تھے اور اس جوہری کی دوکان میں حصہ دار تھے جو ریواشنکر جگ جیون کے نام سے تھی۔ اس زمانے میں ان کی عمر پچیس سے بھی کم تھی لیکن پہلی ملاقات میں مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ ذی علم اور نیک سیرت ہیں۔ وہ "شتنو ذہنی" (1) بھی سمجھے جاتے تھے۔ اور ڈاکٹر مہتا نے مجھ سے اصرار کیا کہ ان کے حافظے کے کارنامے ضرور دیکھوں مجھے یورپ کی زبانوں کے جتنے الفاظ آتے تھے سب میں نے کہہ ڈالے اور پھر ان شاعر سے فرمائش کی کہ انہیں دہرائیں۔ انہوں نے بالکل اسی ترتیب سے جیسے میری زبان سے نکلے تھے دہرادئے مجھے ان کی اس قوت پر رشک آیا لیکن میرے دل پر اس کا کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا۔ البتہ ایک چیز نے میرے دل کو موہ لیا اور اس کی مجھے بعد میں خبر ہوئی۔ یہ ان کا وسیع مذہبی علم ان کا بے داغ کردار اور انکا تکمیل نفس کا جوش تھا۔ آگے چل کر مجھے معلوم ہوا کہ یہی آخری چیز ان کی زندگی کا مقصد ہے۔ مکتانند کے یہ شعر ان کے ورد زبان رہتے تھے اور ان کے لوح دل پر نقش تھے۔

میں نے اپنے آپ کو سعید صرف اس وقت سمجھوں گا

جب مجھ روز مرہ کے ہر کام میں اس کا جلوا نظر آئے۔

سچ تو یہ ہے کہ اس کی ذات پاک مکتانند کا رشتہ حیات ہے۔

رائے چندر بھائی کا تجارتی کاروبار لاکھوں کا تھا وہ ہیرے موتی کے بڑے مبصر تھے۔ کاروبار کے مشکل سے مشکل مسئلوں کو وہ چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے۔ لیکن یہ ساری چیزیں ان کی زندگی کا مرکز اور مدار نہ تھیں۔ اس کا مرکز عرفان الٰہی تھا۔ ان کی کاروباری میز پر علاوہ اور چیزوں کے مذہبی کتابیں اور ان کا روزنامچہ بھی رہتا تھا۔ جیسے ہی انہیں کام سے فرصت ہوتی تھی وہ کوئی مذہبی کتاب یا اپنا روزنامچہ کھول کر بیٹھ جاتے تھے۔ ان کی جتنی کتابیں شائع ہوئی ہیں اکثر اسی روزنامچے سے نقل کی گئیں

Marfat.com

ہیں۔ جو شخص اہم تجارتی معاملوں کی گفتگو ختم کرتے ہیں روح کے پوشیدہ اسرار پر خامہ فرسائی کرنے لگے۔ ظاہر ہے کہ وہ کاروباری آدمی نہیں بلکہ سچا طالب حق ہے اور میں نے انہیں ایک دوبار نہیں بلکہ عین کاروبار کے درمیان معرفت الٰہی کے خیالوں میں ڈوبا ہوا دیکھا ہے۔ میرے سامنے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کے اطمینان قلب میں خلل آیا ہو۔ مجھ میں اور ان میں کوئی کاروباری یا خود غرضی کے تعلقات نہیں تھے۔ مگر آپس میں بڑا میل جول تھا جب کبھی ان سے ملاقات ہوتی تھی وہ سنجیدہ مذہبی مسائل پر گفتگو چھیڑ دیتے۔ اگرچہ میں اس وقت تک گمراہی میں تھا اور مذہبی بحثوں سے زیادہ دلچسپی نہ رکھتا تھا۔ پھر بھی مجھے ان کی گفتگو میں بے حد لطف آتا تھا۔ جب سے اب تک میں بہت سے مذہبی پیشواؤں اور معلموں سے ملا ہوں۔ میں نے یہ کوشش کی ہے کہ ہر مذہب کے سردار کی زیارت کروں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں کسی سے اتنا متاثر نہیں ہوا جتنا رائے چندر بھائی سے۔ ان کے الفاظ میرے دل میں اتر جاتے تھے۔ ان کی دماغی قابلیت کی میں اتنی ہی عزت کرتا تھا جتنی ان کے اخلاقی جوش کی اور اور مجھے صمیم قلب سے یقین تھا کہ وہ مجھے جان بوجھ کر گمراہ نہیں کریں گے اور مجھے اپنے دل کے گہرے بھید بتا دیں گے۔ اس لئے جب میں روحانی کشمکش میں مبتلا ہوتا تھا تو انہیں کے دامن میں پناہ لیتا تھا۔

مگر باوجود اس کے کہ میں ان کا اس قدر احترام کرتا تھا۔ میں انہیں اپنے دل میں گرو کی جگہ نہیں دے سکتا تھا۔ یہ جگہ اب تک خالی ہے اور میری تلاش جاری ہے۔

میں ہندوؤں کے گرو کے نظر کے قائل ہوں اور اسے تکمیل نفس کے لئے بہت اہم سمجھا جاتا ہوں۔ میرے خیال میں یہ اصول بڑی حد تک صحیح ہے کہ بے گرو کے سچا علم حاصل نہیں ہوتا۔ دنیاوی چیزوں میں تو ناقص استاد پر بھی قناعت کی جاسکتی ہے مگر دینی امور میں بے مرشد کامل کے تسکین نہیں ہوتی۔ گرو کے تخت پر صرف وہی آدمی بٹھایا جاسکتا ہے جو پورا گیانی ہو اس لئے انسان کو خود اپنی تکمیل نفس کی ان تھک کوشش کرنا چاہئے کیونکہ اس گرو اس کے استحقاق کا ملتا ہے تکمیل نفس کی انتہائی کوشش ہر شخص کا حق ہے۔ یہ آپ ہی اپنا اجر ہے۔ باقی جو کچھ ہے خدا کے ہاتھ ہے۔

گو میں رائے چندر بھائی کو اپنے دل میں گرو کی جگہ نہ دے سکا مگر ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ متعدد موقعوں پر وہ میرے رہنما اور مددگار ہے۔ جدید زمانے کے تین شخصوں نے مجھے متاثر کیا اور میرے دل کو موہ لیا۔ رائے چندر بھائی نے اپنے فیض صحبت سے، ٹالسٹائی نے اپنی اس کتاب سے "سلطنت الٰہی تمہارے دل کے اندر ہے" اور سکن نے اپنے "آخری انجام" سے۔ مگر ان چیزوں کی تفصیل اپنی اپنی جگہ پر آئے گی۔

Marfat.com

حوالہ

1 - وہ شخص جو ایک وقت میں سو باتیں یاد رکھتا ہے یا سو کاموں کی طرف متوجہ رہتا ہے

Marfat.com

دوسرا باب

میں نے زندگی کیونکر شروع کی

میرے بڑے بھائی نے مجھ سے بہت کچھ امیدیں باندھ رکھی تھیں۔ ان کو مال و دولت اور عزت اور شہرت کی بڑی آرزو تھی۔ وہ بڑے فراخدل تھے۔ حد سے زیادہ فیاض ان صفتوں کے علاوہ ان کی طبیعت میں سادگی بہت تھی۔ اس لئے ان سے بہت سے لوگوں سے دوستی تھیں۔ انہیں امید تھی کہ ان دوستوں کے ذریعے سے مجھے مقدمے دلوائیں گے۔ انہوں نے خواہ مخواہ یہ سمجھ رکھا تھا کہ میری وکالت خوب چلے گی اور اس توقع پر گھر کا خرچ بڑھا دیا تھا۔ انہوں نے میری وکالت کے لئے زمین ہموار کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔

میری برادری کے لوگوں میں میرے پردیس کے سفر کے سبب سے اب تک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ اس مسئلے نے برادری کو دو فرقوں میں تقسیم کر دیا جن میں سے ایک نے تو مجھے فوراً پھر سے ذات میں شامل کر لیا مگر دوسرا میرے اخراج پر اڑا ہوا تھا۔ پہلے فریق کو خوش کرنے کے لئے میرے بھائی مجھے راجکوٹ لے جانے سے پہلے پاک دریا میں اشنان کرانے ناسک لے گئے اور راجکوٹ پہنچ کر انہوں نے برادری کو دعوت دی مجھے یہ باتیں پسند نہیں تھیں لیکن میرے بھائی کو مجھ سے بے حد محبت تھی اور میں دل و جان سے ان کی اطاعت کرتا تھا۔ اس لئے جو وہ کہتے تھے میں چپ چاپ کرتا تھا اور ان کی مرضی کو قانون سمجھتا تھا۔

جس حلقے نے مجھے داخل کرنے سے انکار کر دیا تھا میں نے اس میں جانے کی کبھی کوشش نہیں کی اور اس کے کسی سرگردہ کی طرف سے میرے دل میں ذرا بھی شکایت نہ تھی۔ ان میں سے بعض مجھے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن میں بہت خیال رکھتا تھا ان کی رو سے میرے عزیزوں میں سے

Marfat.com

کوئی یہاں تک کہ میرے ساس سسر اور سالے سالیاں بھی مجھے اپنے یہاں نہیں رکھ سکتے تھے اور میں ان کے یہاں پانی نہیں پی سکتا تھا۔ وہ اس کے لئے تیار تھے کہ پوشیدہ طور پر اس ممانعت کی خلاف ورزی کریں لیکن یہ بات میری طبیعت کے خلاف تھی کہ جو کام کھلم کھلا نہ کرسکوں اسے چھپا کر کروں۔

میری اس احتیاط کا نتیجہ یہ ہوا کہ برادری والوں نے مجھے کبھی نہیں ستایا بلکہ جو لوگ مجھے اب تک برادری سے خارج سمجھتے ہیں ان میں سے اکثر نے میرے ساتھ ہمیشہ لطف و کرم کا برتاؤ کیا ہے یہاں تک کہ انہوں نے میرے کام میں میری مدد کی ہے۔ اور اس کے بدلے میں مجھ سے کبھی یہ توقع نہیں کی کہ میں برادری کی کوئی خدمت کروں میرا عقیدہ یہ ہے کہ ان کا یہ حسن سلوک میرے عدم مزاحمت کا نتیجہ ہے۔ اگر میں برادری میں داخل ہونے کے لئے جدوجہد کرتا اس میں اور تفریق ڈالنے کی کوشش کرتا، برادری والوں کو اشتعال دلاتا تو وہ مجھ سے بدلا لیتے اور انگلستان سے آنے کے بعد میں اس طوفان سے محفوظ رہنے کے بجائے فتنہ و فساد کے گرداب میں مبتلا ہو جاتا اور کوئی عجب نہیں کہ مجھے ظاہر داری اور زمانہ سازی سے کام لینا پڑتا۔

بیوی سے میرے تعلقات اب تک حسب دلخواہ نہیں تھے۔ انگلستان کے قیام سے بھی میری بدگمانی کی عادت دور نہیں ہوئی تھی۔ میں ذرا ذرا سی بات میں بے جا شک اور چڑچڑے پن سے کام لیتا تھا جس کے سبب سے میری دلی خواہشیں پوری نہیں ہوتی تھیں۔ میں نے طے کیا تھا کہ اپنی بیوی کو پڑھنا لکھنا سکھاؤں لیکن میری شہوت پرستی اس میں حائل ہوتی تھیں اور میرے عیبوں کی سزا انہیں بھگتنا پڑتی تھی۔ ایک بار تو میں نے یہاں تک کیا کہ انہیں میکے بھیج دیا اور جب تک بے چاری رنج سے ہلکان نہ ہو گئیں واپس نہیں بلایا۔ آگے چل کر میری سمجھ میں آیا کہ یہ سب باتیں محض میری حماقت کا نتیجہ تھیں۔

میں نے بچوں کی تعلیم میں اصلاح کی تجویز سوچی تھی میرے بھائی کے کئی بچے تھے اور میرا لڑکا جسے گھر چھوڑ کر میں انگلستان گیا تھا اب چار برس کا تھا میری خواہش تھی کہ ان سب کو ورزش سکھا کر مضبوط اور جفاکش بناؤں اور خود ان کی نگرانی کیا کروں۔ اس میں میرے بھائی نے بھی مدد کی اور مجھے اپنی کوششوں میں کم و بیش کامیابی ہوئی مجھے بچوں کی صحبت بہت پسند تھی اور ان سے ہنسنے کھیلنے کی مجھے آج تک عادت ہے۔ اس وقت سے میرا یہ خیال ہے کہ بچوں کے لئے اچھا معلم ہو سکتا ہوں۔

غذا کے "ریفارم" کی صریحی ضرورت تھی، چائے اور قہوے کا استعمال گھر میں شروع ہو چکا تھا۔ میرے بھائی جانتے تھے کہ جب میں واپس آؤں تو مجھے تھوڑی بہت انگریزیت کی فضا ملے۔ اس خیال

Marfat.com

سے چینی کے برتن وغیرہ جو پہلے خاص خاص موقعوں کے لئے رکھے رہتے تھے اب روزمرہ استعمال ہونے لگے۔ رہی سہی کمی میرے "ریفارم" نے پوری کردی میں نے جئی کا دلیہ کھانا سکھایا اور کوکو کا استعمال اس نیت سے شروع کرایا کہ یہ چاہ اور قہوے کی قائم مقام ہوجائے لیکن ہوا یہ کہ چاہ اور قہوہ بدستور باقی رہا اور یہ ایک اور اضافہ ہوگیا۔ بٹ اور شو پہلے سے رائج تھے میں نے انگریزی لباس شروع کراکے فرنگیت کی تکمیل کردی۔

اس طرح خرچ بڑھتا گیا روز نئی نئی چیزوں کا اضافہ ہوتا گیا۔ ہم نے ایک سفید ہاتھی دروازہ پر باندھ رکھا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ اسے کھلائیں کہاں سے؟

راجکوٹ میں وکالت شروع کرنا اپنا مضحکہ کرانا تھا۔ میری قابلیت ایک اچھے وکیل کے برابر نہ تھی اور فیس میں دس گنی چاہتا تھا کون موکل ایسا بیوقوف تھا کہ میرے پاس آتا؟ اور فرض کیجئے کوئی پھنس بھی جاتا تو کیا میں اپنی جہالت پر خودپسندی اور فریب کاری کا بھی اضافہ کرلیتا اور دنیا کا بوجھ اور بڑھا لیتا۔

دوستوں نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ کچھ دن کے لئے بمبئی جاؤں وہاں ہائی کورٹ کے کام کا تجربہ حاصل کروں، ہندوستان کے قانون کا مطالعہ کروں اور مقدمے ملنے کے لئے ہاتھ پیر ماروں۔ میں نے ان کے مشورے پر عمل کیا اور بمبئی چلا گیا۔

بمبئی میں گھربار کے کام میں میرا مددگار ایک رسوئیا تھا جو میرے ہی جیسا نالائق تھا۔ وہ ذات کا برہمن تھا۔ میں اس سے ایسا برتاؤ نہیں کرتا تھا جیسا نوکروں سے کیا جاتا ہے بلکہ عزیزوں کی طرح پیش آتا تھا۔ وہ اپنے جسم پر پانی ڈالتا تھا مگر نہاتا کبھی نہ تھا۔ اس کی دھوتی اتنی ہی میلی رہتی تھی جتنا اس کا جنیؤ اور اسے مذہبی کتابوں کی ہوا بھی نہیں لگی تھی لیکن مجھے کھانا پکانے کے لئے اور کوئی آدمی ملنا دشوار نہیں۔

میں اس سے کہا کرتا تھا "بھئی راوی شنکر تم چاہے کھانا پکانا نہ جانتے ہو مگر "سندھیا" (روزمرہ کی پوجا) تو ضرور جانتے ہوگے؟"

"سندھیا" کیسی بابو صاحب ہماری "سندھیا" ہل ہے اور ہماری پوجا پھاوڑا ہے۔ میں تو ایسا ہی برہمن ہوں۔ آپ کے پاس اسی لئے آتا ہوں کہ آپ کی کرپا سے میری پرورش ہوجائے نہیں تو پھر اپنی کھیتی تو کہیں گئی نہیں۔

غرض مجھے راوی شنکر کا استاد بنتا پڑا۔ میں پکانے کا آدھا کام خود کرتا تھا اور ساگ تیار کرنے میں

Marfat.com

انگریزی طریقے سے کام لیتا تھا۔ میں نے ایک گیس کا چولہا خرید لیا۔ اور راوی شنکر کے ساتھ مل کر رسوئی بنانے لگا مجھے غیر ذات والوں کے ساتھ کھانے میں کوئی تامل نہ تھا راوی شنکر کا پرہیز بھی رفتہ رفتہ جاتا رہا دونوں میں خوب نبھنے لگی۔ بس ایک دقت تھی۔ راوی شنکر نے قسم کھائی تھی کہ ہمیشہ میلا رہے گا اور کھانے کو بھی میلا رکھے گا۔

مگر بمبئی میں میرے لئے چار یا پانچ مہینے سے زیادہ رہنا ناممکن تھا کیونکہ خرچ روز بروز بڑھتا جاتا تھا اور آمدنی کچھ نہ تھی۔

اس طرح میری زندگی شروع ہوئی میں نے بیرسٹری کے پیشے کو برا پایا نمائش بہت اور علم کم مجھے اپنی ذمہ داری کا اتنا احساس تھا کہ میں اس کے بوجھ سے دبا جاتا تھا۔

Marfat.com

تیسرا باب

پہلا مقدمہ

بمبئی کے قیام کے زمانے میں ایک طرف تو میں نے ہندوستانی قانون کا مطالعہ شروع کیا اور دوسری طرف غذائیات کے تجربے جس میں میرے اور دوست دیر چند گاندھی میرے شریک تھے۔ ادھر میرے بھائی میرے لئے مقدمے حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ہندوستانی قانون کے مطالعے سے میری طبیعت بہت گھبراتی تھی قانون ضابطہ فوجداری کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آتا تھا مگر قانون شہادت میں یہ بات نہ تھی ۔ دیر چند گاندھی سالیسٹر کا امتحان کی تیاری کر رہے تھے اور وہ مجھے بیرسٹروں اور وکیلوں کے متعلق طرح طرح کے قصے سنایا کرتے تھے۔ سرفیروز شاہ کی قابلیت کا راز یہ ہے کہ انہیں قانون پر پورا عبور ہے۔ قانون شہادت مجھے حفظ یاد ہے اور دفعہ بتیس کے متعلق سارے مقدمے نوک زبان میں ہیں۔ بدر الدین کی بحث اس قیامت کی ہے کہ جج کے ہوش اڑجاتے ہیں۔"

ایسے ایسے نامی وکیلوں کا حال سن کر میری اہمیت پست ہو جاتی تھی۔ وہ اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہتے تھے "بیرسٹر کے لئے پانچ سات برس خالی بیٹھے رہنا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ اسی لئے میں نے سالیسٹر کا کام شروع کیا ہے۔ تمہاری کشتی اگر تین برس میں بھی چل نکلے تو غنیمت سمجھو۔"

خرچ ہر ہر مہینے بڑھتا جاتا تھا باہر بیرسٹر کا سائن بورڈ لگانا اور گھر میں بھی بیرسٹری کا کام سیکھنا مجھے کسی طرح گوارا نہ تھا۔ اس لئے میں یکسوئی سے مطالعہ نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے قانون شہادت سے دلچسپی ہو گئی تھی اور منو کی دھرم شاستر میں نے بڑے شوق سے اور غور سے پڑھی تھی لیکن مجھ میں ہمت نہ تھی کہ کسی مقدمے کی پیروی کروں میری بے بسی بیان سے باہر ہے۔ یہ حال تھا جیسے دلہن نئی نئی سسرال میں آتی ہے!

Marfat.com

اس زمانے میں میرے پاس مامی بائی نام ایک عورت کا مقدمہ آیا۔ یہ ایک خفیفہ کا معاملہ تھا مجھ سے لوگوں نے کہا "تمہیں دلال کو کمیشن دینا پڑے گی میں نے قطعاً انکار کر دیا۔

مگر فوجداری کا فلاں نامی وکیل جس کی تین چار ہزار ماہوار کی آمدنی ہے وہ بھی دلالی دیتا ہے" مجھے ان کی ریس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے لئے تین سو کافی ہے میرے والد کی آمدنی بھی اس سے زیادہ نہ تھی"

"اب وہ دن گئے بمبئی میں خرچ اتنا بڑھ گیا ہے کہ کچھ ٹھکانا نہیں تمہیں کاروباری اصول کا لحاظ کرنا چاہیئے۔

میں ثابت قدم رہا مامی بائی کا مقدمہ بغیر دلالی دئے ہوئے مجھے مل گیا سیدھا سادھا معاملہ تھا۔ میں نے تیس روپیہ محنتانہ لیا۔ ایک دن سے زیادہ کا کام نہ تھا۔

یہ عدالت خفیفہ میں میرا پہلا داخلہ تھا میں مدعاعلیہا کی طرف سے تھا اس لئے میرا کام یہ تھا کہ مدعی کے گواہوں سے جرح کروں۔ میں کھڑا ہوا لیکن میرا دل بیٹھ گیا۔

میرے سر میں چکر تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ ساری عدالت گھوم رہی ہے۔ میری سمجھ میں کوئی سوال نہیں آیا جو میں پوچھتا جج یقیناً ہنسا ہوگا اور وکیلوں کو اس تماشے سے لطف آیا ہوگا۔ مگر مجھے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے مختار سے کہا کہ میں پیروی نہیں کر سکتا تم مجھ سے فیس واپس لو اور پٹیل کو وکیل کرلو۔ پٹیل صاحب نے اکاون روپے لئے اور وکالت نامہ داخل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ان کے لئے یہ مقدمہ بچوں کا کھیل تھا۔

میں عدالت سے جلدی سے اٹھ کر چلا آیا اور مجھے خبر تک نہیں ہوئی کہ میری موکلہ جیتی یا ہاری۔ مگر مجھے بڑی شرم آئی اور میں نے یہ طے کیا کہ آئندہ کوئی مقدمہ اس وقت تک نہ لوں گا جب تک مجھ میں پیروی کرنے کی ہمت نہ پیدا ہو جائے اور سچ مچ میں نے اس کے بعد جنوبی افریقہ ہی میں عدالت میں قدم رکھا۔ اس فیصلے میں میری کوئی تعریف نہ تھی عصمت بی بی از بے چادری کا معاملہ تھا۔ بھلا ایسا کون سا بیوقوف تھا کہ مجھے ہارنے کے لئے مقدمہ دیتا۔

لیکن بمبئی میں مجھے ایک معاملہ اور ملا۔ یہ ایک عرضداشت لکھنے کا کام تھا ایک غریب مسلمان کی زمین پوربندر میں ضبط کر لی گئی تھی۔ وہ مجھے نیک باپ کا سپوت بیٹا سمجھ کر میرے پاس آیا۔ اس کا دعویٰ بظاہر کمزور تھا لیکن میں اس شرط پر اس کی طرف سے عرضداشت لکھنے پر راضی ہو گیا کہ چھپائی کا خرچ اس کے ذمے رہے میں نے اس مسودہ لکھ کر دوستوں کو سنایا۔ انہوں نے پسند کیا اور اس سے

Marfat.com

مجھے تھوڑا بہت اطمینان ہوا کہ میں عرضداشت لکھنے کی قابلیت رکھتا ہوں اور یہ واقعہ بھی تھا۔

اگر میں بغیر فیس کے عرضداشتیں لکھا کرتا تو مجھے خوب کام ملتا لیکن اس سے پیٹ کا دھندا کیسے چلتا؟ اس لئے میں نے یہ سوچا کہ مدرسی کروں میری انگریزی اچھی تھی اور اگر مجھے کسی اسکول میں انٹرنس کے لڑکوں کو انگریزی پڑھنے کا کام مل جاتا تو میں بڑی خوشی سے کرتا اس طرح میرے خرچ کا کچھ حصہ تو نکل ہی آتا۔ میں نے اشتہار دیکھا "ضرورت ہے، انگریزی کے مدرس کی ایک گھنٹہ روز سبق تنخواہ پچھتر روپیہ" یہ اشتہار ایک مشہور اسکول کی طرف سے تھا میں ملاقات کے لئے طلب ہوا اور خوش خوش پہنچا۔ مگر جب پرنسپل کو معلوم ہوا کہ میں گریجویٹ نہیں ہوں تو انہوں نے افسوس کے ساتھ انکار کر دیا۔

"مگر میں نے لندن میٹریکولیشن پاس کیا ہے اور میری اختیاری زبان لاطینی تھی۔" "یہ سچ ہے مگر ہمیں تو گریجویٹ چاہئے"۔

ایسی صورت میں مجبوری تھی میں مایوس ہو کر کف افسوس ملنے لگا میرے بھائی کو بھی بڑی تشویش تھی ہم دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ اب بمبئی میں رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیں راجکوٹ میں رہنا چاہئے۔ وہاں میرے بھائی کو وکالت تھوڑی بہت چلتی ہے اور وہ مجھے درخواستیں اور عرضداشتیں لکھنے کا کام دے سکتے ہیں پھر راجکوٹ میں گھربار موجود ہی ہے اس لئے بمبئی میں گھر لے کر رہنے کا بھاری خرچ بچ جائے گا۔ مجھے یہ تجویز پسند آئی اس طرح بمبئی میں چھ مہینے قیام کرنے کے بعد میں بوریا بستر اٹھا کر چل دیا۔

بمبئی میں میں ہائی کورٹ جایا کرتا تھا لیکن میں نے وہاں کچھ بھی نہیں سیکھا میں اتنی قابلیت ہی نہیں رکھتا تھا کہ وہاں جانے سے پورا فائدہ اٹھا سکوں۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مقدمے میری سمجھ میں نہیں آتے تھے اور میں اونگھنے لگتا تھا۔ اس معاملے میں اور لوگ بھی میرے ساتھی تھے اس لئے میری شرم کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ بلکہ کچھ دن کے بعد تو شرم کا احساس ہی نہیں رہا کیونکہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ ہائیکورٹ میں اونگھنا فیشن میں داخل ہے۔

اگر آج کل بھی بمبئی میں میرے جیسے بیکار بیرسٹر ہیں تو میں انہیں زندگی کا ایک عملی نکتہ بتاتا ہوں۔ اگرچہ میں گرگام میں رہتا تھا لیکن بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ گاڑی یا اس کے بغیر میں نے ہائی کورٹ پیدل جانے کا معمول کر لیا تھا اور وہاں جانے میں پورے دس روپے روزانہ لگتے تھے اور واپس بھی ہمیشہ پیدل ہی آتا تھا۔ دھوپ میں چلنے کی میں نے عادت ڈال لی تھی۔ عدالت پیدل آنے جانے سے خاصی

Marfat.com

رقم بچتی تھی اور پھر یہ فائدہ تھا کہ یہاں تک مجھے یاد ہے میری طبیعت کبھی ناساز نہیں ہوئی۔ حالانکہ میرے دوست جو بمبئی میں مقیم تھے بیمار رہا کرتے تھے۔ جب میں روپیہ کمانے لگا تب بھی میں نے پیدل دفتر آنے جانے کی عادت قائم رکھی اور اس سے میری صحت کو جو فائدہ پہنچا اس کا اثر آج تک محسوس ہو رہا ہے۔

Marfat.com

چوتھا باب

پہلا دھچکا

میں مایوس ہو کر بمبئی سے راجکوٹ آیا اور یہاں میں نے اپنا دفتر قائم کیا۔ اب میرا کام خاصا چلنے لگا۔ درخواستوں اور عرضداشتوں کے مسودے لکھ کر میں اتنا کما لیتا تھا کہ میری آمدنی کا اوسط تین سو روپیہ ماہوار تھا۔ یہ کام مجھے میری قابلیت کی بدولت نہیں بلکہ تعلقات کی بنا پر ملتا تھا کیونکہ جن وکیلوں کی شرکت میں میرے بھائی کام کرتے تھے ان کی وکالت بہت اچھی چلتی تھی۔ جو درخواستیں وغیرہ ان کے نزدیک واقعی اہم تھیں وہ نامی بیرسٹروں کے پاس بھیجتے تھے۔ میرے حصے میں غریب موکلوں کی درخواستیں آتی تھیں۔

مجھے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میرا کمیشن دینے کا اصول جس پر میں بمبئی میں بہت سختی سے عامل تھا۔ یہاں پوری طرح قائم نہیں رہ سکا مجھ سے یہ کہا گیا کہ ان دونوں صورتوں میں بہت اختلاف ہے بمبئی میں کمشن دلالوں کو دینا پڑتا تھا اور یہاں وکیلوں کو دیا جاتا ہے جن سے مقدمے ملتے ہیں۔ یہاں بھی بمبئی کی طرح سارے بیرسٹر اپنی فیس میں سے چند فیصدی کمیشن کے طور پر دیتے ہیں۔ میرے بھائی نے جو دلیل پیش کی اس کا مجھ سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ انہوں نے کہا "تم جانتے ہو کہ میں ایک وکیل کی شرکت میں کام کرتا ہوں میں ہمیشہ یہ چاہوں گا کہ ہمارے مقدموں میں سے جتنے تمہارے بس کے ہوں وہ تمہیں دے دیئے جائیں۔ اب اگر تم میرے شریک کو کمیشن دینے سے انکار کردو گے تو میں بڑی مشکل میں پڑ جاؤں گا۔ میرا تمہارا گھر بار ایک ہے اس لئے تمہاری فیس ہم دونوں کے کام آتی ہے اور مجھے اس میں سے خود بخود حصہ مل جاتا ہے۔ مگر میرا شریک کہاں جائے؟ فرض کرو جو مقدمہ وہ تمہیں دیتا ہے وہ کسی اور بیرسٹر کو دے تو اسے کمیشن ملے گا یا نہیں؟" میں اس دلیل سے دھوکے میں

Marfat.com

آگیا اور میں نے یہ سوچا کہ اگر مجھے بیرسٹری کرنا ہے تو میں ان صورتوں میں اپنے کمیشن والے اصول پر زور نہیں دے سکتا میں نے اس طرح اپنے آپ کو سمجھایا بلکہ تکلف بر طرف اپنے ضمیر کو فریب دیا لیکن اتنا اور کہہ دینا چاہیے کہ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے سوائے ، اس صورت کے کسی مقدمے میں کمیشن نہیں دیا۔

اب میرا خرچ تنگی ترشی سے چلنے لگا۔ مگر اسی زمانے میں مجھے اپنی زندگی میں پہلی بار غم اور غصہ کا دھچکا لگا۔ میں نے سنا تھا کہ برطانوی حاکم کیسے ہوتے ہیں مگر مجھے اب تک کسی سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔

میرے بھائی آنجہانی رانا صاحب پوربندر کے تخت نشین ہونے سے پہلے ان کے سکریٹری اور مشیر رہے تھے ۔ آج کل ان پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے اپنی ملازمت کے زمانے میں ممدوح کو غلط مشورہ دیا تھا۔ معاملہ پولیٹیکل ایجنٹ تک پہنچا جو میرے بھائی سے پہلے سے بدظن تھے ۔ میں ان صاحب سے انگلستان میں مل چکا تھا اور وہاں ان کا برتاؤ مجھ سے خاصا دوستانہ تھا۔ میرے بھائی کا خیال تھا کہ مجھے اس دوستی سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور پولیٹیکل ایجنٹ سے مل کر ان کی سفارش کرنا چاہیئے تاکہ ان کے دل میں جو بدگمانی ہے وہ دور ہو جائے مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں آئی میں نے دل میں سوچا کہ مجھے انگلستان کی معمولی سی ملاقات سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں ۔اگر میرے بھائی واقعی قصوروار ہیں تو میری سفارش سے کیا فائدہ؟ اور اگر وہ بے قصور ہیں تو انہیں باقاعدہ عرضداشت پیش کرنا چاہیئے اور اپنی بے گناہی پر بھروسہ کر کے بے کھٹکے نتیجے کا منتظر رہنا چاہیئے ۔ میرے بھائی اس مشورے سے خوش نہیں ہوئے ۔

انہوں نے کہا " تم ابھی کاٹھیاوار کی حالت سے واقف نہیں اور دنیا کا تجربہ بھی نہیں رکھتے یہاں تو بس سفارش ہی سے کام چلتا ہے ۔ تم میرے بھائی ہو جب تم صریحاً ایک حاکم کو جانتے ہو اور اس سے میری سفارش کر سکتے ہو تو تمہیں اپنے فرض سے جی چرانا مناسب نہیں " ۔

میں اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا اس لئے جبراً قہراً پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس گیا میں جانتا تھا کہ مجھے اس معاملے میں ان سے کچھ کہنے سننے کا حق نہیں اور مجھے پورا احساس تھا کہ میں اپنی خودداری کو نقصان پہنچا رہا ہوں لیکن میں نے ان سے ملاقات کی درخواست کی اور انہوں نے قبول کر لی ۔ میں نے انہیں پرانی واقفیت یاد دلائی لیکن مجھے فوراً یہ محسوس ہو گیا کہ کاٹھیاوار اور انگلستان میں فرق ہے اور انگریز حاکم رخصت کی حالت میں کچھ اور ہوتا ہے اور اپنے کام پر کچھ اور پولیٹیکل ایجنٹ صاحب نے واقفیت کا اقرار کیا لیکن اس کے یاد دلانے سے وہ مجھ سے کھنچ گئے ان کی یہ کشیدگی اور ان کے تیور

Marfat.com

زبان حال سے کہہ رہے تھے کہیں تم اس شناسائی سے بیجا فائدہ اٹھانے تو نہیں آئے ہو" اس پر میں نے اپنا مدعا کہہ ڈالا۔ صاحب جھولا کر بولے تمہارا بھائی بڑا فطرتی آدمی ہے میں تم سے اس بارے میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ اگر تمہارے بھائی کو کچھ کہنا ہے تو اس سے کہو کہ ضابطہ کی درخواست پیش کرے" یہ جواب کافی تھا اور شاید میں اسی کا مستحق بھی تھا۔ مگر غرضمند اندھا ہوتا ہے۔ میں اپنا دکھڑا روتا رہا اور صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ا بس اب تم یہاں سے چلے جاؤ"۔

میں نے کہا مگر میری پوری بات تو سن لیجئے"۔ یہ کہنا تھا کہ ان کا پارہ اور چڑھ گیا انہوں نے چپڑاسی کو بلاکر حکم دیا کہ مجھے دروازے کے باہر پہنچادے میں اب تک پس و پیش کر رہا تھا کہ چپڑاسی نے آکر دونوں ہاتھ میرے کندھے پر رکھے اور مجھے کمرے سے باہر نکال دیا۔

صاحب اور چپڑاسی دونوں ہٹ گئے اور میں غصے میں بھرا ہوا چلا آیا۔ میں نے فوراً اس مضمون کا رقعہ لکھ کر بھیجا ا آپ نے میری ہتک کی آپ اپنے چپڑاسی کے توسط سے مجھ پر حملہ کرنے کے مرتکب ہوئے۔ اگر آپ نے اس کی تلافی نہ کی تو مجھے قانونی چارہ جوئی کرنا پڑے گی"۔

ذرا سی دیر میں ایک سوار کے ہاتھ یہ جواب پہنچا۔

ا تم نے مجھ سے گستاخی کا برتاؤ کیا۔ میں نے تم سے کہا کہ چلے جاؤ مگر تم نہیں گئے اب سوائے اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ میں چپڑاسی سے کہوں تمہیں دروازے کے باہر پہنچادے۔ اس کے کہنے پر بھی تم دفتر سے نہیں ہلے۔ اسے مجبوراً اتنی جسمانی قوت سے کام لینا پڑا جتنی تمہیں ہٹانے کے لئے ضروری تھی۔ تمہیں اختیار ہے جس طرح چاہو چارہ جوئی کرو"۔

یہ جواب جیب میں رکھے ملول اور دل شکستہ میں گھر آیا اور اپنے بھائی سے سارا ماجرا بیان کیا۔ انہیں بہت رنج ہوا مگر وہ حیران تھے کہ مجھے کیونکر تسکین دیں، انہوں نے اپنے ملنے والے وکیلوں سے گفتگو کی کیونکہ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ صاحب پر مقدمہ کس طرح چلایا جائے۔ اس زمانہ میں اتفاق سے سر فیروز شاہ مہتا کسی مقدمہ میں بمبئی سے راجکوٹ آئے ہوئے تھے۔ مگر میرے جیسے مبتدی وکیل میں اتنی جرات کہاں تھی کہ ان سے مل سکتا۔ اس لئے میں نے ان وکیل کی معرفت جنہوں نے انہیں بلایا تھا اپنے مقدمے کے کاغذات ان کے پاس بھیجے اور ان سے التجا کی کہ مجھے مشورہ دیں۔ انہوں نے کہا ۔ ا گاندھی سے کہہ دو کہ یہ باتیں وکیلوں اور بیرسٹروں کو روز مرہ پیش آتی ہیں۔ انہیں انگریز حکام کا تجربہ نہیں ہے۔ اگر وہ کچھ کمانا چاہتے ہیں اور چین سے رہنا چاہتے ہیں تو رقعے کو پھاڑ ڈالیں اور بات کو پی جائیں۔ صاحب پر مقدمہ چلانے سے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا بلکہ خود ہی تباہ ہو جائیں تو عجب نہیں

Marfat.com

۔ان سے کہو کہ ابھی کچھ دن سیکھیں کہ زندگی کیا چیز ہے۔

یہ نصیحت مجھے زہر کی طرح کڑوی معلوم ہوئی مگر یہی وارد ئے تلخ پینا پڑی میں اس توہین کو چپ چاپ پی گیا اور میں نے اس سے آیندہ کے لیے سبق بھی حاصل کیا۔ میں نے اپنے دل میں عہد کر لیا کہ اب میں کبھی ایسے پھیر میں نہ آؤں گا کہ مجھے اپنے اصولوں کے خلاف عمل کرنا پڑے اور کبھی دوستی سے یوں بیجا فائدہ نہ اٹھاؤں گا"۔ اس وقت سے آج تک میں نے کبھی اس عہد کو نہیں توڑ۔ اس دھچکے نے میری زندگی کا رخ ہی بدل دیا۔

Marfat.com

پانچواں باب

جنوبی افریقہ جانے کی تیاریاں

بے شک یہ میری غلطی تھی کہ میں پولٹیکل ایجنٹ کے پاس گیا۔ لیکن ان کا یہ طیش اور قہر میری غلطی کے تناسب سے کہیں زیادہ تھا۔ میں نے ایسا قصور نہیں کیا تھا کہ نکال دیا جاتا۔ میں نے ان کا پانچ منٹ سے زیادہ وقت نہ لیا ہوگا لیکن انہیں تو میرا بات کرنا ہی ناگوار تھا۔ وہ چاہتے تو مجھ سے آدمیت سے کہہ دیتے کہ چلے جاؤ مگر وہ تو حکومت کے نشے میں چور تھے آگے چل کر مجھے معلوم ہوا کہ ان صاحب کے صفات حسنہ میں تحمل داخل نہ تھا ان کی عادت تھی کہ جو ملاقات کے لئے آتا اس کی توہین کرتے کوئی بات ذرا بھی خلاف مزاج ہوئی اور صاحب بگڑے۔

اب دقت یہ تھی کہ میرے مقدمے زیادہ تر انہیں کی عدالت میں ہوتے تھے ان کے غصے کو دور کرنا میرے بس کی بات نہ تھی۔ مجھے ان کی چاپلوسی کرنے کی بالکل خواہش نہ تھی۔ بلکہ سچ پوچھیئے تو ایک بار نالش کی دھمکی دے کر چپ چاپ رہنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

اس عرصے میں مجھے اپنے ملک کی ادنیٰ درجے کی سیاسی چالوں کا حال معلوم ہوا۔ کاٹھیاواڑ بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا مجموعہ ہے اس لئے قدرتی طور پر یہاں جوڑ توڑ لگانے والوں کی کمی نہ تھی۔ ریاستوں کا باہمی ساز باز کرنا اور عہدہ داروں کا اپنی قوت بڑھانے کے لئے سازشیں کرنا معمولی بات تھی۔ رئیس ہر وقت اپنے رازداروں سے دبے رہتے تھے اور خوشامدیوں کی باتوں پر فوراً اعتبار کر لیتے تھے۔ صاحب کے چپڑاسی تک کی خوشامد کرنا پڑتی تھی اور سررشتہ دار تو گویا صاحب کے بھی آقا تھے کیونکہ وہی ان کے آنکھ کان تھے انہیں ہر چیز ترجمہ کر کے سمجھاتے تھے سررشتہ دار کی مرضی قانون تھی اور کہا جاتا ہے کہ ان کی آمدنی صاحب سے زیادہ تھی۔ ممکن ہے کہ یہ مبالغہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کا خرچ بہت تھا اور تنخواہ اسکے لئے کافی نہیں ہو سکتی تھی۔

Marfat.com

یہ فضا مجھے زہریلی معلوم ہوتی تھی۔ اور میں ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ اس کے اثر سے کیونکر محفوظ رہوں۔

میں بہت پژمردہ رہتا تھا اور میرے بھائی اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے ہم دونوں کا خیال تھا کہ اگر مجھے کوئی مستقل کام مل جائے تو اس سازش کی فضا سے چھٹکارا ہو جائے لیکن بغیر سازش کے دیوانی یا ججی ملنا ناممکن تھا اور وکالت میں یہ دقت تھی کہ صاحب سے جھگڑا ہو گیا تھا۔

پوربندر میں اس زمانے میں راجہ صاحب بااختیار نہ تھے۔ انگریزی حکومت کی طرف سے ایک منتظم مقرر تھے مجھے ان سے اس لئے ملنا تھا کہ راجہ صاحب کو کچھ اختیارات دلواؤں اور "امیروں" پر جو بھاری ادگھوتی (مالگزاری) باندھ دی گئی ہے اسے کم کراؤں۔ یہ منتظم تھے تو ہندوستانی مگر میں نے انہیں صاحب سے بھی مغرور پایا۔ یہ قابل آدمی تھے مگر ان کی قابلیت کی بدولت رعایا کچھ خوش حال نہیں معلوم ہوتی تھی۔ میں راجہ صاحب کو تھوڑے بہت اختیارات دلوانے میں تو کامیاب ہوا لیکن میروں کو کوئی دادرسی نہ ہو سکی مجھے یہ محسوس ہوا کہ ان کے معاملے پر اچھی طرح غور تک نہیں کیا گیا۔

غرض یہاں بھی مجھے اپنی کوشش میں ایک لحاظ سے مایوسی ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ میرے موکلوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا لیکن کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا تھا زیادہ سے زیادہ میں پولیٹیکل ایجنٹ یا گورنر کے یہاں اپیل کر سکتا تھا۔ مگر وہ یقیناً میری اپیل کو خارج کر دیتے اور مداخلت کرنے سے انکار کرتے۔ اگر ان فیصلوں کی نگرانی کے لئے کوئی قاعدہ یا ضابطہ ہوتا تو ایک بات بھی تھی مگر وہاں تو صاحب کی مرضی قانون تھی۔

میں یہاں کی زندگی سے اور بھی بیزار ہو گیا۔

اس عرصے میں ایک میمن نے جن کی دوکان پوربندر میں تھی میرے بھائی کو یہ پیغام بھیجا "ہم جنوبی افریقہ میں تجارت کرتے ہیں۔ ہمارا کاروبار بڑا ہے اور وہاں عدالت میں ہمارا ایک بڑا مقدمہ ہے جس میں ہماری طرف سے چالیس ہزار پونڈ کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ یہ مقدمہ بہت دن سے چل رہا ہے ہم نے بہترین وکیلوں اور بیرسٹروں کی خدمات حاصل کی ہیں۔ اگر آپ اپنے بھائی کو وہاں بھیج دیں تو ان کے لئے بھی اچھا ہے اور ہمارے لئے بھی۔ وہ ہمارے وکیلوں کو ہم سے بہتر ہدایات دے سکیں گے۔ انھیں یہ فائدہ ہے کہ ایک نئے ملک کی سیر کر لیں گے اور نئے نئے لوگوں سے ملاقات ہو جائے گی۔"

بھائی صاحب نے مجھ سے اس معاملے میں گفتگو کی۔ میں یہ صاف طور پر نہیں سمجھ سکا کہ مجھے صرف وکیلوں کی ہدایتیں دینا ہوگی یا عدالت میں بھی جانا پڑے گا مگر بات ایسی تھی کہ میرا جی للچا گیا۔

Marfat.com

بھائی صاحب نے مجھے سیٹھ عبدالکریم جھاویری سے ملوایا۔ یہ اسی عبداللہ کمپنی میں جس کا یہ معاملہ تھا حصہ دار تھے۔ سیٹھ صاحب نے مجھے یقین دلایا کہ کام کچھ ایسا مشکل نہیں۔ انہیں نے کہا وہاں ہم سے بڑے بڑے یورپنیوں سے دوستی ہے آپ کی بھی ان سے ملاقات ہو جائے گی۔ آپ سے دوکان کے کام میں بھی مدد ملے گی۔ ہماری خط و کتابت زیادہ تر انگریزی میں ہوتی ہے اس میں آپ ہاتھ بٹالیں گے ظاہر ہے کہ آپ وہاں ہمارے مہمان ہوں گے اور آپ کو کچھ خرچ کرنا نہیں پڑے گا۔

میں نے پوچھا ا آپ میری خدمات کتنے دن کے لیے چاہتے ہیں اور معاوضہ کیا ہوگا ؟

"آپ کو ایک سال سے زیادہ نہیں لگے گا ہم آپ کو آنے جانے کا اول درجے کا کرایہ دیں گے اور کل اخراجات کے علاوہ ایک سو پانچ پاؤنڈ اور۔"

یہ بیرسٹر کی حیثیت سے جانا تو کہا نہیں جاسکتا۔ یوں کہنا چاہیئے کہ میں دوکان کے ایک ملازم کی حیثیت سے جارہا تھا لیکن مجھے تو یہ فکر تھی کسی طرح ہندوستان سے نکلوں۔ پھر یہ لالچ تھا کہ نیا ملک دیکھنے میں آئے گا اور نیا تجربہ حاصل ہوگا۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ ایک سو پانچ پاؤنڈ بھائی صاحب کو بھیج سکوں گا۔ جس سے گھر کے خرچ میں مدد ملے گی۔ غرض میں نے بغیر ردوبدل کئے ان شرطوں کو منظور کرلیا اور جنوبی افریقہ جانے کی تیاری میں مصروف ہوگیا۔

Marfat.com

Marfat.com

چھٹا باب

نٹال پہنچنا

جنوبی افریقہ جاتے وقت مجھے وہ جدائی کا درد محسوس نہیں ہوا جو انگلستان جاتے وقت ہوا تھا۔ اب میری والدہ کا انتقال ہو چکا تھا میں دنیا دیکھ چکا تھا اور غیر ملکوں کے سفر کا تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا تھا کہ راجکوٹ سے بمبئی جانا غیر معمولی بات ہو۔

اس بار صرف مجھے اپنی بیوی کی جدائی شاق گزری۔ میرے انگلستان سے واپس آنے کے بعد ایک اور بچہ پیدا ہو چکا تھا ہم دونوں کی محبت ابھی شہوانی خواہش سے خالی نہ تھی مگر روز بروز پاک ہوتی جاتی تھی۔ جب سے میں یورپ سے واپس آیا مجھے بہت کم ان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا تھا۔ اب میں جیسا کچھ برا بھلا مجھ سے ممکن تھا انہیں پڑھاتا تھا اور بعض اصلاحوں میں ان کی مدد کرتا تھا اس لئے ہم دونوں کو اس کی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ ہم زیادہ دن یکجا رہیں تاکہ یہ اصلاحیں جاری رہ سکیں لیکن جنوبی افریقہ کے شوق میں فراق کا صدمہ برداشت کرنے کو تیار ہو گیا۔ میں نے انہیں یہ کہہ کر تسکین دی ہم دونوں ایک سال میں ضرور ملیں گے" اور راجکوٹ سے بمبئی روانہ ہو گیا۔

یہاں مجھے دادا عبداللہ کمپنی کے ایجنٹ کے ذریعہ سے جہاز کا ٹکٹ لینا تھا۔ مگر جو جہاز جانے والا تھا اس میں بالکل جگہ نہ تھی اور مجھے یہ مشکل کہ اگر اس جہاز سے نہ جاؤں تو بمبئی میں بیکار پڑا رہنا پڑے۔ ایجنٹ نے کہا ا ہم نے اول درجے کا ٹکٹ لینے کی انتہائی کوشش کی لیکن کوئی نتیجہ نہ ہوا۔ ہاں آپ ڈیک پر جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔ اس کا انتظام کر دیا جائے گا کہ کھانا آپ دوسرے مسافروں کے ساتھ کمرے میں کھا سکیں۔" یہ وہ زمانہ تھا کہ جب میں اول درجے سے کم میں سفر ہی نہیں کرتا تھا اور یوں بھی بھلا بیرسٹر صاحب ڈیک پر کیسے جا سکتے ہیں؟ اس لئے میں نے اس دعوت سے انکار کر دیا۔ مجھے ایجنٹ

Marfat.com

کی سچائی میں شبہ تھا کیونکہ یہ یقین نہیں آتا تھا کہ اول درجے میں کوئی جگہ خالی نہیں۔ آخر اس کی رضامندی سے میں خود کوشش کرنے نکلا۔ میں جہاز پر گیا اور کپتان سے ملا اس نے صاف صاف کہ دیا۔ ا ہمارے یہاں عام طور پر مسافروں کی اتنی کثرت نہیں ہوتی لیکن چونکہ مزنبیق کے گورنر جنرل اس جہاز پر جارہے ہیں اس لئے سب جگہیں بھر گئیں ہیں"۔

میں نے پوچھا اکیا یہ ممکن نہیں کہ آپ میرے لئے کسی طرح گنجائش نکال دیں" اس نے سر سے پیر تک مجھے دیکھا اور مسکرا کر کہا ا صرف ایک صورت سے ا میرے کیبن میں ایک زائد جگہ ہے جو عموماً مسافروں کو نہیں دی جاتی۔ مگر میں آپ کو دے دوں گا" میں نے شکریہ ادا کیا اور ایجنٹ کو بھیج کر ٹکٹ منگوالیا۔ اپریل 1893ء میں میرے دل میں بڑے ولولے سے ہوئے قسمت آزمائی کرنے جنوبی افریقہ روانہ ہوگیا۔

پہلی بندرگاہ جہاں جہاز ٹھہرا لامو تھی۔ ہم یہاں تیرہ دن میں پہنچے، اس عرصے میں مجھ میں اور کپتان میں بڑی دوستی ہوگئی۔ اسے شطرنج کھیلنے کا شوق تھا مگر وہ نوآموز تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی ایسا شخص ساتھ کھیلنے کو ملے جو اس سے بھی زیادہ کھیلتا ہو اس لئے اس نے مجھ سے کھیلنے کی فرمائش کی میں نے اس کھیل کی بہت تعریف سنی تھی مگر کھیلا نہ تھا۔ کھیلنے والے کہا کرتے تھے کہ اس میں فرہانت سے کام لینے کا بہت موقع ہے کپتان نے کہا تمہیں کھیلنا سکھا دوں گا اور چونکہ مجھ میں صبر بے حد تھا اس لئے وہ مجھے بڑا مستعد شاگرد سمجھتا تھا۔ ہر بار میں ہی ہارتا تھا اس لئے وہ مجھے اور بھی شوق سے سکھاتا تھا کھیل مجھے پسند آیا مگر میری رغبت بس جہاز ہی تک رہی اور میری معلومات سیدھی سادھی چالوں سے آگے نہیں بڑھی۔

لامو میں جہاز تین چار گھنٹے لنگر انداز رہا اور میں نیچے اتر کر بندرگاہ دیکھنے گیا۔ کپتان بھی کنارے پر گیا مگر اس نے مجھے آگاہ کردیا تھا کہ یہاں سمندر کی حالت اعتبار کے قابل نہیں اور تاکید کردی کہ ذرا پہلے سے لوٹ آؤں۔

یہ چھوٹی سی جگہ تھی۔ میں ڈاک خانے پہنچا۔ وہاں میں ہندوستانی کلرکوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور ان سے باتیں کرنے لگا۔ مجھے افریقی بھی نظر آئے اور میں نے ان کے طرز زندگی سے جس سے مجھے بہت دلچسپی تھی واقف ہونے کی کوشش کی اس میں کچھ دیر لگ گئی۔

چند ڈیک کے مسافر بھی جن سے مجھے بہت واقفیت ہوگئی تھی، ساحل پر آئے تھے کہ ذرا اطمینان سے کھانا پکا کر کھائیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ واپسی کی تیاری کررہے ہیں اور ہم سب کے سب

Marfat.com

ایک ہی کشتی میں بیٹھ گئے۔ سمندر باڑھ پر تھا اور ہماری کشتی مناسب مقدار سے زیادہ لدی ہوئی تھی۔ پانی کا دھارا اتنا تیز تھا کہ کشتی جہاز کی سیڑھی کے برابر کسی طرح نہیں ٹھہرتی تھی۔ روانگی کی پہلی سیٹی بج چکی تھی میرے ہاتھ پیر پھول گئے۔ کپتان اوپر کھڑا ہماری پریشانی دیکھ رہا تھا۔ اس نے جہاز کو اور پانچ منٹ ٹھہرانے کا حکم دیا۔ جہاز کے قریب ایک اور کشتی تھی جسے ایک دوست دس روپئے میں میرے لئے کرایہ پر لے لیا۔ اس کشتی نے مجھے جہاز کے قریب پہنچایا۔ سیڑھی اٹھالی گئی تھی اس لئے میں ایک رسی کے ذریعہ سے اوپر کھینچا گیا اور جہاز فوراً روانہ ہوگیا۔ دوسرے مسافر رہ گئے اب مجھے کپتان کی نصیحت کی قدر ہوئی۔

لامو کے آگے دلاسری بندرگاہ ممباسا تھی اور تیسری زنجبار۔ یہاں کوئی آٹھ دس دن ٹھہرنا پڑا اور یہاں سے ہم دوسرے جہاز میں سوار ہوئے۔

کپتان کو مجھ سے انس ہوگیا تھا مگر اس انس کی بدولت ایک ناگوار واقعہ پیش آیا اس نے مجھے اور انگریز دوست کو اپنے ساتھ سیر کرنے کی دعوت دی ہم تینوں ایک کشتی میں بیٹھ کر ساحل پر گئے۔ میرے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ اِس سیر کے کیا معنی ہیں اور کپتان بے چارہ کیا جانے کہ میں ان معاملات میں کتنا سادہ لوح ہوں۔ ایک دلال ہم لوگوں کو حبشی عورتوں کے یہاں لے گیا اور اس نے ہم تینوں کو علیحدہ علیحدہ کمروں میں پہنچا دیا۔ میں دم بخود کھڑا تھا اور شرم سے گڑا جاتا تھا۔ خدا جانے وہ بے چاری عورت مجھے کیا سمجھتی ہوگی۔ جب کپتان نے مجھے پکارا تو جیسا گیا تھا ویسا ہی آگیا۔ اس نے میرے چہرہ سے میری پاکدامنی معلوم کرلی۔ پہلے تو مجھے بہت شرم آئی لیکن چونکہ اس فعل کے خیال ہی سے میرے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے اس لئے شرم کا احساس رفتہ رفتہ جاتا رہا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس عورت کو دیکھ کر میرے دل میں ذرا بھی بدی نہیں آئی۔ مجھے اپنے آپ سے نفرت آتی تھی کہ میں نے جرات سے کام لے کر کمرے میں جانے سے انکار کیوں نہ کردیا۔

میری زندگی میں یہ اس قسم کی تیسری آزمائش تھی۔ خدا جانے کتنے نوجوان جو ابتدا میں پاکدامن ہوں گے جھوٹی شرم کی بدولت گناہ میں آلودہ ہوگئے ہونگے میری اسی میں کوئی تعریف نہیں کہ میں بے داغ بچ کر چلا آیا۔ تعریف تو جب ہوتی کہ میں کمرے میں جانے ہی سے انکار کردیتا۔ مجھے اس رحمٰن و رحیم کا شکر کرنا چاہئے کہ اس نے مجھے بچالیا۔ اس واقعے سے مجھے ذات الٰہی پر اور بھی عقیدہ ہوگیا اور ایک حد تک جھوٹی شرم سے نجات ملی۔

چونکہ اس بندرگاہ میں ایک ہفتہ ٹھہرنا تھا اس لئے میں نے شہر میں کمرے کرائے پر لے لئے اور

Marfat.com

آس پاس پھر کر خوب سیر کی ۔ زنجبار میں درختوں اور سبزہ زار ونکی کثرت تھی اسکا اندازہ گر ہو سکتا ہے تو لابار کو دیکھ کر مجھے وہاں کے اونچے درختوں اور بڑے بڑے پھلوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اس کے بعد مزنبیق میں قیام ہوا اور وہاں سے چل کر ہم مئی کے آخر میں نٹال پہنچ گئے۔

Marfat.com

ساتواں باب

چند تجربے

نٹال کی بندرگاہ ڈربن ہے۔ اسے پورٹ نٹال بھی کہتے ہیں۔ وہاں عبداللہ سیٹھ مجھے لینے کے لئے آئے۔ جب جہاز بندرگاہ کے قریب پہنچا تو میں ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا جو اپنے دوستوں سے ملنے کے لئے جہاز پر آئے تھے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ ہندوستانی کچھ عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے۔ عبداللہ سیٹھ کے جاننے والوں کا جو برتاؤ ان کے ساتھ تھا اس سے ایک طرح کی رعونت ظاہر ہوئی تھا جس سے میرے دل پر چوٹ لگی۔ عبداللہ سیٹھ اس کے عادی ہو گئے تھے مجھے لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے میں اپنے لباس کے سبب سے اور ہندوستانیوں سے ممتاز نظر آتا تھا۔ میں فراک کوٹ پہنے تھا اور میرے سر پر بنگالی وضع کی پگڑی تھی۔

ہمیں دوکان کی عمارت میں پہنچایا گیا اور جس کمرے میں عبداللہ سیٹھ رہتے تھے۔ اس کے برابر والے کمرے میں ٹھہرایا گیا ہم دونوں کو ایک دوسرے کی طبیعت کا اندازہ کرنے میں دقت ہوئی۔ ان کاغذات کو پڑھ کر جو ان کے بھائی نے میرے ساتھ بھیجے تھے۔ وہ الجھن میں پڑ گئے۔ وہ سمجھے کہ ان کے بھائی نے ان کے گھر ایک سفید ہاتھی بھیج دیا ہے۔ جسے کھلاتے کھلاتے دیوالہ نکل جائے گا۔ میرے لباس اور طرز معاشرت میں انہیں فرنگیوں کا سا اسراف نظر آیا۔ انہوں نے سوچا کہ اس وقت کوئی خاص کام بھی نہیں جو اں حضرت کو دیا جاسکے۔ مقدمہ ٹرانسوال میں ہے فوراً وہاں بھیجنا بالکل فضول ہے۔ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی قابلیت اور دیانت پر کہاں تک اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ میں تو پریٹوریا میں رہوں گا کہ ان کی نگرانی کرسکوں۔ مدعا علیہ سب وہیں ہیں ممکن ہے کہ وہ لوگ ان پر ناجائز اثر ڈالیں۔ اب اگر مقدمے کا کام نہیں دیا جاسکتا تو پھر اور کون سا کام دیا جائے۔ دوسرے کام تو میرے محرر ان سے کہیں اچھا کر لیتے ہیں اور محرر اگر غلطی کریں تو ان سے باز پرس ہو سکتی ہے لیکن اگر ان سے غلطی ہو تو کیا کیا

Marfat.com

جائے ۔اس لئے اگر مقدمے کے متعلق کوئی کام انہیں نہ دیا جائے تو گویا مفت میں ان کا بار میرے سر پڑ گیا۔

عبداللہ سیٹھ قریب قریب ان پڑھ تھے مگر ان کا تجربہ بہت وسیع تھا۔ان کی سوجھ بوجھ غضب کی تھی اور انہیں اس کا احساس بھی تھا۔مشق سے انہوں نے بس اتنی انگریزی سیکھ لی تھی کہ بات چیت کر سکیں ۔ مگر وہ اسی سے سارا کاروبار چلاتے تھے ۔چاہے بنک کے منیجروں اور یورو پی تاجروں سے معاملہ کرنا ہو یا وکیل کو مقدمہ سمجھانا ہو ۔ ہندوستانی ان کی بڑی عزت کرتے تھے ۔ان سب خوبیوں کے ساتھ ان میں ایک عیب تھا وہ فطری طور پر شکی واقع ہوئے تھے ۔

انہیں اس بات پر فخر تھا کہ ان کا مذہب اسلام ہے اور اس مذہب کے فلسفے پر تقریر کرنے کا انہیں بڑا شوق تھا وہ عربی نہیں جانتے تھے مگر قرآن مجید کی تفسیر اور عام اسلامی امور میں خاصا دخل رکھتے تھے مثالیں انہیں بڑی کثرت سے یاد تھیں اور جب چاہتے تھے ان سے کام لیتے تھے ۔ان کی صحبت میں مجھے اسلام سے اچھی خاصی عملی واقفیت ہو گئی جب ہم دونوں میں بے تکلفی ہو گئی تو ہم اکثر مذہبی مسئلوں پر بحث کیا کرتے تھے ۔

میرے آنے کے دوسرے تیسرے دن وہ مجھے ڈربن کی عدالت دکھانے لے گئے وہاں انہوں نے مجھے کئی آدمیوں سے ملوایا ۔اور اپنے وکیل کے پاس بٹھایا ۔ مجسٹریٹ مجھے دیر تک گھورتا رہا۔ آخر میں اس نے مجھ سے کہا ا پگڑی اتار ڈالو" میں نے انکار کیا اور عدالت سے اٹھ کر چلا آیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہاں بھی میری تقدیر میں لڑائی لڑنا لکھا ہے ۔ عبداللہ سیٹھ نے مجھے سمجھایا کہ بعض ہندوستانیوں کو پگڑی اتارنا پڑتا ہے ۔ انہوں نے کہا جو لوگ اسلامی لباس پہنتے ہیں وہ پگڑی باندھے رہتے ہیں لیکن اور ہندوستانیوں کو عموماً عدالت میں جاتے وقت پگڑی اتارنے کا حکم ہے ۔

اس باریک فرق کو سمجھانے کے لئے مجھے کسی قدر تفصیل سے کام لینا چاہیے اور دو تین دن کے عرصے میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہاں ہندوستانی چار طبقوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں ۔ پہلا طبقہ مسلمان تاجروں کا جو اپنے آپ کو عرب کہتے تھے ۔ دوسرا طبقہ چند محرروں اور تیسرا پارسی محرروں کا تھا ۔ ہندو محرر کسی شمار قطار میں نہ تھے ۔ سوائے ان لوگوں کے جو عربوں میں مل جل گئے تھے ۔ پارسی محرر اپنے آپ کو ایرانی کہتے تھے ۔ ان تینوں طبقوں میں آپس میں سماجی تعلقات تھے مگر سب سے بڑا طبقہ تامل تیلنگو اور شمالی ہندوستان کے پابند اور آزاد مزدوروں کا تھا ۔ پابند مزدور وہ تھے جو پانچ سال کی ملازمت کا معاہدہ کر کے نٹال گئے اور گرمٹی کہلاتے تھے گرمٹی "گرمٹ" سے نکلا ہے جو انگریزی کے لفظ

Marfat.com

ایگریمنٹ (معاہدہ) کی خرابی ہے۔ مزکورہ بالا تینوں طبقے اس چوتھے طبقہ سے محض کاروباری تعلقات رکھتے تھے۔ انگریز لوگ ان کو قلی" کہتے تھے اور چونکہ اکثر ہندوستانی مزدور تھے اس لئے سبھی ا قلی" یا ا سامی" کہلاتے تھے سامی کائل زبان کا لاحقہ ہے جو اکثر تامل تیلنگو کے آخر میں آتا ہے اور یہ اصل میں سنسکرت لفظ "سوامی" ہے جس کے معنی مالک کے ہیں۔ اس لئے جب کسی ہندوستانی کو جس کی طبیعت میں ظرافت ہو کوئی شخص سامی کہہ کر مخاطب کرتا تھا تو وہ یہ جواب دیتا تھا ا آپ مجھے اسامی" کہتے ہیں مگر آپ کو معلوم نہیں کہ اسامی" کے معنی مالک کے ہیں۔ میں آپ کا مالک تو نہیں ہوں" بعض انگریز یہ سن کر جھینپ جاتے تھے بعض اس ہندوستانی کو گالیاں دیتے تھے بلکہ موقع ملے تو مار بیٹھتے تھے۔

کیونکہ ان کے نزدیک اسامی" حقارت کا لفظ تھا۔ اس کے معنی امالک" بتانا گویا ان کی توہین کرنا تھا۔

اس لئے لوگ مجھے ا قلی" بیرسٹر" کہتے تھے۔ ہندوستانی تاجر ا قلی تاجر" کہلاتے ہیں رفتہ رفتہ لوگ قلی کے معنی بھول گئے تھے اور یہ ہندوستانیوں کا عام لقب ہو گیا تھا۔ کسی مسلمان تاجر کو کوئی انگریز ا قلی" کہہ دے تو وہ بہت بگڑتا تھا اور کہتا تھا ا میں قلی نہیں ہوں بلکہ عرب ہوں یا ا میں تاجر ہوں" اور انگریز اگر مہذب ہوا تو اس سے معافی مانگ لیتا تھا۔

ایسی صورت میں پگڑی کا مسئلہ بہت اہم تھا۔ پگڑی اتارنے کے معنی یہ تھے گویا چپ چاپ ذلت سہ لی۔ اس لئے میں نے یہ سوچا کہ اب ہندوستانی پگڑی کو خیرباد کہہ کر انگریزی ہیٹ استعمال کرنا چاہیئے تاکہ میری ذلت نہ ہو اور ان ناگوار جھگڑے سے پیچھا چھوٹے۔

مگر عبداللہ سیٹھ نے اس خیال کو ناپسند کیا۔ انہوں نے کہا ا اگر تم ایسا کرو گے تو بہت برا اثر پڑے گا۔ تمہارے سبب سے ان لوگوں کی بات بگڑ جائے گی جو پگڑی باندھنے پر اڑے ہوئے ہیں اور تمہارے سر پر ہندوستانی پگڑی بھلی بھی معلوم ہوتی ہے۔ اگر تم انگریزی ہیٹ لگاؤ تو ہوٹل کے بیرے معلوم ہونے لگو گے۔"

یہ نصیحت مصلحت اندیشی، حب وطن اور کسی قدر تنگ نظری پر مبنی تھی۔ مصلحت تو ظاہر ہے اور حب وطن نہ ہوتا تو وہ ہندوسانی پگڑی باندھنے پر اتنا زور کیوں دیتے۔

مگر بیرے کی حقارت آمیز پھبتی سے ایک حرع کی تنگ نظری ظاہر ہوتی تھی۔ ہندوستانی پابند مزدوروں میں تین مذہب کے لوگ تھے۔ ہندو، مسلمان اور عیسائی۔ آخر الاذکر پابند مزدوروں کی اولاد

Marfat.com

تھے جنہوں نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا 1893 رہی میں ان کی تعداد خاصی بڑی ہو گئی تھی۔ وہ انگریزی لباس پہنتے تھے اور ان میں سے اکثر ہوٹلوں میں بیرے کا کام کر کے گزر کرتے تھے۔ عبداللہ سیٹھ نے بھی انگریزی ہیٹ پر اعتراض کیا تو ان کا اشارہ اسی گروہ کی طرف تھا۔ ہوٹل کا بیرا ہونا ذلت سمجھی جاتی تھی۔ بہت سے لوگ اب تک اس خیال پر قائم ہیں۔

مجموعی حیثیت سے مجھے عبداللہ سیٹھ کی نصیحت پسند آئی۔ میں نے اخباروں میں اس واقعے کا حال لکھا اور اپنی پگڑی باندھ کر عدالت میں جانے کو جائز ثابت کیا اس مسئلہ پر اخباروں میں خوب بحث ہوئی اور انہوں نے میرا لقب "ناپسندیدہ نووارد" رکھ دیا بعض میری تائید کرتے تھے اور بعض میری بیباکی پر اعتراض کرتے تھے۔

مگر جب تک جنوبی افریقہ میں رہا قریب قریب ہمیشہ پگڑی باندھتا رہا۔ البتہ ایک زمانے میں پگڑی ٹوپی وغیرہ سب چھوڑ دی تھی اور ننگے سر رہتا تھا۔ یہ کب ہوا اور کیوں ہوا اس کا حال آگے چل کر معلوم ہوگا۔

Marfat.com

آٹھواں باب

پریٹوریا کا سفر

مجھے تھوڑے دن میں عیسائی ہندوستانیوں سے جو ڈربن میں رہتے تھے ملنے کا اتفاق ہوا۔ عدالت کے مترجم مسٹر پال رومن کیتھولک تھے۔ مجھ سے ان کی ملاقات ہو گئی اور مسٹر سبحان گاڈفرے آنجہانی سے بھی جو اس زمانے میں پروٹسٹنٹ مشن میں مدرس تھے ان کے بیٹے مسٹر جیمس گاڈفرے پار سال جنوبی افریقہ کے وفد کے رکن ہو کر ہندوستان آئے تھے اسی زمانے میں میں پارسی رستم جی آنجہانی اور آدم جی میاں خاں آنجہانی سے بھی ملا ان سب دوستوں میں جو اس وقت تک ایک دوسرے سے صرف کاروبار کے سلسلے میں ملتے تھے بعد میں. بہت گہرے تعلقات ہو گئے جیسا کہ آگے چل معلوم ہو گا۔

ادھر میں اپنے حلقہ ملاقات کو وسیع کر رہا تھا اور ادھر ہماری دوکان کے نام وکیل کا خط آیا جس میں اطلاع ملی کہ اب مقدمے کی تیاریاں کرنے کا وقت ہے اور عبداللہ سیٹھ کو چاہیئے یا تو وہ خود پریٹوریا جائیں یا اپنے کسی نمائیندے کو بھیجیں۔

عبداللہ سیٹھ نے مجھے یہ خط پڑھنے کو دیا اور مجھ سے پوچھا کہ تم پریٹوریا جاؤ گے میں نے کہا یہ میں اس وقت کہہ سکتا ہوں جب آپ سے مقدمہ سمجھ لوں۔ ابھی تو میں حیران ہوں کہ میرا وہاں کیا کام ہے۔ اس پر انہوں نے اپنے محرروں کو حکم دیا کہ مجھے مقدمہ سمجھائیں۔

جب میں مقدمے کا مطالعہ کرنے لگ تو یہ معلوم ہوا کہ مجھے ان معاملات میں الف بے سے شروع کرنا چاہیئے۔ جب میں زنجبار میں کچھ روز ٹھہرا تھا تو میں نے عدالت میں جا کر وہاں کی کاروئی دیکھی تھی۔ ایک پارسی وکیل گواہ سے جرح کے سلسلے میں بہی کھاتے کے متعلق سوال کر رہا تھا میں ایک حرف نہیں سمجھ۔ سباق کا فن میں نے نہ تو اسکول میں سیکھا تھا اور نہ انگلستان کے قیام کے زمانے میں

Marfat.com

اس مقدمے کا جس کے لئے میں جنوبی افریقہ آیا تھادارومدار حساب کتاب پر تھا محرر لکھے جو کچھ کی باتیں کرتا چلا گیا اور میری الجھن بڑھتی گئی مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ پی نوٹ کسے کہتے ہیں۔ لغت میں بھی یہ لفظ نہیں ملا میں نے محرر کے سامنے اپنی جہالت کا اظہار کیا اور اس سے معلوم ہوا کہ پی نوٹ سے پرامیسری نوٹ مراد ہے میں نے سیاق پر ایک کتاب خریدی اور اس کا مطالعہ کیا۔ اس سے مجھے کسی قدر اطمینان ہوا مقدمہ میری سمجھ میں آ گیا میں نے دیکھا کہ عبداللہ سیٹھ جنہیں حساب لکھنا نہیں آتا تھا اتنی سوجھ بوجھ رکھتے تھے کہ سیاق کی پیچیدگیوں کو دم بھر میں سلجھا کے رکھ دیتے تھے میں نے ان سے کہا کہ میں پریٹوریا جانے کو تیار ہوں۔

انہوں نے پوچھا آپ ٹھہریں گے۔ کہاں "میں نے کہا" جہاں آپ فرمائیں" اچھا تو میں وکیل صاحب کو لکھ دوں گا وہ آپ کے ٹھہرنے کا انتصام کر دیں گے۔ میں اپنے میمن دوستوں کو بھی اطلاع دے دوں گا لیکن میری رائے میں ان کے یہاں آپ کا ٹھہرنا مناسب نہیں۔ فریق ثانی کا پریٹوریا میں بڑا اثر ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ہمارے خط پڑھ لے تو ہمیں بہت نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے آپ ان لوگوں سے ربط ضبط بڑھانے سے جتنا پرہیز کریں اتنا ہی ہمارے لئے اچھا ہے"۔

"مجھے جہاں آپ کے وکیل ٹھہرائیں گے وہیں ٹھہروں گا یا اپنے طور کہیں علیحدہ مکان ڈھونڈھ لوں گا۔ آپ خاطر جمع رکھیں۔ ہماری پوشیدہ باتوں کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔ مگر یہ میں ضرور چاہتا ہوں کہ فریق ثانی سے ملاقات بلکہ دوستی پیدا کروں۔ اگر ہو سکا تو میں یہ کوشش کروں گا کہ عدالت کے باہر آپس میں سمجھوتہ ہو جائے آخر سیٹھ طیب آپ کے عزیز ہی تو ہیں"

سیٹھ طیب حاجی خان محمد عبداللہ سیٹھ کے قریبی رشتہ دار تھے

سیٹھ کے چہرے سے ظاہر ہو گیا کہ وہ سمجھوتے کا نام سن کر کھٹک گئے لیکن مجھے ڈربن آئے چھ سات دن ہو چکے تھے اور ہم دونوں ایک دوسرے کی طبیعت سے واقف ہو گئے تھے۔ اب میں سفید ہاتھی نہیں رہا تھا۔ انہوں نے رک رک کر کہا:۔

ہاں ۔۔۔ ہے ۔۔۔ تو ۔۔۔ اچھا۔ عدالت کے باہر سمجھوتا ہو جائے تو کیا بات ہے لیکن ہم سب عزیز ہیں اور ایک دوسرے کو خوب جانتے ہیں۔ طیب سیٹھ آسانی سے راضی ہونے والے آسامی نہیں۔ اگر ہم نے ذرا سی غفلت کی تو وہ ہم سے نہ جانے کیا کچھ اینٹھ لیں گے اور آخر میں ایسا چرکہ دیں گے کہ ہم بھی یاد کریں گی اس لئے آپ ذرا دیکھ بھال کر قدم اٹھائیے گا۔

میں نے کہا ا آپ کچھ اندیشہ نہ کیجئے مجھے طیب سیٹھ سے یا کسی شخص سے مقدمہ کا حال بتانے کی

Marfat.com

کیا ضرورت ہے۔ میں تو انہیں صرف یہ صلاح دوں گا کہ آپس میں سمجھوتا کرلیں ورنہ مدتوں بیکار مقدمہ بازی ہوتی رہے گی"۔

ڈربن آنے کے ساتویں آٹھویں دن میں وہاں سے روانہ ہوگیا میرے لئے اول درجے کا ٹکٹ لیا گیا۔ وہاں قاعدہ تھا کہ اگر بستر کی ضرورت ہو تو پانچ شلنگ اور دینا پڑتے تھے۔ عبداللہ سیٹھ کا اصرار تھا کہ میں اپنا بستر کرائے پر لے لوں لیکن میں نے کچھ تو ضد اور غرور میں اور کچھ پانچ شلنگ بچانے کے خیال سے انکار کردیا۔ عبداللہ سیٹھ نے کہا ا دیکھو یہ ہندوستان نہیں ہے ہمیں خدا نے بہت کچھ دے رکھا ہے تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو بے تکلف لے لو"۔

میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ میری طرف سے بالکل مطمین رہیں نو بجے رات کو گاڑی نٹال کے دارالحکومت میر تیز مرگ پہنچی بستر وغیرہ اسی اسٹیشن پر دئے جاتے تھے ایک ریل کا آدمی آیا اور اس نے پوچھا کہ آپ کو بستر تو نہیں چاہیئے میں نے کہا ا نہیں میرے پاس موجود ہے"۔ اس کے بعد ایک (سفید چمڑے کا) مسافر آیا اور اس نے مجھے سر سے پیر تک دیکھا۔ اسے معلوم ہوگیا کہ یہ کالا آدمی ہے۔ اس کی طبیعت منغض ہوگئی۔ وہ فوراً چلا گیا اور تھوڑی دیر میں دو ایک ریل کے ملازموں کو ساتھ لے آیا انہوں نے تو کچھ نہیں کہا مگر ایک اور افسر میرے پاس آکر کہنے گلا ا ادھر آؤ تمہیں گارڈ کے ڈبے میں بیٹھنا پڑے گا"۔

میں نے کہا مگر میرے پاس تو اول درجے کا ٹکٹ ہے"۔

. اس نے جواب دیا ا اس سے کچھ نہیں ہوتا میں جو تم سے کہتا ہوں کہ تمہیں گارڈ کے ڈبے میں چلنا پڑے گا"۔

اور میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ مجھے ڈربن میں اس ڈبے میں بیٹھنے کی اجازت دی گئی تھی اور میں اسی میں جاؤں گا۔

ا ہرگز نہیں تمہیں یہ ڈبہ خالی کرنا پڑے گا ورنہ میں پولیس کے سپاہی کو بلا کر تمہیں نکلوا دوں گا"۔

ا تمہیں اختیار ہے میں اپنی مرضی سے تو جانے کا نہیں"

سپاہی آیا اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر کھینچ لیا۔ میرا اسباب بھی اٹھا لیا گیا میں نے دوسرے ڈبے میں جانے سے انکار کیا اور گاڑی چل دی میں جاکر مسافر خانے میں بیٹھ گیا۔ میں نے اپنا ہینڈ بیگ لیا اور باقی سامان جہاں تھا وہیں پڑا رہنے دیا۔ ریل کے ملازموں نے اسے اپنی حفاظت میں لے لیا۔

جاڑے کے دن تھے اور جنوبی افریقہ کے بلند خطوں میں کڑاکے کا جاڑا پڑتا ہے میر یز برگ بہت

Marfat.com

اونچی جگہ ہے ۔ یہاں بڑی سخت سردی تھی ۔ میرا کوٹ میری اسباب میں تھا لیکن مجھے مانگنے کی جرات نہ ہوتی تھی کہ کہیں پھر ذلیل نہ ہونا پڑے ۔ اس لیے

بیٹھا کانپتا رہا۔ کمرے میں روشنی نہیں تھی ۔ آدھی رات کے قریب ایک مسافر آیا اور اس نے چاہا کہ مجھ سے باتیں کرے مگر میں ایسی حالت میں کیا خاک باتیں کرتا ۔

میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب میرا فرض کیا ہے ۔ میں اپنے حقوق کے لئے لڑوں یا اسی وقت ہندوستان لوٹ جاؤں یا چپ چاپ ذلت برداشت کر کے پریٹوریا پہنچوں اور مقدمہ ختم ہونے کے بعد ہندوستان کی واپسی کا قصد کروں جس کام کا میں نے ذمہ لیا ہے اسے پورا کئے بغیر ہندوستان واپس جانا بزدلی ہے مجھے تکلیف اٹھانا پڑی ۔ یہ سطحی چیز ہے ۔ یہ محض ایک علامت ہے رنگ کے تعصب کی جو ایک مہلک مرض کی صورت میں سطح کے نیچے موجود ہے ۔ اگر ہو سکے تو مجھے یہ کوشش کرنا چاہئے کہ اس مرض کا پورا ازالہ ہو جائے اور اس میں جتنی تکلیفیں پیش آئیں سب جھیلنا چاہئے میرے ساتھ بدسلوکی کی گئی ہے اس کی تلافی کی کوشش صرف اس حد تک جائز ہے جہاں تک نسلی تعصب کو دور کرنے میں مدد ملے ۔

غرض میں نے یہ طے کیا کہ جو پہلی گاڑی ملے گی اس پہ پریٹوریا چلا جاؤں گا ۔ دوسرے دن صبح کو میں نے ریلوے کے جنرل منیجر کے نام بڑا لمبا تار دیا اور عبداللہ سیٹھ کو بھی اطلاع دے دی ۔ وہ فوراً جا کر جنرل منیجر سے ملے ۔ اس نے ریل کے کارکنوں کے طرز عمل کو جائز قرار دیا لیکن سیٹھ صاحب کو اطمینان دلایا کہ اسٹیشن ماسٹر کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ میرے حفاظت کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچنے کا انتظام کر دے ۔ عبداللہ سیٹھ نے میر تیز برگ کے ہندوستانی تاجروں کو اور اپنے دوستوں کو جو دوسرے مقامات پر تھے تار دے دیئے کہ وہ مجھ سے ملیں اور میری مدد کریں ۔ تاجر مجھ سے ملنے آئے اور انہوں نے مجھے تسکین دینے کے بعد ان دقتوں کا ذکر کیا ۔ جو انہیں پیش آ چکی تھیں اور کہا کہ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ۔ جو ہندوستانی اول درجے میں یا دوسرے درجے میں سفر کرتے ہیں انہیں ریلوے کے ملازموں اور فرنگی مسافروں کی بدسلوکی کے لئے تیار رہنا چاہئے ۔ سارا دن انہیں المناک داستانوں کے سننے میں گزر گیا ۔ شام کی گاڑی آئی میرے لئے ایک جگہ محفوظ کر لی گئی ۔ میر تیز برگ میں نے بستر کا ٹکٹ جس کے لینے سے ڈربن میں انکار کیا تھا خرید لیا ۔

اس گاڑی نے مجھے چارلس ٹاؤن تک پہنچایا ۔

Marfat.com

نواں باب

مزید تکلیفیں

چارلس ٹاؤن میں گاڑی صبح کو پہنچی۔اس زمانے میں چارلس ٹاؤن اور جوہانسبرگ کے درمیان ریل نہ تھی بلکہ شکرم چلتی تھی جو رستے میں اسٹینڈرٹن کے مقام پر رات بھر ٹھہرتی تھی۔ میرے پاس شکرم کا ٹکٹ تھا جس کی معیاد میرٹیزبرگ میں ایک دن ٹھہر جانے کے بعد بھی ختم نہیں ہوئی تھی۔اس کے علاوہ عبداللہ سیٹھ نے چارلس ٹاؤن کے ایجنٹ کو تار دے دیا تھا۔

مگر ایجنٹ مجھے ٹالنے کے لئے بہانا ڈھونڈھتا تھا۔اس لئے میں نے اسے وہی جواب دیا جو دینا چاہئے تھا۔ مگر جس خیال سے وہ ٹالنا چاہتا تھا وہ جگہ کی کمی نہ تھی بلکہ کچھ اور ہی بات تھی۔ مسافر شکرم کے اندر بٹھائے جاتے تھے۔ شکرم کا محافظ جو "لیڈر" کہلاتا تھا ایک گورا تھا اس نے دیکھا کہ میں "قلی" ہوں اور اجنبی معلوم ہوتا ہوں اس لئے اس نے مجھے فرنگی مسافروں کے ساتھ بٹھانا مناسب نہ سمجھا۔کوچ بکس کے دونوں طرف بھی بیٹھنے کی جگہیں تھیں۔لیڈر عموماً ان میں سے کسی جگہ پر بیٹھا کرتا تھا مگر آج وہ خود اندر بیٹھا اور مجھے اپنی جگہ پر بٹھایا۔میں جانتا تھا کہ یہ صریحی ناانصافی ہے اور اس میں میری توہین ہے مگر میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اسے چپ چاپ برداشت کرلوں۔زبردستی اندر گھس جانا میرے امکان میں نہ تھا اور اگر میں صدائے احتجاج بلند کرتا تو شکرم مجھے چھوڑ کر چلی جاتی، میرا ایک دن اور ضائع ہوتا اور دوسرے دن خدا جانے کیا واقعہ پیش آتا اس لئے اگرچہ میں اپنے دل میں پیچ تاب کھا رہا تھا مگر مصلحت اندیشی سے کام لے کر کوچوان کے پاس بیٹھ گیا۔

تین بجے کے قریب شکرم پارڈیکوپ پہنچی۔اب لیڈر کو یہ سوجھی کہ میری جگہ پر بیٹھے کیونکہ اسے تمباکو پینے اور شاید تازہ ہوا کی خواہش تھی۔اس لئے اس نے کوچبان سے لیک میلا سا ٹاٹ لے کر

Marfat.com

پیر رکھنے کے تختے پر بٹھا دیا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "سامی تم اس پر بیٹھو میں کوچبان کے پاس بیٹھوں گا۔" یہ اتنی بڑی ذلت تھی جسے میں کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ڈرتے ڈرتے میں نے اس سے کہا "تمہیں نے مجھے یہاں بٹھایا تھا حالانکہ میری جگہ اندر ہونا چاہئے تھی میں نے یہ ذلت برداشت کر لی اب تمہارا جی باہر بیٹھ کر تمباکو پینے کو چاہتا ہے اس لئے تم مجھے اپنے پیروں کے پاس بٹھاتے ہو یہ تو میں نہیں کروں گا۔ البتہ اندر بیٹھنے کو تیار ہوں" جتنی دیر میں میں نے اٹک اٹک کر یہ الفاظ کہے وہ شخص میری طرف بڑھا اور اس نے میرے کانوں پر تان تان کر گھونے لگانا شروع کئے۔ اس نے میرا بازو پکڑ لیا اور مجھے کھینچ کر نیچے اتارنا چاہا میں نے پیتل کا کٹہرا جو کوچ بکس پر لگا تھا مضبوط پکڑ لیا اور یہ ارادہ کر لیا کہ چاہے میری کہنی ٹوٹ جائے مگر اسے نہ چھوڑوں گا۔ مسافر یہ تماشا دیکھ رہے تھے کہ وہ شخص مجھے گالیاں دے رہا ہو مجھے کھینچ رہا ہے مار رہا ہے اور میں خاموش ہوں۔ وہ طاقتور تھا اور میں کمزور تھا بعض مسافروں کو رحم آگیا اور انہوں نے چلا کر کہا "بھلے آدمی اس بیچارے کو چھوڑ دے اسے کیوں مار رہا ہے۔ یہ سچ تو کہتا ہے اگر وہاں نہیں بیٹھنا چاہتا تو اسے ہمارے پاس بیٹھ جانے دے"۔ اس نے گرج کر جواب دیا ہرگز نہیں مگر وہ کچھ سپٹایا اور اس نے مجھے مارنے سے ہاتھ روک لیا۔ پھر اس نے میرا بازو چھوڑ دیا اور مجھے دو چار گالیاں دے کر ہائینٹاٹ نوکر کو جو کوچ بکس کے دوسرے سرے پر بیٹھا تھا نیچے بٹھایا اور خود اس کی جگہ لے لی۔

سب مسافر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے سیٹی بجی اور گاڑی روانہ ہو گئی میرا دل دھڑک رہا تھا اور میں دل میں کہتا تھا کہ دیکھئے منزل مقصود تک زندہ پہنچتا ہوں یا نہیں۔ وہ شخص مجھے کبھی کبھی قہر آلود نظر سے دیکھتا تھا اور انگلی سے میری طرف اشارہ کر کے کہتا تھا "خبردار مجھے اسٹینڈرین پہنچنے دو پھر میں تمہیں دکھا دوں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں"

جب ہم اسٹینڈرٹن پہنچے تو اندھیرا ہو چکا تھا یہاں مجھے کچھ ہندوستانی صورتیں نظر آئیں اور میں نے اطمینان کی سانس لی۔ میرے اترتے ہی یہ دوست میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا "ہم یہاں اس لئے آئے ہیں کہ آپ کا استقبال کریں اور آپ کو عیسیٰ سیٹھ کے یہاں لے جائیں۔ ہمارے دادا عبداللہ کا تار آیا تھا" میں بہت خوش ہوا اور ہم سب سیٹھ عیسیٰ حاجی عمر کے یہاں پہنچے سیٹھ اور ان کے محرر میرے ارد گرد جمع ہو گئے میں نے انہیں اپنی ساری بپتا سنائی۔ انہیں یہ سن کر بہت افسوس ہوا اور انہوں نے اپنے تلخ تجربات مجھ سے بیان کیے۔

میں چاہتا تھا شکرم کمپنی کے ایجنٹ کو سارے واقعے کی اطلاع دوں۔ اس لئے میں نے ان کے

Marfat.com

نام خط لکھااور جو کچھ گزرا تفصیل سے بیان کر کے اسے محافظ کی دھمکی کی طرف توجہ دلائی میں نے اس سے بات کا بھی اطمینان چاہا کہ جب شکرم دوسرے دن صبح کو روانہ ہوگی تو مجھے اندر دوسرے مسافروں کے ساتھ جگہ دی جائیگی ا ایجنٹ کا یہ جواب آیا ا اسٹینڈرٹن سے بہت بڑی شکرم چلتی ہے جس کے محافظ دوسرے ہیں اور آپ کو اور مسافروں کے ساتھ ہی جگہ ملے گی۔" اس سے مجھے کسی قدر اطمینان ہوا۔ ظاہر ہے کہ میرا ارادہ اس شخص پر جس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا دعویٰ کرنے کا نہ تھا اس لیے یہ واقعہ یہیں ختم ہو گیا۔

صبح کو سیٹھ کے آدمی مجھے شکرم تک پہنچانے گئے مجھے اچھی جگہ مل گئی اور میں اسی روز رات کو خیریت سے جوہانسبرگ پہنچ گیا۔

اسٹینڈرٹن ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور جوہانسبرگ بڑا شہر ہے۔ عبداللہ سیٹھ نے جوہانسبرگ بھی تار دیدیا تھا اور مجھے محمد قاسم قمرالدین کی دوکان کا پتہ بتادیا تھا ان کا آدمی مجھے لینے شکرم کے اڈے پر آیا تھا نہ میں نے اسے دیکھا اور نہ اس نے مجھے پہچانا۔ اس لئے میں نے کسی ہوٹل میں جانے کا قصد کیا۔ مجھے کئی ہوٹلوں کے نام معلوم تھے میں نے ایک کرایہ کی گاڑی لی اور کہا کہ گرانڈ نیشنل ہوٹل لے چلو میں نے منیجر سے مل کر کمرہ مانگا۔ اس نے مجھے ایک نظر دیکھا اور تہذیب کے ساتھ یہ الفاظ کہہ کر ا افسوس ہے ہمارے یہاں بالکل جگہ نہیں" رخصت کر دیا اس لئے میں نے گاڑی والے سے محمد قاسم قمر الدین کی دوکان پر چلنے کو کہا وہ عبدالغنی سیٹھ میرا انتظار کر رہا تھا۔ اور انہوں نے بڑی گرمجوشی سے میرا خیر مقدم کیا ہوٹل کا واقعہ سن کر وہ خوب ہنسے اور کہنے لگے ا بھلا آپ کو ہوٹل میں جگہ کیسے مل سکتی تھی"۔

میں نے پوچھا ا آخر کیوں نہیں؟

انہوں نے کہا ا جب چند روز یہاں رہیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ یہاں تو ہم ہی لوگ رہ سکتے ہیں جو روپیہ کمانے کے لالچ میں ذلتیں سہتے ہیں پھر ہماری جو حالت ہے وہ آپ دیکھتے ہی ہیں" اس کے بعد انہوں نے مجھ سے ان سختیوں کے واقعات بیان کئے جو ہندوستانیوں پر جنوبی افریقہ میں ہوئی تھیں۔ ان سیٹھ صاحب کا آگے چل کر مفصل ذکر آئے گا۔

انہوں نے کہا ا یہ ملک آپ جیسے لوگوں کے لئے نہیں ہے دیکھیئے اب آپ کو پریٹوریا جانا ہے۔ آپ کو تیسرے درجے میں سفر کرنا پڑے گا ٹرانسوال کی حالت سٹال سے بھی بدتر ہے پہلے اور دوسرے درجے کے ٹکٹ ہندوستانیوں کو کبھی نہیں دئے جاتے"۔

Marfat.com

"معلوم ہوتا ہے آپ لوگوں نے اس لیے جم کر کوشش نہیں کی"

"ہم نے عرضداشتیں بھیجیں لیکن سچ پوچھیے تو ہم لوگ خود عام طور پر پہلے اور دوسرے درجے میں سفر نہیں چاہتے"۔

میں نے ریلوے کے ضوابط منگائے اور انہیں پڑھا ایک جگہ کچھ گنجائش نظر آئی۔ ٹرانسوال کے پرانے قوانین کی زبان ابہام اور گنجلک سے خالی نہ تھی، اور ریلوے کے ضوابط کی زبان تو اور بھی ناقص تھی۔

میں نے سیٹھ صاحب سے کہا! میں تو اول درجے میں جانا چاہتا ہوں اور اگر یہ ممکن نہیں تو میں کرایہ کی گاڑی میں جانا زیادہ پسند کروں گا۔ یہاں سے پریٹوریا کل سینتیس ہی میل تو ہے"۔

سیٹھ عبدالغنی نے مجھے سمجھایا کہ اس میں بہت دیر لگے گی اور بڑا خرچ ہوگا البتہ وہ اس پر راضی ہو گئے کہ میں اول درجے میں سفر کروں۔ چنانچہ میں نے اسٹیشن ماسٹر کے نام ایک رقعہ بھیجا میں نے لکھا کہ میں بیرسٹر ہوں اور ہمیشہ اول درجے میں سفر کرتا ہوں مجھے جلد سے جلد پریٹوریا پہنچنا ہے اس لئے اتنا وقت نہیں کہ جواب کا انتظار کیا جائے میں خود اسٹیشن آکر جواب لوں گا اور امید ہے کہ مجھے اول درجے کا ٹکٹ مل جائے گا۔ ظاہر ہے کہ خود جا کر جواب لینے میں خاص مقصد مد نظر تھا۔ میرا خیال تھا کہ اگر اسٹیشن ماسٹر نے تحریری جواب بھیجا تو وہ یقیناً انکار کرے گا خصوصاً اس کے ذہن میں "قلی بیرسٹر" کا تصور کچھ اور ہی ہوگا اس لئے میں نے سوچا کہ میں مکمل انگریزی وضع میں جا کر اس سے باتیں کروں "تو ممکن ہے وہ ٹکٹ دے دے۔ اس لئے میں نے فراک کوٹ پہن کر اور نکٹائی لگا کر اسٹیشن گیا اور ٹکٹ گھر کے تختے پر کرایہ کی ایک گنی رکھ کر میں نے اول درجے کا ٹکٹ مانگا۔

اس نے پوچھا! تمہیں نے مجھے رقعہ بھیجا تھا"۔

! جی ہاں آپ ٹکٹ دیدیں تو بڑی مہربانی ہو۔ مجھے آج پریٹوریا پہنچنا ضروری ہے وہ مسکرایا اور ہمدردی سے کہنے لگا! میں ٹرانسوال کا رہنے والا ہیں بلکہ ہالنستانی (1) ہوں میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں او آپ سے ہمدری رکھتا ہوں۔ میں آپ کو ٹکٹ ضرور دوں گا۔ مگر ایک شرط پر کہ اگر گارڈ آپ کو اتار کر تیسرے درجے میں بٹھادے تو آپ مجھے اس جھگڑے میں نہ کھینچیں یعنی ریلوے کمپنی پر دعویٰ نہ کریں۔ اچھا خدا حافظ۔ آپ کی صورت سے ظاہر ہے کہ آپ شریف آدمی ہیں"۔

یہ کہہ کر اس نے ٹکٹ دے دیا میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جو بات وہ چاہتا تھا اس کی طرف سے اطمینان دلایا"۔

Marfat.com

سیٹھ عبدالغنی مجھے پہنچانے اسٹیشن آئے تھے۔ انہیں یہ دیکھ کر کہ مجھے اول درجے کا ٹکٹ مل گیا بہت تعجب ہوا مگر انہوں نے مجھے متنبہ کرنے کے لئے کہا "خدا ہی جانتا ہے جو تم خیریت سے پریٹوریا پہنچ جاؤ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ گارڈ تمہیں چین سے نہ بیٹھنے دے گا اور اگر اس نے نہ بھی چھیڑا تو مسافر دق کریں گے"

میں اول درجے کے ڈبے میں بیٹھا اور گاڑی روانہ ہوئی۔ جرمسٹن میں گارڈ ٹکٹ دیکھنے آیا۔ وہ مجھے وہاں دیکھ کر جھنجلایا اور انگلی سے اشارہ کرنے لگا کہ تیسرے درجے میں جاکر بیٹھو۔ میں نے اسے اپنا اول درجہ کا ٹکٹ دکھایا۔ اس نے کہا "اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ جاؤ تیسرے درجے میں بیٹھو"۔

ڈبے میں صرف ایک انگریز مسافر تھا۔ اس نے گارڈ کی خبر لی "تم کیوں ایک شریف آدمی کو دق کر رہے ہو دیکھتے نہیں کہ ان کے پاس اول درجے کا ٹکٹ ہے مجھے ان کے ساتھ سفر کرنے میں مطلق اعتراض نہیں" مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"آپ اطمینان سے یہیں بیٹھئے"۔

گارڈ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا "اگر تم قلی کے ساتھ سفر کرنا چاہتے ہو تو کرو میرا کیا حرج ہے"

شام کو آٹھ بجے گاڑی پریٹوریا پہنچی۔

حوالہ

1 - ہالینڈ کا رہنے والا۔ ڈچ۔

Marfat.com

Marfat.com

دسواں باب

پریٹوریا میں پہلا دن

مجھے امید تھی کہ پریٹوریا کے اسٹیشن پر دادا عبداللہ کے وکیل کی طرف سے کوئی شخص لینے آئے گا۔ میں جانتا تھا کہ کوئی ہندوستانی میرے استقبال کے لئے موجود نہ ہوگا کیونکہ میں نے پکا وعدہ کرلیا تھا کہ کسی ہندوستانی کے یہاں نہیں ٹھہروں گا لیکن وکیل نے کسی کو نہیں بھیجا۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اتوار کے سبب سے کسی شخص کے آنے میں بڑی زحمت ہوتی۔ میں بہت پریشان تھا اور میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جاؤں کیونکہ یہ اندیشہ تھا کہ کوئی ہوٹل مجھے نہیں لے گا۔

1893ء میں پریٹوریا کے اسٹیشن کی وہ حالت نہیں تھی جو 1914ء میں تھی ایک آدھ لیمپ ٹمٹما رہا تھا اور اکا دکا مسافر نظر آتے تھے۔ میں نے سوچا کہ اور سب مسافر چلے جائیں اور ٹکٹ کلکٹر خالی ہو تو میں اپنا ٹکٹ دوں اور اس سے پوچھوں کہ اسے کوئی چھوٹا سا ہوٹل یا کوئی اور جگہ معلوم ہے جہاں میں رات کو ٹھہر سکوں۔ اگر وہ بتادے تو اچھا ہے ورنہ پھر اسٹیشن ہی پر رات گزاروں۔ مگر سچ پوچھئے تو مجھے اس سے اتنی ہی بات دریافت کرنے میں بھی جھجک تھی کیونکہ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں ذلیل نہ ہونا پڑے۔

اسٹیشن مسافروں سے خالی ہوگیا۔ میں نے ٹکٹ کلکٹر کو ٹکٹ دیا اور اس سے جو سوالات کرنا تھے کئے۔ اس نے تہذیب سے جواب دیا مگر معلوم ہوا کہ اس سے کچھ زیادہ مدد نہیں مل سکتی۔ البتہ ایک امریکی حبشی جو پاس کھڑا تھا مجھ سے کہنے لگا۔

"میں دیکھتا ہوں کہ آپ یہاں بالکل اجنبی ہیں آپ کے کوئی ملاقاتی نہیں آپ میرے ساتھ آئیے تو آپ کو ایک چھوٹے سے ہوٹل میں لے چلوں اس کا مالک امریکی ہے اور میں اسے اچھی طرح جانتا

Marfat.com

ہوں۔ میرے خیال میں وہ آپ کو ٹھہرالے گا"۔

مجھے اس میں شبہہ تھا لیکن میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی رائے مان لی۔ وہ مجھے جانسٹن کے فیملی ہوٹل میں لے گیا۔ اس نے مسٹر جانسٹن کو الگ لے جا کر باتیں کیں وہ مجھے اس شرط پر رات بھر ٹھہرانے کے لئے تیار ہو گیا کہ میں کھانا اپنے کمرے میں کھاؤں۔

انہوں نے کہا ! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا دل رنگ کے تعصب سے خالی ہے لکین میرے گاہک سب فرنگی ہیں اور اگر میں آپ کو کھانے کے کمرے میں بیٹھنے دوں تو ممکن ہے کہ وہ خفا ہو جائیں بلکہ اٹھ کر چلے جائیں"۔

میں نے کہا ! میں تو آپ کی اسی عنایت کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے رات بھر ٹھہرالیا۔ اب مجھے یہاں کے حالات سے کم و بیش واقفیت ہو گئی ہے اور میں آپ کی شکلوں کو سمجھتا ہوں آپ مجھے کمرے ہی پر کھانا بھیج دیجئے کیا مضائقہ ہے۔ امید ہے کہ کل میں کوئی اور انتظام کرلوں گا۔

میں اپنے کمرے میں پہنچا دیا گیا اور وہاں بیٹھ کر کھانے کا انتظار کرنے لگا میں بالکل تنہا تھا اور اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہوٹل میں زیادہ مہمان نہیں تھے اور مجھے امید تھی کہ بیرا تھوڑی دیر میں کھانا لے آئے گا۔ مگر دیکھتا ہوں کہ اس کے بجائے خود مسٹر جانسٹن چلے آرہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے شرم آئی کہ میں نے آپ سے یہاں کھانا کھانے کو کہا۔ اس لئے میں نے جا کر اور مہمانوں سے پوچھا کہ اگر ہندوستانی مہمان کھانے کے کمرے بیٹھ کر کھائیں تو آپ کو اعتراض تو نہ ہو گا۔ انہوں نے کہا ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ ہماری طرف سے وہ شوق سے جب تک جی چاہے اس ہوٹل میں رہیں۔ اس لئے اگر آپ مناسب سمجھئے تو کھانے کے کمرے میں تشریف لے چلئے اور جب تک مرضی ہو یہاں قیام کیجئے۔

میں نے پھر ان کا شکریہ ادا کیا اور کھانے کے کمرے میں جا کر خوب اطمینان سے کھانا کھایا۔ دوسرے دن صبح کو میں عبداللہ سیٹھ کے وکیل مسٹر بیکر سے ملا۔ سیٹھ صاحب کو گفتگو سے مجھے ان کی طبیعت کا تھوڑا بہت اندازہ ہو گیا تھا۔ اس لئے ان کی گرمجوشی سے ملنے پر مجھے تعجب نہیں ہوا۔ انہوں نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا اور دوستانہ مزاج پرسی کی۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ میں کس غرض سے آیا ہوں۔ انہوں نے کہا" بیرسٹر کی حیثیت سے آپ کے لیے کوئی کام نہیں کیونکہ ہم نے بہترین بیرسٹر کو کرلیا ہے۔ مگر مقدمہ عرصے سے چل رہا ہے اور اس میں بڑی پیچیدگیاں ہیں اس لئے بہت سے واقعات معلوم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اس میں میں آپ سے مدد لوں گا۔ اور پھر ظاہر ہے کہ آپ کے سبب سے مجھے اپنے موکل سے خط و کتابت کرنے میں آسانی ہوگی کیونکہ مجھے ان سے جو کچھ پوچھنا ہو گا آپ ہی کے

Marfat.com

توسط سے پوچھوں گا آپ کے آنے سے یہ بڑا فائدہ ہوا۔ میں نے ابھی تک آپ کے لئے کمرے نہیں لئے میں نے مناسب یہ سمجھا کہ پہلے آپ سے ملاقات ہو جائے۔ اس کے بعد اس کا انتظام کر لوں گا۔ یہاں رنگ کے تعصب کی بڑی شدت ہے۔ اس سبب سے آپ جیسے آدمی کے لئے مکان ملنا بہت مشکل ہے۔ مگر میری نظر میں ایک غریب عورت کا مکان ہے اس کا شوہر ڈبل روٹی بیچتا ہے مجھے امید ہے کہ وہ آپ کو اپنے یہاں ٹھہرا لیگی۔ اس سے اس کی آمدنی میں تھوڑا بہت اضافہ ہو جائے گا۔ آئیے اس کے یہاں چلیں"۔

وہ مجھے لے کر اس عورت کے یہاں گئے۔ انہوں نے اس سے علیحدہ گفتگو کی اور وہ مجھے پنتیس شلنگ ہفتہ وار پر اپنے یہاں رکھنے پر راضی ہو گئی۔

مسٹر بیکر اپنے پیشے کے کام کے علاوہ بڑے جوش اور انہماک سے وعظ بھی کہا کرتے تھے۔ وہ ابھی زندہ ہیں اور اب وکالت چھوڑ کر محض تبلیغ کا کام کرتے ہیں۔

ان کی مالی حالت اچھی ہے میرے ان کے درمیان اب تک خط و کتابت جاری ہے ان کے خطوط کا ہمیشہ ایک ہی موضوع ہوتا ہے۔ وہ مختلف پہلوؤں سے مذہب عیسوی کی فضیلت ثابت کرتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ جب تک انسان مسیح کو خدا کا اکلوتا بیٹا اور نوع انسانی کا نجات دہندہ نہ مانے اسے ابدی تسکین نصیب ہونا ناممکن ہے

پہلی ہی ملاقات میں مسٹر بیکر نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا مذہبی عقیدہ کیا ہے میں نے کہا میں ہندو دھرم میں پیدا ہوا لیکن مجھے اس مذہب سے بہت کم واقفیت ہے اور دوسرے مذہبوں میں اتنی بھی نہیں سچ پوچھے تو مجھے خود اپنے حال کی خبر نہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرا عقیدہ کیا ہے اور کیا ہونا چاہیئے۔ میرا ارادہ ہے کہ اپنے مذہب کا گہرا مطالعہ کروں اور جہاں تک ہو سکے دوسرے مذہبوں کا بھی۔

مسٹر بیکر یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے ا میں جنوبی افریقہ کے جنرل مشن کے ڈائرکٹروں میں سے ہوں۔ میں نے اپنے خرچ سے ایک گرجا بنوایا ہے اور اس میں پابندی سے وعظ کہا کرتا ہوں۔ میرا دل رنگ کے تعصب سے پاک ہے میرے چند رفیق ہیں او ہم سب روز ا یک بجے چند منٹ کے لئے جمع ہوتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں کہ ہمیں تسکین اور ہدایت نصیب ہو۔ اگر آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہوا کریں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ میں آپ کو اپنے رفیقوں سے ملواؤں گا۔ وہ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور امید ہے کہ آپ کو بھی ان کی صحبت پسند آئے گی۔ اس کے علاوہ میں آپ کو چند مذہبی کتابیں پڑھنے کے لئے دوں گا اور سب کتابوں کی سرتاج تو مقدس بائبل ہے جس

Marfat.com

کی تلاوت کی میں آپ کو خاص طور پر تاکید کرتا ہوں

میں نے مسٹر بیکر کا شکریہ ادا کیا اور وعدہ کیا کہ ایک بجے کی عبادت میں جہاں تک ہو سکے گا پابندی سے شریک ہوا کروں گا۔

مسٹر بیکر نے کہا ا تو میں کل ایک بجے اسی جگہ آپ کا انتظار کروں گا اور ہم دونوں مل کر عبادت میں جائیں گے " اور ہم ایک دوسرے سے رخصت ہو گئے۔

ابھی میرے پاس ان باتوں پر غور کرنے کا وقت نہ تھا۔

میں مسٹر جانسٹن کے یہاں پہنچا ان کا بل ادا کیا اور اپنے نئے مکان میں جا کر دوپہر کا کھانا کھایا۔ مالکہ مکان بڑی نیک عورت تھی۔ اس نے میرے لئے نباتاتی کھانا پکایا تھا۔ مجھے اس خاندان کے لوگوں سے بے تکلف ہونے میں دیر نہیں لگی۔

اس کے بعد میں ان دوست سے ملنے گیا جن کے نام دادا عبداللہ نے رقعہ دیا تھا ان سے معلوم ہوا کہ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کو کیا کیا سختیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ ان کا اصرار تھا کہ میرے ساتھ ٹھہرو۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں پہلے ہی انتظام کر چکا ہوں۔ انہوں نے بہت اصرار سے کہا کہ جس چیز کی ضرورت ہو بے تکلف مجھ سے مانگ لینا۔

اب شام ہو گئی تھی۔ میں نے گھر آکر کھانا کھایا اور خیالات میں ڈوبا ہوا اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ ابھی کچھ میرے لئے کوئی کام نہ تھا میں نے عبداللہ سیٹھ کو اس کی اطلاع دے دی میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ مسٹر بیکر کو مجھ سے اتنی دلچسپی کیوں ہے۔ مجھے ان کے دیندار رفیقوں سے مل کر کیا فائدہ ہوگا؟ میرے لئے عیسائی مذہب کا مطالعہ کرنا کہاں تک اچھا ہے؟ ہندو دھرم کے متعلق کتابیں کہاں سے ملیں؟ اور جب تک میں خود اپنے مذہب سے اچھی طرح واقف نہ ہو جاؤں عیسائیت کا صحیح اندازہ کیسے کر سکتا ہوں؟ میں اسی نتیجہ پر پہنچا کہ مجھے ہر چیز پر جو میرے سامنے آئے ٹھنڈے دل سے غور رنا چاہئے اور مسٹر بیکر کے حلقے کے لوگ جو سوالات کریں ان کا جواب دینے کے لئے خدا کی ہدایت کا منتظر رہنا چاہئے جب تک میں اپنے مذہب کو اچھی طرح سمجھ لوں کسی دوسرے مذہب کے اختیار کرنے کا خیال دل میں لانا مناسب نہیں ہے۔

یہ سوچتے سوچتے میں سو گیا۔

Marfat.com

گیارہواں باب

عیسائیوں کی صحبت

دوسرے دن ایک بجے مسٹر بیکر کی عبادت کی صحبت میں گیا۔ وہاں مجھ سے مس ہیرس، مس گیپ اور مسٹر کولس وغیرہ سے ملاقات ہوئی۔ ہر شخص دعا مانگنے کے لئے دو زانو ہو گیا۔ میں نے بھی اوروں کی دیکھا دیکھی یہی کیا۔ دعا میں ہر شخص اپنی اپنی خواہش کے مطابق خدا سے مختلف چیزوں کی التجا کرتا تھا۔ مثلاً عام طور پر لوگ اس طرح کی دعائیں مانگتے تھے کہ دن امن و عافیت سے گزر جائے یا خدا ہمارے دل کے دروازے کھول دے۔

اب ایک نئی دعا میری فلاح کے لئے مانگی جانے لگی ا اے مالک ہمارے نئے بھائی کو جو ہمارے درمیان آیا ہے اپنی راہ دکھا دے۔ اسے بھی اے مالک وہ تسکین عطا کر جو تو نے ہمیں بخشی ہے۔ یسوع مسیح جس نے ہمیں نجات دی ہے اسے بھی نجات دے۔ اے خدا تجھے واسطہ یسوع کا۔" ان صحبتوں میں مناجاتیں نہیں گائی جاتی تھیں بلکہ کسی قسم کا گانا بجانا نہیں ہوتا تھا۔ روز کسی خاص چیز کی دعا مانگنے کے بعد ہم سب منتشر ہو جاتے تھے اور اپنے اپنے گھر جا کر دوپہر کا کھانا کھاتے تھے۔ دعا میں پانچ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوتے تھے۔

مس ہیرس اور مس گیپ دونوں کنواری خاتونیں تھیں۔ مسٹر کولس کوئیکر (1) تھے۔ یہ دونوں خاتونیں ساتھ رہتی تھیں اور انہوں نے مجھے مستقل دعوت دی کہ ہر اتوار کو ان کے یہاں چائے پیا کروں۔

جب ہم سب لوگ اتوار کے دن جمع ہوتے تھے تو میں مسٹر کولس کو اپنا ہفتہ بھر کا مذہبی روزنامچہ دے دیتا تھا اور میں نے اس عرصہ میں جو مذہبی کتابیں پڑھی تھیں اور ان کے جو اثرات مجھ پر ہوئے تھے ان کے متعلق گفتگو کیا کرتا تھا۔ دونوں خاتونیں اپنے پاک تجربے بیان کیا کرتی تھیں اور جو تسکین قلب

Marfat.com

انہیں حاصل ہوئی تھی اس کا ذکر کرتی تھیں۔

مسٹر کوٹس ایک صاف دل راسخ العقیدہ نوجوان تھے۔ ہم دونوں ساتھ ٹہلنے جایا کرتے تھے اور وہ مجھے دوسرے عیسائی دوستوں کے یہاں بھی لے جاتے تھے۔

جب مجھ میں اور ان میں زیادہ گہری دوستی ہو گئی تو وہ مجھے اپنی پسند کی کتابیں پڑھنے کے لئے دینے لگے یہاں تک کہ میری الماری ان کتابوں سے بھر گئی میں بڑے ذوق شوق سے ان کا مطالعہ کرتا تھا اور جو کچھ میں پڑھتا تھا اس پر ہم دونوں میں بحث ہوا کرتی تھی۔

1893ء میں میں نے اس قسم کی بہت سی کتابیں پڑھیں۔ مجھے ان سب کے نام یاد نہیں مگر ان میں سٹی ٹیمپل کے ڈاکٹر پارکر کی "تفسیر" پیرسن کی بہت سے قطعی ثبوت (2) اور ہنٹلر کی "قیاسات (3)" بھی تھیں۔ ان کے بعض حصے میری سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ بعض باتیں مجھے پسند آئیں اور بعض ناپسند ہوئیں "بہت سے قطعی ثبوت" میں انجیل کے مذہب کی حیثیت سے کہ مصنف نے اسے سمجھا ہے حمایت کی گئی ہے۔ اس کتاب نے مجھ پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ پارکر کی "تفسیر" اخلاقی احساس کو ابھارنے والی کتاب ہے لیکن ایک ایسے شخص کو جو عیسائی مذہب کے رسمی عقائد کا قائل نہیں اس سے کوئی مدد نہیں مل سکتی، ہنٹلر کی "قیاسات" میں مجھے بہت دقتیں اور مشکل کتاب معلوم ہوئی جس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے چار پانچ بار پڑھنا ضروری ہے۔ میرے خیال میں یہ دہریوں کو خدا پرست بنانے کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس میں خدا کے وجود کی دلیلیں جو دی گئی ہیں وہ میرے لئے غیر ضروری تھیں کیونکہ میں الحاد کی منزل سے گزر چکا تھا۔ لیکن جن دلیلوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ خدا نے صرف عیسیٰ ہی کے جسم میں حلول کیا تھا اور وہ خدا کے دربار میں بندوں کے شفیع ہیں۔ ان کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

لیکن مسٹر کوٹس آسانی سے ہار ماننے والے آدمی نہ تھے۔ انہیں مجھ سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے میرے گلے میں تلسی کے دانوں کا کنٹھا دیکھا جو ویشنو مذہب کی علامت ہے وہ اسے ضعیف الاعتقادی سمجھے۔ جس سے انہیں بہت دکھ ہوا "یہ ضعیف الاعتقادی تمہیں زیب نہیں دیتی ادھر آؤ میں اسے توڑ ڈالوں"۔

"یہ نہیں ہو سکتا یہ میری ماں کا دیا ہوا تبرک ہے"۔

"مگر کیا تم اس پر عقیدہ رکھتے ہو؟"

میں اس کے بھید کو نہیں جانتا۔ میرا خیال نہیں ہے کہ اس کو نہ پہنتے سے مجھے کوئی نقصان پہنچے گا۔

Marfat.com

لیکن جو کنٹھا میری ماں نے مجھے بڑی محبت سے یہ سمجھ کر دیا ہے کہ میرے لئے باعث برکت ہو گا اسے میں بلا وجہ نہیں اتار سکتا۔ جب یہ دن گزرنے سے گھستے گھستے خود بخود ٹوٹ جائے گا تو میں دوسرا نہیں پہنوں گا مگر اسے تو ہر گز نہیں توڑوں گا۔

مسٹر کولس میری دلیل کو نہیں سمجھے کیونکہ ان کی نظر میں میرے مذہب کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ انہیں آرزو تھی کہ خدا وہ دن دکھائے کہ جب وہ مجھے جہالت کے گڑھے سے نکالیں۔ وہ مجھے یقین دلانا چاہتے تھے کہ چاہے دوسرے مذہبوں میں بھی حق کی جھلک ہو لیکن کامل حق صرف مذہب عیسوی میں ہے۔ اسے قبول کیے بغیر میری نجات ناممکن ہے جب تک مسیح کی شفاعت نہ ہو میرے گناہ نہیں بخشے جائیں گے اور میرے نیک اعمال کسی کام نہ آئیں گے۔

جس طرح انہوں نے مجھے متعدد نئی کتابوں کی طرف توجہ دلائی اسی طرح متعدد دوستوں سے بھی جو ان کے نزدیک پکے عیسائی تھے۔ ملوایا۔ ان میں سے ایک خاندان اس عیسائی فرقے سے تعلق رکھتا تھا جسے پلیمتھ[4] برادری کہتے ہیں۔

جن عیسائیوں سے میں مسٹر کولس کی معرفت ملا ان میں سے بہت سے نیک لوگ تھے اکثر کو میں نے پرہیز گار پایا لیکن اس خاندان کے ایک پلیمتھ برادر نے ایک بار ایسی دلیل پیش کی جسے سن کر میں حیران رہ گیا۔

"آپ ہمارے مذہب کی خوبی کو نہیں سمجھ سکتے۔ آپ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عمر بھر اپنی لغزشوں کی فکر میں الجھے رہتے ہیں، ہر وقت ان کی اصلاح اور تلافی کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ بھلا عمل کے ابدی ادور" میں پڑ کر آپ کی نجات کیونکر ہو سکتی ہے" اس طرح تو آپ کو کبھی سکون قلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ آپ کو اعتراف ہے کہ ہم سب گنہگار ہیں۔ اب دیکھئے ہمارا عقیدہ کتنا مکمل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ برائیوں کی اصلاح اور تلافی کی سعی لاحاصل ہے اور گناہوں کا کفارہ ضروری ہے۔ ہم میں یہ طاقت کہاں کہ اپنے گناہوں کی بوجھ اٹھائیں" بس ایک ہی صورت ممکن ہے کہ ہم یہ بوجھ مسیح کے سر ڈال دیں وہ خدا کا معصوم اکلاتا بیٹا ہے اس نے کہا ہے کہ جو مجھ پر عقیدہ رکھتا ہے اسے ابدی زندگی نصیب ہوگی۔ یہ خدا کا رحم و کرم ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ مسیح نے ہماری طرف سے کفارہ دے دیا اس لئے ہمارے گناہ ہماری نجات کو نہیں روک سکتے۔ گناہ تو ہماری سرشت میں ہے۔ کون ہے جو اس دنیا میں گناہ سے پاک رہ سکے" اسی لئے مسیح نے ایذائیں اٹھائیں اور سارے انسانوں کے گناہوں کی تلافی کر دی۔ صرف اسی شخص کو جو اس کفارہ عظیم پر ایمان لائے ابدی سکون نصیب

Marfat.com

ہو سکتا ہے ذرا سوچئے تو کہ آپ کی زندگی کیسی بے چینی کی ہے اور ہمیں کیسی امن و عافیت و بشارت دی گئی۔"

اس دلیل سے مجھے مطلق تشفی نہیں ہوئی اور میں نے عاجزی سے کہا۔

"اگر یہی عیسائیت ہے جسے سب عیسائی مانتے ہیں تو میں اسے قبول کرنے سے معذور ہوں۔ میں گناہ کے عذاب سے نجات نہیں چاہتا۔ مجھے تو خود گناہ سے بلکہ اس کے خیال سے نجات کی جستجو ہے۔ جب تک میں یہ مقصد نہ حاصل کرلوں اس وقت تک بیچین رہنا مجھے قبول ہے"۔

پلیمتھ برادر نے جواب دیا ا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی کوشش کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ میں نے جو کہا ہے اس پر غور کیجئے"۔

اور اس بذرگ نے جو کہا تھا وہ کر کے بھی دکھایا۔ وہ خاص کر کے برے کام کرتے تھے اور مجھ سے کہتے تھے کہ میرے سکون قلب میں خلل نہیں پڑا۔

مگر مجھے ان دوستوں سے ملنے سے پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ سب عیسائی کفارے کے نظرئے کے قائل نہیں ہیں۔ خود مسٹر کوٹس کی زندگی متقیانہ تھی۔ ان کا دل پاک تھا اور وہ تزکیہ نفس کے امکان کو مانتے تھے۔ دونوں خاتونیں بھی یہی عقیدہ رکھتی ہیں۔ عیسائی مذہب کی جو کتابیں میرے ہاتھ آئیں ان میں سے بعض محبت اور معرفت الٰہی سے مالا مال تھیں۔ اس لئے اگرچہ کوٹس کو میرے اس نئے تجربے سے بہت تشویش ہوئی ہوگی مگر میں نے انہیں یقین دلایا کہ کسی پلیمتھ برادر کے بگڑے ہوئے عقیدے کی وجہ سے میں عیسائیت سے بدظن نہیں ہو سکتا۔

میری مشکلیں اور تھیں ا یہ بائبل سے اور اس کی مروجہ تفسیر سے متعلق تھیں

حوالہ جات

1 - عیسائیوں کا ایک فرقہ جو زیادہ تر امریکہ میں پایا جاتا ہے۔

2 - Many Infallible

3 - Analogry

4 - پرتھ انگلستان کے جنوب مغرب میں ایک بندرگاہ ہے یہ فرقہ اسی مقام سے منسوب ہے۔

Marfat.com

بارہواں باب

ہندوستانیوں سے ملاقات کی کوشش

قبل اس کے کہ میں عیسائیوں کی صحبت کے مزید حالات بیان کروں مجھے اس زمانے کے اور تجربے بھی بیان کر دینا چاہیئے۔

سیٹھ طیب حاجی خان محمد کی پریٹوریا میں وہی حیثیت تھی جو نٹال میں دادا عبداللہ کی تھی۔ کوئی عام تحریک بغیر ان کے نہیں چل سکتی تھی۔ میں نے پہلے ہی ہفتے ان سے واقفیت پیدا کر لی اور ان سے اپنے اس ارادہ کا ذکر کیا کہ پریٹوریا میں جتنے ہندوستانی ہیں ان سب سے ملوں گا۔ میں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہاں کے ہندوستانی باشندوں کے حالات تحقیق کروں اور ان سے اس بارے میں مدد چاہی۔ انہوں نے بڑی خوشی سے مدد کرنے کا وعدہ کیا۔

میں نے سوچا کہ پہلا قدم یوں اٹھاؤں کہ پریٹوریا کے سارے ہندوستانیوں کا جلسہ کر کے ایک تقریر کروں جس سے انہیں یہ اندازہ ہو کہ ٹرانسوال میں ان کا کیا حال ہے۔ یہ جلسہ سیٹھ حاجی محمد جوسب (1) کے یہاں ہوا۔ جن کے نام میں تعارف کا خط لایا تھا۔ اس میں زیادہ تر میمن تاجر تھے مگر اکادکا ہندو بھی نظر آتے تھے۔ اصل میں پریٹوریا میں ہندوؤں کی آبادی بہت کم تھی۔

میں نے اس جلسے میں جو تقریر کی وہ ہماری عمر میں میری پہلی تقریر کہی جا سکتی ہے۔ اس کا عنوان تھا "کاروبار میں سچائی سے کام لینا" میں اچھی طرح تیار ہو کر گیا تھا میں نے ہمیشہ تاجروں کو یہ کہتے سنا تھا کہ کاروبار میں سچائی سے کام نہیں چلتا۔ میں اس بات کو نہ اس زمانے میں مانتا تھا نہ اب مانتا ہوں۔ اب بھی بعض تاجر دوستوں کا خیال ہے کہ سچائی اور کاروبار یہ دونوں چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کاروبار عملی چیز ہے اور سچائی مذہب سے تعلق رکھتی ہے اور عملی امور کو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کے نزدیک خالص حق کا کاروبار میں نام بھی نہ لینا چاہیئے البتہ ایک

Marfat.com

مناسب حد تک سچائی شاید برتی جا سکے ۔ میں نے اپنی تقریر میں اس خیال کی سختی سے مخالفت کی اور تاجروں کے دل میں ان کے دہرے فرض کے احساس کو ابھارا ۔ میں نے کہا:۔ غیر ملک میں رہ کر ہم پر سچائی کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہاں کے لوگ ہم چند ہندوستانیوں کے طرز عمل کو دیکھ کر ہمارے کروڑوں ہم وطنوں کی سیرت کا اندازہ کریں گے ۔

میں نے دیکھا کہ ہماری قوم کے لوگ انگریزوں کے مقابلے میں جن کے درمیان وہ رہتے ہیں میلے اور حفظان صحت کے اصولوں سے بے پروا ہیں ۔ میں نے انہیں اس بات کی طرف توجہ دلائی اس کے علاوہ اس بات پر زور دیا کہ ہندو مسلمان پارسی، عیسائی، گجراتی، مدراسی، پنجابی، سندھی، کچھی، ہورتی وغیرہ کا امتیاز مٹا دینا چاہیئے ۔

آخر میں میں نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک انجمن قائم کی جائے جس کے ذریعہ سے ہندوستانی باشندے اپنی تکلیفوں کی شکایت حکام تک پہنچا سکیں اور یہ وعدہ کیا کہ جہاں تک ممکن ہے میں اپنا وقت اس انجمن کی خدمت میں صرف کیا کروں گا۔

مجھے یہ اندازہ ہوا کہ میری تقریر کا حاضرین پر گہرا اثر ہوا۔

اس تقریر کے بعد بحث شروع ہوئی، بعض لوگوں نے وعدہ کیا کہ مجھے معلومات مہیا کرنے میں مدد دیں گے ۔ میں نے دیکھا کہ حاضرین میں سے بہت کم لوگ انگریزی جانتے ہیں ۔ چونکہ میرا خیال تھا کہ انگریزی جاننا اس ملک میں بہت مفید ثابت ہوگا ۔ اس لئے میں نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ جسے فرصت ہو وہ انگریزی ضرور سیکھے میں نے ان سے کہا کہ بڑی عمر میں بھی آدمی نئی زبان سیکھ سکتا ہے اور اس کی بہت سی مثالیں پیش کیں اس کے علاوہ میں نے اس کا ذمہ لیا کہ اگر کوئی کلاس کھولا جائے تو میں اس میں پڑھاؤں گا یا جن لوگوں کو پڑھنے کا شوق ہے انہیں الگ الگ تعلیم دوں گا۔

کلاس تو نہیں کھلا مگر تین نوجوان اس پر راضی ہوئے کہ فرصت کے وقت پڑھا کریں گے بشرطیکہ میں ان کے گھر جا کر پڑھاؤں ۔ ان میں سے دو مسلمان تھے ایک حجام اور ایک محرر اور تیسرا ہندو تھا جس کی چھوٹی سی دوکان تھی میں نے منظور کر لیا کہ جو وقت ان کے لئے مناسب ہوگا اس میں انہیں جا کر پڑھنایا کروں گا مجھے اپنی پڑھانے کی قابلیت میں ذرا شبہ نہ تھا میرے شاگرد چاہے تھک جائیں مگر میں کبھی نہ تھکتا تھا بعض وقت ایسا ہوتا تھا کہ میں ان کے گھر پہنچ کر انہیں کاروبار میں مصروف پاتا تھا مگر میں صبر کو ہاتھ سے نہ دیتا ۔ تینوں میں سے کسی کو انگریزی سے زیادہ گہری واقفیت حاصل کرنے کی خواہش نہ تھی مگر دو نے آٹھ مہینے میں اچھی خاصی ترقی کر لی ۔ ان دونوں نے حساب کتاب رکھنا اور معمولی

Marfat.com

کاروباری خط لکھنا سکھ لیا۔ حجام کا حوصلہ بس اس حد تک تھا کہ گاہکوں سے بات چیت کرنے بھر کی انگریزی آجائے میرے شاگردوں میں سے دو کو پڑھنے سے یہ فائدہ ہوا کہ ان کی آمدنی میں معقول اضافہ ہوگیا۔

میں جلسے کے نتیجے سے مطمین تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے یہ طے ہوا کہ اس قسم کے جلسے مہینے میں ایک بار ہوا کریں۔ یہ جلسے کم وبیش پابندی سے ہوتے تھے اور میں آزادی سے تبادلہ خیالات کیا کرتا تھا ۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پریٹوریا میں کوئی ہندوستانی ایسا نہ تھا جس کی مجھ سے ملاقات نہ ہو اور جس کے حالات مجھے نہ معلوم ہوں۔ اب میں نے مناسب سمجھا کہ مسٹر جیکوئس ڈی ویٹ سے جو پریٹوریا میں برطانوی ایجنٹ تھے۔ ملوں انھیں ہندوستانیوں سے ہمدردی تھی مگر ان کا اثر بہت کم تھا۔ بہرحال وہ اس پر راضی ہوگئے کہ جہاں تک ہو سکے گا ہماری مدد کریں گے اور مجھے دعوت دی کہ جب ضرورت ہو مجھ سے مل لیا کرو

اب میں نے ریلوے حکام سے خط وکتابت کی اور انہیں یہ بتایا کہ جو پابندیاں ہندوستانیوں پر عائد کی جاتی ہیں وہ خود ان کے قواعد کی رو سے جائز قرار نہیں پاسکتیں۔ مجھے یہ جواب ملا کہ جو ہندوستانی معقول لباس پہنے ہوں انہیں پہلے اور دوسرے درجے کے ٹکٹ ملا کریں گے۔ اس سے ہماری دقت رفع نہیں ہوئی کیونکہ معقول لباس کا فیصلہ کرنا تو سٹیشن ماسٹر کے اختیار میں تھا۔

برطانوی ایجنٹ نے مجھے ہندوستانیوں کے متعلق کچھ کاغذات دکھائے۔ طیب سیٹھ نے بھی مجھے اس قسم کے کاغذات دیئے تھے ان سے مجھے معلوم ہوا کہ ہندوستانی کس بے رحمی سے ارینج فری اسٹیٹ سے نکالے جارہے ہیں۔

پریٹوریا کے قیام سے مجھے یہ موقع ملا کہ ٹرانسوال اور ارینج فری اسٹیٹ کے ہندوستانیوں کی سماجی، معاشی اور سیاسی حالت کا گہرا مطالعہ کروں۔ مجھے سان گمان بھی نہ تھا کہ یہ مطالعہ میرے لئے آگے چل کر اس قدر مفید ثابت ہوگا کیونکہ میرا خیال تھا کہ سال کے آخر تک بلکہ اگر مقدمہ جلد ختم ہوگیا تو اس سے بھی پہلے ہندوستان واپس جاؤں گا۔

مگر خدا کی مرضی کچھ اور تھی۔

حوالہ

1 - غالباً یوسف کی خرابی ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

تیرھواں باب

قلیوں کی درگت

یہاں ٹرانسوال اور آرینج فری اسٹیٹ کے ہندوستانیوں کی حالت تفصیل سے بیان کرنے کا موقع نہیں جو لوگ اس سے پوری طرح واقف ہونا چاہتے ہیں وہ میری کتاب "جنوبی افریقہ کے ستیاگرہ کی تاریخ" پڑھیں۔ البتہ اس کا کچھ مختصر سا ذکر کر دینا ضروری ہے۔

آرینج فری اسٹیٹ میں ہندوستانی ایک خاص قانون کے ذریعے سے جو 1888ء میں بلکہ اس سے بھی پہلے پاس ہوا تھا، کل حقوق سے محروم کئے جا چکے تھے۔ اب ان کے وہاں رہنے کی صرف یہی صورت تھی کہ ہوٹلوں میں بیرے بن کر رہیں، یا اور اسی قسم کے ادنیٰ پیشے اختیار کریں۔ تاجر برائے نام ہرجانہ دے کر نکال دیئے گے، ... انہوں نے عرضیاں دیں، وفد بھیجے مگر کوئی نتیجہ نہیں ہوا۔

ٹرانسوال میں 1885ء میں ایک بڑا سخت قانون پاس ہوا۔ 1886ء میں اس میں کچھ خفیف سی ترمیم ہوئی جس کی رو سے ہندوستانیوں کو نٹال میں داخل ہونے کے لے تین پونڈ محصول دینا پڑتا تھا۔ انہیں سوائے بعض علاقوں کے جو ان کیلئے مخصوص کر دیئے گئے تھے کہیں زمین خریدنے کی اجازت نہیں تھی اور ان علاقوں میں بھی آراضی عملاً انکی ملکیت نہیں ہوتی تھی۔ انہیں ووٹ دینے کا حق نہ تھا۔ وہ قانون جس میں یہ سب قیدیں لگائی گئی تھیں خاص ایشیا کے باشندوں کے لئے تھا۔ اس کے علاوہ ان لوگوں پر وہ قوانین بھی عائد ہوتے تھے جو غیر سفید اقوام کے خلاف وضع کئے گئے تھے ان کی رو سے ہندوستانیوں کو سڑک کے کنارے کی پٹڑی پر چلنے کی ممانعت تھی اور رات کو نو بجے کے بعد بغیر پاس کے گھر سے نہیں نکلنے پاتے تھے۔ اس ضابطہ کی عملدر آمد میں ہندوستانیوں کے ساتھ نرمی اور سختی دونوں کی گنجائش تھی۔ جو لوگ "عرب" سمجھے جاتے تھے وہ رعایتہً اس سے

Marfat.com

مستثنیٰ کر دیئے۔

مجھے خود ان دونوں ضابطوں سے سابقہ پڑا۔ میں رات کو اکثر مسٹر کوٹس کے ساتھ ٹہلنے جایا کرتا تھا اور ہم دونوں عموماً دس بجے کے قریب واپس آیا کرتے تھے۔ اس میں یہ اندیشہ تھا کہ کہیں پولیس مجھے گرفتار نہ کر لے۔ مسٹر کوٹس کو اس معاملے میں مجھ سے زیادہ تشویش تھی۔ وہ اپنے حبشی نوکروں کو پاس دیا کرتے تھے لیکن مجھے کیسے دیتے؟ وہ تو صرف آقا اپنے نوکروں کو دے سکتا تھا اگر میں ان سے پاس مانگتا اور وہ دینے پر تیار بھی ہو جاتے تب بھی اصولاً نہیں دے سکتے تھے کیونکہ یہ دغابازی میں داخل تھا۔

اس لئے مسٹر کوٹس یا ان کے کوئی دوست مجھے ڈاکٹر کراوز کے پاس لے گئے جو حکومت کے مشیر قانونی تھے وہ اسی ان آف کورٹ کے بیرسٹر نکلے جہاں کا میں تھا۔ انہیں اس پر بہت غصہ آیا کہ میری حیثیت کا آدمی رات کو نو بجے کے بعد بغیر پاس کے گھر سے نہیں نکل سکتا تھا۔ انہوں نے مجھ سے ہمدردی کا اظہار کیا اور بجائے پاس کے مجھے ایک خط لکھ کر دے دیا جس کی رو سے مجھے اختیار تھا کہ ہر وقت بے روک ٹوک باہر نکل سکوں۔ میں جب کبھی باہر جاتا تھا تو یہ خط اپنے پاس رکھتا تھا۔ محض اتفاق کی بات تھی کہ مجھے کبھی اس سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر کراوز نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور ہم دونوں میں خاصی دوستی ہو گئی میں کبھی کبھی ان کے یہاں جایا کرتا تھا اور انہیں کے توسط سے میری ملاقات ان کے بھائی سے ہوئی جو ان سے زیادہ مشہور تھے۔ یہ جوہانسبرگ میں وکیل سرکار تھے جنگ بوئر کے زمانے میں انہیں فوجی عدالت سے ایک انگریز افسر کے قتل کے الزام میں سات برس کی سزا ہوئی۔ انس آف کورٹ کے منتظموں نے ان کا نام بیرسٹروں کے زمرے سے خارج کر دیا۔ لڑائی کے ختم ہونے کے بعد رہا ہو کر اعزاز کے ساتھ ٹرانسوال کی مجلس وکلاء میں دوبارہ داخل کئے گئے اور بدستور وکالت کرنے لگے۔

ان لوگوں کی ملاقات آگے چل کر قومی خدمت کی زندگی میں میرے لئے مفید ثابت ہوئی اور اس کی بدولت میرے کام میں بڑی آسانی ہو گئی۔

پٹڑی پر چلنے کے متعلق جو ضابطہ تھا اس سے مجھے زیادہ نقصان پہنچا میں ہمیشہ ٹہلنے کے لئے پریسیڈنٹ اسٹریٹ سے ہوتا ہوا کھلے میدان میں نکل جایا کرتا تھا۔ پریسیڈنٹ کروگر کا مکان اسی سڑک پر تھا۔ یہ ایک معمولی سی عمارت تھی جس میں باغ تک نہ تھا اور اس میں اور آس پاس کے

Marfat.com

مکانوں میں مشکل سے تمیز کی جا سکتی تھی۔ پریٹوریا کے بہت سے لکھ پتیوں کے مکان کہیں زیادہ شاندار تھے۔ جن کے احاطوں میں باغ لگے ہوئے تھے۔ پریسیڈنٹ کروگر کی سادگی ضرب المثل تھی۔ صرف مکان کے سامنے پولیس کا پہرا دیکھ کر پتہ چل سکتا تھا کہ یہ کسی سرکاری عہدے دار کا مکان ہے۔ میں تقریباً ہمیشہ پٹری پر پہرے والوں کے قریب سے جایا کرتا تھا اور کبھی روک ٹوک نہیں ہوئی۔

مگر پہرے والے بدلتے رہتے تھے۔ ایک بار ان میں سے ایک شخص نے بغیر اس کے کہ مجھے آگاہ کرتا یا پٹری سے اترنے کے لئے کہتا مجھے دھکا دے کر اور لات مار کر سڑک پر ڈھکیل دیا۔ مجھے بڑا رنج ہوا۔ مگر اس سے پہلے کہ میں اس شخص سے اس برتاؤ کا سبب پوچھوں مسٹر کوٹس نے جو اتفاق سے اسی وقت گھوڑے پر سوار وہاں سے گزر رہے تھے مجھے آواز دی اور کہا۔ "گاندھی میں نے سارا واقعہ دیکھا ہے اگر تم اس شخص پر مقدمہ چلاؤ تو میں خوشی سے گواہی دوں گا۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ تم پر اس بد تمیزی سے حملہ کیا گیا۔"

میں نے کہا "اس میں افسوس کی کیا بات ہے، اس غریب کو کیا معلوم کہ یہ کون شخص ہے، اس کے نزدیک سب کالے آدمی برابر ہیں۔ غالباً وہ حبشیوں کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرتا ہے جو اس نے میرے ساتھ کیا۔ میں نے یہ اصول قرار دے لیا۔ میں اپنے ذاتی معاملے میں کبھی عدالت میں چارہ جوئی نہیں کروں گا۔ اس لئے ارادہ اس پر مقدمہ چلانے کا نہیں۔"

مسٹر کوٹس نے کہا "تم سے یہی توقع تھی مگر پھر سے سوچ لو۔ ہمیں ان لوگوں کو سبق ضرور دینا چاہیئے۔" پھر انہوں نے پولیس والے سے مخاطب ہو کر اس کو ملامت کی۔ میں ان کی باتیں نہیں سمجھ سکا کیونکہ پولیس والا بوئر تھا اور یہ دونوں ولندیزی (1) زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ مگر آخر میں اس سپاہی نے مجھ سے معافی مانگی جس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ میں پہلے ہی معاف کر چکا تھا۔

مگر میں پھر کبھی اس سڑک پر نہیں گیا۔ میں نے سوچا کہ اس شخص کی جگہ دوسرے لوگ آئیں گے۔ انہیں یہ واقعہ تو معلوم نہیں ہوگا۔ اس لئے وہ بھی مجھ سے اسی قسم کا برتاؤ کریں گے۔ میں کیوں بے ضرورت ایسا کام کروں جس میں لاتیں کھانے کا اندیشہ ہو۔ اس لئے میں نے ٹہلنے کے لئے دوسرا راستہ اختیار کیا۔

اس واقعے سے میرے دل میں نو آباد ہندوستانیوں کا درد اور بڑھ گیا۔ میں نے ان سے مشورہ کیا کہ اگر ان ضابطوں کی منسوخی کے لئے برطانی ایجنٹ سے ملنے کے بعد آزمائشی مقدمہ لڑنے کی

Marfat.com

ضرورت پڑے تو لڑنا چاہئے یا نہیں۔

اس طرح مجھے نو آباد ہندوستانیوں کی مشکلات کا اندازہ کرنے کا موقع ملا اور وہ بھی سن سنا کر یا کتابوں میں پڑھ کر نہیں بلکہ ذاتی تجربے کی بنا پر مجھے معلوم ہو گیا کہ جنوبی افریقہ کسی خوددار ہندوستانی کے رہنے کی جگہ نہیں اور میں دن رات اس فکر میں غلطاں اور پیچاں رہنے لگا کہ اس حالت میں اصلاح کرنے کی کیا صورت ہے۔

لیکن اس وقت تو میرا سب سے بڑا فرض یہ تھا کہ دادا عبداللہ کے مقدمے کی پیروی کروں۔

حوالہ

1 - ڈچ۔ہالینڈ کی۔

Marfat.com

[library stamp]

چودھواں باب

مقدمے کی تیاری

پریٹوریا میں ایک سال کا قیام میری زندگی میں سب سے زیادہ قابل قدر تجربہ تھا۔ یہیں مجھے قومی خدمت کے طریقے سیکھنے کا موقع ملا اور اسے انجام دینے کی تھوڑی بہت قابلیت پیدا ہوئی۔ یہیں وہ مذہبی روح جو میرے دل میں تھی قوت سے فعل میں آئی۔ یہیں مجھے وکالت کے متعلق صحیح واقفیت حاصل ہوئی اور میں نے وہ چیزیں سیکھیں جو ایک نیا بیرسٹر ایک پرانے بیرسٹر کے دفتر میں سیکھتا ہے۔ یہیں مجھے یہ اعتماد پیدا ہوا کہ میں وکالت میں کچھ ایسا برا نہ رہوں گا اور۔ یہیں کامیابی کی کنجی میرے ہاتھ لگی۔

دادا عبداللہ کا مقدمہ کوئی چھوٹا مقدمہ نہ تھا۔ چالیس ہزار پونڈ کا دعویٰ تھا۔ اس کا تعلق تجارتی معاملات سے تھا۔ اس لئے اس میں سیاق کی بڑی بڑی پیچیدگیاں تھیں۔ دعویٰ کا ایک جزو پرامیری نوٹوں پر مبنی تھا اور ایک پرامیری نوٹ لکھنے کے صریحی دعوے پر (جواب دعویٰ یہ تھا کہ یہ نوٹ دھوکہ دے کر حاصل کئے گئے) ان کے لکھنے کی کوئی معقول وجہ ثابت نہیں ہوتی۔ اس پیچیدہ مقدمے میں بہت سے نفس الامری اور قانونی نکتے تھے۔

فریقین کی طرف سے چوٹی کے وکیل اور بیرسٹر تھے۔ اس طرح مجھے ان کام کے مطالعے کا بہت عمدہ موقع ملا۔ مدعی کی طرف سے مقدمے کے کاغذات ترتیب دے کر وکیل کے حوالے کرنا اور واقعات کی چھان بین کر کے مدعی کے مفید مطلب باتیں نکالنا میرے سپرد کیا گیا تھا۔ میں دیکھا کرتا تھا کہ وکیل میرے ترتیب دیئے ہوئے واقعات کا کتنا حصہ قبول کرتا ہے اور کتنا رد کرتا ہے اور بیرسٹر وکیل کی تیار کی ہوئی کیفیت کو کس حد تک کام میں لاتا ہے اور یہ میرے لئے ایک مفید تعلیم تھی، اس لئے مجھے اچھا خاصا اندازہ ہو گیا کہ معاملے کو سمجھنے اور شہادت کو ترتیب دینے کی کس

Marfat.com

حد تک قابلیت رکھتا ہوں۔

میں اس کام میں بڑی سرگرمی سے مصروف تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دل و جان سے محو تھا۔ میں نے معاملات کے متعلق کل کاغذات پڑھے۔ میرے موکل قابل آدمی تھے اور مجھ پر پورا اعتبار کرتے تھے جس سے میرے کام میں بڑی آسانی ہو گئی۔ میں نے سیاق پر خاصا عبور حاصل کر لیا اور چونکہ خط وکتابت زیادہ تر گجراتی میں ہوتی تھی اور مجھے اس کا ترجمہ انگریزی میں کرنا پڑتا تھا اس لئے میری ترجمے کی مشق بھی بڑھ گئی۔

اگرچہ مجھے مذہبی مشاغل اور قومی خدمت سے بڑی دلچسپی تھی اور میں اپنے وقت کا کچھ حصہ ان میں صرف کرتا تھا۔ لیکن یہ چیزیں میری توجہ کا مرکز نہ تھیں سب سے زیادہ شغف مجھے مقدمہ کی تیاری میں تھا۔ قانونی کتابوں کا مطالعہ اور حسب ضرورت نظیریں تلاش کرنا میرے نزدیک سب سے مقدم تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے مقدمے کے واقعات پر اتنا عبور ہو گیا جتنا خود مدعی اور مدعا علیہ کو بھی نہ ہو گا کیونکہ میرے پاس دونوں کے کاغذات موجود تھے۔

مجھے مسٹر پنکٹ آنجہانی کی یہ نصیحت یاد تھی کہ مقدمے کا تین چوتھائی واقعات کو سمجھنا چاہئے۔ آگے چل کر جنوبی افریقہ کے مشہور بیرسٹر مسٹر لیونارڈ نے بھی اس کی تصدیق کی۔ میں نے اپنے مقدمے میں یہ دیکھا کہ اگرچہ میرا موکل حق پر ہے لیکن قانون بظاہر اس کے خلاف ہے۔ میں نے مایوسی کی حالت میں مسٹر لیونارڈ سے مدد چاہی انہیں بھی یہ محسوس ہوا کہ واقعات کی شہادت بہت قوی ہے۔ انہوں نے جوش میں آکر کہا گاندھی میں نے اتنے دن میں ایک بات سیکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم مقدمے میں واقعات کا پہلو سنبھال لیں تو قانونی پہلو خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمیں اس مقدمے کے واقعات کا زیادہ گہرا مطالعہ کرنا چاہئے۔" اس کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمے پر اور غور کرو اور پھر میرے پاس آؤ میں نے واقعات پر دوبارہ نظر ڈالی تو مقدمے کی صورت کچھ اور ہی ہو گئی اور مجھے اس کے متعلق جنوبی افریقہ کی ایک نظیر بھی مل گئی۔ میں خوش خوش مسٹر لیونارڈ کے پاس گیا اور ان سے سب حالات بیان کئے۔ انہوں نے کہا بس اب ہم جیت جائیں گے۔ البتہ اس کا خیال رکھنا ہو گا کہ مقدمہ کس جج کے سامنے پیش ہوتا ہے۔"

دادا عبداللہ کے مقدمے کی ترتیب کے زمانے میں مجھے واقعات کی اہمیت کا افسوس تھا مگر اس حد تک نہیں تھا۔ اصل میں واقعات حق کا نام ہے اور اگر ہم حق کا دامن مضبوطی سے تھام لیں تو قانون خود بخود ہماری مدد کرتا ہے میں نے دیکھا کہ دادا عبداللہ کا مقدمہ واقعات کے اعتبار سے بہت

Marfat.com

زور دار ہے اور قانون یقیناً ان کی مدد کرے گا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ خیال ہوا کہ اگر مقدمہ بازی کا سلسلہ یوں ہی چلتا رہا تو مدعی اور مدعا علیہ جو ایک ہی شہر کے رہنے والے اور آپس میں رشتہ دار ہیں تباہ ہو جائیں گے۔ کسی کو خبر نہ تھی کہ مقدمقہ کب تک چلے گا۔ اندیشہ تھا کہ عدالت ہی کے ذریعہ سے فیصلہ ہوا تو مدتوں میں ہو گا اور دونوں فریقوں میں سے کسی کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اس لئے دونوں کی خواہش تھی کہ اگر ممکن ہا تو فوراً تصفیہ ہو جائے۔

میں نے طیب سیٹھ سے مل کر انہیں مشورہ دیا اور اپنی طرف سے درخواست کی کہ پنچایت سے فیصلہ کر لیجئے۔ میں نے کہا آپ اپنے بیرسٹر سے گفتگو کیجئے۔ اگر کوئی ایسا شخص پنچ بنا دیا جائے جس پر فریقین کو اعتبار ہو تو بہت جلد تصفیہ ہو جائے گا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وکیلوں کی فیس میں روپیہ اتنی تیزی سے گھل رہا ہے کہ اگرچہ موکل دولت مند تاجر ہیں لیکن ان کا سارا سرمایہ اسی میں کھپ جائے گا اور پھر انہیں مقدمے کی اتنی فکر رہتی ہے کہ کسی اور کام کی فرصت نہیں ملتی۔ ادھر آپس میں مخالفت بڑھتی جاتی ہے۔ مجھے اس پیشہ سے نفرت ہو گئی۔ دونوں طرف کے بیرسٹر اپنا فرض سمجھتے تھے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے قانونی پہلو نکالیں جو ان کے موکل کے حق میں مفید ہوں اس کے علاوہ مجھے پہلی بار یہ معلوم ہوا کہ جو فریق جیتتا ہے اسے پورا خرچہ نہیں ملتا۔ کورٹ فیس کے ضابطے کی رو سے خرچے کی جو ایک فریق سے دوسرے کو دلایا جاتا تھا۔ ایک خاص رقم متعین کر دی گئی تھی لیکن اصل میں وکیل اپنے موکل سے اس سے کہیں زیادہ وصول کرتے تھے مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا تھا۔ میں اپنا فرض سمجھتا تھا کہ دونوں فریقوں کا خیر خواہ رہوں اور ان میں میل کرادوں۔ میں نے مصالحت کی انتہائی کوشش کی خدا خدا کر کے طیب سیٹھ راضی ہو گئے۔ ایک پنچ مقرر کئے گئے ان کے سامنے مقدمے کی بحث ہوئی اور فیصلہ دادا عبداللہ کے موافق ہوا۔

لیکن مجھے اس سے اطمینان نہیں ہوا۔ میں نے سوچا کہ اگر میرے موکل نے فوراً ڈگری اجرا کرائی تو سیٹھ طیب پورا روپیہ ادا نہیں کر پائیں گے۔ اور جنوبی افریقہ میں جو پور بندر کے میمن رہتے تھے ان میں بن لکھا قانون تھا کہ دیوالے پر موت کو ترجیح دینا چاہئے۔ سیٹھ طیب کے لئے سینتیس ہزار پاؤنڈ اور خرچ یکمشت ادا کرنا ناممکن تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ پیسہ پیسہ چکا دیں اور دوالئے نہ قرار دیئے جائیں۔ اس کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ دادا عبداللہ ان سے تھوڑا تھوڑا کر کے روپیہ لیں۔ انہوں نے وہ فراخدلی دکھائی جس کی اس موقع پر ضرورت تھی اور سیٹھ طیب کو بہت سی قسطوں میں رقم ادا کرنے کی اجازت دے دی مجھے قسط وار ادائیگی کی رعایت حاصل کرنے میں اتنی

Marfat.com

دقت ہوئی جتنی فریقین کو پنچایت پر راضی کرنے میں بھی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جب تصفیہ ہو گیا تو دونوں کو خوشی ہوئی اور دونوں کی عزت لوگوں کی نظروں میں بڑھ گئی۔ میری مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ میں سمجھا کہ میں نے وہ بات سیکھ لی جو وکالت کا حقیقی مقصد ہے مجھے فطرت انسانی کے اعلیٰ عنصر کا ڈھونڈھ نکالنا اور لوگوں کے دل کی بات سمجھنا آگیا۔ مجھ پر راز کھل گیا کہ وکیل کا اصل کام یہ ہے کہ جن دلوں میں آپس میں پھوٹ پڑ گئی ہو انہیں ملا دے۔ یہ سبق مرے دل پر ایسا نقش ہو گیا کہ بیس سال کی وکالت کے زمانے میں میرا وقت زیادہ تر سینکڑوں مقدموں میں آپس میں راضی نامہ کرانے میں صرف ہوا۔ اس میں میرا نقصان نہیں ہوا یہاں تک کہ میری آمدنی میں بھی کمی نہیں ہوئی اور میری روح تو بے شبہہ ہلاکت سے محفوظ رہی۔

حوالہ

1 - چار لاکھ اور چھ لاکھ روپے کے درمیان

Marfat.com

پندرھواں باب

مذہبی جوش

اب میں پھر ان معاملات کی طرف رجوع کرتا ہوں جو عیسائی دوستوں کے سابقے میں پیش آئے۔ مسٹر بیکر کو میری آئندہ زندگی کی بڑی فکر تھی۔ وہ مجھے ویلنگٹن کانفرنس میں لے گئے۔ پروٹسٹنٹ عیسائی چند سال کے وقفے سے اس طرح کے جلسے "روحانی روشنی" یعنی تزکیہ نفس کی خاطر کیا کرتے تھے۔اسے ہم مذہبی تجدید یا ایمان تازہ کرنا کہہ سکتے ہیں۔ ویلنگٹن کانفرنس اسی قسم کی چیز تھی۔اس کے صدر وہاں کے مشہور پادری اینڈریو مرے صاحب تھے۔ مسٹر بیکر صاحب کو امید تھی کہ کانفرنس کی مذہبی ذوق و شوق کی فضا اور حاضرین کے جوش اور خلوص کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ میں عیسائیت قبول کر لوں گا۔

مگر ان کا آخری سہارا دعا کی تاثیر تھی۔ دعا کے وہ بہت قائل تھے۔ انہیں یقین کامل تھا کہ اگر دل سے دعا مانگی جائے تو خدا ضرور سنتا ہے۔ وہ ایسے لوگوں کی مثال دیا کرتے تھے جیسے برسٹل کا جارج ملر جو دنیاوی امور میں بھی ہمیشہ دعا ہی سے کام لیتا تھا۔ میں دعا کی تاثیر کے متعلق ان کی تقریر بغیر کسی تعصب کے توجہ سے سنا کرتا تھا اور میں نے انہیں یقین دلا دیا تھا کہ اگر عیسائیت کے اصول میرے دل میں اتر گئے تو کوئی چیز مجھے عیسائی ہونے سے نہیں روک سکتی مجھے ان سے یہ وعدہ کرنے میں کوئی تامل نہ تھا اس لئے میں نے مدت سے اپنے نفس کو ضمیر کی پیروی کا عادی بنا لیا تھا مجھے اس کی اطاعت میں لطف آتا تھا۔ اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنا میرے لئے مشکل اور تکلیف دہ ہوتا تھا۔

غرض ہم ویلنگٹن گئے۔ مسٹر بیکر میرے جیسے کالے آدمی کو ساتھ لے جانے سے بڑی مشکل میں پڑ گئے۔ انہیں بارہا محض میرے سبب سے تکلیفیں جھیلنا پڑیں۔ ہمیں ایک روز رستے میں ٹھہرنا پڑا

Marfat.com

کیونکہ اتوار کا دن آگیا اور مسٹر بیکر اور ان کے ساتھی یوم السبت کو سفر نہیں کر سکتے تھے۔ اسٹیشن کے ہوٹل میں مینجر بڑی تکرار کے بعد مجھے ٹھہرانے پر تو راضی ہو گیا مگر کھانے کے کمرے میں جانے کی کسی طرح اجازت نہیں دی۔ مسٹر بیکر آسانی سے ماننے والے آدمی نہ تھے۔ وہ اس پر اڑ گئے تھے کہ ہوٹل کے مسافروں کے جو حقوق ہیں وہ اسے بھی دیئے جائیں۔ مگر مجھے اس شخص کی مشکلوں کا اندازہ تھا۔ ویلنگٹن میں بھی میں مسٹر بیکر کے ساتھ ٹھہرا۔ انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں میں ناگوار صورتیں پیش آتی تھیں۔ وہ انہیں مجھ سے چھپانا چاہتے تھے مگر مجھے سب معلوم تھا۔

یہ کانفرنس دیندار عیسائیوں کی مجلس تھی۔ مجھے ان کی خوش اعتقادی دیکھ کر بہت مسرت ہوئی۔ میں پادری مرے صاحب سے ملا۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ میرے لئے دعا کر رہے ہیں۔ مجھے ان کی بہت سی مناجاتیں پسند آئیں۔ ان میں بڑی شیرینی تھی۔

کانفرنس تین دن رہی جو لوگ اس میں شریک تھے ان کی دینداری کی میرے دل میں بڑی قدر تھی۔ مگر مجھے اپنا عقیدہ بدلنے کی کوئی وجہ نظر نہ آئی یہ یقین کرنا میرے لئے ناممکن تھا کہ جب تک عیسائی نہ ہو جاؤں گا میری نجات نہ ہو گی۔ میں نے یہ بات اپنے چند نیک عیسائی دوستوں سے کہی تو ان کے دل کو بڑا دھچکا لگا مگر میں کیا کرتا مجبور تھا۔

میری مشکلات بہت گہری تھیں یہ بات کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ مسیح خدا کے مجسم اکلوتے بیٹے ہیں اور صرف وہی شخص جو انہیں مانتا ہے ابدی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ اگر کوئی خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے تو ہم سب اس کے بیٹے ہیں۔ اگر مسیح خدا سے مشابہ ہیں یا خدا ہیں تو سبھی انسان خدا سے مشابہ ہیں۔ اور خدا ہو سکتے ہیں۔ میری عقل قبول نہیں کرتی تھی کہ مسیح کی شہادت اور ان کے خون سے دنیا کے گناہوں کا کفارہ ہونا حقیقی معنی میں صحیح ہے۔ استعارے کے طور پر ممکن ہے اس میں کچھ اصلیت ہو۔ پھر مذہب عیسوی کہتا تھا کہ جانوروں میں روح نہیں ہوتی ان کے لئے موت کامل فنا ہے اور میرا عقیدہ اس کے خلاف تھا۔ میں مسیح کو شہید، ایثار مجسم، خدا کا رسیدہ گرو مان سکتا تھا مگر سب سے مکمل انسان تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ ان کا صلیب پانا دنیا کے لئے ایک شاندار مثال تھی۔ مگر یہ بات میرے دل کو نہیں لگتی تھی کہ اس میں کوئی پراسرار دیا معجز نما تاثیر تھی۔ فلسفیانہ حیثیت سے عیسائیت کے اصولوں میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ ایثار کے نقطہ سے میرے خیال میں ہندو عیسائیوں سے بہت آگے تھے۔ میرے لئے عیسائیت کو مکمل یا سب مذہبوں سے بڑھ کر سمجھنا ناممکن تھا۔

Marfat.com

جب موقع ملتا تھا میں اپنے خدشوں کا ذکر اپنے عیسائی دوستوں سے کرتا تھا۔ مگر ان کے جوابوں سے مجھے تسکین نہیں ہوتی تھی۔ اس زمانے میں جس طرح میں عیسائیت کو مکمل یا بہترین مذہب تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اسی طرح ہندو دھرم کو بھی نہیں مانتا تھا۔ ہندوؤں کے عیب میری نظروں میں کھٹکتے تھے۔ میں جانتا تھا کہ چھوت چھات ہندو دھرم کا جزو ہے تو اسی طرح ہے جیسے بدگوشت جسم کا جزو ہوتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنے فرقوں اور ذاتوں کے ہونے میں کیا مصلحت ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں کہ وید خدا کا منزل کلام ہے۔ اگر اسے منزل مانا جائے تو بائیبل اور قرآن کو بھی ماننا چاہیئے۔

جس طرح عیسائی دوست مجھے اپنے مذہب میں لانے کی کوشش کر رہے تھے اسی طرح مسلمان دوست بھی کر رہے تھے۔ عبداللہ سیٹھ برابر مجھے اسلام کے مطالعے کی ترغیب دیتے رہتے تھے اور ہمیشہ اس کی کوئی نہ کوئی خوبی بیان کرتے تھے۔

میں نے رائے چند بھائی کو خط لکھا جس میں اپنے شبہے ظاہر کیے۔ ہندوستان کے اور دھرم شاستریوں سے بھی میں نے خط و کتابت کی رائے چند بھائی کے خط سے مجھے کسی قدر تسکین ہوئی۔ انہوں نے لکھا کہ تم صبر سے کام لو اور ہندو مذہب کا اور گہرا مطالعہ کرو ان کا ایک جملہ یہ تھا "اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ ہندو دھرم میں جتنی دقت نظر، نزاکت خیال، روحانی بلند پروازی اور کشادہ دلی ہے کسی مذہب میں نہیں۔"

میں نے سیل کا ترجمہ قرآن خرید کر اس کا مطالعہ شروع کیا اور اسلام کے متعلق اور کتابیں بھی مہیا کیں میں نے انگلستان کے عیسائی دوستوں کو خطوط لکھے ان میں سے ایک نے میرا تعارف ایڈورڈ میٹلینڈ سے کرایا۔ جس سے میری خط و کتابت ہونے لگی۔ انہوں نے مجھے "طریق احسن" بھیجی جو انہوں نے اور انیا کنگسفورڈ نے مل کر لکھی تھی۔ اس کتاب میں عیسائیوں کے مروجہ عقائد کی تردید تھی۔ انہوں نے مجھے ایک اور کتاب بائیبل کی "تفسیر" "جدید" بھی بھیجی مجھے یہ دونوں پسند آئیں۔ ان سے بظاہر ہندو دھرم کی تائید ہوتی تھی "ٹالسٹائی کی" خدا کی سلطنت تمہارے سینے میں ہے" نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ اس کا اثر میرے دل پر ہمیشہ باقی رہا۔ اس میں اتنی آزادی خیال اخلاقی گہرائی اور سچائی تھی کہ وہ سب کتابیں جو مسٹر کوٹس نے مجھے دی تھیں اس کے آگے ماند پڑ گئیں۔

غرض مجھے کتابوں کے مطالعے نے ایسے رستے پر ڈال دیا جس کا میرے عیسائی دوستوں کو خیال تک نہ آیا ایڈورڈ میٹلینڈ سے میری خط و کتابت بہت دن تک ہوتی رہی اور رائے چندر بھائی سے

Marfat.com

تو جب تک وہ زندہ رہے نامہ و پیام جاری رہا۔ انہوں نے جو کتابیں مجھے بھیجی تھیں ان میں سے بعض میں نے پڑھیں۔ مثلاً پنچ کرن رت نملا، یوگ وسشتا کی مو مکشا پرا کرن اور ہری بھدر سوری کی سدرشن سمچیا وغیرہ۔

اگرچہ میں اس رستے پر چلنے لگا جس پر میرے عیسائی دوست مجھے نہیں چلانا چاہتے تھے تاہم میں ان کا ہمیشہ احسان مند رہوں گا کہ انہوں نے میرے دل میں مذہبی تحقیق کے شوق کو ابھارا مجھے ان کی صحبت کی یاد ہمیشہ عزیز رہے گی۔ اس کے بعد آنے والے زمانے میں ایسی اور بہت سی صحبتیں میرے نصیب میں تھیں۔

Marfat.com

سولھواں باب

آدمی کیا سوچتا ہے اور خدا کیا کرتا ہے

مقدمہ طے ہو چکا تھا اور اب مجھے پریٹوریا میں ٹھہرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس لئے میں ڈربن واپس آیا اور وطن جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ مگر بھلا عبداللہ سیٹھ مجھے بغیر رخصتی جلسے کے کب جانے دیتے تھے۔ انہوں نے مجھے رخصت کرنے کے لئے سڈنہم میں جلسہ منعقد کیا۔

ہم لوگ وہاں دن بھر رہنے کے ارادے سے گئے۔ میں بیٹھا کچھ اخباروں کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ اتفاق سے اخبار کے ایک کونے میں میری نظر ایک پیراگراف پر پڑی جس کا عنوان تھا "ہندوستانیوں کو ووٹ کا حق" یہ اس مسودہ قانون کے متعلق تھا جو ان دنوں مجلس وضع قوانین میں پیش تھا اور جس میں یہ تجویز تھی کہ ہندوستانی نثال کی مجلس وضع قوانین کے رکن منتخب کرنے کے حق سے محروم کر دیئے جائیں۔ مجھے اور دوسرے مہمانوں کی جو وہاں جمع تھے اب تک اس مسودے کا علم نہ تھا۔

میں نے عبداللہ سیٹھ سے اس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا بھلا ہم لوگ ان معاملات کو کیا جانیں۔ ہم تو صرف ان باتوں کو سمجھتے ہیں جن کا اثر ہماری تجارت پر پڑتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اورنج فری اسٹیٹ میں ہماری جتنی تجارت تھی سب برباد کر دی گئی۔ ہم نے بہت فریاد کی مگر کچھ نتیجہ نہیں ہوا۔ ان پڑھ ہونے کے سبب ہم بالکل بے دست و پا ہیں۔ ہم اخبار عموماً محض اس لئے پڑھتے ہیں کہ بازار کے روزانہ نرخ وغیرہ معلوم کرتے رہیں ہمیں کیا خبر کہ وضع قوانین کسے کہتے ہیں۔ ہماری آنکھ کان تو یہاں کے یورپی وکیل ہیں۔

میں نے کہا "یہاں بہت سے نوجوان ہندوستانی ہیں جن کی پیدائش اور تعلیم یہیں کی ہے وہ آپ کی مدد نہیں کرتے؟"

Marfat.com

عبداللہ سیٹھ نے جھلا کر کہا "جی ہاں! وہی تو ہماری مدد کریں گے۔ وہ تو ہمارے پاس تک نہیں پھٹکتے اور سچ پوچھئے تو ہم بھی انہیں اپنا نہیں سمجھتے۔ عیسائی ہونے کے سبب سے وہ لوگ یورپی پادریوں کی مٹھی میں ہیں اور پادری ٹھہرے گورنمنٹ کے نیاز مند۔"

یہ سن کر میری آنکھیں کھل گئیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ ان لوگوں کو اپنا بنانا چاہئے کیا عیسائیت کے یہی معنی ہیں؟ کیا عیسائی ہو جانے سے آدمی ہندوستانی نہیں رہتا؟

لیکن میں وطن کی واپسی کے لئے پابرکاب تھا اس لئے میں اس مسئلے کے متعلق جو خیالات میرے دل میں تھے انہیں ظاہر کرتے ہچکچاتا تھا۔ میں نے عبداللہ سیٹھ سے صرف اتنی بات کہی۔ "اگر یہ مسودہ پاس ہو کر قانون بن گیا تو ہماری زندگی دشوار ہو جائے گی۔ یہ ہمارے لئے موت کا پیغام ہے۔ یہ ہماری خودداری کو مٹا کر چھوڑے گا۔"

سیٹھ عبداللہ نے کہا "بہت ممکن ہے۔ مگر یہ تو سنئے کہ ووٹ کا مسئلہ کیونکر شروع ہوا ہمیں اس کی کچھ خبر نہ تھی۔ مسٹر ایسکومب نے جو یہاں چوٹی کے وکیل ہیں۔ جنہیں آپ بھی جانتے ہیں۔ ہمیں یہ بات سمجھائی اس کا قصہ یہ ہے کہ مسٹر ایسکومب بڑے زبردست لڑنے والے ہیں۔ ان میں اور بندرگاہ کے انجینئر میں ان بن تھی۔ ان کا خیال تھا انجینئر ان کے ووٹ چھین لے گا اور انہیں انتخاب میں شکست دے دیگا۔ اس لئے انہوں نے ہمارے حقوق سمجھائے اور ان کے کہنے سے ہم لوگوں نے اپنے نام ووٹ ڈالنے والوں کے رجسٹر میں لکھوا لئے اور ان کے حق میں ووٹ دیا۔ اب آپ ہی دیکھئے کہ ووٹ کے حق کی اہمیت آپ کی نظر میں ہے ہماری نظر میں کیسے ہو سکتی ہے۔ مگر ہم آپ کا مطلب سمجھتے ہیں۔ آپ یہ بتائیے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

اور مہمان اس گفتگو کو غور سے سن رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا مجھ سے پوچھئے کہ کیا کرنا چاہئے۔ آپ اپنا جہاز کا ٹکٹ منسوخ کرا لیجئے اور یہاں ایک مہینہ اور ٹھہریئے۔ ہم آپ کی ہدایت کے مطابق لڑیں گے۔"

سب کے سب بول اٹھے "بالکل ٹھیک ہے! بالکل ٹھیک ہے! عبداللہ سیٹھ آپ گاندھی بھائی کو ہرگز نہ جانے دیجئے۔"

سیٹھ بڑے سیانے آدمی تھے انہوں نے کہا "مجھے اب کیا حق ہے کہ انہیں روکوں؟ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جتنا حق مجھے ہے اتنا ہی آپ کو بھی ہے۔ مگر آپ کہتے ٹھیک ہیں۔ آیئے ہم سب مل کر انہیں روکیں۔ البتہ یہ یاد رکھئے کہ یہ بیرسٹر ہیں۔ ان کی فیس کا کیا بندوبست ہوگا؟"

Marfat.com

فیس کے ذکر سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی اور میں نے قطع کلام کر کے کہا۔ سیٹھ صاحب فیس کا نام بھی نہ لیجئے۔ قومی خدمت کی کوئی فیس نہیں ہوتی۔ میں یہاں ٹھہرا بھی تو خادم کی حیثیت سے ٹھہروں گا اور آپ کو معلوم ہے کہ میں ان سب دوستوں سے واقف نہیں ہوں۔ اگر آپ کو یقین ہو کہ یہ میرا ساتھ دیں گے تو میں ایک مہینہ ٹھہرنے کو تیار ہوں۔ لیکن ایک بات ہے مجھے تو کوئی معاوضہ دینے کی ضرورت نہیں مگر جس قسم کا کام ہم کرنا چاہتے ہیں اس لئے ابتدا میں تھوڑا بہت روپیہ ضرور چاہئے مثلاً ممکن ہے ہمیں تار بھیجنا پڑیں۔ کاغذات چھپوانا پڑیں۔ دورہ کرنا، مقامی وکیلوں سے مشورہ لینا ہو اور چونکہ میں آپ کے یہاں کے قوانین سے ناواقف ہوں اس لئے شاید مجھے معلومات حاصل کرنے کے لئے کچھ کتابوں کی ضرورت پیش آئے۔ یہ سب کام بغیر روپیہ کے نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ایک شخص کے بس کی بات نہیں بہت سے لوگوں کو میرا ہاتھ بٹانا چاہئے۔"

سب نے ایک زبان ہو کر کہا "انشاء اللہ تعالیٰ، روپے کی کوئی کمی نہیں۔ آدمی جتنے آپ چاہیں موجود ہیں۔ آپ مہربانی کر کے ٹھہرنے کی ہامی تو بھریں۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔

اس طرح رخصتی پارٹی مجلس انتظامی بن گئی۔ میں نے یہ رائے دی کہ کھانا وغیرہ جلدی ختم کر کے گھر واپس چلنا چاہئے۔ میں نے اپنے دل میں اس مہم کا نقشہ سوچ لیا۔ میں نے ان لوگوں کے نام معلوم کئے جن کا نام ووٹ دینے والوں کی فہرست میں تھا اور ایک مہینہ ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا۔

اس طرح خدا نے میری جنوبی افریقہ کی زندگی کی بنیاد ڈالی اور اس لڑائی کا بیج بویا جو قومی خود داری کی حفاظت کے لئے لڑی گئی۔

Marfat.com

Marfat.com

سترھواں باب

نٹال میں مستقل سکونت

سیٹھ حاجی محمد حاجی دادا 1893ء میں نٹال کے ہندوستانیوں کے ممتاز رہنما سمجھے جاتے تھے۔ دولت کے اعتبار سے سیٹھ عبداللہ حاجی آدم سب سے بڑے ہوئے تھے۔ لیکن پبلک معاملات میں وہ اور دوسرے لوگ سیٹھ حاجی محمد ہی کو اپنا سردار مانتے تھے اس لئے ان کی صدارت میں ایک جلسہ سیٹھ عبداللہ کے گھر پر ہوا جس میں یہ طے کیا گیا کہ مسودہ قانون حق رائے دہندگی کی مخالفت کی جائے۔

رضا کار بھرتی کئے گئے جلسے میں وہ ہندوستانی بھی بلائے گئے جو نٹال میں پیدا ہوئے تھے۔ جن میں سے اکثر نوجوان عیسائی تھے۔ ڈربن کے مترجم عدالت مسٹر پال اور مشن اسکول کے ہیڈ ماسٹر مسٹر سبحان گاڈفرے بھی موجود تھے اور انہیں کی کوشش سے عیسائی نوجوان اچھی تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ یہ سب لوگ رضا کاروں میں بھرتی ہو گئے۔

بہت سے مقامی تاجر بھی رضا کار بنے جن میں سے سیٹھ دادو محمد، محمد قاسم، قمر الدین، آدم جی میاں خان، اے کولاند آویلو پلے، سی لچھمن رام، رنگاسامی پدیاچی اور اموو جیو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پارسی رستم جی بھی موجود تھے۔ محرروں میں سے مانک جی، جوشی، نرسنگھ رام اور دادا عبداللہ کمپنی اور دوسری بڑی دوکانوں کے ملازم تھے۔ ان سب نے اپنے آپ کو قومی کام میں شرکت کرتے دیکھا تو انہیں تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی ہوئی۔ ان کی زندگی میں یہ ایک نیا تجربہ تھا کہ انہیں اس کام میں حصہ لینے کی دعوت دی گئی۔ قومی مصیبت کے وقت اونچ نیچ، چھوٹے بڑے، نوکر آقا ہندو، مسلمان، پارسی، عیسائی، گجراتی، مدراسی، سندھی وغیرہ کا فرق بھلا دیا گیا سب کے سب یکساں اور وطن کے خادم تھے۔

Marfat.com

مسودے کی دوسری خواندگی منظور ہو چکی تھی یا ہونے والی تھی۔ اس موقع پر جو تقریریں ہوئیں ان میں کہا گیا تھا کہ ہندوستانیوں کا اس سخت تجویز کی مخالفت نہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ووٹ کا حق پانے کی قابلیت نہیں رکھتے۔

میں نے حاضرین جلسہ کو صورت حال سمجھائی۔ سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ مجلس وضع قوانین کے صدر کے نام تار بھیجا کہ مہربانی کر کے اس مسودے پر مزید بحث ملتوی کر دیجئے۔ اسی مضمون کا تار وزیراعظم سر جان رابنس کو دیا گیا اور مسٹر الیکومب کو بھی جو دادا عبداللہ کے دوست تھے۔ صدر نے فوراً جواب دیا کہ بحث دو دن کے لئے ملتوی کر دی گئی اس لئے ہم لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی۔

ایک عرضداشت مجلس وضع قوانین میں پیش کرنے کی غرض سے تیار کی گئی۔ اس کی تین نقلیں مجلس کے لئے کرنا تھیں اور ایک زائد نقل اخباروں کے لئے۔ یہ بھی تجویز تھی کہ ان حتی الامکان بہت سے دستخط حاصل کئے جائیں اور یہ سب کام ایک رات میں ختم کرنا تھا۔ انگریزی دان رضا کار اور بعض اور لوگ رات بھر جاگتے رہے۔ ایک ضعیف العمر بزرگ مسٹر ارتھر نے جن کی خوشنویسی مشہور تھی پہلا بیضہ لکھا اور نقلیں دوسرے لوگوں نے اس طرح کیں کہ ایک شخص بولتا جاتا تھا اور کئی آدمی لکھتے جاتے تھے۔ یوں ایک وقت میں پانچ نقلیں تیار ہو گئیں۔ تاجروں میں سے جو لوگ رضا کار تھے انہوں نے اپنی گاڑیوں میں اور کرائے کی گاڑیوں میں گشت لگا کر لوگوں سے عرضداشت پر دستخط کرائے۔ یہ کام بہت جلد ہو گیا اور عرضداشت بھیج دی گئی۔ اخباروں نے اسے شائع کیا اور موافق رائیں لکھیں۔ مجلس وضع قوانین میں بھی لوگ اس سے متاثر ہوئے اور اس پر بحث کی گئی۔ مسودہ قانون کے حامیوں نے ان دلیلوں کا جو اس میں پیش کی گئی تھیں جواب دیا، جو مسلمہ طور پر کمزور تھا۔ مگر قانون پاس ہو ہی گیا۔

سب جانتے تھے کہ یہی ہونا ہے۔ لیکن اس تحریک کے جوش و خروش نے نٹال کے ہندوستانیوں میں ایک نئی روح پھونک دی اور انہیں یقین دلا دیا کہ ان کی جماعت ایک متحد جماعت ہے جس میں کوئی تفریق نہیں اور ان کا فرض ہے کہ جس طرح اس کے تجارتی حقوق کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح سیاسی حقوق کی بھی کریں۔

اسی زمانے میں لارڈ رپن برطانیہ کے وزیر نو آبادیات تھے۔ ہم لوگوں نے فیصلہ کیا کہ ان کو ایک عرضداشت بھیجی جائے جس پر ہزاروں آدمیوں کے دستخط ہوں۔ کوئی چھوٹا کام نہیں تھا جو

Marfat.com

ایک دن میں ہو جاتا۔ رضا کار بھرتی کئے گئے اور ان سب نے اپنا اپنا کام مستعدی سے انجام دیا۔

میں نے اس عرضداشت کے تیار کرنے میں بڑی محنت کی۔ اس موضوع پر جتنا مواد مل سکتا تھا سب کا مطالعہ کیا میرے استدلال کی بنیاد دو چیزیں تھیں ایک اصولی بات اور دوسرا مصلحت کا پہلو۔ میں نے لکھا کہ چونکہ ہمیں ہندوستان میں ایک حد تک ووٹ کا حق حاصل ہے۔ اس لئے اصولاً نتال میں بھی ہونا چاہیے اور مصلحت بھی یہی ہے کہ یہ حق باقی رہنے دیا جائے کیونکہ ہندوستانیوں کی تعداد جو اسے استعمال کر سکتے ہیں بہت کم ہے۔

دو ہفتے کے اندر دس ہزار دستخط کئے گئے۔ سارے صوبے سے اس تعداد میں دستخط حاصل کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ خصوصاً اس لحاظ سے کہ کام کرنے والے بالکل ناتجربہ کار تھے اس لئے کہ خاص طور پر قابل رضاکاروں کا انتخاب کرنا پڑا کیونکہ طے کر لیا گیا تھا کہ کسی شخص سے اس وقت تک دستخط نہ کرائے جائیں گے۔ جب تک اسے عرضداشت کا مطلب پوری طرح نہ سمجھا دیا جائے۔ گاؤں دور دور پھیلے ہوئے تھے۔ کام جلدی ہونا جبھی ممکن تھا کہ کچھ رضاکار دل و جان سے اس میں لگ جائیں سب نے اپنے اپنے حصے کا کام سرگرمی اور جوش سے انجام دیا لیکن ان سطروں کو لکھتے وقت سیٹھ داؤد محمد، رستم جی، آدم جی میاں خاں اور آمود جیو کی شکلیں آنکھوں میں پھر رہی ہیں۔ یہ سب سے زیادہ دستخط جمع کر کے لائے۔ داؤد سیٹھ دن بھر اپنی گاڑی میں پھرتے رہے اور یہ سارا کام بلامعاوضہ کیا گیا۔ بلکہ لوگوں نے جو اپنے پاس سے خرچ کیا تھا وہ بھی نہیں لیا۔ دادا عبداللہ کا گھر سرائے اور عام دفتر بن گیا۔ متعدد تعلیم یافتہ دوست جو میرا ہاتھ بٹاتے تھے اور بہت سے لوگ وہیں کھانا کھاتے تھے۔ اس طرح ہر شخص کو جو ہماری مدد کرتا تھا زیر بار ہونا پڑا۔

خدا خدا کر کے درخواست بھیجی گئی۔ گشت کرانے اور تقسیم کرانے کے لئے اس کی ایک ہزار کاپیاں چھپوائی گئی تھیں۔ اس کے ذریعہ سے ہندوستان کے لوگوں کو پہلی بار نتال کے حالات معلوم ہوئے۔ میں نے اس کی کاپیاں ہندوستان کے سب اخباروں اور سیاسی مضمون نگاروں کو، جن سے میں واقف تھا بھیجیں۔

ٹائمز آف انڈیا نے اس عرضداشت پر ایک مقالہ افتتاحیہ لکھا۔ جس میں ہندوستانیوں کے مطالبات کی زور دار تائید کی ہم نے انگلستان کی مختلف پارٹیوں کے اخباروں اور سیاسی مضمون نگاروں کو بھی اس کی کاپیاں بھیجیں۔ لندن ٹائمز نے بھی ہماری تائید کی اور ہمارے دل میں یہ امید بندھنے لگی کہ یہ قانون منسوخ کر دیا جائے گا۔

Marfat.com

اب میرے لئے نٹال سے جانا ممکن نہ تھا۔ ہندوستانی دوستوں نے مجھے گھیر لیا اور میرے پیچھے پڑ گئے کہ وہاں مستقل طور پر قیام کر لوں۔ میں نے اپنی مشکلوں کا ذکر کیا۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ یہاں رہوں گا تو اس شرط پر کہ اپنا خرچ پبلک پر نہ ڈالوں گا۔ اب یہ ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ میں الگ گھر لے کر رہوں۔ میں سوچتا تھا کہ مکان معقول ہو اور موقع بھی اچھا ہو۔ یہ بھی خیال تھا اگر میں اس شان سے نہ رہوں جیسے بیرسٹر عموماً رہتے ہیں تو اس میں میری جماعت کی بدنامی ہے اور اس طرح رہنے میں بظاہر تین سو پونڈ سالانہ سے کم خرچ نہ تھا۔ اس لئے میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر کے لوگوں سے کہہ دیا "میں صرف ایک شرط پر ٹھہر سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جماعت کے لوگ میرے لئے کم سے کم تین سو پونڈ سالانہ کا قانونی کام فراہم کرنے کا ذمہ لیں۔"

انہوں نے کہا "مگر ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اتنی رقم آپ کو پبلک خدمات کے معاوضے میں دی جائے اور ہم اسے آسانی سے جمع کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اس فیس کے علاوہ ہے جو آپ کو لوگوں کے ذاتی مقدمے میں ملے گی۔"

میں نے کہا "نہیں میں پبلک خدمت کا معاوضہ آپ سے نہیں لے سکتا۔ اس میں مجھے بیرسٹری کی قابلیت صرف کرنے کی بہت کم ضرورت پڑے گی۔ میرا کام تو یہ ہو گا کہ آپ سب لوگوں سے کام لوں۔ بھلا اس کا معاوضہ میں آپ سے کیسے لے سکتا ہوں؟ اس کے علاوہ مجھے اس کام کے سلسلے میں اکثر لوگوں سے چندہ مانگنے کی ضرورت ہو گی اور اگر میں آپ سے تنخواہ لوں تو پھر بڑی رقموں کا مطالبہ کرنے میں دقت ہو گی اور آگے چل کر کام رک جائے گا۔"

"مگر ہم آپ کو اتنے دن سے جانتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ آپ ضرورت سے زیادہ روپیہ ہرگز نہ لیں گے۔ جب ہم آپ کو ٹھہرا رہے ہیں تو آپ کا خرچ بھی ہمارے ذمے ہونا چاہئے۔"

"آپ محبت کے سبب سے اور موجودہ جوش میں ہی باتیں کہہ رہے ہیں۔ یہ کیسے یقین ہو کہ یہ محبت اور جوش ہمیشہ رہے گا؟ آپ کے دوست اور خادم کی حیثیت سے مجھے کبھی کبھی آپ سے سخت باتیں کہنا پڑیں گی۔ خدا جانے اس وقت آپ کو مجھ سے محبت رہے یا نہ رہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں پبلک کا معاوضہ لینا جائز نہیں سمجھتا۔ میرے لئے یہی کافی ہے کہ آپ لوگ اپنے قانونی معاملات میرے سپرد کر دیا کریں۔ ممکن ہے کہ اس میں بھی آپ کو دقت ہو۔ کیونکہ اول تو میں گورا بیرسٹر نہیں ہوں۔ معلوم نہیں عدالت پر میرا کیسا اثر پڑے۔ دوسرے یہ بھی یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ وکیل کی حیثیت سے کیسا رہوں گا۔ اس لئے مجھے پہلے سے وکیل کرنا بھی آپ کے لئے جوکھم

Marfat.com

سے خالی نہیں۔ اگر میرے ساتھ اتنا احسان کریں گے تو میں اسی کو اپنے لیے کافی معاوضہ سمجھوں گا۔"

اس بحث کا یہ نتیجہ ہوا کہ تقریباً بیس تاجروں نے مجھے ایک سال کے لئے اپنے تمام قانونی معاملات میں وکیل کر لیا۔ اس کے علاوہ دادا عبداللہ نے بجائے اس رقم کے جو وہ مجھے رخصت کرتے وقت دینا چاہتے تھے مجھے فرنیچر خرید دیا۔ یوں میں نے نٹال میں سکونت اختیار کر لی۔

Marfat.com

Marfat.com

اٹھارھواں باب

رنگ کی قید

عدالت کی تمثیل ایک ترازو قرار دی گئی ہے جسے ایک اندھی منصف مزاج تیز رفتار ہاتھ میں اس طرح لئے بیٹھی ہے کہ اس کے دونوں پلڑے برابر ہیں تقدیر نے اسے خاص کر کے اندھا کر دیا ہے تاکہ وہ کسی شخص کے متعلق اس کی ظاہری صورت کی بنار پر رائے قائم نہ کر سکے بلکہ اس کے باطنی جوہر کو تولے۔ مگر نٹال کی انجمن وکلار نے عدالت العالیہ کو ترغیب دی کہ وہ اس اصول کے خلاف عمل کرے اور اپنی تمثیل کو غلط کر دے۔

میں نے عدالت العالیہ میں بیرسٹر کی حیثیت سے داخلے کی اجازت چاہی۔ میرے پاس بمبئی ہائیکورٹ کے داخلے کی سند تھی۔ انگلستان کی سند میں نے بمبئی ہائیکورٹ کے حوالے کر دی تھی۔ داخلے کی درخواست کے ساتھ چال چلن کے دو تصدیق نامے داخل کرنا ضروری تھا۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ یورپینوں کی تصدیق کی زیادہ وقعت ہو گی دو یورپی تاجروں سے جنہیں میں دادا عبداللہ کی معرفت جانتا تھا یہ تصدیق نامے لکھوائے عرضی کے لئے یہ شرط تھی کہ کسی وکیل کی معرفت داخل کی جائے اور عموماً صدر مشیر قانونی ایسی درخواستیں بغیر کسی مجلس کے داخل کر دیتا تھا۔ صدر مشیر قانونی مسٹر ایسکومب تھے جن کے متعلق ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ دادا عبداللہ کمپنی ان سے اپنے معاملات میں قانون مشورہ لیا کرتی تھی۔ میں ان کے پاس گیا اور وہ میری درخواست داخل کرنے پر خوشی سے راضی ہو گئے۔

مگر انجمن وکلا نے مجھے اچانک یہ نوٹس دیا کہ وہ میرے داخلے کی مخالفت کرے گی۔ اس کا اعتراض یہ بھی تھا کہ میری درخواست کے ساتھ انگلستان کی اصل سند نہیں ہے لیکن جس بات پر اس نے سب سے زیادہ زور دیا وہ یہ تھی کہ جب بیرسٹروں کے داخلے کے قواعد بنائے گئے تو یہ امکان

Marfat.com

ہرگز بنانے والوں کے ذہن میں نہ ہو گا کہ کوئی کالا آدمی بھی داخلے کی درخواست کرے گا اگر کالے آدمی داخل کئے گئے تو ان کی تعداد یورپیوں سے بڑھ جائے گی اور یورپیوں کے لئے اپنے حقوق کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا۔

انجمن وکلا کی طرف سے ایک نامی وکیل پیروکار تھے۔ چونکہ ان کا تعلق بھی دادا عبداللہ کمپنی سے تھا۔ اس لئے انہوں نے سیٹھ عبداللہ کی زبانی کہلا بھیجا کہ تم آکر مجھ سے مل جاؤ انہوں نے مجھ سے کھل کر گفتگو کی اور میرے پچھلے حالات پوچھے جو میں نے بیان کر دیئے۔ اس پر انہوں نے کہا "مجھے آپ کے داخلے پر کوئی اعتراض نہیں مجھے تو صرف یہ خوف تھا کہ کہیں آپ ان لوگوں میں تو نہیں جن کی پیدائش یہیں کی ہے اور جو گھس بیٹھ کر کسی نہ کسی طرح آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ اور آپ کی درخواست کے ساتھ اصل سند نہ ہونے سے میرے شبے کی تائید ہوئی۔ ایسے واقعات ہو چکے ہیں کہ لوگوں نے دوسروں کی اسناد اپنے نام سے پیش کر دیں۔ آپ نے چال چلن کے جو تصدیق نامے یورپی تاجروں کی طرف سے پیش کئے ہیں وہ میری نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ یہ لوگ آپ کے حالات کیا جانیں؟ انہیں آپ سے واقفیت ہو گی بھی تو برائے نام ہو گی؟"

میں نے کہا "یوں تو پھر یہاں ہر شخص مجھ سے ناواقف ہے۔ عبداللہ سیٹھ کی بھی مجھ سے یہیں کی ملاقات ہے۔"

"مگر آپ تو یہ کہتے ہیں نہ کہ وہ آپ کے ہموطن ہیں؟ اگر آپ کے والد وہاں وزیر تھے تو عبداللہ سیٹھ آپ کے خاندان کو ضرور جانتے ہوں گے۔ آپ ان کی حلفی تصدیق پیش کر دیں تو مجھے آپ کے معاملے میں مطلق اعتراض نہ ہو گا۔ تب میں انجمن وکلار سے کہہ دوں گا کہ میں آپ کی درخواست کی مخالفت نہیں کر سکتا۔"

یہ گفتگو سن کر مجھے غصہ آگیا مگر میں نے ضبط سے کام لیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا "اگر میں دادا عبداللہ کا تصدیق نامہ بھیجتا تو یہ لوگ اسے رد کر دیتے اور یورپیوں کے تصدیق نامے مانگتے۔ بھلا بیرسٹری کے داخلے سے میرے حسب نسب کو کیا تعلق؟ اگر میں غریب یا برے خاندان کا بھی ہوتا تو میرے داخلے پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا، مگر میں نے ان سے صرف اتنا کہا "اگرچہ میں تسلیم نہیں کرتا کہ انجمن وکلار کو ان تفصیلات کا مطالبہ کرنے کا حق ہے پھر بھی میں وہ تصدیق نامہ جو آپ مانگتے ہیں پیش کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

سیٹھ عبداللہ کی طرف سے حلفی تصدیق نامہ لکھ کر باضابطہ انجمن وکلار کے پیروکار کو بھیج دیا گیا

Marfat.com

انہوں نے اپنا اطمینان ظاہر کیا مگر انجمن وکلاء مطمئن نہیں ہوئی۔ اس نے عدالت عالیہ میں میرے داخلے کی مخالفت کی۔ مگر عدالت نے اس کی عذر داری کو خارج کر دیا۔ ہمارے کیبل مسٹر ایسکومب کو جو اب تک دینے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ چیف جسٹس کے الفاظ قریب قریب یہ تھے۔ "یہ اعتراض کہ عرضی گذار نے میں اصل سند منسلک نہیں کی، بے بنیاد ہے۔ اگر وہ دروغ حلفی کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر مقدمہ چلایا جا سکتا ہے اور اگر وہ مجرم ثابت ہو تو اس کا نام وکلاء کی فہرست سے خارج کیا جا سکتا ہے۔ قانون کالے گورے میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ اس لئے عدالت کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ مسٹر گاندھی کو بیرسٹروں کے زمرے میں داخل ہونے سے روکے۔ ہم درخواست منظور کرتے ہیں۔ مسٹر گاندھی آپ داخلے کا حلف اٹھایئے۔"

میں نے کھڑے ہو کر رجسٹرار کے سامنے حلف اٹھایا۔ اس کے بعد ہی چیف جسٹس نے مجھ سے کہا مسٹر گاندھی اب آپ کو اپنی پگڑی اتارنا پڑے گی۔ عدالت نے اپنے بیرسٹر کے لباس کے متعلق جو قاعدے مقرر کئے ہیں ان کی پابندی آپ پر لازم ہے"

اب مجھے محسوس ہوا کہ میری آزادی محدود ہو گئی۔ وہی پگڑی جس کے اتارنے سے میں نے مجسٹریٹ ضلع کی عدالت میں انکار کر دیا تھا اب مجھے عدالت العالیہ کے حکم سے اتارنا پڑی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اگر میں اس حکم کی تعمیل سے انکار کرتا تو یہ انکار جائز نہ ہوتا لیکن میں چاہتا تھا کہ اپنی قوت کو بڑے معرکوں کے لئے محفوظ رکھوں، مجھے لڑنے میں جو سلیقہ حاصل تھا اسے پگڑی باندھنے کی حمایت میں صرف کرنا مجھے منظور نہ تھا۔ یہ چیز اس قابل تھی کہ اس سے بہتر مقصد کے لئے استعمال کیا جائے۔

سیٹھ عبداللہ اور دوسرے دوستوں کو میری یہ خوئے تسلیم (یا کمزوری؟) پسند نہیں آئی۔ ان کے نزدیک مجھے اپنے اس حق پر اصرار کرنا چاہیئے تھا کہ عدالت میں پگڑی باندھ کر جایا کروں۔ میں نے انہیں سمجھایا بجھایا اور یہ مثل یاد دلائی "جیسا دیس ویسا بھیس" میں نے کہا "اگر ہندوستان میں کوئی انگریز افسر پگڑی اتارنے کا حکم دیتا تو انکار کرنا جائز تھا لیکن نٹال کی عدالت میں جو دستور ہے اس کی پابندی سے انکار مجھے بحیثیت ایک رکن عدالت کے مناسب نہیں۔"

میں نے اس قسم کی دلیلوں سے اپنے دوستوں کو کسی قدر دھیما کیا لیکن انہیں اس معاملے میں اس اصول کا پوری طرح قائل نہ کر سکا کہ ایک ہی چیز مختلف صورتوں میں مختلف نقطہ نظر سے دیکھی جا سکتی ہے حالانکہ مجھے زندگی بھر خود حق پرستی نے یہ سبق دیا ہے کہ صلح کی خاطر کسی قدر

Marfat.com

دب جانا بہت اچھی چیز ہے۔ آگے چل کر مجھے معلوم ہوا کہ یہ روش ستیاگرہ کا لازمی جزو ہے۔ اس کے سبب سے مجھے اکثر اپنی جان خطرے میں ڈالنا اور دوستوں کی خفگی اٹھانا پڑی مگر حق میرے کی طرح سخت ہے اور شگوفے کی طرح نازک۔

انجمن وکلار کی مخالفت سے جنوبی افریقہ میں میری اور بھی شہرت ہو گئی۔ بہت سے اخباروں نے انجمن کو اس مخالفت پر ملامت کی اور اسے حاسد قرار دیا۔ اس شہرت سے ایک حد تک میرے کام میں آسانی پیدا ہو گئی۔

Marfat.com

انیسواں باب

نٹال انڈین کانگرس

وکالت میرے لئے اول سے آخر تک ایک ضمنی مشغلے کی حیثیت رکھتی تھی نٹال کے قیام میں میرا جو مقصد تھا اسے پورا کرنے کے لئے یہ لازم تھا کہ میں پبلک کام پر پوری توجہ صرف کروں۔ ہندوستانیوں کو ووٹ کے حق سے محروم کرنے والے قانون کے خلاف محض عرضداشت بھیج دینا کافی نہ تھا۔ وزیر نوآبادیات کو متاثر کرنے کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ لوگوں میں جوش پھیلانے کی کوشش کی جائے۔ یہ قرار پایا کہ اس مقصد کے لئے ایک مستقل ادارہ ہونا چاہئے میں نے سیٹھ عبداللہ اور دوسرے دوستوں کے مشورے سے ایک مستقل انجمن قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں بڑے شش و پنج میں تھا کہ نئی انجمن کا نام کیا رکھا جائے ایسے نام کی ضرورت تھی جس کا تعلق کسی خاص پارٹی سے نہیں بلکہ سارے ہندوستانیوں کو ظاہر کرتا ہو۔ مجھے معلوم تھا کہ "کانگریس کا نام انگلستان کے قدامت پسندوں میں بھی بدنام ہے مگر ہندوستان کی جان کانگریس ہی ہے۔ پس چاہتا تھا کہ اسے نٹال میں ہر دلعزیز بناؤں۔ اس نام کے اختیار کرنے میں ہچکچانا بزدلی سی معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے میں نے مفصل دلائل کے ساتھ یہ تجویز پیش کی کہ اس انجمن کا نام نٹال انڈین کانگریس رکھا جائے اس طرح 24 مئی کو نٹال انڈین کانگریس معرض وجود میں آئی۔

اس روز دادا عبداللہ کا وسیع کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سب حاضرین نے بڑے جوش کے ساتھ کانگریس کے قیام پر پسندیدگی کا ظہار کیا۔ اس کا دستور اساسی بالکل سیدھا سادہ تھا اور چندہ زیادہ رکھا گیا تھا۔ اس کا ممبر وہی شخص ہو سکتا تھا جو پانچ شلنگ ماہوار دے۔ مرفہ الحال طبقے کے لوگ اس پر آمادہ کئے گے۔ کہ جتنا زیادہ سے زیادہ چندہ دے سکیں دیا کریں۔ عبداللہ سیٹھ نے سب سے

Marfat.com

زیادہ یعنی دو پونڈ ماہوار چندہ لکھوایا۔ دو اور دوستوں نے ان کی تقلید کی۔ میں نے سوچا کہ مجھے اپنے چندے میں کمی نہیں کرنا چاہیے اس لئے ایک پاؤنڈ ماہوار میں نے بھی لکھ دیا۔ یہ میرے لئے کوئی چھوٹی رقم نہ تھی۔ لیکن میں نے خیال کیا کہ اگر میرا کام ذرا بھی چل گیا تو اتنا دینا میری مقدرت سے باہر نہ ہو گا اور خدا کے فضل سے ایسا ہی ہوا۔ ممبروں کی ایک معقول تعداد نے ایک پونڈ چندہ لکھوایا۔ دس شلنگ دینے والوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ تھی۔ اس کے علاوہ کچھ لوگوں نے یکمشت عطیئے دیئے جو خوشی کے ساتھ قبول کئے گئے۔

تجربے سے معلوم ہوا کہ ایک بار مانگنے سے کوئی شخص چندہ نہیں دیتا اور جو ممبر ڈربن سے باہر رہتے تھے ان کے یہاں بار بار جانا ناممکن تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سارا جوش ہانڈی کا سا ابال تھا جو چشم زدن میں غائب ہو گیا۔ خود ڈربن کے ممبر بھی بغیر بار بار کے تقاضے کے چندہ نہیں دیتے تھے۔

چندہ جمع کرنے کا کام میرے متعلق تھا کیونکہ سیکرٹری میں ہی تھا۔ کچھ دنوں میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ میرا محرر دن بھر چندہ مانگتا پھرتا تھا۔ وہ بیچارہ اس کام سے عاجز آگیا اور میں نے یہ محسوس کیا کہ اگر اس صورت حال میں اصلاح کرنا ہے تو چندے کی وصولی ماہوار نہیں بلکہ سالانہ ہونا چاہیئے اور وہ بھی ہمیشہ پیشگی اس لئے میں نے کانگریس کا جلسہ کیا۔ ہر شخص نے خوشی سے یہ تجویز منظور کی کہ چندہ بجائے ماہوار کے سالانہ کر دیا جائے۔ اور کم سے کم تین پاؤنڈ رکھا جائے۔ اس سے وصولی کے کام میں بڑی آسانی ہو گی۔

میں نے پہلے ہی سبق سیکھ لیا تھا کہ پبلک کام قرض کے روپے سے کبھی نہیں کرنا چاہیئے۔ لوگوں کا اعتبار اور بہت سی باتوں میں کیا جا سکتا ہے مگر روپے کے معاملے میں جائز نہیں۔ میں نے لوگوں کو کبھی موعودہ چندہ ادا کرنے میں مستعد نہیں پایا اور نٹال کے ہندوستانی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ اس لئے میں نے بغیر روپے کے کبھی کوئی کام شروع نہیں کیا اور نٹال انڈین کانگریس کبھی مقروض نہیں رہی۔

میرے رفیقوں نے ممبر بنانے میں غیر معمولی سرگرمی دکھائی۔ یہ ایسا کام تھا جس سے انہیں دلچسپی بھی تھی اور بہت قیمتی تجربہ حاصل ہوتا تھا۔ لوگ بہت بڑی تعداد میں نقد چندہ ادا کر کے ممبر بننے لگے۔ اندرون ملک کے دور افتادہ دیہات میں کام کرنا دقت سے خالی نہ تھا۔ لوگ پبلک کام کی ماہیت سے واقف نہ تھے۔ پھر کبھی ہم دور دراز مقامات پر بلائے جاتے تھے اور ہر جگہ کے

Marfat.com

بڑے تاجر ہمیں اپنے یہاں مہمان رکھتے تھے۔

ایک بار دورے میں ذرا مشکل پڑ گئی ہمیں توقع تھی کہ ہمارے میزبان چھ پاؤنڈ چندہ دیں گے لیکن انہوں نے تین پاؤنڈ سے زیادہ دینے سے انکار کر دیا۔ اگر ہم ان سے یہ رقم قبول کر لیتے تو دوسرے بھی ان کی تقلید کرتے اور ہمارا مجموعی چندہ بہت کم ہو جاتا۔ رات زیادہ ہو گئی تھی اور ہم بہت بھوکے تھے۔ لیکن ہم جتنی رقم لینے پر اڑے ہوئے تھے۔ اسے وصول کئے بغیر کھانا کیونکر کھاتے؟ ہم نے لاکھ سر مارا مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ ہمارے میزبان کسی طرح نہیں مانتے تھے۔ اس مقام کے دوسرے تاجر انہیں سمجھاتے رہے اور ساری رات جاگتے گذر گئی مگر نہ وہ اپنی بات سے ذرہ برابر ہٹے اور نہ ہم۔ میرے بہت سے رفیق غصے سے کھول رہے تھے مگر انہوں نے ضبط سے کام لیا۔ خدا خدا کر کے صبح سویرے ہمارے میزبان پسیجے۔ انہوں نے چھ پاؤنڈ دیئے اور ہم نے خوب پیٹ بھر کے کھانا کھایا۔ یہ ٹون گاٹ کا واقعہ ہے۔ مگر اس کا اثر اسٹینگر سے لے کر جو شمالی ساحل پر واقع ہے اندرون ملک میں چارلس ٹاؤن تک پڑا اور اس کی بدولت وصولی کا کام تیزی سے ہونے لگا۔ مگر ہمارا کام صرف یہی نہ تھا کہ چندہ جمع کرتے رہتے بلکہ میں نے تو عرصے سے یہ سبق سیکھ لیا تھا کہ جتنے روپے کی ضرورت ہو اس سے زیادہ اپنے پاس نہیں رکھنا چاہیئے۔

جلسہ مہینے میں ایک بار یا اگر ضرورت ہو تو ہفتے میں ایک بار ہوتا تھا۔ پچھلے جلسے کی روداد پڑھی جاتی تھی اور ہر قسم کے سوالات پر بحث ہوتی تھی۔ لوگوں کو پبلک مباحثوں میں شرکت کا اور مختصر اور برمحل تقریر کرنے کا تجربہ نہ تھا۔ ہر شخص تقریر کرنے سے ہچکچاتا تھا۔ میں نے انہیں پبلک جلسوں کے ضوابط سمجھائے اور یہ لوگ ان کی پابندی کرنے لگے۔ انہیں محسوس ہو گیا کہ یہ ان کے لئے ایک تعلیم ہے اور بہت سے لوگ جنہیں کبھی مجمع کے سامنے تقریر کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس کے عادی ہو گئے کہ پبلک مسئلوں کے متعلق اپنے خیالات عام جلسوں میں بیان کر سکیں۔

مجھے معلوم تھا کہ پبلک کام میں کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے اخراجات میں بہت روپیہ صرف ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں نے یہ طے کیا تھا کہ ابتدا میں رسید یہاں تک نہیں چھپوانا چاہئیں۔ میرے دفتر میں ایک نقل کی مشین تھی اسی پر میں رسیدوں اور رپورٹوں کی نقلیں لے لیا کرتا۔ ان چیزوں کو چھپوانا میں نے اس وقت شروع کیا جب کانگریس کے پاس روپے کی افراط ہو گئی اور ممبروں کی تعداد اور کام کی مقدار بہت بڑھ گئی۔ اس طرح کی کفایت شعاری ہر انجمن کے لئے ضروری

Marfat.com

ہے۔ مگر مجھے معلوم ہے کہ یہ بہت کم برتی جاتی ہے۔ اسی لئے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ ایک چھوٹی مگر ترقی پذیر انجمن کی ابتدائی حالت کا ذکر کرتے ہوئے یہ تفصیلات بیان کر دوں۔

لوگوں کو روپیہ دے کر رسید لینے کی پروا نہ تھی لیکن ہم ہمیشہ بڑے اصرار سے رسید دیا کرتے تھے۔ اس طرح پائی پائی کا حساب رہتا تھا اور میرے خیال میں 1894ء کے حسابات نٹال انڈین کانگریس کے دفتر میں اب تک محفوظ ہوں گے۔ حساب کے معاملے میں احتیاط ہر انجمن کے لئے ضروری ہے بغیر اس کے وہ بدنام ہو جاتی ہے۔ جب تک حساب باقاعدہ نہ ہو حق کی اصل پاکیزگی قائم رہنا ناممکن ہے۔

کانگریس کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ اس میں وہ تعلیم یافتہ ہندوستانی بھی شریک تھے جو افریقہ میں پیدا ہوئے تھے۔ کانگریس کے ماتحت افریقی ہندیوں کے لئے ایک تعلیمی انجمن قائم کی گئی جس کے ارکان زیادہ تر یہی تعلیم یافتہ نوجوان تھے۔ انہیں کچھ برائے نام چندہ بھی دینا پڑتا تھا۔ اس انجمن میں وہ اپنی ضرورتوں اور شکایتوں کو ظاہر کر سکتے تھے۔ یہاں ان کی غور و فکر کی قوت ابھرتی تھی۔ انہیں ہندوستانی تاجروں سے ملنے جلنے کا اور اپنے بھائیوں کی خدمت کرنے کا موقع ملتا تھا۔ یہ ایک طرح کا دارالمباحثہ تھا۔ اس کے ارکان پابندی سے جمع ہوا کرتے تھے اور مختلف مضامین پر تقریریں کرتے تھے یا مضامین پڑھتے تھے۔ انجمن کے ساتھ ایک چھوٹا سا کتب خانہ بھی تھا۔

کانگریس کا تیسرا کام تھا تبلیغ اشاعت یعنی افریقہ اور انگلستان کے انگریزوں اور ہندوستان کے لوگوں کو نٹال کے صحیح حالات سے آگاہ کرنا میں نے اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر دو پمفلٹ لکھے پہلے کا نام تھا "جنوبی افریقہ کے ہر برطانوی سے ایک درخواست" اس میں میں نے نٹال کے ہندوستانیوں کی عام حالت مع اعداد و شمار بیان کی تھی اور ہر بات کا ثبوت دیا تھا دوسرے کا نام تھا "ہندوستانی اور ووٹ کا حق۔ ایک درخواست" اس میں نٹال کے ہندوستانیوں کے مسلمہ ووٹ کی ایک مختصر سی تاریخ مع اعداد و شمار لکھی تھی۔ میں نے یہ رسالے بڑی محنت اور بڑے مطالعے کے بعد لکھے تھے میری محنت ٹھکانے لگی اور ان رسالوں کی خوب اشاعت ہوئی۔

اس ساری جدوجہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے بہت سے دوست پیدا ہو گئے اور ہندوستان کی سب پارٹیوں کو اس مسئلے سے ہمدردی اور دلچسپی ہو گئی۔ اس کے علاوہ خود افریقہ کے ہندوستانیوں کو ایک معینہ راہ عمل نظر آنے لگی۔

Marfat.com

بیسواں باب

بالاسندرم

دل کی سچی اور پاک آرزو ہمیشہ پوری ہوتی ہے۔ میں نے خود اس اصول کی صحت کا بارہا تجربہ کیا ہے۔ غریبوں کی خدمت کرنے کی مجھے ہمیشہ آرزو رہی ہے۔ اس کی بدولت میں ان میں مل جل کر رہا اور انہیں کا ہو رہا۔

نٹال انڈین کانگریس میں افریقی ہندی اور محرر وغیرہ شامل تھے لیکن بے سیکھے مزدور اور پابند مزدور ابھی شامل نہیں کئے گئے تھے۔ ابھی تک کانگریس ان کی نہ تھی۔ ان لوگوں میں اتنی مقدرت نہ تھی کہ چندہ دے کر اس کے کارکن بنیں۔ کانگریس انہیں صرف اس طرح اپنا کر سکتی تھی کہ ان کی خدمت کرے اس کا ایک موقع آیا لیکن سچ پوچھئے تو ابھی تک نہ کانگریس اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار تھی اور نہ میں تھا۔ ابھی مجھے وکالت شروع کئے دو ہی تین مہینے ہو رہے تھے اور کانگریس بالکل ابتدائی حالت میں تھی کہ ایک دن کیا دیکھتا ہوں ایک تاملی چیتھڑے لگائے اپنا پھیٹا ہاتھ میں لئے میرے سامنے کھڑا کانپ رہا ہے اور رو رہا ہے۔ اس کے سامنے کے دو دانت ٹوٹے ہوئے ہیں اور اس کے منہ سے خون بہہ رہا ہے۔ مجھے اس شخص کا سارا حال اپنے محرر سے معلوم ہوا جو خود تاملی تھا۔ آنے والے کا نام بالاسندرم تھا اور یہ نٹال کے ایک مشہور یورپی کے یہاں پابند مزدور تھا۔ اس کے آقا نے غصے کے مارے آپے سے باہر ہو کر اسے اتنا مارا کہ اس کے دو دانت ٹوٹ گئے۔

میں نے اسے ڈاکٹر کے پاس بھیجا۔ ان دنوں وہاں صرف یورپی ڈاکٹر تھے۔ میں ایک تصدیق نامہ چاہتا تھا جس سے معلوم ہو بالاسندرم کو کس قسم کی چوٹ آئی ہے۔ مجھے یہ تصدیق نامہ مل گیا اور میں نے فوراً بالاسندرم کو مجسٹریٹ کے یہاں لے جا کر بیان حلفی داخل کرا دیا۔ مجسٹریٹ اسے پڑھ

Marfat.com

کر آگ ہو گیا اور اس نے فوراً آقا کے نام سمن جاری کر دیا۔

میری ہرگز یہ خواہش نہ تھی کہ آقا کو سزا دلاؤں۔ میں تو صرف بالاسندرم کو اس کے پنجے سے چھڑانا چاہتا تھا۔ پابند مزدوروں کے متعلق جو قانون تھا وہ میں نے پڑھا۔ اگر معمولی نوکر بغیر پہلے سے اطلاع دیئے نوکری چھوڑ دے تو اس کا آقا اس پر دیوانی میں مقدمہ چلا سکتا تھا۔ مگر پابند مزدور کی حالت بالکل دوسری تھی۔ اس پر ایسی صورت میں فوجداری میں مقدمہ چلایا جاتا تھا اور اگر وہ مجرم قرار پائے تو اسے قید کی سزا ہوتی تھی۔ اسی لئے سرولیم منٹر نے کہا تھا کہ پابند مزدوری غلامی سے کم نہیں۔ پابند مزدور بھی غلام ہی کی طرح اپنے آقا کی ملکیت ہوا کرتا تھا۔

بالاسندرم کو چھڑانے کی صرف دو تدبیریں تھیں یا تو پابند مزدوروں کے محافظ (1) سے درخواست کی جاتی ہے کہ اس کے معاہدے کو منسوخ کر دے یا اسے کسی اور شخص کی ماتحتی میں دے دے یا خود بالاسندرم کے آقا سے کہا جاتا کہ وہ اسے سبکدوش کر دے۔ میں نے اس کے آقا کے پاس جا کر کہا "میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ آپ پر مقدمہ چلاؤں اور آپ کو سزا دلاؤں۔ میرے خیال میں آپ کو خود یہ احساس ہو گا کہ آپ نے اس شخص کو بہت بری طرح مارا ہے۔ میرے اطمینان کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ اس کی خدمات کسی اور شخص کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ اس پر وہ فوراً راضی ہو گیا۔ اس کے بعد میں محافظ سے ملا۔ اس نے بھی رضامندی ظاہر کی مگر اس شرط پر کہ میں خود بالاسندرم کے لئے کوئی نیا آقا ڈھونڈوں۔

اس لئے میں نے تلاش شروع کر دی یہ شرط تھی کہ کوئی فرنگی آقا ہو کیونکہ ہندوستانیوں کو پابند مزدور رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان دنوں مجھ سے بہت کم یورپیوں سے ملاقات تھی۔ ان میں سے ایک سے میں ملا اور ازراہ مہربانی بالاسندرم کو لینے پر راضی ہو گیا۔ میں نے اس مہربانی کا دل سے شکریہ ادا کیا۔ مجسٹریٹ نے بالاسندرم کے پہلے آقا کو مجرم قرار دیا اور فیصلے میں لکھ دیا کہ وہ (باہمی تصفیہ کی بنا پر) بالاسندرم کی خدمات کسی دوسرے کی طرف منتقل کرنے پر راضی ہو گیا۔

بالاسندرم کے معاملے کی خبر ہر پابند مزدور کو ہو گئی اور میں ان مزدوروں کا دوست سمجھا جانے لگا مجھے اس رابطے کے پیدا ہونے سے بڑی خوشی ہوئی۔ میرے دفتر میں پابند مزدوروں کا تانتا بندھ گیا اور مجھے ان کے رنج و راحت سے واقف ہونے کا بہترین موقع ملا۔

اس معاملے کی صدائے بازگشت دور دراز مدراس تک میں سنی گئی۔ اس صوبے کے مختلف حصے کے مزدور جو معاہدہ کر کے نٹال جایا کرتے تھے اپنے بھائیوں کے ذریعے سے جو افریقہ میں مقیم

Marfat.com

تھے اس سے واقف ہو گئے۔

خود اس معاملے میں کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن پابند مزدور کو یہ دیکھ کر کہ نٹال میں ایک شخص ان کی مدد کے لئے اور کھلم کھلا ان کا ساتھ دینے کے لئے موجود ہے۔ بڑی خوشی ہوئی اور ان کا دل امید سے معمور ہو گیا۔

میں کہہ چکا ہوں کہ جب بالاسندرم میرے دفتر میں آیا تھا تو اپنا پھینٹا ہاتھ میں لئے تھا۔ اس بات کا ایک افسوس ناک پہلو تھا جس سے ہم لوگوں کی ذلت ظاہر ہوتی تھی۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ مجھے عدالت نے پگڑی اتارنے کا حکم دیا تھا۔ ہر پابند مجبوز اور ہر اجنبی ہندوستانی کے لئے زبردستی یہ قاعدہ بنا دیا گیا تھا کہ جب وہ کسی یورپی کے سامنے جائے تو اپنی پگڑی یا ٹوپی یا پھینٹا اتار کر جائے۔ صرف سلام چاہے دونوں ہاتھوں سے کیوں نہ کیا جائے۔ کافی نہ تھا بیچارہ بالاسندرم یہ سمجھا کہ اسے میرے سامنے بھی اسی طرح آنا چاہئے میرے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی اس طرح میری تعظیم کرے مجھے بڑی شرمندگی ہوئی اور میں نے اس سے کہا کہ پھینٹا باندھ لے۔ اس نے کچھ تامل کے بعد میری بات مانی مگر اس کے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ اسے بڑی خوشی ہوئی۔

یہ بات میرے لئے ہمیشہ ایک معمہ رہی کہ لوگ اپنے ہم جنسوں کی ذلت میں اپنی عزت کیونکر سمجھتے ہیں۔

حوالہ

1- ایک سرکاری عہدہ دار جس کا کام یہ تھا کہ پابند مزدوروں کی نگرانی اور ان کے حفاظت کرے۔

Marfat.com

Marfat.com

اکیسواں باب

تین پاؤنڈ کا محصول

بالاسندرم کے معاملے کی بدولت مجھے پابند مزدوروں سے تھوڑی بہت واقفیت ہو گئی مگر ان کی حال کا گہرا مطالعہ کرنے پر مجھے اس تحریک نے آمادہ کیا جو ان پر ایک بھاری محصول عائد کرنے کے لئے کی گئی تھی۔

اسی سال یعنی 1894ء میں حکومت نٹال نے ارادہ کیا کہ پابند مزدوروں پر پچیس پاؤنڈ سالانہ محصول لگائے۔ مجھے اس تجویز نے حیرت میں ڈال دیا۔ میں نے فوراً اس مسئلے کو کانگریس کے سامنے پیش کیا اور یہ تجویز منظور کرائی کہ اس محصول کی مخالفت کے لئے ضروری انتظام کیا جائے۔

مجھے پہلے اختصار کے ساتھ یہ بتا دینا چاہئے کہ اس محصول کی ابتدا کیونکر ہوئی تھی۔

1860ء کے لگ بھگ نٹال کے یورپیوں کو معلوم ہوا کہ یہاں گنے کی کاشت بہت بڑے پیمانے پر ہو سکتی ہے اور انہیں مزدوروں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بغیر باہر کے مزدوروں کے گنے کی کاشت اور شکر سازی ناممکن تھی کیونکہ نٹال کے زولو اس قسم کے کام کے لئے موزوں نہ تھے۔ اس لئے نٹال کی حکومت نے حکومت ہند سے خط و کتابت کی اور ہندوستان سے مزدور بلانے کی اجازت لے لی یہ طے ہوا کہ ان مزدوروں سے پانچ سال نٹال میں کام کرنے کا معاہدہ لے لیا جائے اور اس کے بعد انہیں اختیار ہو کہ وہیں سکونت اختیار کر لیں اور زمین خرید لیں۔ اس طرح انہیں نٹال آنے کی ترغیب دلائی گئی کیونکہ اس وقت یورپیوں کا یہ خیال تھا کہ معاہدے کی میعاد کے اندر ہندوستانی مزدوروں کی محنت سے ان کی زراعت کافی ترقی کر لے گی۔

لیکن ہندوستانیوں سے جتنی توقع تھی انہوں نے اس سے بھی زیادہ کام کیا انہوں نے ترکاریوں کی کاشت کو بھی بہت ترقی دی۔ بہت سی نئی ترکاریاں ہندوستان سے لا کر بوئیں اور

Marfat.com

دیسی ترکاریوں کی کاشت اس طریقے پر کی کہ وہ پہلے سے سستی پڑیں۔ انہوں نے پہلے پہل آم کے درخت بھی لگائے۔ ان کا حوصلہ عمل زراعت ہی تک محدود نہیں رہا۔ انہوں نے تجارت شروع کی۔ زمین خرید کر مکان بنائے اور مزدور کی حیثیت سے ترقی کر کے زمیندار اور مکاندار بن گئے۔ ان کے بعد ہندوستان کے تاجر آئے اور تجارت کے لئے یہیں بس گئے۔ ان سب سے پہلے سیٹھ ابو بکر آمود مرحوم آئے تھے انہوں نے تھوڑے ہی دن میں اپنے کاروبار کو بہت ترقی دے لی۔

یورپی تاجروں کو بڑا خطرہ پیدا ہو گیا۔ جب وہ ہندوستانی مزدوروں کو خوشی خوشی لائے تھے تو انہیں خبر نہ تھی کہ یہ تجارت میں اتنے ہوشیار ہیں۔ یہاں تک تو غنیمت تھا کہ یہ ہندوستانی آزاد کاشت کار یا زمیندار بنیں بلکہ یورپی تاجروں کو اس کی برداشت نہ تھی کہ یہ لوگ تجارت میں بھی مقابلہ کرنے لگیں۔

اس طرح ان کے دل میں ہندوستانیوں سے عداوت کی بنیاد پڑی۔ بہت سی اور چیزیں تھیں جنہوں نے اسے ترقی دی۔ ہمارا طرز معاشرت جو ان کی زندگی سے بالکل مختلف تھا، ہماری سادگی ہمارا تھوڑے نفع پر قناعت کرنا۔ ہمارا حفظان صحت کے اصولوں سے بے پروا ہونا عام صفائی کا خیال نہ رکھنا۔ مکانوں کی مرمت میں کنجوسی کرنا پھر سب سے بڑھ کر اختلاف مذہب۔ ان سب چیزوں نے عداوت کی آگ کو خوب بھڑکایا۔ اس کا اظہار قانون سازی میں اس طرح ہوا کہ ہندوستانی ووٹ کے حق سے محروم کر دیئے گئے اور پابند مزدوروں پر محصول تجویز کیا گیا۔ اس کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی نیش زنی شروع کر دی گئی۔

پہلی تجویز یہ تھی کہ ہندوستانی مزدور زبردستی اپنے دیس کو بھیج دیئے جائیں تاکہ ان کے معاہدے کی میعاد ہندوستان میں ختم ہو لیکن حکومت ہند سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ اسے منظور کرے گی۔ اس لئے دوسری تجویز یہ پیش کی گئی کہ:۔

1 ۔ جب ہندوستانی مزدور کے معاہدے کی میعاد ختم ہو تو وہ ہندوستان چلا جائے۔

یا

2 ۔ ہر دو سال کے بعد اس سے کسی قدر زیادہ اجرت پر کام کرنے کا معاہدہ لیا جائے۔

اور اگر

3 ۔ وہ ان دونوں باتوں پر راضی نہ ہو تو پچیس پاؤنڈ سالانہ محصول دیا کرے۔ ایک وفد جو سر ہنری ہنسن اور مسٹر ییس پر مشتمل تھا ہندوستان بھیجا گیا کہ یہ تجویز حکومت ہند سے منظور کرائے۔

Marfat.com

.وائسرائے اس زمانے میں لارڈ ایلگن تھے۔ انہوں نے پچیس پاؤنڈ کے محصول کو پسند نہیں کیا۔ مگر اس پر راضی ہو گئے کہ فی کس تین پاؤنڈ محصول لگایا جائے۔ میرا اس وقت یہ خیال تھا اور اب بھی ہے کہ وائسرائے نے اس معاملے میں بڑی غلطی کی۔ اس محصول کو منظور کرتے وقت انہوں نے ہندوستان کے فائدے کا بالکل خیال نہیں کیا۔ نٹال کے فرنگیوں کی رضاجوئی ہرگز ان کے فرائض میں داخل نہ تھی۔ اس تجویز کی رو سے تین چار سال کے بعد ہر پابند مزدور کو، اس کی بیوی کو، اس کے لڑکے کو جس کی عمر سولہ سال سے زیادہ ہو اور لڑکی کو جس کی عمر تیرہ سال سے زیادہ ہو یہ محصول دینا پڑتا۔ چار آدمیوں کے ایک خاندان سے جس میں میاں بیوی اور دو بچے ہوں بارہ پاؤنڈ محصول لینا ایسی حالت میں کہ خاندان کے افسر کی اوسط آمدنی چودہ شلنگ ماہوار سے زیادہ نہ ہو اتنا بڑا ظلم تھا جس کی مثال دنیا میں کہیں نہ ملتی۔

ہم نے اس محصول کے خلاف بڑی سخت جدوجہد شروع کی۔ اگر نٹال انڈین کانگریس اس معاملے میں خاموش رہتی تو ممکن تھا کہ وائسرائے پچیس پاؤنڈ تک کے محصول پر راضی ہو جاتے پچیس پاؤنڈ سے گھٹ کر تین پاؤنڈ محصول رہ جانا غالباً محض کانگریس کے احتجاج کا نتیجہ تھا۔ مگر ممکن ہے کہ میرا خیال غلط ہو۔ شاید حکومت ہند ابتدا ہی سے پچیس پاؤنڈ محصول کی مخالف ہو اور اس نے بغیر کانگریس کے احتجاج کا خیال کئے خود اپنی طرف سے تین پاؤنڈ محصول تجویز کیا ہو۔ .بہرحال حکومت ہند نے اپنے فرض کے ادا کرنے میں غفلت کی۔ وائسرائے ہندوستان کی فلاح و .بہبود کے ذمہ دار ہیں اس لئے انہیں کبھی اس وحشیانہ محصول پر راضی نہیں ہونا چاہئے تھا۔

کانگریس نے اگر محصول پچیس پاؤنڈ سے گھٹا کر تین پاؤنڈ کرا دیا تو کوئی بڑا کام نہیں کیا۔ اس کے کارکنوں کو اب بھی یہ قلق تھا کہ وہ پابند مزدوروں کے حقوق کی پوری حفاظت نہیں کر سکے۔ وہ ہمیشہ اس ارادے پر مضبوطی سے قائم رہی کہ محصول کو معاف کرائے مگر اس کا یہ ارادہ بیس سال کے بعد پورا ہوا اور اس وقت بھی صرف نٹال کو ہندوستانیوں کی کوشش سے نہیں بلکہ سارے جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کی متحدہ جدوجہد سے۔ جب حکومت نے مسٹر گوکھلے سے بدعہدی کی تو آخری لڑائی شروع ہوئی جس میں پابند ہندوستانی مزدوروں نے پورا حصہ لیا۔ ان میں سے بعض نے گولی کھا کر جان دی اور دس ہزار قید ہو گئے۔

لیکن آخر میں حق کا بول بالا ہوا۔ ہندوستانیوں نے جو تکلیفیں برداشت کیں وہ گویا حق کی آواز تھی۔ لیکن اگر اسی کے ساتھ استوار عقیدہ انتہائی صبر اور انتھک کوشش نہ ہوتی تو یہ آواز غالب نہ

Marfat.com

آتی۔ اگر ہندوستانی ہمت ہار بیٹھتے اور کانگریس محصول کو اٹل سمجھ کر لڑائی سے ہاتھ اٹھا لیتی تو یہ قابل نفرت محصول آج تک پابند مزدوروں پر مسلط ہوتا جس میں نہ صرف جنوبی افریقہ کی بلکہ سارے ہندوستان کی انتہائی ذلت تھی۔

Marfat.com

بائیسواں باب

مختلف مذاہب کا مطالعہ

میرے قومی خدمت میں محو ہو جانے کا اصلی سبب معرفت نفس کی آرزو تھی۔ میں نے اپنا دین و مذہب خدمت کو بنالیا تھا۔ یہ سمجھ کر کہ معرفت الہیٰ کا ذریعہ صرف خدمت ہی ہے اور خدمت کے معنی میں ہندوستان کی خدمت سمجھتا تھا کیونکہ اس کا موقع مجھے خود بخود بے تلاش کئے مل گیا اور میں اسی کے لئے موزوں بھی تھا۔ میں جنوبی افریقہ سیاحت کا لطف اٹھانے کاٹھیاوار کی سازشوں سے نجات پانے اور روزی کمانے کی نیت سے آیا تھا مگر جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے میں یہاں آکر خدا کی تلاش میں اور معرفت نفس کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

عیسائی دوستوں نے میرے دل میں ذوق معرفت کو ابھارا تھا اور یہ ذوق روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ میرے دوستوں کو اس معاملے میں اتنا انہماک تھا کہ اگر میں بے پروائی بھی کرتا تو بھی وہ میرا پیچھا نہ چھوڑتے۔ ڈربن میں جنوبی افریقہ کے مشن کے سردار مسٹر اسپنسر والٹن کو میرے اس ذوق کا پتہ چل گیا اور انہوں نے مجھ سے راہ و رسم پیدا کی یہاں تک کہ مجھے اپنے عزیزوں کی طرح سمجھنے لگے ظاہر ہے کہ اس ملاقات کی بنا میرے اور پریٹوریا کے عیسائیوں کے تعلقات تھے مسٹر والٹن کی طبیعت کا ایک خاص انداز تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے مجھ سے عیسائی مذہب اختیار کرنے کے لئے نہیں کہا۔ لیکن انہوں نے اپنی زندگی کتاب کی طرح کھول کر میرے سامنے رکھ دی اور مجھے اپنے کردار کے مشاہدے کا پورا موقع دیا۔ ان کی بیوی بڑی نیک اور قابل تھیں۔ مجھے ان میاں بیوی کا طرز عمل دل سے پسند تھا۔ وہ بھی یہ بات جانتے تھے اور میں بھی جانتا تھا کہ ہم دونوں کے عقائد میں زمین آسمان کا فرق ہے اور کتنا ہی بحث و مباحثہ کیا جائے یہ فرق مٹنے والا نہیں۔ لیکن اگر جانبین رواداری، لطف و مدارات اور سچائی سے کام لیں تو اختلاف عقائد بھی فائدہ ہی پہنچاتا ہے مجھے مسٹر

Marfat.com

والٹن کا انکسار، استقلال اور ذوق عمل بہت پسند آیا۔ اور ہم دونوں میں اکثر ملاقات ہونے لگی۔

یہ دوستی میرے دل میں مذہب کی چنگاری دہکاتی رہی۔ اب مجھے پریٹوریا کی سی فرصت نصیب نہ تھی کہ پورے انہماک سے مذہب کا مطالعہ کرتا۔ پھر بھی جو تھوڑا بہت وقت ملتا تھا اس سے میں اچھی طرح کام لیتا تھا۔ مذہبی مسائل پر میری خط و کتابت اب بھی جاری تھی۔ رائے چند بھائی برابر میری رہنمائی کر رہے تھے ایک دوست نے مجھے نرمد شنکر کی کتاب دھرم وچار بھیجی۔ اس کا دیباچہ میرے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ میں اس شاعر کی لاابالی طرز زندگی کا حال سن چکا تھا۔ دیباچے میں یہ پڑھ کر کہ مذہبی کتابوں کے مطالعے سے اس کی زندگی میں کایا پلٹ ہو گئی۔ میرے دل پر بہت اثر ہوا مجھے یہ کتاب اتنی پسند آئی کہ میں نے اس کا ایک ایک حرف نہایت غور سے پڑھا۔ میں نے میکس مولر کی کتاب "ہندوستان میں کیا سکھاتا ہے" اور اس کا "پانشد" کا ترجمہ جو انجمن تھیاسوفی کی طرف سے شائع ہوا تھا بڑے شوق سے پڑھا۔ ان سب چیزوں سے میرے دل میں ہندو دھرم کا احترام بڑھ گیا اور اس میں مجھے بہت سی خوبیاں نظر آنے لگیں مگر اس کے سبب سے میرے دل میں دوسرے مذہبوں کی طرف سے کسی قسم کا تعصب پیدا نہیں ہوا۔ میں نے واشنگٹن رونگ کی کتاب حضرت محمدؐ اور ان کے خلفاء کی سیرت" اور کارلائل کا مقالہ پیغمبر اسلام کی روح میں پڑھا۔ ان کتابوں کی بدولت میری نظر میں آنحضرت کی عظمت اور زیادہ ہو گئی ایک اور کتاب "اقوال زرتشت" بھی میری نظر سے گذری تھی۔

اس طرح مختلف مذہبوں سے میری واقفیت بڑھ گئی۔ اس مطالعہ سے مجھے مشاہدہ نفس کا شوق ہو گیا اور اس بات کی عادت پڑ گئی کہ جو بات میرے دل کو لگے اس پر عمل کیا کروں۔ چنانچہ ہندو دھرم کی بعض کتابوں کو پڑھنے کے بعد میں یوگ کی کچھ ریاضتیں جس طرح میری سمجھ میں آئیں کرنے لگا۔ مگر میں نے دیکھا کہ اس طرح کام نہیں چلتا اور یہ طے کیا کہ جب ہندوستان واپس جاؤں گا تو کسی واقف کار کی مدد سے یہ ریاضتیں کروں گا۔

میں نے ٹالسٹائی کی تصانیف کا بھی غور سے مطالعہ کیا۔ ان کی کتاب "کتاب مقدس کا خلاصہ راہ عمل" کا میرے دل پر بڑا گہرا اثر ہوا مجھے رفتہ رفتہ یہ یقین ہونے لگا کہ عالمگیر محبت کا اصول لامحدود امکانات رکھتا ہے۔

اسی زمانے میں مجھ سے ایک اور عیسائی خاندان سے راہ و رسم ہو گئی۔ میں ہر اتوار کو ویسلی گرجے میں جایا کرتا تھا۔ اس خاندان کی طرف سے مجھے عام دعوت تھی کہ اتوار کو رات کا کھانا ان

Marfat.com

کے یہاں کھایا کروں۔ گرجے میں جانے سے میرے دل پر کچھ اچھا اثر نہیں پڑا وہاں کے وعظ مجھے تاثیر اور ذوق سے خالی معلوم ہوتے تھے۔ حاضرین بھی کچھ ایسے دیندار نظر نہیں آتے تھے۔ ان کے دلوں میں ذوق و شوق کا پتہ نہ تھا۔ دنیاداروں کی ایک جماعت تھی جو تفریق طبع اور رسم کی پابندی کے لئے گرجے چلی جاتی تھی میں یہاں کبھی کبھی بلاارادہ اونگھنے لگتا تھا۔ مجھے شرم آتی تھی مگر اپنے ہمنشینوں کو اسی حال میں دیکھ کر کچھ تسکین ہو جاتی تھی۔ میں اس حالت کو زیادہ دن تک برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اسی لئے میں نے وہاں جانا چھوڑ دیا۔

اس گھرانے سے جہاں میں ہر اتوار کو مہمان ہوا کرتا تھا میرے تعلقات دفعتاً منقطع ہو گئے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ مجھے وہاں جانے کی ممانعت کر دی گئی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ میرے میزبان کی بیوی بڑی نیک اور بھولی بھالی تھیں مگر کسی قدر تنگ خیال تھیں۔ مجھ سے ان سے اکثر مذہبی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔ میں ان دنوں آرنلڈ کی "نور ایشیا" کا دوبارہ مطالعہ کر رہا تھا۔ ایک بار ہم دونوں حضرت عیسیٰ اور گوتم بدھ کی زندگی کا مقابلہ کر رہے تھے میں نے کہا "دیکھئے گوتم بدھ کے دل میں دوسروں کا کتنا درد تھا ان کی ہمدردی انسانوں تک محدود نہ تھی بلکہ ساری مخلوق خدا کو محیط تھی۔ آپ ہی بتلایئے جب ہم انہیں تصور کی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ ایک میمنے کو کندھے پر بٹھائے جا رہے ہیں تو ہمارے دل میں محبت کا دریا امنڈ آتا ہے یا نہیں؟ حضرت عیسیٰ کی زندگی میں ساری جانداروں سے یہ ہمدردی نظر نہیں آئی۔

اس مقابلے سے اس نیک خاتون کو دکھ ہوا۔ مجھے ان کے احساسات کا اندازہ ہو گیا۔ میں نے گفتگو وہیں پر ختم کر دی اور ہم سب اٹھ کر کھانا کھانے چلے آئے۔ ان کا پانچ سال کا پیارا پیارا بچہ بھی ساتھ تھا۔ میں بچوں سے مل کر جتنا خوش ہوتا ہوں کسی چیز سے نہیں ہوتا۔ اور اس بچے سے مجھ سے پرانی دوستی تھی۔ اس کی رکابی میں ایک گوشت کا ٹکڑا تھا اور میری رکابی میں سیب تھا۔ میں نے اس کے گوشت کی بڑی برائی کی اور اپنے سیب کی بہت تعریف کی۔ معصوم بچہ میری باتوں سے متاثر ہو کر پھل کی تعریف میں میرا ہم زبان ہو گیا۔

مگر میں نے ماں کو جو دیکھا تو عجیب حالت پائی۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

میں متنبہ ہو گیا اور میں نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔ دوسرے ہفتے میں وہاں گیا تو مگر کچھ رکتا ہوا۔ میرے خیال میں یہ کوئی ایسی بات نہ تھی کہ میں آنا جانا بند کر دوں۔ مگر مجھے وہاں جانا کچھ اچھا بھی نہ معلوم ہوا۔ نیک خاتون نے میری یہ مشکل حل کر دی انہوں نے کہا۔ مسٹر گاندھی آپ برا نہ مانیں

Marfat.com

میں اپنا فرض جان کر کہتی ہوں کہ میرے لڑکے کے لئے آپ کی صحبت اچھی نہیں۔ ہر روز اسے گوشت کھانے میں تامل ہوتا ہے۔ وہ مجھے آپ کی دلیلیں یاد دلاتا ہے اور پھل مانگتا ہے۔ بس اب حد ہو گئی۔ اگر اس نے گوشت چھوڑ دیا تو وہ بیمار پڑ جائے گا اور بیمار نہیں تو کمزور ضرور پڑ جائے گا بھلا مجھ سے یہ کیونکر دیکھا جا سکتا ہے؟ آپ اب جو کچھ بحث کریں بڑوں سے کریں بڑوں سے کیا کریں۔ بچوں کو اس سے یقیناً نقصان پہنچے گا۔"

میں نے کہا "بیگم صاحبہ مجھے افسوس ہے میں آپ کی مادری محبت کا اندازہ کر سکتا ہوں کیونکہ میرے بھی بچے ہیں۔ اس ناگوار صورت حال کو رفع کرنا بہت آسان ہے۔ اگر میں یہاں آتا رہا تو بچہ دیکھے گا کہ میں کون سی چیز کھاتا ہوں اور کون سی نہیں کھاتا۔ اس کا اس پر میری گفتگو سے بھی زیادہ اثر پڑے گا۔ اس لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ میں یہاں آنا چھوڑ دوں۔ اس کے یقیناً یہ معنی نہیں کہ ہم ایک دوسرے کی دوستی ترک کر دیں۔"

انہوں نے کہا "بہت بہت شکریہ" اور ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے دل پر سے بڑا بوجھ ہٹ گیا۔

Marfat.com

تینتیسواں باب

خانہ داری

گھر بار کا انتظام کرنا میرے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ لیکن نٹال کا گھر بمبئی لندن والے گھر کی طرح نہ تھا۔ یہاں بعض معارف محض شان کے خیال سے کرنا پڑے تھے میں اسے ضروری سمجھتا تھا کہ اپنا سازو سامان ایسا رکھوں جو نٹال میں ایک ہندوستانی بیرسٹر اور قومی نمائندے کے مرتبے کے شایان ہو۔ اس لئے میں نے ڈربن کے اس حصے میں جہاں عمائد شہر رہا کرتے تھے ایک چھوٹا سا خوشنما مکان لیا اور اسے مناسب طریقے سے سجایا میری غذا سادہ تھی مگر چونکہ میں اکثر انگریز دوستوں اور ہندوستانی رفیقوں کی دعوت کیا کرتا تھا اس لئے خانہ داری کے مصارف بہت ہو جاتے تھے۔

ہر گھر کے لئے ایک اچھا نوکر ضروری ہے۔ مگر مجھے کبھی نوکر کو نوکر کی طرح رکھنا نہ آیا۔ میرے ساتھ میرا ایک دوست رفیق اور مددگار کی حیثیت سے رہتا تھا اور ایک باورچی تھا جو میرے خاندان کا ایک رکن بن گیا تھا۔ دفتر کے محرر بھی میرے یہاں رہتے تھے۔ اور میرے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔

میرا خیال ہے کہ مجھے اس تجربے میں کافی کامیابی رہی مگر اسی کے ساتھ زندگی کے کچھ تلخ تجربے بھی ہوئے۔

میرا رفیق بہت تیز آدمی تھا اور میں اسے اپنا سچا بہی خواہ سمجھتا تھا مجھے اس معاملے میں دھوکا ہوا۔ میرے ساتھ ایک محرر رہتا تھا جس سے وہ جلنے لگا اور اس نے ایسا جال پھیلایا کہ مجھے اس محرر کی طرف سے شبہ سا ہو گیا۔ یہ بھلا آدمی بڑا نازک مزاج تھا۔ جیسے ہی اسے معلوم ہوا کہ مجھے اس پر شبہ ہے وہ میرے گھر اور دفتر دونوں کو خیرباد کہہ کر چل دیا۔ مجھے بڑا دکھ ہوا۔ مجھے یہ احساس تھا کہ شاید

Marfat.com

میں نے اس کے ساتھ ناانصافی کی اور یہ خلش میرے دل سے کبھی نہیں گئی۔

اس عرصے میں میرا باورچی کسی کام سے چلا گیا اور اس کی جگہ دوسرا شخص رکھنے کی ضرورت پڑی۔ اس نے تشخص کے متعلق مجھے آگے چل کر معلوم ہوا کہ بڑا شریر ہے مگر میرے لئے تو یہ خداداد نعمت ثابت ہوا۔ دو ہی تین دن میں اسے پتہ چل گیا کہ میرے گھر کے اندر میری لاعلمی میں ناجائز کارروائیاں ہوتی ہیں اور اس نے دل میں ٹھان لی کہ مجھے آگاہ کر کے رہے گا۔ میری نسبت مشہور تھا کہ میں دوسروں پر بے جا اعتماد کر لیتا ہوں مگر خود کھرا آدمی ہوں۔ اسی لئے اس نے جو کچھ دیکھا اس سے اسے اور بھی صدمہ ہوا۔ میں ایک بجے کھانا کھانے کے لئے دفتر سے گھر جایا کرتا۔ ایک دن بارہ بجے یہ باورچی ہانپتا ہوا دفتر پہنچا اور اس نے مجھ سے کہا "مہربانی سے ابھی میرے ساتھ گھر چلے چلئے۔ وہاں آپ کو عجیب تماشا نظر آئے گا۔"

میں نے کہا یہ کیا بک رہے ہو۔ آخر کچھ معلوم تو ہو کہ بات کیا ہے۔ میں اس وقت دفتر چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں؟"

"اگر آپ نہ چلے تو پچھتایئے گا۔ اب میں اور کیا کہوں۔"

اس کے اصرار کا مجھ پر اثر ہوا۔ میں ایک محرر کو ساتھ لے کر گھر کی طرف چلا۔ باورچی آگے آگے تھا۔ وہ مجھے سیدھا کوٹھے پر لے گیا اور میرے رفیق کے کمرے کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا "یہ دروازہ کھولئے اور اپنی آنکھ سے دیکھ لیجئے۔"

میں سمجھ گیا یہ کیا معاملہ ہے۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ صدائے برنخاست اب کے میں نے دروازہ اتنی زور سے دھمدھمایا کہ دیواریں تک ہلنے لگیں آخر کواڑ کھلے۔ اندر دیکھا کہ ایک فاحشہ عورت بیٹھی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ فوراً چلی جاؤ اور اب کبھی میرے گھر میں قدم نہ رکھنا۔ اپنے رفیق سے میں نے کہا "بس اب تم سے مجھے کوئی واسطہ نہیں۔ میں نے بڑا دھوکا کھایا۔ خوب بیوقوف بنا۔ میں نے تم پر جو اعتماد کیا تھا اس کا یہی بدلہ ہے؟"

بجائے اس کے کہ وہ کچھ سٹپٹاتا الٹا مجھے دھمکانے لگا کہ میں تمہارا پردہ فاش کر دوں گا۔"

میں نے کہا "مجھے کوئی بات چھپانا نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہو ساری دنیا سے کہہ دو۔ مگر میرے گھر سے اسی دم چلے جاؤ۔"

اس پر وہ اور بھی بگڑا۔ اب میں مجبور ہو گیا۔ میں نے محرر سے جو نیچے کھڑا تھا، کہا۔

مہربانی سے ذرا پولیس سپرنٹنڈنٹ کے پاس جا کر میرا سلام کہو اور یہ اطلاع دو کہ ایک شخص

Marfat.com

جو میرے ساتھ رہتا تھا بری حرکت کا مرتکب ہوا ہے۔ اب میں اسے اپنے گھر نہیں رکھنا چاہتا مگر وہ جانے سے انکار کرتا ہے۔ اگر آپ چند سپاہیوں کو میری مدد کے لئے بھیج دیں تو بڑا احسان ہو گا۔"

اب اسے معلوم ہوا کہ میں واقعی سختی پر آمادہ ہوں۔ احساس جرم سے اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے مجھ سے عاجزی سے درخواست کی کہ پولیس کو اطلاع نہ دو میں ابھی ابھی جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنا بوریا بندھنا لے کر رخصت ہو گیا۔

اس واقعے نے مجھے بروقت آگاہ کر دیا۔ اب جا کر مجھے معلوم ہوا کہ اس شیطان نے مجھے کس قدر بہکایا تھا۔ اسے اپنے گھر رکھ کر میں نے اچھے کام کے لئے بڑا ذریعہ اختیار کیا تھا۔ جو کے کھیت سے گیہوں کاٹنا چاہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ یہ آوارہ شخص ہے مگر پھر بھی مجھے یقین تھا کہ یہ میرے ساتھ وفا کرے گا اس کی اصلاح کی کوشش میں خود تباہ ہوتے ہوتے بچ گیا۔ میرے مہربان مجھے متنبہ کرتے رہے مگر میں نہ مانتا۔ دوستی نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔

اگر یہ نیا باورچی نہ آتا تو کبھی سچے واقعات کا پتہ نہ چلتا اور اس دوست کے اثر میں رہ کر میں کبھی بے تعلقی کی زندگی کے قابل نہ ہوتا جو میں نے اس کے بعد سے بسر کرنا شروع کی۔ میں اس شخص کے پیچھے اپنا وقت ضائع کرتا رہتا۔ اس میں یہ قدرت تھی کہ مجھے ہمیشہ غفلت اور گمراہی میں رکھتا۔

لیکن خدا نے جیسے ہمیشہ مجھے بچایا تھا۔ اس بار بھی بچا لیا۔ میری نیت پاک تھی اس لئے میں باوجود غلطیوں کے ہلاکت سے محفوظ رہا اور شروع ہی میں یہ تجربہ ہو جانے سے آئندہ کے لئے مجھے سبق مل گیا۔

یہ باورچی گویا ایک قاصد غیبی تھا۔ وہ پکانا بالکل نہیں جانتا تھا اور باورچی کی حیثیت سے میرے گھر میں نہیں رہ سکتا تھا۔ مگر یہ اسی کا کام تھا کہ اس نے مجھے خبردار کر دیا بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے بھی میرے گھر میں عورتیں لائی جا چکی تھیں مگر کسی شخص میں یہ ہمت نہ تھی جو اس باورچی میں تھی۔ سب جانتے تھے کہ میں اپنے رفیق پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کرتا ہوں۔ یہ باورچی گویا خاص اسی کے لئے آیا تھا کیونکہ اسی وقت اس نے جانے کی اجازت مانگی کہنے لگا "میں آپ کے گھر میں نہیں رہ سکتا آپ بڑی جلدی دوسروں کے بہکانے میں آجاتے ہیں۔ میرا یہاں نباہ نہیں ہو سکتا۔"

میں نے اسے رخصت کر دیا۔

Marfat.com

اب مجھے معلوم ہوا کہ اس رفیق نے مجھے خواہ مخواہ میرے محرر سے بدظن کر دیا تھا۔ میں نے اس محرر کے ساتھ جو بے انصافی کی تھی اب اس کی تلافی کی انتہائی کوشش کی مگر مجھے ہمیشہ اس کا افسوس رہا کہ اس کا دل کسی طرح مجھ سے صاف نہیں ہوا جو شیشہ ایک بار ٹوٹ گیا وہ کبھی نہیں جڑتا۔

Marfat.com

چوبیسواں باب

وطن کا رخ

اب مجھے جنوبی افریقہ میں آئے تین سال ہو چکے تھے۔ میں یہاں کے لوگوں سے اچھی طرح واقف ہو گیا تھا اور یہ بھی مجھے خوب جان گئے تھے 1896 ء میں میں نے ان سے چھ مہینے کے لئے اجازت مانگی۔ کیونکہ اب مجھے معلوم ہو گیا کہ مجھے جنوبی افریقہ میں بہت دن رہنا ہے۔ میری وکالت اچھی خاصی چلتی تھی اور مجھے احساس ہو گیا تھا کہ لوگوں کو میری ضرورت ہے اس لئے میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ گھر جا کر بیوی بچے لے آؤ اور یہاں مستقل سکونت اختیار کر لوں۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ وطن جا کر لوگوں کو جنوبی افریقہ کے حالات سے واقف کروں اور یہاں کے ہندوستانیوں کا ہمدرد بناؤں تو کچھ قومی خدمت بھی ہو جائے گی۔ تین پاؤنڈ کا محصول ہمارے جسم میں ناسور کی طرح تھا۔ جب تک یہ دور نہ ہو جائے ہمیں چین نہیں آسکتا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ میرے پیچھے کانگریس اور تعلیمی انجمن کے کام کو کون سنبھالے میری نظر میں دو شخص تھے۔ آدم جی میاں خاں اور پارسی رستم جی۔ یوں تو ہمیں اب تاجروں کے طبقے سے بہت سے کارکن مل سکتے تھے۔ لیکن ان لوگوں میں جو سیکرٹری کے فرائض باقاعدہ انجام دے سکتے تھے جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ سب سے ممتاز یہی دونوں حضرات تھے۔ ظاہر ہے کہ سیکرٹری کے لئے کام چلانے بھر کی انگریزی جاننا ضروری تھا۔ میں نے کانگریس میں آدم جی میاں خاں (جو اب انتقال کر چکے ہیں) کا نام پیش کیا اور وہ سیکرٹری مقرر کر دیئے گئے۔ تجربے سے معلوم ہوا کہ یہ انتخاب بہت موزوں تھا۔ آدم جی میاں خاں کے استقلال، فیاضی، مروت اور اخلاق سے سب لوگ خوش تھے اور ہر شخص پر یہ ثابت ہو گیا کہ سیکرٹری کے کام کے لئے ایسے شخص کی ضرورت نہیں جس نے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی ہو یا انگلستان میں اعلیٰ

Marfat.com

تعلیم پائی ہو۔

میں 1896ء کے وسط میں پنگولا جہاز سے جو کلکتے جا رہا تھا وطن روانہ ہوا۔

جہاز پر بہت کم مسافر تھے۔ ان میں سے دو انگریز افسر تھے جن کی مجھ سے بہت بے تکلفی ہو گئی۔ ان میں سے ایک کے ساتھ میں روزانہ ایک گھنٹہ شطرنج کھیلا کرتا تھا۔ جہاز کے ڈاکٹر نے مجھے ایک کتاب دی جس کا نام تھا "بے معلم کے تامل سکھانے والی" میں نے اس کتاب کو باقاعدہ پڑھنا شروع کر دیا۔ مجھے نٹال میں تجربے سے یہ معلوم ہوا تھا کہ مجھے مسلمانوں سے خلا ملا پیدا کرنے کے لئے اردو اور مدراسیوں سے میل جول رکھنے کے لئے تامل سیکھنا چاہیئے۔

میرا ایک انگریز دوست بھی میرے ساتھ اردو پڑھتا تھا۔ اس کی فرمائش سے میں نے تیسرے درجے کے مسافروں میں ایک اردو کا "منشی" ڈھونڈ نکالا اور ہم دونوں کی خوب پڑھائی ہونے لگی۔ اس انگریز کا حافظہ مجھ سے اچھا تھا۔ وہ جو لفظ ایک بار دیکھ لیتا تھا کبھی نہیں بھولتا تھا۔ مجھے اکثر اردو حروف کے پہچاننے میں دقت ہوتی تھی میں نے بہت زور لگایا مگر اس کے برابر کبھی نہ پہنچ سکا۔

تامل میں میں نے خاصی ترقی کی۔ کوئی پڑھانے والا نہ ملا۔ لیکن کتاب بہت اچھی لکھی ہوئی تھی اور مجھے خارجی مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہوئی۔

مجھے امید تھی کہ ہندوستان پہنچنے کے بعد بھی یہ مطالعہ جاری رکھ سکوں گا مگر یہ بالکل ناممکن تھا۔ 1893 کے بعد سے اب تک میں نے جو کچھ پڑھا ہے زیادہ تر جیل خانے میں پڑھا ہے۔ جو تھوڑی بہت تامل اور اردو مجھے آتی ہے وہ میں نے جیل ہی میں سیکھی ہے۔ تامل جنوبی افریقہ کے جیل میں اور اردو یراودا جیل میں۔ مگر تامل بولنا مجھے کبھی نہ آیا۔ اور پڑھنے کی مشق بھی اب چھوٹتی جاتی ہے۔

مجھے اب تک یہ احساس ہے کہ تامل اور تلیگو نہ جاننے سے میں بڑے گھاٹے میں رہا۔ جنوبی افریقہ کے دراویڈیوں نے میرے ساتھ جس محبت کا اظہار کیا تھا اس کی یاد مجھے اب تک عزیز ہے۔ جب کبھی کوئی تامل یا تلیگو دوست نظر آتا ہے تو مجھے بے اختیار اس کے ہم وطنوں کی عقیدت، استقلال، ایثار اور بے نفسی کا خیال آجاتا ہے جن کا میرا جنوبی افریقہ میں ساتھ تھا۔ ان میں سے اکثر لوگ مرد ہوں یا عورت، ان پڑھ تھے۔ جنوبی افریقہ کی لڑائی انہیں لوگوں کے لئے تھی اور یہی ان پڑھ سپاہی اس میں لڑتے تھے۔ غریبوں ہی کے لئے یہ لڑائی تھی اور غریب ہی اس میں دل و جان سے

Marfat.com

شریک تھے۔ ان کی زبان نہ جاننے سے اور چاہے جو نقصان ہوا ہو مگر اپنے ان نیک اور بھولے ہموطنوں کا دل مٹھی میں لینے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ یہ لوگ ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی اور انگریزی بول لیتے تھے اور ہمارا کام بغیر کسی دقت کے چلتا تھا۔ لیکن میں تامل اور تیلیگو سیکھ کر ان کی محبت کا معاوضہ کرنا چاہتا تھا۔ تامل تو میں نے تھوڑی بہت سیکھ بھی لی مگر تیلیگو میں جس کے سیکھنے کی میں نے ہندوستان میں کوشش کی الف بے سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اب میں غالباً یہ زبانیں کبھی نہ سیکھ سکوں گا۔ اس لئے میری ساری امید اسی پر منحصر ہے کہ دراویدی ہندوستانی سیکھ لیں گے۔ جنوبی افریقہ میں ان میں سے جو لوگ انگریزی نہیں جانتے وہ ہندی یا ہندوستانی ٹوٹی پھوٹی سہی مگر بول لیتے ہیں البتہ انگریزی جاننے والے اسے نہیں سیکھنا چاہتے گویا انگریزی جاننا خود اپنی زبانوں کے سیکھنے میں سد راہ ہے۔

مگر میں مطلب سے دور چلا گیا پہلے مجھے اپنے سفر کا بیان ختم کر لینا چاہئے ناظرین کا تعارف پنگولا جہاز نے کپتان سے کرانا چاہتا ہوں جس سے میری دوستی ہو گئی تھی۔ یہ نیک کپتان پلیتھ برادر تھا۔ ہم دونوں میں گفتگو جہاز رانی پر نہیں بلکہ مذہبی مسائل پر ہوتی تھی۔ اس کے نزدیک مذہب اور اخلاق دو جداگانہ چیزیں تھیں۔ انجیل کو وہ بچوں کا کھیل سمجھتا تھا جس کی ساری خوبی اس کی سادگی میں ہے۔ اس کا قول تھا کہ سب مرد اور بچے مسیح اور ان کی قربانی پر عقیدہ رکھیں تو ان کی نجات یقینی ہے اس دوست کو دیکھ کر مجھے پریٹوریا کا پلیتھ برادر یاد آگیا۔ اس کا خیال تھا کہ جو مذہب اخلاقی قیود عائد کرے وہ کسی کام کا نہیں۔ یہ ساری بحث میری نباتاتی غذا پر سے شروع ہوتی تھی۔ اس نے کہا کہ کوئی وجہ نہیں کہ تم گوشت نہ کھاؤ چاہے وہ گائے کا ہو یا کسی اور جانور کا؟ خدا نے جس طرح نباتات کو انسان کی راحت کے لئے پیدا کیا ہے اسی طرح ان حیوانات کو بھی کیا ہے۔ ان مسائل پر گفتگو کرتے کرتے مذہبی بحث چھڑ جانا لازمی تھا۔

ہم ایک دوسرے کی تسکین نہیں کر سکے میرے دل میں یہ عقیدہ جما ہوا تھا کہ مذہب اور اخلاق ایک چیز ہے۔ کپتان کا عقیدہ اس کے خلاف تھا جس کی صحت میں اسے ذرا بھی شبہ نہ تھا۔

چوبیس دن کے بعد یہ خوشگوار سفر ختم ہو گیا اور میں دریائے ہوگلی کے حسن پر سرد فضا ہوا کلکتے پہنچ گیا۔ اسی دن میں ریل میں بیٹھ کر بمبئی روانہ ہو گیا۔

Marfat.com

Marfat.com

پچیسواں باب

ہندوستان میں

بمبئی جاتے ہوئے میری ریل پنتالیس منٹ الہ آباد میں ٹھہری۔ میں نے کہا کہ میں اتنی دیر میں گاڑی میں بیٹھ کر شہر کی سیر کر آؤں۔ مجھے انگریزی دواؤں کی دکان سے کچھ دوائیں بھی خریدنا تھیں، دوکاندار اونگھ رہا تھا اور اس نے دواؤں کے ملانے میں اتنی دیر کر دی کہ جب میں اسٹیشن پہنچا تو میری گاڑی سامنے سے نکل گئی۔ اسٹیشن ماسٹر نے ازراہ مہربانی ایک منٹ میری خاطر گاڑی روکی تھی۔ مگر جب میں آتا ہوا نظر نہیں آیا تو میرا سامان بہت احتیاط سے اتروا دیا تھا۔

میں نے نوکیلیز کے ہوٹل میں ایک کمرہ لے لیا اور یہ قصد کر لیا کہ اپنا کام فوراً شروع کر دوں گا۔ میں نے الہ آباد کے اخبار پانیر کا نام بہت سنا تھا اور مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ ہندوستانیوں کے مطالبات کا مخالف ہے جہاں تک مجھے یاد ہے اس زمانے میں چھوٹے مسٹر چیسنی اڈیٹر تھے۔ میں ہر پارٹی کی مدد حاصل کرنا چاہتا تھا اس لئے میں نے مسٹر چیسنی کو ایک رقعہ لکھا جس میں اپنی گاڑی چھوٹ جانے کا ذکر کیا ان سے درخواست کی کہ مجھے ملاقات کے لئے کوئی ایسا وقت دیں کہ میں دوسرے دن روانہ ہو سکوں۔ وہ مجھ سے اسی وقت ملنے پر راضی ہو گئے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی خاص کر اس لئے کہ انہوں نے میری داستان صبر سے سنی۔ انہوں نے کہا کہ تم جو کچھ لکھو گے اس پر میں اپنے اخبار میں تبصرہ کروں گا مگر اس کا وعدہ نہیں کرتا کہ ہندوستانیوں کے سارے مطالبات کی تائید ہی کروں گا کیونکہ میرا یہ بھی تو فرض ہے کہ فریق ثانی کے نقطہ نظر کو سمجھوں اور اسے کافی اہمیت دوں۔

میں نے کہا۔ "یہی بہت کافی ہے کہ آپ اس مسئلے پر غور کریں اور اپنے اخبار میں اس پر بحث کریں۔ میرا مطالبہ بس اتنا ہے کہ ہمارے ساتھ معمولی انصاف کیا جائے جو ہمارا حق ہے۔"

Marfat.com

دن کا بقیہ حصہ میں نے شہر کی سیر میں تین دریاؤں کے خوش نما سنگم تربینی کے نظارے میں اور اپنے کام کے متعلق تدبیریں سوچنے میں گزارا۔

پانیر کے ایڈیٹر سے یہ غیر متوقع ملاقات واقعات کے ایک مسلسلے کا آغاز تھی جس کا انجام یہ ہوا کہ نتال میں عوام نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔

میں بغیر بمبئی میں ٹھہرے سیدھا راجکوٹ پہنچا۔ اور جنوبی افریقہ کے حالات پر ایک پمفلٹ لکھنے کی تیاری کرنے لگا۔ اس کے لکھنے اور شائع کرنے میں ایک مہینہ لگ گیا۔ اس کا سرورق سبز تھا اس لئے آگے چل کر اس کا نام سبز پمفلٹ پڑ گیا۔ اس میں میں نے جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کی مشکلات خاص کر کے ہلکے رنگ میں دکھائیں اور طرز بیان بھی اور دو پمفلٹوں کے مقابلے میں جس کا ذکر میں کر چکا ہوں معتدل رکھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ دور کی چیزیں جتنی اصل میں ہوتی ہیں اس سے بڑی معلوم ہوا کرتی ہیں۔

میں نے اس پمفلٹ کی دس ہزار کاپیاں چھپوائیں اور ہندوستان کے سارے اخباروں کو اور سب پارٹیوں کے مشہور لیڈروں کو بھیجیں۔ سب سے پہلے اس پر پانیر کے ایڈیٹر نے تبصرہ کیا۔ رپورٹر نے اس کے مضمون کا خلاصہ تار کے ذریعے سے لندن بھیجا اور وہاں کے رپورٹر کے صدر دفتر نے اس خلاصے کا خلاصہ نتال پہنچایا۔ یہ آخری تار تین سطر سے زیادہ نہ تھا میں نے جو تصویر اس سلوک کی جو نتال میں ہندوستانیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے کھینچی تھی اس کا اس تار میں چھوٹا سا عکس تھا مگر اس میں بہت مبالغے سے کام لیا گیا تھا اور جو الفاظ نقل کئے گئے تھے وہ میرے نہ تھے۔ اس کا نتال میں جو اثر ہوا اس کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا۔ ہندوستان کے ہر معقول اخبار میں اس پر بحث کی گئی۔

ان پمفلٹوں کو لفافوں میں رکھ کر ڈاک میں ڈالنا کوئی سہل کام نہ تھا اور اگر میں اجرت دیکر لفافہ وغیرہ بنواتا تو بہت مصارف پڑتے۔ مگر مجھے اس کی بڑی آسان ترکیب سوجھ گئی میں نے اپنے محلے کے سب لڑکوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ صبح کو سکول کے وقت سے پہلے دو تین گھنٹے رضا کار کی حیثیت سے کام کیا کریں۔ وہ اس پر خوشی سے راضی ہو گئے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں تمہیں دعائیں دوں گا اور انعام میں استعمال شدہ ٹکٹ بانٹوں گا۔ انہوں نے بات کی بات میں سارا کام نپٹا دیا۔ چھوٹے بچوں سے رضا کار کے طور پر کام لینے کا یہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ ان چھوٹے دوستوں میں سے دو اس کتاب کی تحریر کے وقت میرے رفیق کار ہیں

Marfat.com

اسی زمانے میں بمبئی میں طاعون شروع ہوا اور چاروں طرف ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ راجکوٹ میں بھی وبا پھیلنے کا خوف تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں حفظان صحت کے شعبے میں مفید کام کر سکوں گا۔ اس لئے میں نے ریاست کے حکام کے سامنے اپنی خدمات پیش کیں۔ میری درخواست منظور ہوئی اور میں اس کمیٹی کا ممبر مقرر کیا گیا جو اس مسئلے پر غور کرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ میں نے پاخانوں کی صفائی پر بہت زور دیا اور کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ سب گھروں کے پاخانے معائنہ کئے جائیں۔ غریبوں نے کوئی مزاحمت نہیں کی بلکہ انہیں جو اصلاحی تجاویز بتائی گئیں ان پر خوشی سے عمل کیا۔ مگر جب ہم عمائد ریاست کے گھروں کا معائنہ کرنے گئے تو ہمارے مشوروں پر عمل کرنا تو درکنار ان میں سے بعض نے ہمیں اپنے گھر میں رہنے تک نہیں دیا۔ ہمیں عام طور پر یہ تجربہ ہوا کہ امیروں کے پاخانے زیادہ گندے ہیں۔ پاخانے کیا تھے تاریک بدبو دار کوٹھریاں تھیں۔ جن میں غلاظت کے اور کیڑوں کے انبار لگے تھے ہم نے جو اصلاحی تجاویز بنائی تھیں وہ بالکل سیدھی سادی تھیں مثلاً کھڈی میں ناندیں رکھنا تاکہ میلا زمین پر نہ گرے۔ پیشاب بھی ناند میں کرنا اور زمین میں جذب نہ ہونے دینا۔ پاخانوں اور بیرونی دیواروں کے بیچ میں جو اڑ ہو اسے دور کر دینا تاکہ پاخانوں میں زیادہ روشنی اور ہوا آسکے اور مہتر کو پوری طرح صفائی کرنے میں دقت نہ ہو۔ اونچے طبقوں نے اس آخری تجویز کی بڑی مخالفت کی اور اکثر لوگوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔

کمیٹی کو اچھوتوں کے محلوں کا بھی معائنہ کرنا تھا، صرف ایک ممبر میرے ساتھ وہاں جانے پر راضی ہوا اور لوگوں کے نزدیک ان محلوں میں جانا ہی ایک لغو بات تھی۔ چہ جائیکہ وہاں کے پاخانوں کا معائنہ کرنا۔ لیکن میں نے ان محلوں کو دیکھا تو بڑی حیرت اور خوشی ہوئی۔ مجھے اپنی عمر میں ایسی جگہ جانے کا پہلا اتفاق تھا۔ وہاں کے عورت مرد، ہم کو دیکھ کر متعجب ہوئے میں نے ان سے پاخانوں کے معائنے کی اجازت مانگی۔

انہوں نے متحیر ہو کر کہا "پاخانوں کا ہمارے یہاں کیا کام ہم تو کھلے میدان میں جھاڑے جایا کرتے ہیں۔ پاخانے تو حضور جیسے امیروں کے لئے ہیں۔

میں نے کہا "اچھا تو ہمیں اپنا گھر تو دکھاؤ گے؟

شوق سے دیکھئے۔ ایک ایک کو نا دیکھ ڈالئے، ہمارے گھر ہی کیا ہیں چوہے کے سے بل ہیں۔"

میں اندر گیا اور مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ اندر بھی ویسی ہی صفائی ہے جیسی باہر ہے۔

Marfat.com

دروازوں میں خوب جھاڑو دی ہوئی تھی۔ فرش سلیقے سے گوبر سے لپے ہوئے تھے۔ اور جو تھوڑے بہت باسن وغیرہ تھے وہ دھلے اور منجھے ہوئے رکھے تھے۔ ان محلوں میں وبا پھیلنے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔

امیروں کے محلے میں ایک پاخانہ نظر آیا جس کا ذکر میں ضروری سمجھتا ہوں ہر کمرے میں ایک نالی تھی جس میں پانی بھی پھینکا جاتا تھا اور پیشاب بھی کیا جاتا تھا۔ یعنی سارے گھر میں بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ ایک مکان میں کوٹھے پر ایک سونے کا کمرا تھا۔ جس کے اندر کی نالی پیشاب اور پاخانے دونوں کے کام میں لائی جاتی تھی۔ اس نالی کے سرے پر ایک نل تھا جو نیچے کی منزل تک چلا گیا تھا۔ اس کمرے میں ایسی سڑی ہوئی بدبو تھی کہ دماغ پھٹا جاتا تھا خدا جانے لوگ اس میں کیونکر سو سکتے تھے۔

کمیٹی نے ویشنو حویلی کا بھی معائنہ کیا۔ حویلی کے متولی سے میرے خاندان والوں کے بڑے مراسم تھے اس لئے وہ اس پر راضی ہو گیا کہ ہم لوگ سارا مندر دیکھیں اور جو صلاحیں چاہیں تجویز کریں۔ اس عمارت کا ایک حصہ ایسا تھا جو انہوں نے خود کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ جگہ تھی جہاں بچا کھچا کھانا اور پتے جن پر بھوجن کیا جاتا تھا دیوار کے پیچھے پھینک دیئے جاتے تھے۔ یہاں کوؤں اور چیلوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ پاخانے بھی بہت گندے تھے۔ میرا قیام راجکوٹ میں بہت کم رہا اس لئے میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم نے جو تدبیریں بتائی تھیں اس پر متولی نے کس حد تک عمل کیا۔

مجھے ایک عبادت گاہ میں اس قدر گندگی دیکھ کر بہت رنج ھوا۔ قاعدے سے تو ایسی جگہ جسے لوگ مقدس سمجھتے ہیں حفظان صحت کے اصولوں کا خاص اہتمام ہونا چاہیئے۔ مجھے اس زمانے میں بھی یہ معلوم تھا کہ سمرتیوں کے مصنفوں نے بیرونی اور اندرونی صفائی پر بہت زور دیا ہے۔

Marfat.com

چھبیسواں بار

وفاداری کا جوش اور تیمارداری کا جذبہ

برطانوی آئین کا جتنا وفادار میں تھا اتنا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس وفاداری کی تہہ میں حق کی محبت تھی۔ مجھ سے وفاداری یا کسی اور نیکی کا جھوٹا اظہار کبھی نہ ہو سکا۔ نٹال میں میں جن جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ وہاں نیشنل انتھیم (1) گایا جات تھا۔ میں اس زمانے میں اپنا فرض سمجھتا تھا کہ اس گیت میں شریک ہوں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ مجھے برطانوی حکومت کی خرابیوں کا علم نہ تھا مگر اس کے باوجود میں اسے مجموعی حیثیت سے قابل قبول سمجھتا تھا۔ اس زمانے میں میرا یہ خیال تھا کہ مجموعی حیثیت سے برطانوی حکومت رعایا کے لئے مفید ہے۔

رنگ اور نسل کا جو تعصب مجھے جنوبی افریقہ میں نظر آیا اسے میں برطانوی روایات کے منافی سمجھتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ یہ محض مقامی اور عارضی چیز ہے اس لئے میں تاج برطانیہ کی وفاداری میں انگریزوں سے بازی لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ میں نے بڑی محنت سے نیشنل انتھیم کا راگ سیکھا اور جب کبھی یہ گیت گایا جاتا تھا میں بھی ساتھ دیتا تھا۔ بغیر تصنع اور نمائش کے وفاداری کے اظہار کا جو موقع ملتا تھا میں اس میں ضرور شرکت کرتا تھا۔

میں نے ساری عمر میں اس وفاداری سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ کبھی اس کی بدولت اپنے ذاتی اغراض پورے کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ میرے لئے ایک فرض سا تھا اور میں بغیر کسی معاوضے کے اسے انجام دیتا تھا۔

جب میں ہندوستان پہنچا تو یہاں ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی منانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ راجکوٹ میں جو کمیٹی اس مقصد کے لئے بنائی گئی تھی مجھے اس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ میں

Marfat.com

نے یہ دعوت قبول کر لی مگر مجھے یہ شبہہ تھا کہ اس جشن میں زیادہ تر نمائش سے کام لیا جائے گا۔ اس میں بہت ریا کاری نظر آئی جس سے مجھے بڑا دکھ ہوا۔ میں اس بات پر غور کرتا رہا کہ مجھے کمیٹی میں رہنا چاہیئے یا نہیں۔ آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے اپنے حصے کا کام ایمانداری سے انجام دینے پر قناعت کرنا چاہیئے۔

ایک تجویز یہ تھی کہ درخت لگائے جائیں۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ دکھاوے کی خاطر اور افسروں کو خوش کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ میں نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ کوئی شخص درخت لگانے پر مجبور نہیں کیا گیا ہے۔ یہ محض ایک فرمائش ہے اگر یہ پوری کی جائے تو اچھی طرح کرنا چاہیئے ورنہ تماشے سے کیا فائدہ۔ جہاں تک مجھے یاد ہے لوگ میرے ان خیالات پر ہنستے تھے۔ میں نے اپنے حصے کا درخت اسی طرح لگایا جیسے لگانا چاہیئے اور بڑی محنت سے اس میں پانی دیتا رہا اور اس کی نگرانی کرتا رہا۔

میں نے نیشنل انتھیم اپنے گھر کے بچوں کو بھی یاد کرا دیا مجھے یاد ہے کہ میں نے یہ گیت راجکوٹ ٹریننگ اسکول کے طالب علموں کو بھی سکھایا تھا مگر یہ خیال نہیں کہ یہ جوبلی کا واقعہ ہے یا ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی کے زمانے کا۔ آگے چل کر اس کے الفاظ میرے کانوں کو ناگوار ہونے لگے جوں جوں میرا "ہمسا" کا تصور پختہ ہوتا گیا میری احتیاط اپنے خیالات اور الفاظ کے بارے میں بڑھتی گئی۔ انتھیم کا یہ شعر:

خدا اس کے دشمنوں کو منتشر
اور ہلاک کر دے۔
ان کی سیاست الٹ پلٹ ہو جائے
اور ان کی مفسدانہ سازشیں ناکام رہیں

خاص طور پر میرے جذبہ "اہما" کے منافی تھے۔ میں نے اپنا یہ خیال ڈاکٹر بوتھ سے ظاہر کیا۔ انہوں نے میری رائے سے اتفاق کیا کہ جو شخص "اہما" کا قائل ہے اسے الفاظ اپنی زبان سے ادا نہیں کرنا چاہئیں۔ یہ کیسے فرض کیا جا سکتا ہے کہ بادشاہ کے "دشمن" ہمیشہ "مفسد" ہوتے ہیں؟ اور یہ کیا ضروری ہے کہ بادشاہ ہمیشہ حق پر ہو اور اس کے دشمن ناحق پر ہوں؟ ہم خدا سے صرف دعا کر سکتے ہیں کہ حقدار کا ساتھ دے۔ ڈاکٹر بوتھ نے میرے خیالات کی تصدیق کی اور اپنی جماعت کے لئے ایک نیا انتھیم تصنیف کیا۔ ان بزرگ کا ذکر آگے آئے گا۔

Marfat.com

جس طرح وفاداری میری سرشت میں تھی اسی طرح تیمارداری کا بھی مجھے فطری ملکہ تھا۔ مجھے لوگوں کی تیمارداری کا شوق تھا خواہ وہ دوست ہوں یا دشمن ہوں۔

جن دنوں میں راجکوٹ میں جنوبی افریقہ کے پمفلٹ لکھنے میں مشغول تھا مجھے ایک آدھ روز کے لئے بمبئی جانے کا اتفاق ہوا۔ میرا یہ قصد تھا کہ سب شہروں میں جلسے کر کے لوگوں کو جنوبی افریقہ کے حالات سے واقف کروں اور ابتدا میں نے بمبئی سے کی۔ سب سے پہلے میں جسٹس رانا ڈے سے ملا۔ انہوں نے میری گفتگو غور سے سنی اور مجھے سر فیروز شاہ مہتا سے ملنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد میں جسٹس طیب جی سے ملا۔ انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا۔ انہوں نے کہا "مجھ سے اور جسٹس رانا ڈے سے بہت کم مدد مل سکتی ہے۔ آپ کو ہماری حالت معلوم ہے ہم قومی معاملات میں عملی حصہ نہیں لے سکتے لیکن ہمیں آپ سے ہمدردی ضرور ہے۔ آپ کی پوری رہنمائی صرف ایک شخص کر سکتا ہے اور وہ سر فیروز شاہ مہتا ہیں۔

میں خود سر فیروز شاہ مہتا سے ملنا چاہتا تھا لیکن جب ان بزرگوں نے مجھے ان کے مشورے پر عمل کرنے کی رائے دی تب مجھے پورا اندازہ ہوا کہ سر فیروز شاہ مہتا کا پبلک میں کتنا اثر ہے۔ کچھ دن کے بعد میں ان کے پاس حاضر ہوا۔ میرا خیال تھا کہ جب میں ان کے سامنے جاؤں گا تو مجھ پر رعب طاری ہو جائے گا۔ ان کو پبلک نے جو خطابات دیئے تھے وہ میں سن چکا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں "شیر بمبئی" "احاطہ بمبئی کے بے تاج بادشاہ" کی ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔ مگر بادشاہ نے مجھے اپنے جاہ و جلال سے مرغوب نہیں کیا۔ وہ مجھ سے اس طرح پیش آئے جیسے باپ بیٹے سے ملتا ہے۔ یہ ملاقات ان کے دفتر میں ہوئی۔ وہ اپنے دوستوں اور پیرودں کے حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے ان میں مسٹر ڈی اے واچا اور مسٹر کاما بھی تھے جن سے میرا تعارف کرایا گیا۔ میں مسٹر واچا کا ذکر پہلے سن چکا تھا۔ یہ سر فیروز شاہ مہتا کے دست راست سمجھے جاتے تھے اور دیر چند جی گاندھی نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ اعداد و شمار کے بڑے ماہر ہیں۔ مسٹر واچا نے کہا "گاندھی جی مجھ سے پھر ضرور ملئے گا۔"

اس تعارف میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ اس کے بعد میں نے اپنا مدعا بیان کیا جسے سر فیروز شاہ غور سے سنتے رہے۔ میں نے ان سے کہا میں جسٹس رانا ڈے اور جسٹس طیب جی سے مل چکا ہوں۔ آخر انہوں نے کہا "گاندھی میں سمجھتا ہوں کہ مجھے تمہاری ضرور مدد کرنا چاہئے مجھے یہاں جلسہ کرنا پڑے گا۔" پھر اپنے سیکرٹری مسٹر منشی کی طرف مخاطب ہو کر انہوں نے جلسے کی تاریخ مقرر کرنے کا حکم دیا۔ تاریخ طے ہو گئی اور انہوں نے مجھے یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ جلسے سے ایک

Marfat.com

روز پہلے میرے پاس پھر آنا۔ میرے دل میں جو کھٹکا تھا وہ اس ملاقات سے جاتا رہا اور میں خوش خوش گھر لوٹ آیا۔

بمبئی کے قیام کے زمانے میں میں اپنے بہنوئی سے ملنے گیا جو یہاں علاج کے لئے آئے ہوئے تھے۔ وہ کوئی خوشحال آدمی نہیں تھے۔ ان کی تیمارداری کرنا میری بہن کے بس کی بات نہیں تھی۔ ان کی طبیعت زیادہ خراب تھی اس لئے میں نے ان سے کہا کہ آپ میرے ساتھ راجکوٹ چلئے۔ وہ اس پر آمادہ ہو گئے اور میں انہیں اور بہن کو ساتھ لے آیا۔ ان کی علالت نے توقع سے زیادہ طول کھینچا۔ میں نے انہیں اپنے کمرے میں ٹھہرایا اور رات دن ان کے پاس رہتا تھا۔ مجھے رات کو دیر تک جاگنا پڑتا تھا اور اسی تیمارداری کے دوران میں جنوبی افریقہ کا کام بھی کرنا پڑتا تھا۔ آخر میں مریض کا انتقال ہو گیا مگر مجھے اس خیال سے بڑی تسکین ہوئی کہ مجھے آخری وقت میں ان کی خدمت کا موقع مل گیا۔

مجھے تیمارداری سے جو مناسبت تھی اس نے رفتہ رفتہ انتہائی انہماک کی صورت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ اکثر میں اس کی وجہ سے اپنے کام میں غفلت کرنے لگا اور کبھی کبھی میں اپنی بیوی بلکہ سارے گھر کو اس خدمت میں اپنے ساتھ کھینچ لیتا تھا۔

ایسی خدمت اسی وقت کچھ معنی رکھتی ہے کہ انسان کو اس میں لطف آئے۔ اگر یہ محض دکھاوے کے لئے یا عام رائے کے ڈر سے کی جائے تو یہ انسان کی نشو و نما کو روکتی ہے اور اس کی روح کو کچل ڈالتی ہے۔ وہ خدمت جس میں خوشی نہ ہو خادم کے کام آتی ہے نہ مخدوم کے۔ لیکن دلی مسرت کے ساتھ جو خدمت کی جائے اس کے آگے دنیا کی ساری راحت وہ دولت ہیچ ہے۔

حوالہ

1- برطانیہ کا قومی گیت جس میں بادشاہ کی سلامتی کی دعا مانگی جاتی ہے

Marfat.com

ستائیسواں باب

بمبئی کا سفر

جس دن میرے بہنوئی کا انتقال ہوا اسی دن مجھے جلسے میں شریک ہونے کے لئے بمبئی جانا پڑا۔ مجھے اپنی تقریر تیار کرنے کا بالکل موقع نہیں ملا تھا۔ فکر و تردد کی حالت میں رات دن جاگنے میں پست ہو گیا تھا اور میری آواز بھرا گئی تھی۔ بہر حال میں خدا پر بھروسہ کر کے بمبئی روانہ ہو گیا۔ مجھے یہ خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ اپنی تقریر لکھ ڈالوں۔

سر فیروز شاہ کی ہدایت کے مطابق میں جلسے سے ایک دن پہلے شام کو پانچ بجے ان کے دفتر میں پہنچ گیا۔ انہوں نے پوچھا "کہو گاندھی تمہاری تقریر تو تیار ہے نا؟

میں نے ڈرے کانپتے ہوئے کہا "جی نہیں، میرا ارادہ وقت کی وقت تقریر کرنے کا ہے۔"

بمبئی میں اس طرح کام نہیں چلے گا۔ یہاں تقریروں کی رپورٹ بہت ناقص ہوتی ہے۔ اگر اس جلسے سے فائدہ اٹھانا ہے تو اپنی تقریر لکھ ڈالو اور وہ کل دن نکلنے سے پہلے چھپ کر تیار بھی ہو جائے۔ تم اس کا انتظام کر لو گے؟"

میں بہت سٹ پٹایا مگر میں نے کہا میں کوشش کروں گا۔

"اچھا تو منشی تمہارے پاس مسودہ لینے کے لئے کب آئیں؟"

میں نے کہا "آج رات کو گیارہ بجے۔"

دوسرے دن جلسے میں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ سر فیروز شاہ کی ہدایت کیا مصلحت تھی۔ جلسہ سر کاؤس جی جہانگیر انسٹی ٹیوٹ کے ہال میں تھا۔ میں نے سنا تھا کہ جب سر فیروز شاہ مہتا کسی جلسے میں تقریر کرتے ہیں تو ہال کھچا کچ بھرا رہتا ہے۔ خصوصاً طالب علم ان کی اسپیچ سننے کے شوق میں بڑی

Marfat.com

کثرت سے آتے ہیں۔ مجھے ایسے جلسے میں شریک ہونے کا پہلا اتفاق تھا۔ میں نے دیکھا کہ میری آواز کسی کو نہیں سنائی دیتی جب میں نے اپنی تقریر پڑھنا شروع کی تو میں کانپ رہا تھا۔ سر فیروز شاہ میری ہمت بڑھانے کے لئے بار بار فرمائش کرتے تھے کہ آواز کو اور بلند کرو مگر مجھ پر اس کا اثر الٹا ہوا اور میری آواز اور گرتی گئی۔

میرے پرانے دوست کیشو راؤ جی دیشپانڈے میری مدد کے لئے اٹھے میں نے اپنی تقریر ان کے حوالے کر دی۔ ان کی آواز ایسے جلسے کے لئے بہت موزوں تھی مگر حاضرین کو اس سے تسکین نہیں ہوئی۔ ہر طرف سے "واچا" "واچا" کا شور اٹھا جس سے سارا ہال گونج گیا۔ اس لئے مسٹر واچا نے کھڑے ہو کر وہ تقریر پڑھی اور اس کا حیرت انگیز اثر ہوا۔ لوگ بالکل خاموش ہو گئے اور آخر تک بڑے غور سے سنتے رہے بیچ بیچ میں وہ تحسین کے اور جہاں نفریں کا موقع تھا "شرم، شرم" کے نعرے بلند کرتے جاتے تھے مجھے اس سے دلی مسرت ہو رہی تھی۔

سر فیروز شاہ کو یہ تقریر پسند آئی۔ میں خوشی کے مارے پھولا نہ سماتا تھا۔ اس جلسے کی بدولت دیشپانڈے جی اور ایک پارسی دوست (جن کا نام بتانے میں مجھے تامل ہے کیونکہ وہ آج کل سرکاری ملازمت میں بڑے عہدے پر ممتاز ہیں) میرے عملی ہمدرد بن گئے۔ دونوں نے میرے ساتھ جنوبی افریقہ جانے پر آمادگی ظاہر کی مگر پارسی دوست کو مسٹر سی ایم کرسیٹ جی نے جو اس زمانے میں عدالت خفیفہ کے جج تھے اس ارادے سے ہٹا لیا کیونکہ انہوں نے ان کے لئے شادی کا لاسا لگا رکھا تھا۔ اب وہ یا تو شادی کرتے یا جنوبی افریقہ جاتے۔ انہوں نے شادی کو ترجیح دی۔ مگر ان کی عہد شکنی کی تلافی پارسی رستم جی نے کر دی اور ان کی بیوی کی اعانت جرم کی تلافی میں آج بہت سی پارسی بہنیں کھدر کا کام کر رہی ہیں اس لئے میں نے ان میاں بیوی کا قصور سچے دل سے معاف کر دیا۔ دیشپانڈے جی کو شادی کا لالچ نہ تھا مگر وہ بھی نہ جا سکے۔ آج وہ خود اپنی عہد شکنی کی اچھی طرح تلافی کر رہے ہیں۔ جنوبی افریقہ واپس جاتے ہوئے مجھے زنجبار میں طیب جی کے خاندان کے ایک رکن ملے تھے اور انہوں نے بھی میری مدد کے لئے آنے کا وعدہ کیا تھا مگر نہیں آئے ان کے جرم کا کفارہ عباس طیب جی ادا کر رہے ہیں غرض میں نے تین بیرسٹروں کو جنوبی افریقہ لے جانے کی کوشش کی مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔

اس سلسلے میں پستونجی پادشاہ یاد آ گئے۔ مجھ سے ان سے قیام انگلستان کے زمانے میں دوستانہ مراسم تھے۔ پہلی ملاقات ان سے لندن میں ایک باتائی ریستوران میں ہوئی تھی۔ میں نے ان کے

Marfat.com

بھائی مسٹر بردر جی پادشاہ کے متعلق سنا تھا کہ وہ خبطی ہیں۔ میں ان سے کبھی نہیں ملا تھا مگر لوگ انہیں مراقی کہتے تھے وہ گھوڑوں کی ٹرام پر نہیں بیٹھتے تھے کیونکہ انہیں غریب جانوروں پر رحم آتا تھا۔ باوجود غیر معمولی حافظے کے انہوں نے ڈگریاں لینے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اپنے خیالات میں کسی کے پابند نہ تھے اور باوجود پارسی ہونے کے نباتاتی تھے۔ پستونجی کو یہ شہرت تو نصیب نہ تھی مگر ان کی علمیت کا لندن تک چرچا تھا۔ مجھ میں اور ان میں صرف نباتاتی مسلک کا رابطہ تھا اور نہ علم و فضل میں تو میں ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا تھا۔

میں نے انہیں بمبئی میں ڈھونڈھ نکالا۔ وہ ہائیکورٹ میں سر دفتر تھے۔ ان دنوں وہ اعلیٰ گجراتی لغت کا ایک حصہ تیار کرنے میں مصروف تھے۔ جنوبی افریقہ کے کام میں مدد مانگنے کے سلسلے میں میں نے اپنے کسی دوست کو نہیں چھوڑا تھا چنانچہ میں نے پستونجی پادشاہ سے بھی اس کا ذکر کیا مگر انہوں نے نہ صرف میری مدد سے انکار کیا مجھے بھی نصیحت کی کہ جنوبی افریقہ نہ جاؤں۔

انہوں نے کہا "میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا بلکہ سچ پوچھو تو میں خود تمہارے جنوبی افریقہ جانے کو بھی پسند نہیں کرتا۔ کیا ہمارے ملک میں کام کی کمی ہے۔ ذرا دیکھو تو ہمیں اپنی زبان ہی کی ترقی کے لئے ابھی کتنا کچھ کرنا ہے۔ میرے سپرد علمی اصلاحیں تلاش کرنے کا کام ہے۔ یہ کل کام کی محض اک ذرا سی شاخ ہے۔ اپنے ملک کے افلاس پر غور کرو۔ یہ سچ ہے کہ جنوبی افریقہ میں ہمارے ہم وطن مصیبت میں ہیں۔ مگر مجھے یہ گوارا نہیں کہ تمہارے جیسا آدمی اس کام کے لئے قربان کیا جائے پہلے ہمیں یہاں آزادی حاصل کرنے دو اس سے وہاں ہمارے ہم وطنوں کو خود بخود مدد پہنچے گی۔ میں جانتا ہوں کہ تم میری بات نہیں مانو گے مگر مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ تمہارے جیسے کسی شخص کو تمہارا ساتھ دینے کی رائے دوں گا۔"

مجھے یہ مشورہ پسند نہیں آیا مگر اس کی وجہ سے میرے دل میں مسٹر پستونجی پادشاہ کا احترام اور بڑھ گیا۔ مجھ پر اس محبت کا بہت اثر ہوا جو انہیں اپنے ملک سے اور اپنی زبان سے تھی۔ اس واقعے کے بعد میرا ان کا دلی رابطہ اور بڑھ گیا۔ میں ان کے نقطہ نظر کو اچھی طرح سمجھتا تھا مگر بجائے اس کے کہ میں اپنے جنوبی افریقہ کے ارادے کو ترک کرتا میرا ارادہ اور مضبوط ہو گیا۔ ایک محب وطن کو مادر وطن کی کسی خدمت سے منہ نہ موڑنا چاہئے اور میرے لئے گیتا کا صریحی اور تاکیدی حکم کافی تھا۔

آخر میں یہ بہتر ہے کہ آدمی جیسے بھی بن پڑے اپنا کام انجام دے چاہے پھر اس میں ناکام ہی

Marfat.com

ہو، بہ نسبت اس کے کہ پرائے کام اپنے ذمے لے، چاہے وہ کیسے ہی اچھے معلوم ہوں۔

اپنا فرض انجام دیتے ہوئے مرجانا کوئی عیب نہیں لیکن جو دوسری راہیں تلاش کرتا ہے وہ ہمیشہ مارا مارا پھرتا ہے۔

Marfat.com

اٹھائیسواں باب

پونا اور مدراس

سرفیروز شاہ نے میرا کام بہت آسان کر دیا۔ بمبئی سے میں پونا پہنچا۔ یہاں دو پارٹیاں تھیں۔ میں ہر خیال کے لوگوں کی مدد چاہتا تھا پہلے میں لوکمانیہ تلک سے ملا۔ انہوں نے کہا:۔

" آپ کی یہ رائے بالکل صحیح کہ ہر پارٹی سے مدد لینا چاہئے جنوبی افریقہ کے معاملے میں کسی اختلاف رائے کی گنجائش نہیں۔ مگر یہ بہت ضروری ہے کہ آپ صدر کسی ایسے شخص کو بنائیں جو کسی پارٹی میں نہ ہو۔ آپ پروفیسر بھنڈار کر کو لیں۔ انہوں نے کچھ دن سے پبلک معاملات میں حصہ لینا چھوڑ دیا ہے مگر ممکن ہے کہ وہ اس مسئلے پر اظہار خیال کریں، آپ ان سے ملئے اور وہ جو کچھ کہیں اس کی مجھے اطلاع دیجئے۔ میں آپ کی پوری پوری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کا جب جی چاہے میرے پاس آیئے مجھے کسی وقت آپ سے ملنے میں تامل نہ ہوگا۔"

مجھے لوکمانیہ سے ملنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ میری سمجھ میں آگیا کہ ان کی غیر معمولی ہر دلعزیزی کا کیا راز ہے؟۔

اس کے بعد میں گوکھلے کے پاس گیا، فرگوسن کالج کے احاطہ میں ان سے ملاقات ہوئی انہوں نے بڑی محبت سے میرا استقبال کیا اور ان کے اخلاق نے میرے دل کو تسخیر کر لیا۔ ان سے بھی میں پہلی بار ملا تھا مگر ایسا معلوم ہوا جیسے مدتوں کے بچھڑے ہوئے دوست ملے ہوں۔ سرفیروز شاہ میری نظر میں ہمالیہ کی طرح تھے اور لوکمانیہ سمندر کی طرح۔ مگر گوکھلے گنگا کی مانند تھے۔ اس پاک دریا میں آدمی جی کھول کر نہا سکتا تھا۔

ہمالیہ پر چڑھنا محال تھا اور سمندر میں کشتی لے جانا دشوار مگر گنگا گود پھیلائے اپنی طرف بلاتی تھی۔ اس میں کشتی لیجانے سے روحانی مسرت ہوئی تھی۔ گوکھلے نے مجھ سے کھود کھود کر سوال کئے جیسے

Marfat.com

اسکول کے داخلے کے وقت استاد طالب علم کا امتحان لیتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ مجھے کن لوگوں کے پاس جانا چاہئے اور ان سے کیونکر ملنا چاہیئے۔ انہوں نے بے تکلفی سے میری اسپیچ مانگ کر پڑھی اور مجھے کالج کی سیر کرائی مجھ سے کہنے لگے کہ تمہارا جب جی چاہے مجھ سے ملو۔ میں ہر وقت حاضر ہوں اور چلتے وقت تاکید کر دی کہ ڈاکٹر بھنڈار کر کی ملاقات کا جو نتیجہ ہو مجھے ضرور بتانا۔ میں ان کے پاس سے اٹھا تو میرا دل خوشی سے معمور تھا۔ سیاسی لوگوں میں سے میرے دل کو جو تعلق گوکھلے سے ان کی زندگی میں تھا اور اب تک ہے وہ اور کسی سے نہیں۔

ڈاکٹر بھنڈار کر میرے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آئے۔ میں جب ان کے پاس پہنچا تو دوپہر کا وقت تھا اس عالم مرتاض پر اس بات کا بڑا اثر ہوا کہ میں ایسی دھوپ میں لوگوں سے ملتا پھرتا تھا۔ میری یہ تجویز کہ جلسے کا صدر ایسا شخص ہو جو کسی پارٹی میں نہ ہو انہیں بہت پسند آئی اور وہ بے اختیار چلا اٹھے "بالکل ٹھیک، بالکل ٹھیک"

جب میں اپنی داستان سنا چکا تو انہوں نے کہا "تم جس سے پوچھو گے وہ کہہ دے گا کہ میں سیاست میں حصہ نہیں لیتا مگر تم سے میں عذر نہیں کر سکتا۔ تمہارا کام اتنا اہم ہے اور تمہاری محنت اس قدر قابل تعریف ہے کہ مجھے تمہارے جلسے میں شریک ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ تلک اور گوکھلے سے مشورہ کر لیا۔ اگر تکلیف نہ ہو تو ان سے جا کر کہہ دینا کہ میں بہت خوشی سے دونوں انجمنوں کے متحدہ جلسے میں صدارت کروں گا۔ جلسے کا وقت مجھ سے مقرر کرانے کی ضرورت نہیں۔ ان کے لئے جو وقت مناسب ہو وہ مجھے منظور ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے مجھے مبارک باد دی اور بزرگانہ دعاؤں کے ساتھ رخصت کر دیا۔"

پونا کے ان بے نفس عالموں نے بغیر کسی تکلف اور نمائش کے ایک چھوٹا سا جلسہ کیا جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی اور اپنے مشن کی کامیابی کا یقین ہو گیا۔

اس کے بعد میں مدراس گیا۔ یہاں لوگوں میں بے حد جوش تھا جلسے کے حاضرین پر بالا سندرم کے واقعے کا بڑا اثر ہوا۔ میری تقریر چھپی ہوئی تھی اور میرے اندازہ میں خاصی طویل تھی۔ مگر حاضرین ایک ایک لفظ کو غور سے سنتے رہے جب جلسہ ختم ہوا تو لوگ "سبز پمفلٹ" پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے اس پر نظر ثانی کرنے کے بعد دوبارہ دس ہزار چھپوایا۔ اس کی بکری خوب ہوئی مگر مجھے معلوم ہوا کہ اتنی تعداد میں چھپوانے کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے اپنے جوش میں مانگ کا انداز بہت زیادہ کیا تھا۔ میری تقریر کے مخاطب صرف انگریزی خواں تھے اور مدراس میں اس طبقے کے لوگوں میں دس ہزار نسخے نہیں کھپ

Marfat.com

سکتے تھے۔

یہاں سب سے زیادہ مدد مجھے آنجہانی جی پریشورن پلے ایڈیٹر مدراس اسٹینڈرڈ سے ملی۔ انہوں نے اس مسئلے پر بہت اچھی طرح غور کیا تھا اور اکثر مجھے اپنے دفتر میں بلا کر ہدایتیں دیا کرتے تھے۔ جی سبرامینم ایڈیٹر ہندو اور ڈاکٹر نیر امینم نے بھی مجھ سے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا لیکن پریشورن جی نے تو مدراس اسٹینڈرڈ کے کالم میرے لئے وقف کر دیئے اور میں ان کی عنایت سے اکثر فائدہ اٹھاتا تھا۔ پاچئیاپا ہال کا جلسہ جہاں تک مجھے یاد ہے ڈاکٹر سبرامینم کی صدارت میں ہوا تھا۔ اکثر دوستوں نے میرے ساتھ اس قدر محبت کا برتاؤ کیا اور میرے کام میں اتنا جوش اور انہماک ظاہر کیا کہ ہر چند میری ان کی بات چیت انگریزی میں ہوتی تھی مگر میں ان سے بالکل بے تکلف ہو گیا تھا۔ ایسا کونسا حجاب ہے جسے محبت دور نہ کر سکے۔

Marfat.com

Marfat.com

انتیسواں باب

"جلد واپس آؤ"

مدراس سے میں کلکتہ گیا۔ یہاں مجھے بڑی دقت کا سامنا ہوا۔ کیونکہ میں اس شہر میں کسی کو نہیں جانتا تھا۔ میں نے گریٹ ایسٹرن ہوٹل میں ایک کمرا کرایہ پر لے لیا۔ یہاں مسٹر ایلر تھورپ سے ملاقات ہوئی جو ڈیلی ٹیلی گراف کے نمائندے تھے۔ وہ بنگال کلب میں ٹھہرے ہوئے تھے اور انہوں نے مجھے وہاں ملنے کے لئے بلایا۔ انہیں اس وقت تک معلوم نہ تھا کہ کلب کے ڈرائنگ روم میں ہندوستانیوں کو لیجانے کی ممانعت ہے۔ جب انہیں اس کی اطلاع ہوئی تو مجھے اپنے کمرے میں لے گئے۔ انہوں نے مقامی انگریزوں کے اس تعصب پر اظہار افسوس کیا اور مجھ سے معافی مانگ کے مجھے ڈرائنگ روم میں لیجا کر نہ بٹھا سکے۔

ظاہر ہے کہ مجھے سب سے پہلے "بنگال کے دیوتا" سر سیدر ناتھ بزجی سے ملنا تھا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو وہ دوستوں کے حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میری درخواست سن کر کہنے لگے:۔

"مجھے اندیشہ ہے کہ یہاں کے لوگوں کو آپ کے کام سے دلچسپی نہ ہوگی۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہم لوگ کیسی مشکلوں میں گھرے ہوئے ہیں مگر آپ اپنی طرف سے پوری کوشش کیجئے۔ آپ کو مہاراجوں کی ہمدردی حاصل کرنا ہوگی۔ برٹش انڈین ایسوسی ایشن کے نمائندے سے ضروری ملئے۔ راجا سر پیارے موہن مکرجی اور مہاراجا ٹگور کے پاس جائیے یہ دونوں آزاد خیال ہیں اور پبلک کاموں میں خاصی دلچسپی لیتے ہیں۔

میں ان حضرات سے ملا کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ دونوں مجھ سے سرد مہری سے پیش آئے انہوں نے کہا کلکتے میں پبلک جلسہ کرنا بہت مشکل ہے۔ ہاں اگر کچھ ہو سکتا ہے تو سر سیندر ناتھ بزجی کی کوشش سے ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

مجھے یہ محسوس ہوا کہ میرے کام میں نئی نئی دقتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ میں امرت بازار پتر کا کے دفتر گیا۔ جو حضرات وہاں ملے وہ مجھے یہ سمجھے کہ یہ کوئی آفاقی ہے۔ یونہی مارا مارا پھرا کرتا ہے۔ بنگباسی والے ان سے بھی بڑھ گئے۔ اس کے اڈیٹر نے مجھے ایک گھنٹہ انتظار میں رکھا۔ یہ میں بھی دیکھ رہا تھا کہ ان سے ملنے کے لئے بہت سے لوگ کھڑے ہیں۔ مگر ان سب کو نپٹانے کے بعد بھی انہوں نے میری طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ میں انتظار کرتے کرتے تھک گیا تھا۔ اس لئے میں نے جرات کر کے خود گفتگو شروع کی۔ انہوں نے کہا "تم دیکھتے نہیں کہ میں مصروف ہوں۔ تمہارے جیسے لوگ صبح سے شام تک سینکڑوں آیا کرتے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم یہاں سے چل دو مجھے تمہاری باتیں سننے کی فرصت نہیں۔"

پہلے تو مجھے بڑا غصہ آیا مگر فوراً ہی یہ احساس ہوا کہ اڈیٹر کی دقتوں کو بھی تو دیکھنا چاہئے۔ میں نے بنگباسی کی شہرت سنی تھی اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ ہر وقت آنے والوں کا تانتا لگا رہتا ہے اور یہ لوگ سب وہ تھے جن سے اڈیٹر سے واقفیت تھی۔ ان کے اخبار کے لئے مضامین کی کمی نہ تھی اور جنوبی افریقہ کو اس زمانے میں کوئی جانتا بھی نہ تھا۔

جو شخص اڈیٹر کے پاس کوئی شکایت لے کر جاتا ہے اسے اپنا معاملہ کتنا ہی اہم کیوں نہ معلوم ہو اڈیٹر کے نزدیک تو وہ ان بے شمار لوگوں میں سے ایک ہے جو اپنی اپنی شکایتیں لے کر اس کے دفتر پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ غریب اڈیٹر کس کس کی حاجت روائی کرے۔ اس کے علاوہ غرض مند یہ سمجھتے ہیں کہ اڈیٹر کا ملک میں بڑا اثر ہے مگر یہ اسی کا دل جانتا ہے کہ اس کا اثر جو کچھ ہے اخبار کے دفتر کیلئے کر رہے باہر کچھ بھی نہیں۔ میں اور اخباروں کے ایڈیٹروں سے بھی ملتا رہا۔ حسب معمول اینگلو انڈین ایڈیٹروں کے یہاں بھی گیا۔ اسٹیں مین اور انگلش مین نے اس مسئلے کی اہمیت محسوس کی۔ میں نے ان سے اس کے متعلق طویل گفتگو کی اور انہوں نے یہ پوری گفتگو چھاپ دی۔

انگلش مین کے ایڈیٹر مسٹر سانڈرس نے مجھے اپنی حمایت میں لے لیا۔ انہوں نے اپنا اخبار اور اپنا دفتر میرے لئے وقف کر دیا بلکہ یہاں تک کیا کہ اس مسئلے پر جو مقالہ افتتاحیہ لکھا تھا اس کے پروف میرے پاس بھیج دیئے اور مجھے اجازت دیدی کہ اس میں حسب دالخواہ تغیر تبدل کر دوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ ان میں اور مجھ میں دوستی ہو گئی تو کچھ مبالغہ نہ ہو گا۔ انہوں نے مجھے حتی الامکان مدد دینے کا وعدہ کیا اور اس وعدے کو حرف بہ حرف پورا کیا۔ اس کے بعد بھی مجھ سے ان سے بہت دن تک خط وکتابت ہوتی رہی مگر ان کی شدید علالت کے بعد یہ سلسلہ موقوف ہو گیا۔

Marfat.com

میری زندگی میں خوش قسمتی سے یہ اکثر ہوا ہے کہ لوگوں سے خود بخود دوستی ہو گئی جس کی کوئی توقع نہ تھی۔ مسٹر سانڈرس کو میرا سچ بولنا اور مبالغے سے پرہیز کرنا بہت پسند آیا۔ میرے کام سے ہمدردی کرنے سے پہلے انہوں نے مجھ سے کھود کھود کر سوالات کئے اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ میں ان کے سامنے جنوبی افریقہ کے حالات سچائی سے بیان کرنے میں یہاں تک کہ یورپیوں کے نقطۂ نظر کو پیش کرنے میں بھی اپنی طرف سے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ میں یورپیوں کے جائز مطالبات کی قدر کرتا ہوں۔

مجھے تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ دوسروں سے انصاف چاہنے کا سب سے زود اثر طریقہ یہ ہے کہ آدمی خود دوسروں کے ساتھ انصاف کرے۔

مسٹر سانڈرس کی غیر متوقع مدد سے مجھے یہ امید ہو چلی تھی کہ کوئی تعجب نہیں۔ کلکتے میں بھی جلسہ کرنے کی کوئی صورت نکل آئے کہ میرے پاس ڈربن سے یہ تار پہنچا۔

"پارلیمنٹ کا اجلاس جنوری سے شروع ہے فوراً واپس آؤ۔"

اس لئے میں نے ایک خط کے ذریعہ سے اخباروں کو اطلاع دی کہ ان ان وجوہ سے اس قدر جلد کلکتے سے چلے جانے پر مجبور ہوں اور بمبئی روانہ ہو گیا۔ روانگی سے پہلے میں نے بمبئی میں دادا عبداللہ کمپنی کے ایجنٹ کو تار دیا کہ جو پہلا جہاز جنوبی افریقہ جاتا ہو اس کا ٹکٹ میرے لئے خریدے۔ دادا عبداللہ نے اسی زمانے میں مسافر جہاز "کورلینڈ" نیا نیا خریدا تھا انہوں نے بہت اصرار کیا کہ اسی جہاز سے چلو میں تمہیں اور تمہارے خاندان کو مفت میں پہنچا دوں گا۔ میں نے ان کی دعوت شکریئے کے ساتھ قبول کر لی۔ اور شروع دسمبر میں اپنی بیوی دونوں لڑکوں اور اپنی بیوہ بہن کے اکلوتے لڑکے کو ساتھ لے کر دوبارہ جنوبی افریقہ روانہ ہو گیا۔ ہمارے جہاز کے ساتھ ایک اور جہاز "نلدیری" بھی ڈربن جا رہا تھا۔ اس کمپنی کی ایجنسی دادا عبداللہ کمپنی کے پاس تھی۔ ان دونوں جہازوں کے مسافر آٹھ سو کے قریب ہوں گے۔ ان میں سے آدھے ٹرانسوال جا رہے تھے۔

Marfat.com

Marfat.com

حصّہ سوم

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب

طوفان کی گرج

میرا یہ پہلا سفر تھا جس میں بیوی بچے ساتھ تھے۔ میں اس کتاب میں کئی جگہ کہہ چکا ہوں کہ اوسط طبقہ کے ہندوؤں میں صغر سنی کی شادی کی بدولت یہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ شوہر پڑھا لکھا ہے مگر اس کی بیوی قریب قریب ان پڑھ ہے۔ اس طرح یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل نا آشنا رہتے ہیں اور شوہر کو بیوی کا معلم بنتا پڑتا ہے چنانچہ مجھے جنوبی افریقہ جاتے وقت سب جزویات طے کرنا پڑیں کہ میری بیوی اور بچوں کو کیسے کپڑے پہننا چاہئیں۔ کیسا کھانا کھانا چاہئے اور نئی جگہ پہنچ کر کس طرح کے آداب و معاشرت اختیار کرنا چاہئے۔ اس زمانے کی بعض باتیں یاد کر کے ہنسی آتی ہے۔ ہندو بیوی آنکھ بند کر کے شوہر کی اطاعت کرنے کو اپنے دھرم کی معراج سمجھتی ہے۔ ہندو شوہر اپنے آپ کو بیوی کا مالک سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ ہر وقت ہاتھ باندھے سامنے کھڑی رہے۔

ان دنوں میرا یہ عقیدہ تھا کہ ہم لوگوں کو اپنے لباس اور آداب معاشرت میں جہاں تک ہو سکے یورپیوں کی تقلید کرنا چاہئے۔ تاکہ ہم مہذب معلوم ہوں۔ میں سمجھتا تھا کہ صرف اسی طریقے سے ہم تھوڑا بہت اثر پیدا کر سکتے ہیں اور بغیر اثر کے قوم کی خدمت کرنا ناممکن ہے۔

اسے نظر رکھ کر میں نے اپنی بیوی اور بچوں کے لباس کی ایک وضع معین کی۔ اس زمانے میں پارسی ہندوستانیوں میں سب سے زیادہ مہذب سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے جب بالکل یورپی وضع اختیار کرنا نامناسب معلوم ہوا تو ہم نے پارسیوں کی وضع اختیار کی۔ میری بیوی پارسیوں کی سی ساڑی باندھنے لگیں۔ اور میرے بچے پارسی کوٹ اور پتلون پہننے لگے۔ ظاہر ہے کہ انگریزی جوتے اور موزے تو ہر شخص کے لئے لازمی تھے۔ میری بیوی اور بچوں کو ان چیزوں کا عادی ہونے میں

Marfat.com

بہت دیر لگی انگریزی جوتے ان کے پیر کو دباتے تھے اور موزوں میں پسینے سے بدبو آنے لگتی تھی۔ پیر کی انگلیاں اکثر سوج جاتی تھیں۔ میرے پاس ان سب اعتراضوں کے جواب تیار رہتے تھے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ جواب ان کے لئے اتنے تشفی بخش نہ تھے جتنا میرے حکم کا اثر تھا۔ وہ لباس کی وضع بدلنے پر اس لئے راضی ہو گئے کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اسی بددلی سے انہوں نے چھری کانٹے کا استعمال شروع کیا بلکہ یہ انہیں اور بھی زیادہ ناگوار تھا۔ جب میرا جوش ان تہذیب کی نشانیوں کے بارے میں ٹھنڈا ہو گیا تو انہوں نے چھری کانٹے کو خیرباد کہی۔ غالباً نئی وضع کا عادی ہو جانے کے بعد انہیں اس کے چھوڑنے میں بھی اتنی ہی دقت ہوئی ہو گی۔ مگر اب میں یہ دیکھتا ہوں کہ "تہذیب" کا زرق برق لبادہ اتارنے سے ہماری طبیعت بہت ہلکی ہو جاتی ہے۔

جس جہاز میں ہم تھے اسی میں ہمارے بعض رشتے دار اور شناسا بھی تھے۔ میں اکثر ان سے اور تیسرے درجے کے مسافروں سے ملنے کے لئے جایا کرتا تھا۔ کیونکہ جہاز دادا عبداللہ کے دوستوں کا تھا اور میں بے تکلف جہاں جی چاہے جا سکتا تھا۔

کیونکہ جہاز بغیر درمیانی بندرگاہوں پر ٹھہرے ہوئے سیدھا نٹال جا رہا تھا۔ اس لئے ہمارا سفر صرف اٹھارہ دن کا تھا۔ مگر نٹال پہنچنے سے چار روز پہلے بڑی سخت آندھی آئی گویا اس اصلی طوفان کا پیش خیمہ تھی جس سے ہمیں جنوبی افریقہ پہنچ کر سابقہ پڑنے والا تھا۔ کرہ ارض کے جنوبی حصے میں دسمبر برسات کا مہینہ ہے اس لئے اس زمانے میں بحر جنوبی میں چھوٹی بڑی آندھیاں آیا کرتی ہیں جس آندھی کا میں ذکر کر رہا ہوں یہ اتنے زور سے آئی اور اتنے دیر تک رہی کہ مسافر ڈر گئے۔ اس وقت عجب پر اثر منظر تھا۔ عام خطرے کے مقابلے میں سب ایک ہو گئے تھے۔ ہندو، مسلمان، عیسائی سب کے سب آپس کے اختلافات بھول گئے تھے اور اس خدائے واحد کو جو سب کا معبود ہے یاد کر رہے تھے۔ بعض لوگوں نے طرح طرح کی نذریں مانیں۔ کپتان بھی مسافروں کے ساتھ دعا میں شریک ہو گیا۔ اس نے ہم سب کو یقین دلایا کہ گو طوفان خطرے سے خالی نہیں ہے مگر کچھ ایسا خوفناک بھی نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ اچھا مضبوط جہاز قریب قریب ہر طرح کے موسم کو برداشت کر سکتا ہے مگر ان لوگوں کو کسی طرح تسکین نہیں ہوئی ہر لمحے چرچراہٹ کی آواز آتی تھی جس سے یہ ڈر ہوتا تھا کہ شاید جہاز کہیں سے ٹوٹ گیا ہے یا اس میں سوراخ ہو گیا ہے ہچکولوں کا یہ عالم کہ لمحہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہاز اب الٹا ہی چاہتا ہے۔ ڈیک پر جانا بالکل ناممکن تھا۔ ہر شخص زبان حال سے رضا بالقضا و تسلیماً لامرہ کہہ رہا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے یہ کشمکش چوبیس گھنٹے کے قریب رہی آخر

Marfat.com

آسمان سے بادل ہٹ گئے۔ سورج نکل آیا اور کپتان نے یقین دلایا کہ طوفان گذر گیا۔ لوگوں کے چہرے خوشی سے دمکنے لگے اور خطرے کے ہٹتے ہی زبانوں پر خدا کا نام بھی نہیں رہا، پھر وہی کھانا پینا، گانا بجانا، رنگ رلیاں منانا شروع ہو گیا موت کے خوف سے نجات ملتے ہی خشوع و خضوع کی عارضی کیفیت رخصت ہو گئی اور دلوں پر "مایا" (1) کا تسلط ہو گیا۔ لوگ معمولی اوقات میں نمازیں پڑھتے۔ دعائیں مانگتے تھے۔ لیکن اب ان میں وہ حضور قلب نہ تھا جو اس ہولناک گھڑی میں پیدا ہو گیا تھا۔

مگر اس طوفان کے سبب سے مجھ میں اور دوسرے مسافروں میں بہت میل جول ہو گیا مجھے طوفان کا ڈر نہیں تھا کیونکہ میں ایسے موقعے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ میری طبیعت بحری سفر سے مناسبت رکھتی ہے اور مجھے کبھ متلی یا دوران سر کی شکایت نہیں ہوئی۔ اس لئے میں سارے جہاز میں بے دھڑک گشت لگاتا تھا۔ مسافروں کی تسلی اور دلدہی کرتا تھا اور انہیں ہر گھنٹے کپتان کا پیام پہنچاتا تھا۔ آگے چل کر معلوم ہو گا کہ ان لوگوں کی دوستی میرے بڑے کام آئی۔

18 یا 19 دسمبر کو جہاز ڈربن میں لنگر انداز ہوا "نلدیری جہاز" بھی اسی دن پہنچا۔ مگر اصل طوفان اب آگے آنے والا تھا۔

حوالہ

1- ہندو فلسفے کی مشہور اصطلاح جس کا صحیح ترجمہ مشکل ہے عموماً اس کا ترجمہ "فریب خیال" "نیرنگ نظر" کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

دوسرا باب

طوفان

میں پہلے باب میں کہہ چکا ہوں کہ 18 دسمبر کو دونوں جہاز ڈربن کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہوئے۔ جنوبی افریقہ کی بندرگاہوں میں جہازوں کو بغیر طبی معائنے کے ساحل پر آنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کسی مسافر کو کوئی لگ جانے والی بیماری ہو تو اسے قرنطینے میں رہنا پڑتا ہے جب ہم بمبئی سے چلے تھے تو وہاں طاعون تھا اس لئے ہمیں یہ ڈر تھا کہ کہیں ہم لوگ بھی کچھ دن قرنطینے میں نہ رکھے جائیں۔ معائنے سے پہلے ہر جہاز پر ایک زرد جھنڈا نصب کیا جاتا ہے اور اس وقت تک نہیں اتارا جا سکتا جب تک کہ ڈاکٹر مسافروں کی صحت کی تصدیق نہ کر دے۔ مسافروں کے عزیزوں اور دوستوں کو زرد جھنڈے کے اتارے جانے کے بعد جہاز پر آنے کی اجازت ملتی ہے۔

چنانچہ ہمارے جہاز پر بھی زرد جھنڈا نصب کیا گیا اور ڈاکٹر معائنے کے لئے آیا۔ اس نے پانچ دن کے قرنطینے کا حکم دیا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ طاعون کی جراثیم کی نشوونما زیادہ سے زیادہ تئیس دن میں ہوتی ہے ہمارے جہاز کو یہ حکم سنایا گیا کہ جس دن بمبئی سے چلا تھا اس کے تئیسویں دن تک قرنطینے میں رہے لیکن اس حکم میں حفظان صحت کے علاوہ دوسری مصلحتیں بھی تھیں۔

ڈربن کے یورپی باشندوں میں بڑی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ لوگ یہ جدوجہد کر رہے تھے کہ ہم سب اپنے ملک کو لوٹا دیئے جائیں اور قرنطینے کے حکم کی ایک وجہ یہ جدوجہد بھی تھی۔ دادا عبداللہ کے آدمی مجھے برابر شہر کی خبریں پہنچاتے تھے۔ یورپی روز بڑے بڑے جلسے کرتے تھے۔ یہ لوگ دادا عبداللہ کمپنی کو طرح طرح کی دھمکیاں دیتے تھے اور کبھی کبھی لالچ بھی دلاتے تھے یہ کہتے تھے کہ اگر دونوں جہاز واپس کر دیئے جائیں تو ہم ہرجانہ دینے کو تیار ہیں۔ لیکن دادا عبداللہ کمپنی ان دھمکیوں میں آنے والی نہ تھی۔ اس زمانے میں سیٹھ عبدالکریم آدم کمپنی کے شریک و منتظم تھے۔

Marfat.com

وہ اس پر اڑے ہوئے تھے کہ چاہے جو کچھ بھی ہو دونوں جہازوں کو گودی پر لائیں گے اور مسافروں کو اتاریں گے۔ خوش قسمتی سے ان دنوں سکھ لال جی نظر بھی مجھ سے ملنے کے ارادے سے ڈربن آئے ہوئے تھے۔ یہ بڑے قابل اور جری آدمی تھے اور ہندوستانیوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔ ان کے وکیل مسٹر لاٹن بھی جرات (1) میں کچھ کم نہ تھے۔ وہ یورپیوں کے طرز عمل کو برا سمجھتے تھے اور ہندوستانیوں کو صرف محنتانے کی خاطر نہیں بلکہ سچے دوست کی طرح مشورہ دیتے تھے۔

اس طرح ڈربن ایک زبردست اور ایک کمزور فریق کی جنگ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ایک طرف تھوڑے سے ہندوستانی اور ان کے معدودے چند انگریز دوست تھے۔ اور دوسری طرف یورپیوں کی صف تھی جو تعداد میں، قوت میں، تعلیم میں اور دولت میں ان سے کہیں بڑھے ہوئے تھے۔ پھر نٹال کی حکومت بھی کھلم کھلا ان کی مدد کر رہی تھی۔ مسٹر ہنری ایسکومب جو مجلس وزراء کے سب سے بااثر رکن تھے بے تکلف ان کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔

غرض قرنطینے کا اصلی مقصد یہ تھا کہ کمپنی کے ایجنٹوں کو یا مسافروں کو دھمکا کر جہاز ہندوستان واپس کر دیئے جائیں اب ہمارے پاس بھی تہدید آمیز پیام پہنچنے لگے۔ "اگر تم واپس نہ جاؤ گے تو ہم تمہیں سمندر میں ڈبو دیں گے لیکن اگر تم جانے پر راضی ہو جاؤ تو ممکن ہے تمہارا کرایہ تک واپس مل جائے۔" میں برابر اپنے جہاز کے مسافروں سے ملتا جلتا رہتا تھا اور ان کی دلدہی کرتا تھا۔ نلدیری کے مسافروں کو بھی تسلی آمیز پیام بھیجتا تھا۔ ان کے سکون اور ہمت میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔

ہم نے مسافروں کی تفریح کے لئے جہاز پر طرح طرح کے کھیلوں کا انتظام کیا۔ کرسمس کے دن کپتان نے اول درجے کے مسافروں کو ڈنر پر بلایا۔ علاوہ میرے اور میرے خاندان کے چند لوگ اور تھے۔ ڈنر کے بعد تقریریں ہوئیں اور میں نے مغربی تہذیب پر تقریر کی۔ میں جانتا تھا کہ یہ موقع سنجیدہ تقریر کا نہیں ہے۔ لیکن اپنی طبیعت سے مجبور تھا۔ میں خوشی منانے میں شریک تھا لیکن میرا دل اس لڑائی میں لگا ہوا تھا جو ڈربن میں ہو رہی تھی کیونکہ یہ لڑائی اصل میں میرے ہی خلاف تھی۔ مجھ پر دو الزام تھے:۔

ایک یہ کہ میں نے ہندوستان میں نٹال کے یورپیوں کو بیجا مطعون کیا۔

دوسرے یہ کہ میں خاص کر کے دو جہاز بھر کے ہندوستانی لایا ہوں کہ نٹال کو ہندوستانیوں سے بھر دوں۔

مجھے اپنی ذمہ داری کا احساس تھا میں جانتا تھا کہ میری وجہ سے دادا عبداللہ کمپنی بڑے خطرے میں

Marfat.com

مبتلا ہے مسافروں کی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور اپنے خاندان کو بھی میں نے لا کر مصیبت میں پھنسا دیا ہے

مگر میرا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔ میں نے کسی کو نٹال آنے کی ترغیب نہیں دی تھی۔ جب مسافر جہاز پر آئے تھے تو میں انہیں جانتا تک نہ تھا۔ اور اب بھی بجز اپنے اور رشتے داروں کے جہاز میں سینکڑوں مسافروں میں کسی کے نام و نشان سے واقف نہیں تھا۔

اس لئے میں نے اپنی تقریر میں کہا افسوس ہے کہ اس تہذیب پر جس کا نمونہ نٹال کے یورپی پیش کرتے ہیں اور جس کی حمایت کا انہیں دعویٰ ہے۔ کچھ عرصے سے میرے دل میں یہی خیال بسا ہوا تھا اس لئے میں نے اس چھوٹے سے مجمع کے سامنے اپنی تقریر میں اسی مسئلے پر بحث کی۔ کپتان اور دوسرے دوستوں نے بڑی توجہ سے میری تقریر سنی اور ان پر میرے خیالات کا اثر ہوا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس سے ان کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ مگر اس کے بعد کئی بار کپتان اور جہاز کے دوسرے افسروں نے مجھ سے مغربی تہذیب کے متعلق طویل گفتگو کی۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ مغربی تہذیب زیادہ تر تشدد پر مبنی ہے مگر مشرقی تہذیب میں یہ بات نہیں ہے۔ سوال کرنے والوں نے میری یہ بات پکڑ لی اور ان میں سے ایک نے غالباً کپتان نے مجھ سے پوچھا۔

"فرض کیجئے کہ یورپی اپنی دھمکیوں پر عمل کریں پھر آپ اپنے عدم تشدد کے اصول پر کس طرح قائم رہیں گے؟"

میں نے جواب دیا "مجھے امید ہے خدا مجھے اتنی ہمت اور سمجھ دے گا کہ میں عضو سے کام لوں اور ان پر مقدمہ نہ چلاؤں۔ مجھے تو محض ان کی جہالت اور تنگدلی پر افسوس آتا ہے میں جانتا ہوں کہ وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں اچھا اور مناسب سمجھ کر کر رہے ہیں۔ پھر مجھے ان پر غصہ آنے کی کیا وجہ ہے؟"

سوال کرنے والا مسکرایا شاید اسے یہ بات یقین نہ آیا۔

اسی طرح جوں توں دن گزرتے رہے ابھی تک ٹھیک معلوم نہیں تھا کہ قرنطینہ کب ختم ہو گا۔ قرنطینے کے افسر نے کہا کہ اب معاملہ میرے اختیار میں نہیں رہا جب حکومت کی طرف سے احکام آئیں گے میں آپ کو جہاز سے اترنے کی اجازت دیدوں گا۔

آخر کار ایک دن میرے اور دوسرے مسافروں کے پاس یہ اعلان جنگ پہنچا کہ اگر تم اپنی جان

Marfat.com

کی سلامتی چاہتے ہو تو جو ہم کہتے ہیں اسے چپ چاپ مان لو۔ اس کے جواب میں میں نے اور دوسرے مسافروں نے کہلا بھیجا کہ ہمیں نٹال کی بندرگاہ میں اترنے کا پورا حق ہے اور ہم نے جی میں ٹھان لی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے نٹال میں ضرور داخل ہوں گے۔

تئیس دن پورے ہونے پر جہازوں کو گودی میں آنے کی اور مسافروں کو اترنے کی اجازت مل گئی۔

حوالہ

1- The Laughton

Marfat.com

تیسرا باب

آزمائش

جہاز گودی پر لائے گئے اور مسافر اترنے لگے۔ مگر مسٹر الیکومب نے کپتان سے کہلا بھیجا کہ گاندھی سے کہہ دو "یورپی تم سے سخت بیزار ہیں۔ تمہاری اور تمہارے خاندان کی جان خطرے میں ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہو گا کہ تم جھٹپٹے وقت جہاز سے اترو اور گودی کے سپرنٹنڈنٹ مسٹر ٹیٹم کی حفاظت میں گھر جاؤ" کپتان نے یہ پیام مجھ سے کہا اور میں اس پر عمل درآمد کرنے پر تیار ہو گیا۔ مگر اسے ابھی آدھ گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا کہ مسٹر لاٹن کپتان کے پاس آئے اور کہنے لگے "اگر مسٹر گاندھی راضی ہوں تو میں انہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ میں کمپنی کے مشیر قانونی کی حیثیت سے آپ سے کہتا ہوں کہ آپ پر مسٹر الیکومب کے مشورے کی پابندی لازمی نہیں ہے۔" اس کے بعد انہوں نے مجھ سے بھی کہا "اگر آپ ڈرتے نہ ہوں تو میری رائے ہے کہ آپ کی بیوی اور بچے گاڑی میں رستم جی کے یہاں چلی جائیں۔ ہم آپ پیدل چلیں مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ آپ چوروں کی طرح رات کو شہر میں داخل ہوں۔ میرے خیال میں اب آپ پر حملے کا کوئی خطرہ نہیں۔ شہر میں ہر طرف سکون ہے۔ یورپی منتشر ہو چکے ہیں۔ بہر حال میرے نزدیک آپ کو شہر میں چھپ کر ہرگز نہیں جانا چاہئے۔" میں فوراً راضی ہو گیا۔ میرے بیوی اور بچے گاڑی میں سوار ہو کر حفاظت کے ساتھ رستم جی کے یہاں پہنچ گئے۔ میں کپتان کی اجازت سے مسٹر لاٹن کے ساتھ روانہ ہوا۔ مسٹر رستم جی کا مکان گودی سے دو میل کے فاصلے پر تھا۔

جیسے ہی ہم کنارے پر پہنچے چند لڑکوں نے مجھے پہچان لیا اور "گاندھی" "گاندھی" پکارنے لگے۔ پانچ چھ آدمی اور دوڑ آئے اور انہوں نے لڑکوں کے ساتھ مل کر چلانا شروع کیا۔ مسٹر لاٹن ڈرے کہ کہیں مجمع زیادہ نہ ہو جائے اور انہوں نے ایک رکشا والے (1) کو پکارا مجھے رکشا پر بیٹھنا

Marfat.com

پسند نہ تھا آج پہلی بار اس کا اتفاق ہوتا مگر لڑکوں نے مجھے بیٹھنے نہیں دیا انہوں نے رکشا والے کو ایسا دھمکایا کہ وہ اپنی جان لے کر بھاگا۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے مجمع بھی زیادہ ہوتا گیا یہاں تک کہ راستہ بالکل رک گیا۔ پھر انہوں نے مسٹر لاٹن کو پکڑ کر مجھ سے علیحدہ کر دیا اس کے بعد مجھ پر اینٹ پتھر اور گندے انڈوں کی بوچھاڑ کر دی۔ ایک شخص میری پگڑی لے بھاگا اور کچھ لوگ مجھے گھونسے اور لاتیں مارنے لگے۔ مجھے غش آنے لگا اور میں ایک مکان کے جنگلے کے سہارے کھڑا ہو گیا کہ ذرا دم لے لوں مگر لوگوں نے اس کا موقع نہیں دیا انہوں نے پہنچ کر گھونسے اور مکے مارنا شروع کئے۔ اتفاق سے سپرنٹنڈنٹ پولیس کی بیوی جو مجھ سے واقف تھیں ادھر سے گزر رہی تھیں۔ یہ بہادر خاتون میری مدد کے لئے آئیں اور اپنی چھتری کھول کر میرے اور مجمع کے درمیان حائل ہو گئیں۔ ان سے لوگوں کا ہلہ کچھ کم ہوا کیونکہ اگر مجھے مارتے تو مسز الیگزینڈر کے بھی چوٹ آتی۔

اس عرصے میں ایک ہندوستانی لڑکا جس نے یہ واقعہ دیکھا تھا دوڑ کر کوتوالی پہنچ گیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر الیگزینڈر نے سپاہیوں کا ایک دستہ بھیجا کہ مجھے حلقے میں لے کر گھر پہنچا دے۔ یہ سپاہی عین وقت پر پہنچے۔ کوتوالی ہمارے رستے میں تھی جب ہم وہاں پہنچے تو سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ تم یہیں کوتوالی میں پناہ لو مگر میں نے شکریئے کے ساتھ انکار کر دیا۔ میں نے ان سے کہا "جب ان لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا تو آپ ہی خاموش ہو جائیں گے۔ مجھے ان کی انصاف پسندی پر اعتماد ہے" پولیس کی حفاظت میں بغیر کسی مزید دقت کے رستم جی کے یہاں پہنچ گیا۔ میرا بدن جا بجا سے چھل گیا تھا۔ مگر سوائے ایک جگہ کے کہیں بھی زخم نہیں آیا تھا۔ جہاز کے ڈاکٹر دادی بار جور صاحب وہیں موجود تھے اور انہوں نے بہت توجہ سے میری مرہم پٹی کر دی۔

گھر کے اندر سکون تھا مگر باہر یورپی مکان گھیرے ہوئے تھے۔ رات ہونے والی تھی اور مجمع گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہا تھا۔ "گاندھی کو ہمارے حوالے کر دو۔" بیدار مغز سپرنٹنڈنٹ پولیس موقعے پر پہنچ گئے اور مجمع کو دھمکا کر نہیں بلکہ پرچا کر قابو میں لانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن دل میں وہ بھی پریشان تھے انہوں نے مجھ سے کہلا بھیجا "اگر آپ اپنے دوست کے گھر بار کو اور اپنے خاندان کو ان لوگوں کے ہاتھوں سے بچانا چاہتے ہیں تو جیسے میں کہوں بھیس بدل کر نکل جایئے۔

اس طرح ایک ہی دن میں دو متضاد حالتوں سے سابقہ پڑا۔ جب جان کا خطرہ محض خیالی تھا اس وقت مسٹر لاٹن نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ کھلے بندوں شہر میں جاؤں اور میں نے اسے قبول کیا۔

Marfat.com

جب خطرہ سچ مچ آ پہنچا تو ایک اور دوست نے مجھے اس کے خلاف رائے دی اور میں نے اسے بھی قبول کر لیا۔ خدا جانے میں نے یہ اس لئے کیا کہ مجھے اپنی جان خطرے میں نظر آئی یا اس لئے کہ اپنے دوست کے گھر بار کو یا اپنے بیوی بچوں کو خطرے سے بچاؤں؟ کون شخص دعویٰ سے کہہ سکتا ہے کہ میں اس وقت بھی حق بجانب تھا جب میں نے بقول دوسروں کے بہادری سے مجمع کا مقابلہ کیا۔ اور اس وقت بھی جب میں بھیس بدل کر ان کے مقابلے سے بھاگ نکلا؟۔

جو یہ باتیں ہو چکیں ان کی اچھائی یا برائی کا فیصلہ کرنا فضول ہے جو فائدہ ہی ہے وہ اس میں ہے کہ انسان انہیں سمجھے اور اگر ممکن ہو تو ان سے آئندہ کے لئے سبق حاصل کرے۔ پہلے سے یہ بتانا دشوار ہے کہ فلاں شخص فلاں موقعے پر کیا کرے گا اور پھر کسی شخص کے ظاہری افعال سے اس کی نیت پر حکم لگانا بھی گویا ناکافی شہادت کی بنا پر فیصلہ کرنا ہے۔

بہرحال بھاگنے کی تیاری میں میں اپنی چوٹوں کی تکلیف کو بھول گیا۔ سپرنٹنڈنٹ کے مشورے کے مطابق میں نے ایک ہندوستانی کانسٹیبل کی وردی پہن لی اور سر پر دھات کی ایک طشتری رکھ کر اس پر مدراسی صافا لپیٹ لیا کہ خود کا کام دے سکے، میرے ساتھ دو سراغرساں تھے جن میں سے ایک نے ہندوستانی تاجر کا بھیس بدلا اور چہرے کو رنگ کر ہندوستانیوں کی سی شکل بنالی تھی۔ دوسرے کا بھیس مجھے یاد نہیں ہم ایک چھوٹی سی گلی سے ہو کر قریب کی دوکان پر پہنچے اور بوروں کے ڈھیر میں سے جو گودام میں لگا ہوا تھا گذر کر دوکان کے دروازے سے نکل گئے۔ یہاں مجمع میں گھس بیٹھ کر گلی کی نکڑ پر اس گاڑی تک پہنچے جو میرے لئے کھڑی تھی اس گاڑی نے ہمیں کوتوالی میں پہنچا دیا جہاں تھوڑی دیر پہلے مسٹر الیگزینڈر نے مجھ سے پناہ لینے کو کہا تھا۔ میں نے ان کا اور سراغرسانوں کا شکریہ ادا کیا۔

ادھر میں بھاگ رہا تھا اور ادھر مسٹر الیگزینڈر یہ بول کر مجمع کو بہلا رہے تھے۔

پھانسی دے دو گاندھی کو
کھٹے سیب کے پیڑ پر

جب انہیں معلوم ہو گیا کہ میں حفاظت کے ساتھ کوتوالی پہنچا دیا گیا تو انہوں نے مجمع سے مخاطب ہو کر کہا "بھئی تمہارا شکار تو قریب کی دوکان سے ہو کر نکل گیا۔ میری صلاح یہ ہے کہ اب تم بھی گھر کی راہ لو۔" بعض لوگ بگڑے، بعض ہنسنے لگے اور بعض کو اس بات پر یقین نہیں آیا۔

سپرنٹنڈنٹ نے کہا "اچھا اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آتا تو اپنی طرف سے دو ایک

Marfat.com

نمائندے مقرر کر دو میں انہیں گھر کے اندر لے جانے پر تیار ہوں۔ اگر وہ گاندھی کو ڈھونڈھ نکالیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ لیکن اگر وہ نہ ملا تو پھر تم کو منتشر ہونا پڑے گا۔ تم کوئی رستم جی کا مکان ڈھانے یا گاندھی کے بیوی بچوں کو ستانے تھوڑی آئے ہو۔"

مجمع نے اپنے نمائندے گھر کی تلاشی لینے کے لئے بھیجے۔ وہ تھوڑی دیر میں ناکام واپس آئے اور مجمع خدا خدا کر کے منتشر ہوا۔ اکثر لوگ سپرنٹنڈنٹ کی تعریف کر رہے تھے کہ انہوں نے بڑی موقع شناسی سے کام لیا اور بعضے غصے سے ہونٹ چبا رہے تھے۔

مسٹر چیمبرلین آنجہانی جو اس زمانے میں وزیر نو آبادیات تھے نٹال کو تار کے ذریعے ان لوگوں پر مقدمہ چلانے کا حکم دیا جنہوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ مسٹر الیکومب نے مجھے بلایا اور کہا "مجھے سخت افسوس ہے کہ آپ کو یہ اذیتیں اٹھانا پڑیں۔ آپ یقین کیجئے کہ مجھے آپ کی خفیف سی تکلیف بھی گوارا نہیں۔ بے شک آپ کو یہ حق تھا کہ آپ مسٹر لاٹن کے مشورے کو مانیں اور بڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ کریں مگر مجھے یقین ہے کہ آپ میری رائے پر عمل کرتے تو یہ حادثہ پیش نہ آتا۔ اگر آپ حملہ کرنے والوں کو شناخت کر سکیں تو میں اس کے لئے تیار ہوں کہ انہیں گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلاؤں۔ مسٹر چیمبرلین نے بھی مجھ سے یہی خواہش کی ہے۔

میں نے جواب دیا "میں کسی پر مقدمہ چلانا نہیں چاہتا ممکن ہے میں ان میں سے دو ایک کو پہچان لوں مگر انہیں سزا دلانے سے کیا فائدہ ہو گا؟ اور میرے نزدیک ان لوگوں کا کوئی قصور بھی نہیں۔ انہیں یہ یقین دلایا گیا کہ میں نے ہندوستان میں نٹال کے یورپیوں کے متعلق مبالغہ آمیز روایتیں کیں اور انہیں بدنام کر دیا۔ ان باتوں کو سن کر انہیں طیش آگیا تو کون سی تعجب کی بات ہے؟ قصور جو کچھ ہے وہ ان کے لیڈروں کا یعنی دوسرے الفاظ میں خود آپ کا ہے۔ آپ ان کی صحیح رہنمائی کر سکتے تھے۔ مگر آپ نے خود ریوٹر کے بھروسے پر یہ فرض کر لیا کہ میں نے ضرور مبالغے سے کام لیا ہو گا۔ میں کسی سے مواخذا کرنا نہیں چاہتا مجھے یقین ہے کہ جب صحیح حالات معلوم ہوں گے تو لوگوں کو اپنی ان حرکتوں پر ندامت ہو گی۔"

مسٹر ایسکومب نے کہا "اگر آپ کا کوئی ہرج نہ ہو تو یہ الفاظ مجھے لکھ کر دے دیجئے۔ کیونکہ مجھے مسٹر چیمبرلین کو اس مضمون کا تار دینا پڑے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ عجلت میں بے سوچے سمجھے کوئی تحریر دیں۔ آپ کا جی چاہے تو آخری فیصلہ کرنے سے پہلے مسٹر لاٹن سے اور دوسرے دوستوں سے مشورہ کر لیجئے۔ یہ میں ضرور مانتا ہوں کہ اگر آپ حملہ آوروں کو سزا دلانے کے حق سے

Marfat.com

دست بردار ہو جائیں تو مجھے امن قائم کرنے میں بڑی مدد ملے گی اور آپ کی بھی نیک نامی ہو گی۔"

میں نے کہا "میں آپ کی نوازش کا شکریہ ادا کرتا ہوں مجھے کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں مجھے جو کچھ فیصلہ کرنا تھا میں نے آپ کے پاس آنے سے پہلے ہی کر لیا۔ یہ میرے عقیدے کے خلاف ہے کہ میں حملہ آوروں پر مقدمہ چلاؤں اور میں اسی وقت اپنا فیصلہ لکھ کر دینے کے لئے تیار ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے اپنا بیان لکھا اور ان کے حوالے کیا۔

حوالہ

1 - ایک ہلکی سی گاڑی جسے آدمی کھینچتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

چوتھا باب

طوفان کے بعد سکون

جب میں مسٹر ایسکومب سے ملنے گیا تو مجھے کوتوالی میں آئے ہوئے تیسرا دن تھا۔ میری حفاظت کے لئے دو کانسٹیبل ساتھ کر دیئے گئے تھے مگر یہ احتیاط ضروری ثابت ہوئی۔

جس دن میں جہاز سے اترنے والا تھا اسی روز زرد جھنڈے کے اترتے ہی نٹال ایڈور "ٹائزر" (1) کا نمائندہ مجھ سے سوال و جواب کرنے کے لئے پہنچ گیا تھا۔ اس نے مجھ سے بہت سی باتیں پوچھیں اور میں نے ان تمام الزامات کی جو مجھ پر لگائے گئے تھے کماحقہ تردید کر دی۔ سر فیروز شاہ مہتا کے مشورہ کی بدولت میں نے جتنی تقریریں کی تھیں سب لکھ کر کی تھیں اور میرے پاس ان کی اور اپنی دوسری تحریروں کی نقلیں موجود تھیں میں نے یہ سب چیزیں اخبار کے نمائندے کو دے دیں اور اس پر ثابت کر دیا کہ میں نے ہندوستان میں جتنی باتیں کہیں وہ سب میں اس سے پہلے جنوبی افریقہ میں زیادہ سخت الفاظ میں کہہ چکا ہوں میں نے اسے یہ بھی یقین دلایا کہ کورلینڈ اور نلدیری کے مسافروں کو جنوبی افریقہ لانے میں مجھے کوئی دخل نہیں ہے ان میں تو بعض یہاں کے پرانے باشندے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو نٹال میں رہنے کے لئے نہیں آرہے ہیں بلکہ ٹرانسوال جا رہے ہیں۔ جو لوگ دولت کی تلاش میں جنوبی افریقہ آتے ہیں ان کے لئے نٹال سے بہتر موقع ٹرانسوال میں ہے۔ اس لئے اکثر ہندوستانی وہیں جانا پسند کرتے ہیں۔

ادھر تو یہ بیان شائع ہوا ادھر میں نے حملہ آوروں پر مقدمہ چلانے سے انکار کر دیا ان باتوں کا بڑا گہرا اثر ہوا اور ڈربن کے یورپی اپنی حرکتوں پر نادم ہوئے اخباروں نے میرا بے قصور ہونا تسلیم کر لیا اور عوام پر لعنت ملامت کی اس لئے یہ حملہ آگے چل کر میرے لئے یعنی قومی مقصد کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ اس سے جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کی وقعت بڑھ گئی اور میرے کام میں

Marfat.com

آسانی پیدا ہو گئی۔

تین چار دن کے بعد میں اپنے گھر چلا گیا اور تھوڑے ہی عرصے میں میں اطمینان سے کام کرنے لگا۔ اس واقعے سے میرے پاس مقدمے بھی زیادہ آنے لگے۔

مگر اس واقعے سے جہاں ہماری قوم کی وقعت بڑھی وہاں مخالفوں کے دلوں میں تعصب کی آگ اور بھی بھڑک اٹھی۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہندوستانی مردانہ وار مقابلہ کرسکتا ہے تو لوگ ہندوستانیوں کو خطرناک سمجھنے لگے۔ نٹال کی مجلس وضع قوانین میں دو قانونوں کے مسودے پیش ہوئے جس میں ایک کا مقصد ہندوستانی تاجروں کے مفاد کو پامال کرنا اور دوسرے کا مقصد ہندوستانیوں کے داخلے کو محدود کرنا تھا۔ خوش قسمتی سے اس جدوجہد کی بدولت جو ہم نے ووٹ کے حق کے لئے کی تھی، یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ آئندہ کوئی قانون خاص ہندوستانیوں کے خلاف پاس نہیں ہو سکے گا۔ یعنی قانون میں رنگ اور نسل کی کوئی تمیز نہیں ہو گی۔ مذکورہ بالا مسودوں کے الفاظ ایسے رکھے گئے کہ ان کا اطلاق سب پر ہو سکے مگر ان کا مقصد یقیناً یہی تھا کہ نٹال کے ہندوستانی باشندوں پر مزید قیود حاصل کی جائیں۔

ان مسودات قانون کی بدولت میرا قومی کام بہت بڑھ گیا اور ہندوستانیوں کو پہلے سے بھی زیادہ اپنے فرائض کا احساس پیدا ہو گیا۔ ان مسودوں کے ہندوستانی زبان میں ترجمے ہوئے اور تشریحیں کی گئیں تاکہ لوگ ان کی بارکیوں کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ ہم نے وزیر نو آبادیات کو اس مسئلے کی طرف توجہ دلائی مگر انہوں نے مداخلت کرنے سے انکار کیا۔

اب میرا وقت زیادہ تر قومی کاموں میں صرف ہونے لگا۔ من سکھ لال جی جن کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں ڈربن میں موجود تھے وہ میرے ساتھ رہنے لگے اور چونکہ ان کا وقت قومی کاموں کے لئے وقف تھا اس لئے ان کے سبب سے میرا بوجھ کسی قدر ہلکا ہو گیا۔

میری عدم موجودگی میں سیٹھ آدم جی میاں خاں نے سیکرٹری کے فرائض بڑی خوبی سے انجام دیئے تھے۔ انہوں نے ممبروں کی تعداد بہت بڑھا لی تھی اور نٹال انڈین کانگریس کے پاس ایک ہزار پونڈ سرمایہ جمع ہو گیا تھا ہندوستانی مسافروں کے خلاف مظاہرے نے اور مسودوں نے جو بیداری پیدا کر دی تھی اس سے میں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ بہت سے لوگ ممبر ہو گئے اور سرمائے کی تعداد 500 پونڈ تک پہنچ گئی میں چاہتا تھا کہ کانگریس کے لئے مستقل سرمایہ جمع ہو جائے جس سے جائیداد خرد لی جائے اور جائیداد کی آمدنی خرچ کی جائے مجھے کسی قومی ادارے کے انتظام کا یہ پہلا تجربہ

Marfat.com

تھا۔ میں نے اپنی تجویز اپنے رفیقوں کے سامنے پیش کی اور انہوں نے اسے بہت پسند کیا۔ جو جائیداد خریدی گئی تھی وہ کرائے پر اٹھا دی گئی اور اس کی آمدنی سے معمولی اخراجات اچھی طرح چلنے لگے۔ جائیداد کے لئے معقول ٹرسٹی مقرر کر دیئے گئے۔ یہ جائیداد اب تک موجود ہے مگر اس کی بدولت آپس میں نزاع پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ اس کی آمدنی عدالت میں جمع ہوتی ہے۔

یہ افسوس ناک صورت حال میرے جنوبی افریقہ سے چلے آنے کے بعد پیدا ہوئی لیکن میرا خیال قومی اداروں کے لئے مستقل سرمایہ رکھنے کے بارے میں اس نزاع سے بہت پہلے بدل چکا تھا اور اب متعدد قومی اداروں کا وسیع تجربہ حاصل کرنے کے بعد میرا عقیدہ ہو گیا ہے کہ ان اداروں کو مستقل سرمائے کی مدد سے چلانا اچھا نہیں ہے۔ قومی ادارہ وہ ہے جو قوم کی مرضی سے اور اس کے روپئے سے چلایا جائے جب یہ ادارہ قوم کی مدد سے محروم ہو جائے تو اسے باقی رہنے کا کوئی حق نہیں۔ جو ادارے مستقل سرمائے سے چلتے ہیں ان کے کارکن اکثر رائے عامہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں بلکہ کبھی کبھی اس کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے ملک میں روز مرہ اس کا تجربہ ہوتا ہے۔ بعض نام نہاد مذہبی وقف ایسے ہیں جنہوں نے اپنے حسابات شائع کرنا موقوف کر دیا ہے۔ ٹرسٹی مالک بن بیٹھے ہیں اور وہ اپنے آپ کو کسی کا ماتحت نہیں سمجھتے۔ میرے نزدیک قومی اداروں کا نصب العین یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ان چیزوں کی طرح جو فطرت کی گود میں پلتی ہیں اپنی غذا روز کے روز حاصل کیا کریں۔

مگر میں ایک غلط فہمی کو رفع کر دینا چاہتا ہوں۔ میرا خطاب ان ارادوں سے نہیں جن کے لئے مستقل عمارت ہونا لازمی ہے میرے کہنے کا منشا صرف یہ ہے کہ معمولی خرچ ان چندوں سے چلنا چاہیئے جو لوگ اپنی خوشی سے ہر سال دیا کریں۔

جنوبی افریقہ کی ستیاگرہ کے زمانے میں ان خیالات کی تصدیق ہوئی۔ یہ شاندار جنگ جس میں لاکھوں روپے صرف ہوئے صرف چھ سال تک بغیر مستقل سرمائے کے جاری رہی مجھے بعض ایسے موقعے یاد ہیں جب میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اگر کل چندہ نہیں ملا تو کیا انجام ہو گا۔ لیکن یہ ذکر ابھی قبل از وقت ہے۔ آئندہ صفحوں کو پڑھ کر ناظرین پر اس ادارے کی صحت اچھی طرح ثابت ہو جائے گی۔

حوالہ

1 - اخبار کا نام ہے

Marfat.com

پانچواں باب

بچوں کی تعلیم

جنوری 1897ء میں جب میں ڈربن پہنچا تو میرے ساتھ تین بچے تھے۔ میرا بھانجا جس کی عمر دس برس کی تھی اور میرے دونوں لڑکے جن میں سے بڑے کی عمر نو سال کی اور چھوٹے کی پانچ سال کی تھی۔ میرے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ انہیں کہاں پڑھاؤں؟

میں انہیں یورپی بچوں کے اسکولوں میں بھیج سکتا تھا مگر اس صورت میں خاص رعایت اور استثنار کی درخواست کرنا پڑتی۔ ان اسکولوں میں ہندوستانی بچے داخل نہیں کئے جاتے تھے۔ ہندوستانیوں کے لئے مشن اسکول تھے مگر میں وہاں اپنے بچوں کو پڑھانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ مجھے وہاں کی تعلیم پسند نہیں تھی۔ ایک تو وہاں پڑھائی انگریزی میں ہوتی تھی۔ یا شاید غلط ملط اردو یا تامل میں۔ اور اس کا اہتمام بھی دقت سے خالی نہ تھا۔ میں ان خرابیوں کو کسی طرح گوارہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس عرصے میں میں انہیں اپنے طور پر تھوڑا بہت پڑھاتا تھا۔ مگر اس میں اور کچھ نہیں تو یہ دقت ضرور تھی کہ پابندی سے پڑھائی نہیں ہوتی تھی اور کوئی گجراتی پڑھانے والا ملتا نہیں تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ میں نے ایسے انگریز معلم کے لئے اشتہار دیا جو ان بچوں کو میری نگرانی میں تعلیم دے سکے۔ میں چاہتا تھا کہ یہ معلم انہیں تھوڑی دیر باقاعدہ تعلیم دیا کرے اور باقی وقت میں جب فرصت ملے میں پڑھا دیا کروں۔ چنانچہ میں نے ایک انگریز معلمہ سات پونڈ ماہوار پر رکھی کچھ دن اس طرح کام چلتا رہا۔ مگر اس نے میرا اطمینان نہیں ہوا میں بچوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہمیشہ گجراتی میں گفتگو کرتا تھا جس کی بدولت انہیں اپنی مادری زبان تھوڑی بہت آگئی۔ میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ انہیں ہندوستان بھیجوں کیونکہ میں چھوٹے بچوں کو والدین سے جدا کرنے کا مخالف تھا۔ اگر گھر سلیقہ کا ہو تو جو تعلیم بچے خود بخود اس فضا میں حاصل کرتے ہیں وہ

Marfat.com

بورڈنگ ہاؤس میں کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے میں نے اپنے بچوں کو اپنے ساتھ ہی رکھا ہندوستان میں میں نے اپنے بڑے بیٹے اور بھتیجے کو چند مہینے کے لے اقامتی (1) مدرسوں میں بھیج کر دیکھا تھا مگر انہیں واپس بلا لینا پڑا۔ آگے چل کر میرا بڑا لڑکا جسے بالغ ہوئے بہت دن ہو چکے تھے گھر سے بھاگ کر ہندوستان چلا گیا اور احمد آباد کے ہائی سکول میں داخل ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ میرا بھتیجا اس تھوڑی بہت تعلیم سے جو اسے میرے یہاں ملتی تھی مطمئن تھا۔ افسوس ہے کہ وہ تھوڑے دن بیمار رہ کر عین شباب میں مر گیا۔ میرے اور تینوں بیٹوں میں سے کوئی عام اسکولوں میں نہیں پڑھا البتہ انہوں نے کچھ دن اس ہنگامی مدرسے میں باقاعدہ تعلیم پائی ہے جو میں نے جنوبی افریقہ میں ستیا گرھیوں کے بچوں کے لئے کھولا تھا۔

ان میں سے کوئی تجربہ پوری طرح کامیاب نہیں ہوا۔ میں جتنا وقت ان بچوں میں صرف کرنا چاہتا تھا اتنا نہیں کر سکتا تھا۔ ان کی طرف پوری توجہ نہ کر سکنے سے اور بعض اور ناگزیر اسباب سے میں انھیں حسب دلخواہ ادبی تعلیم نہ دے سکا اور انہیں اس بارے میں مجھ سے اکثر شکایت رہی ہے۔ جب کبھی وہ کسی ایسے شخص سے ملتے ہیں جو بی اے یا ایم اے یا صرف انٹرینس ہی پاس ہو۔ تو انہیں اسکول میں تعلیم نہ پانے کی کمی محسوس ہوتی ہے۔

تاہم میرا یہ خیال ہے کہ اگر میں انہیں آنکھ بند کر کے عام اسکولوں میں بھیج دیتا تو یہ اس تربیت سے محروم رہتے جو صرف تجربے کے مکتب میں یا والدین کی صحبت ہی میں حاصل ہوتی ہے مجھے جیسا اطمینان ان کی طرف سے اب رہتا ہے ہرگز نہ رہتا اور مجھ سے بچھڑ کر انگلستان یا جنوبی افریقہ میں ان کو جو تعلیم ملتی وہ انہیں وہ سادگی اور جوش خدمت سکھائی جو آج ان کی زندگی میں نمایاں ہے۔ پھر ان کے مصنوعی طرز معاشرت سے میرے قومی کام میں بڑی مشکلیں پیش آئیں۔ اس لئے گو میں انہیں اتنی ادبی تعلیم نہیں دے سکا کہ میرے یا ان کے لئے قابل اطمینان ہوتی۔ لیکن جب میں گذرے ہوئے زمانے پر نظر ڈالتا ہوں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید میں نے ان کے حقوق ادا کرنے میں اپنے امکان بھر کوتاہی نہیں کی مجھے اس کا مطلق افسوس نہیں کہ میں نے انہیں عام سکولوں میں نہیں بھیجا۔ مجھے ہمیشہ یہ احساس رہا ہے کہ میرے بڑے بیٹے کی سیرت میں جو بے عنوانیاں نظر آتی ہیں۔ یہ خود میری ابتدائی زندگی کی خامکاریوں کی بازگشت ہے۔ میں اپنی اس عمر کو ناقص علم اور نفس پرستی کا زمانہ سمجھتا ہوں یہ دن میرے بڑے بیٹے کے بچپن کے تھے۔ جب اس کا دل خارجی اثرات کو آسانی سے قبول کرتا تھا اسی سبب سے وہ اس بات کو نہیں مانتا کہ یہ میرا نفس پرستی اور

Marfat.com

ناتجربہ کاری کا دور تھا۔ اسے یقین ہے کہ وہ زمانہ میری زندگی کی معراج کا تھااور آگے چل کر جو تبدیلیاں ہوئیں وہ فریب نفس کا نتیجہ ہیں جسے غلطی سے بصریت کہتے ہیں اور ان میں تعجب کی کیا بات ہے وہ یہ کیوں نہ سمجھے کہ میرا ابتدائی زمانہ بیداری کا دور تھا اور آگے چل کر جو انقلاب ہوا وہ محض خدع نفس اور خود پرستی ہے؟ مجھ سے اکثر میرے دوستوں نے ایسے سوال کئے جن کا جواب دینا مشکل ہے؟ اگر تم اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلاتے تو کیا ہرج تھا۔ تمہیں کیا حق تھا کہ ان کی دماغی نشوونما کو روک دو؟ تم نے انہیں ہی آزادی کیوں نہ دی کہ کالجوں سے سند لیں اور جو پیشہ انہیں پسند ہو اختیار کریں۔

میرے خیال میں اس قسم کے سوال بالکل فضول ہیں مجھے بہت سے طالب علموں سے سابقہ رہا ہے۔ مجھے جن تعلیمی تجربوں کا "خبط" ہے وہ میں نے خود یا دوسروں کے توسط سے اور بچوں پر بھی کر کے دیکھے ہیں۔ آج میں بہت سے نوجوانوں کو دیکھتا ہوں جو میرے لڑکوں کے ہم عمر ہیں اور میرے خیال میں میرے لڑکے ان سے ہرگز پیچھے نہیں ہیں۔

لیکن میرے تجربوں کا آخری نتیجہ ابھی مستقبل کے پردے میں پنہاں ہے۔ میری غرض ان باتوں کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ عمرانیات کا مطالعہ کرنے والوں کو کچھ اندازہ ہو جائے کہ گھر کی باضابطہ تعلیم میں اور اسکول کی تعلیم میں کیا فرق ہوتا ہے اور بچوں پر ان کے والدین کی زندگی کے تغیرات کا کیا اثر پڑتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ حق کے طالب کو تلاش حق میں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے اور آزادی کے شیدایہ دیکھ لیں گے کہ یہ پر جلال دیوی کتنی قربانیاں مانگتی ہے۔ اگر مجھ میں خودداری نہ ہوتی اگر میں اپنے بچوں کو وہ تعلیم دلا کر خوش ہوتا جو اور بچے نہیں پا سکتے تھے اور ان کی ادبی تعلیم تو ہو جاتی لیکن آزادی اور خودداری کی عملی تربیت سے وہ محروم رہتے جس کی خاطر میں نے اس ادبی تعلیم کو قربان کر دیا۔ ایسی صورت پیش آجائے کہ آزادی اور علم میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنا ہو تو کون ایسا شخص ہے جو آزادی کو علم سے ہزار درجے بڑھ کر نہ سمجھے گا؟

جن نوجوانوں کو میں نے 1920ء میں غلامی کے گھروں یعنی اسکولوں اور کالجوں کے چھوڑنے کا مشورہ دیا تھا جن سے میں نے یہ کہا تھا کہ آزادی کی طرح ان پڑھ رہ کر پتھر پھوڑنا اس سے اچھا ہے کہ آدمی زنجیروں میں جکڑا ہوا ادبی تعلم پاتا ہو۔ ان پر اب غالباً یہ کھل جائے گا کہ میرے مشورے کی بنیاد کیا تھی۔

حوالہ

Resdential Schools - 1

Marfat.com

چھٹا باب

جوشِ خدمت

میری وکالت اچھی طرح چل رہی تھی۔ مگر یہ میرے اطمینان کے لئے کافی نہ تھا۔ مجھے بہت دن سے اس خیال نے بے چین کر رکھا تھا کہ میں اپنی زندگی میں اور سادگی پیدا کروں اور اپنے ہم جنسوں کی کوئی محسوس خدمت انجام دوں۔ ایک روز میرے پاس ایک کوڑھی آیا۔ میرے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ اسے کھانا کھلا کر رخصت کر دوں اس لئے میں نے اسے اپنے گھر ٹھہرایا اور اس کی مرہم پٹی اور خبر گیری کرنے لگا مگر اس طرح کب تک کام چلتا نہ تو مجھ میں اتنی استطاعت تھی اور نہ یہ میرا ارادہ تھا کہ اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھوں اس لئے میں نے اسے پابند مزدوروں کے ہسپتال میں بھیج دیا۔

مگر اس سے مجھے تسکین نہیں ہوئی مجھے یہ آرزو تھی کہ رفاہ عام کا کوئی مستقل کام کروں ڈاکٹر بوتھ سینٹ ایڈان کی مشن کے سردار تھے۔ یہ بڑے رحمدل آدمی تھے اور مریضوں کا علاج مفت کرتے تھے۔ پارسی رستم جی کی فیاضی کی بدولت ہم نے ڈاکٹر بوتھ کی نگرانی میں ایک خیراتی ہسپتال کھلوایا۔ میں اس ہسپتال میں تیمارداری کی خدمت انجام دینے لگا۔ دوا تقسیم کرنے میں مجھے ایک سے لے کر دو گھنٹے تک لگ جاتے تھے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اتنا وقت اپنے دفتر کے کام سے بچا کر ہسپتال کے دوا خانے میں کمپاؤنڈر کا کام کروں گا۔ وکالت میں مجھے زیادہ تر دفتری کام کرنا پڑتا تھا یعنی پنچایت اور انتقال جائیداد کا کام کبھی کبھی مجھے مجسٹریٹ کی عدالت میں پیروی کے لئے بھی جانا پڑتا تھا۔ لیکن اکثر مقدمے سیدھے سادے ہوتے تھے۔ اور مسٹر خان نے جو میرے بعد جنوبی افریقہ آئے تھے اور میرے ساتھ ہی رہتے تھے۔ اس بات کا ذمہ لے لیا کہ اگر میں موجود نہ ہوں تو ان مقدموں کو سنبھال لیا کریں گے۔ اس طرح مجھے اس چھوٹے سے ہسپتال میں کام کرنے

Marfat.com

کا وقت مل گیا۔ اس میں مجھے روز صبح کو (ہسپتال آنے جانے کا وقت ملا کر) دو گھنٹے صرف کرنا پڑتے تھے۔ اس کام سے میرے قلب کو کچھ تسکین ہوئی۔ میں مریضوں کے حالات دریافت کر کے ڈاکٹر سے بیان کرتا تھا اور پھر دوا بنا کر تقسیم کرتا تھا۔ اس طرح مجھے ہندوستانی مریضوں کو جن میں سے اکثر تامل تیلیگو یا شمالی ہندوستان کے پابند مزدور تھے۔ ملنے جلنے کا موقع ملا۔

یہ تجربے اس وقت میرے بہت کام آئے جب میں جنگ بوئر میں رضاکار کی حیثیت سے بیمار اور زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کر رہا تھا۔

مجھے بچوں کی تربیت کا خیال ہر وقت رہتا تھا۔ جنوبی افریقہ آنے کے بعد میرے دو لڑکے اور ہو چکے تھے ہسپتال میں کام کرنے سے مجھے ان بچوں کی تربیت میں بڑی مدد ملی مجھے اپنی آزادی پسند طبیعت کی بدولت اکثر تکلیفیں اٹھانا پڑتی تھیں۔ جب میری بیوی کے بچہ ہونے والا تھا تو ہم دونوں نے یہ طے کیا تھا کہ بہترین طب امداد حاصل کی جائے لیکن سوال یہ تھا کہ ڈاکٹر اور دائی نے وقت پر دھوکا دیا تو ہم کیا کریں گے؟ اس لئے یہ مناسب معلوم ہوا کہ دائی ہندوستانی ہو لیکن تربیت یافتہ دائی کا ملنا ہندوستان ہی میں مشکل ہے پھر آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ جنوبی افریقہ میں کیا حال ہو گا۔ اس لئے میں نے طبی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا کہ وضع حمل میں آسانی پیدا کرنے کے لئے جو ضروری باتیں ہیں وہ معلوم ہو جائیں میں نے ڈاکٹر تربھونداس کی کتاب "مانے سکیات رہنمائے مادران" پڑھی اور دونوں بچوں کی پرورش اس کی ہدایتوں کے مطابق شروع کی مگر اس میں کہیں کہیں اپنے تجربے سے بھی کام لیتا تھا۔ دونوں مرتبہ دو مہینے کے لئے دائی بھی رکھی گئی لیکن اس کا اصل کام میری بیوی کی مدد کرنا تھا بچوں کی پرداخت میں خود کرتا تھا۔

دوسرے بچے کی پیدائش میرے لئے بڑی آزمائش کا موقع تھا۔ میری بیوی کو درد اچانک شروع ہو گیا۔ ڈاکٹر فوراً نہیں آسکتا تھا۔ اور دائی کے لانے میں بھی دیر ہوئی اگر موجود بھی ہوتی تو اس سے وضع حمل میں کوئی مدد نہ ملتی۔ مجھے خود دائی کا کام کرنا پڑا۔ ڈاکٹر تربھونداس کی کتاب کا مطالعہ بہت کام آیا میرے اوسان قائم رہے۔ ذرا بھی ہراس نہیں ہوا۔

میرے خیال میں بچے کی مناسب تربیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ والدین ان کی پرورش اور پرداخت کے عام اصول جانتے ہوں ان اصولوں کے مطالعے سے ہر ہر قدم پر فائدہ محسوس ہوا۔ اگر میں ان باتوں کو سیکھ کر کام میں نہ لاتا تو میرے بچوں کی عام صحت اتنی اچھی نہ ہوئی تھی اچھی اب ہے ہمارے دل میں ایک غلط خیال یہ جم گیا ہے کہ بچے کو اپنی زندگی کے پہلے پانچ سال میں کچھ

Marfat.com

سیکھنا نہیں پڑتا حالانکہ واقعہ بالکل برعکس ہے بچہ پہلے پانچ سال میں جو چیز سیکھتا ہے وہ بڑا ہو کر کبھی نہیں سیکھ سکتا بچے کی تعلیم حمل قرار پاتے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ اس خاص لمحے میں والدین کی جو جسمانی اور ذہنی حالتیں ہوتی ہیں وہ بچے میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پھر حمل کے زمانے میں اس پر ماں کی کیفیتوں، خواہشوں مزاج اور طرز معاشرت کا اثر پڑتا رہتا ہے ولادت کے بعد بچہ والدین کے حرکات و سکنات کی نقل کرتا ہے۔ اس لئے بہت برسوں تک اس کی نشوونما بالکل انہیں پر منحصر ہوتی ہے

جو میاں بیوی ان باتوں کو سمجھ لیں گے وہ کبھی محض اپنی شہوانی خواہش پوری کرنے کے لئے مباشرت نہ کریں گے بلکہ صرف اس وقت ہمبستر ہوں گے جب انہیں اولاد کی خواہش ہو۔ میرے نزدیک یہ خیال انتہائی جہالت پر مبنی ہے کہ جماع بھی کھانے پینے کی طرح جسم کی ایک مستقل ضرورت ہے۔ یہ وہ فعل ہے جس پر دنیا کے وجود کا انحصار ہے اور چونکہ دنیا شاید حقیقی کی بازی گاہ اور اس کے حسن کی جلوہ گاہ ہے اس لئے اس فعل کو راہ پر لگا کر اس سے دنیا کی منتظم نشوونما کا کام لینا چاہیئے۔ جس شخص پر یہ حقیقت کھل جائے گی وہ دل میں ٹھان لے گا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے شہوانی خواہش کو ضبط کرنا چاہیئے اور بچوں کی جسمانی، ذہنی اور روحانی فلاح کے طریقے خود سیکھنا اور آئندہ نسلوں کو سکھانا چاہیئے۔

Marfat.com

Marfat.com

ساتواں باب

"برہمچاریہ" (۱)

اب ہم اس موقعے پر پہنچ گئے ہیں جب میں برہمچاریہ کا عہد کرنے کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہا کرتا تھا۔ میں شادی کے بعد سے ایک بیوی کا پابند رہنے کا قائل تھا۔ کیونکہ بیوی سے عہد وفا نباہنے کو بھی میں حق کی محبت کا ایک جزو سمجھتا تھا۔ مگر یہ حقیقت مجھ پر جنوبی افریقہ آنے کے بعد کھلی کہ بیوی سے "برہمچاریہ" (1) برتنا ضروری ہے۔

میں یہ ٹھیک نہیں بتا سکتا کہ کس چیز نے یا کس کتاب نے مجھے اس طرف توجہ دلائی۔ مگر مجھے یہ خیال پڑتا ہے کہ اس میں جزو غالب رائے چند بھائی کا اثر تھا جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ مجھ سے ان سے اس معاملے میں جو باتیں ہوئی تھیں وہ مجھے اب تک یاد ہیں، میں نے ان سے مسز گلیڈاسٹن کی تعریف کی تھی کہ وہ اپنے شوہر کی بڑی وفادار ہیں۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ وہ مسٹر گلیڈاسٹن کے لئے دارالعوام میں خود چائے بناتی ہیں اور یہ بھی ان دونوں کی بااصول زندگی کا ایک اصول بن گیا ہے۔ میں نے یہ واقعہ رائے چند بھائی سے بیان کیا اور اسی سلسلے میں کہا میاں بیوی کی محبت بھی کیا اچھی چیز ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا "تم ان دونوں چیزوں میں سے کسے زیادہ قابل قدر سمجھتے ہو۔ اس محبت کو جو یہ خاتون بیوی کی حیثیت سے مسٹر گلیڈاسٹن سے رکھتی ہیں یا اس پر خلوص خدمت کو جو وہ بغیر ان تعلقات کے انجام دیتی ہیں؟ فرض کرو وہ ان کی بہن یا خادمہ ہوتیں اور ان کا اتنا ہی خیال رکھتیں جتنا اب رکھتی ہیں۔ تو کیا تو ان کی تعریف کرتے؟ کیا ایسی بہنوں یا پیش خدمتوں کی مثالیں موجود نہیں ہیں؟ فرض کرو تمہارا کوئی خدمت گار تم سے اتنی ہی محبت رکھتا اور تمہاری ایسی ہی خدمت کرتا تو تمہیں ایسی ہی خوشی ہوتی جو مسٹر گلیڈاسٹن کے معاملے میں ہوتی ہے؟ ذرا اس بات پر جو میں نے سمجھائی ہے غور کرنا۔"

Marfat.com

رائے چند بھائی کی بھی شادی ہو چکی تھی۔ مجھے خیال پڑتا ہے کہ اس وقت ان کے الفاظ بہت تلخ معلوم ہوتے تھے مگر انہوں نے میرے دل کو تسخیر کر لیا۔ میں نے سوچا کہ واقعی خادم کی وفاداری بیوی کی محبت سے بدرجہا قابل تعریف ہے، بیوی کو میاں سے محبت ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ ان دونوں میں وہ رشتہ ہوتا ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ یہ ایک بالکل قدرتی چیز ہے۔ لیکن نوکر کو آقا سے اتنی محبت پیدا کرنے کے لئے خاص کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاعر کا نقطہ نظر آہستہ آہستہ میری سمجھ میں آنے لگا۔

میں نے اپنے دل میں کہا تو پھر مجھے اپنی بیوی سے کس طرح کا تعلق رکھنا چاہیئے؟ کیا وفاداری اسی کا نام ہے کہ میں اسے اپنی شہوت رانی کا ذریعہ بناؤں؟ جب تک میں نفسانی خواہشوں کا بندہ ہوں میری وفاداری کوئی قدر قیمت نہیں رکھتی انصاف کی یہ بات ہے کہ میری بیوی کبھی مجھے ترغیب نہیں دلاتیں۔ اس لئے اگر میں دل پر رکھ لوں تو "برہمچاریہ" کا عہد کرنا کوئی بڑی بات نہیں، جو کچھ دقت ہے وہ میرے ارادے کی کمزوری اور میری بوالہوسی کے سبب سے ہے۔

میرے ضمیر میں یہ احساس پیدا ہونے کے بعد بھی مجھے دوبارہ ناکامی ہوئی۔ اس ناکامی کا سبب یہ ہوا کہ میری سعی کا محرک کوئی اعلیٰ جذبہ نہ تھا۔ میرا اصلی مقصد یہ تھا کہ اور بچے نہ ہوں۔ انگلستان کے قیام کے زمانے میں میں نے بالغ عمل تدبیروں کے متعلق کتابیں پڑھی تھیں۔ میں نے جو باب نباتاتی مشرب کے متعلق لکھا ہے۔ اس میں ڈاکٹر ایلنسن کی انضباط ولادت کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مجھ پر کچھ عارضی اثر ہوا تھا لیکن اس سے زیادہ اور دیرپا اثر ڈاکٹر ہلس کے خیالات کا ہوا جو ان طریقوں کے مخالف تھے اور بیرونی کوشش کے بجائے اندرونی کوشش پر یعنی ضبط نفس پر زور دیتے تھے۔ اس لئے جب میں نے دیکھا کہ مجھے اور بچوں کی خواہش نہیں ہے تو میں ضبط نفس کی سعی کرنے لگا۔ یہ بڑا کٹھن کام تھا۔ ہم میاں بیوی الگ الگ کمروں میں سونے لگے۔ میں نے یہ التزام کیا کہ بستر پر اس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک دن بھر کے کام سے تھک کر چور نہ ہو جاؤں گا۔ بظاہر یہ کوششیں زیادہ کارگر نہیں معلوم ہوتی تھیں لیکن جب میں پچھلے زمانے پر غور کرتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ ان ناکام کوششوں کا اثر آہستہ آہستہ ہوتا رہا اور آخری فیصلہ اسی مجموعہ اثر کا نتیجہ تھا۔

قطعی ارادہ میں نے کہیں 1906ء میں جا کر کیا۔ اس وقت تک ستیاگرہ شروع نہیں ہوا تھا بلکہ مجھے اس کا سان گمان تک نہ تھا۔ میں جنگ بوئر کے تھوڑے دن بعد زولو بغاوت کے زمانے میں نٹال کے شہر جوہانسبرگ میں وکالت کر رہا تھا میں نے اپنا فرض سمجھ کر اپنی خدمات نٹال کی

Marfat.com

حکومت کے سامنے پیش کیں اور میری درخواست قبول ہوئی۔ اس کی تفصیل آگے چل کر معلوم ہو گی۔ یہاں تو مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ اس کام کے سلسلے میں میں نے بڑے انہماک سے ضبط نفس کے مسئلے پر غور کرنا شروع کیا اور معمول کے مطابق اپنے رفیقوں سے اس پر مبادلہ خیالات کیا۔ مجھے یہ یقین ہو گیا کہ توالد و تناسل کا مشغلہ قومی خدمت کے منافی ہے۔ مجھے زولو "بغاوت" کی مہم میں کام کرنے کی وجہ سے میرا جوہانسبرگ کا گھر بار درہم برہم ہو گیا اپنی خدمات پیش کرنے کے ایک مہینے کے اندر مجھے وہ مکان چھوڑنا پڑا جسے میں نے اتنی محنت سے آراستہ کیا تھا۔ میں اپنی بیوی بچوں کو فینکس (2) لے گیا اور وہاں اس ہندوستانی ایمبولینس کور کی نگرانی کرنے لگا جو نٹال کی فوج کے ساتھ تھی۔ ہمیں روز کڑی منزلیں طے کرنا پڑتی تھیں ایک بار چلتے چلتے یہ خیال بجلی کی لہر کی طرح میرے ذہن میں دوڑ گیا کہ اگر میں اپنے آپ کو قوم کی خدمت کے لئے وقف کرنا چاہتا ہوں تو مجھے بال بچوں اور دھن دولت کا خیال چھوڑ کر "دنیا پرست" یعنی مرد مجرد کی زندگی بسر کرنا چاہئے۔

"بغاوت" کی مہم میں میرے کل چھ ہفتے صرف ہوئے۔ مگر یہ مختصر عرصہ میری زندگی میں بہت اہم ثابت ہوا۔ نذر اور عہد کی حقیقت میرے دل پر پہلے سے زیادہ روشن ہو گئی۔ مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ عہد سے سچی آزادی کا دروازہ بند نہیں ہوتا بلکہ کھلتا ہے۔ اب تک مجھے کامیابی نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ میرا ارادہ مضبوط نہ تھا اور مجھے اپنی ذات پر اور توفیق الٰہی پر بھروسہ نہ تھا اور میرا دل شک کے طلاطم خیز سمندر میں ہچکولے کھا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ عہد نہ کرنے سے انسان ترغیبوں میں گرفتار ہو جاتا ہے اور عہد کر لینا گویا نفس پرستی سے گذر کر سچی ازدواجی زندگی میں قدم رکھنا ہے جو شخص یہ کہے "میں کوشش کا قائل ہوں، عہد کر کے اپنے ہاتھ پیر باندھنا نہیں چاہتا۔" تو وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کی طبیعت کمزور ہے اور جس چیز سے وہ بچتا ہے اس کی تمنا اس کے دل کے کسی گوشے میں چھپی ہوئی ہے۔ ورنہ آخری فیصلہ کرنے میں کون سی ایسی دشواری ہے؟ کہ جس سانپ کے متعلق میں جانتا ہوں کہ یہ مجھے ڈسے گا اس سے بھاگنے کا میں قطعی عہد کر لیتا ہوں۔ محض بھاگنے کی کوشش پر قناعت نہیں کرتا مجھے معلوم ہے کہ محض کوشش کرنے میں یقینی موت کا احتمال ہے محض کوشش کے معنی تو یہ ہوئے کہ میں اس یقینی بات سے بے خبر ہوں کہ سانپ میری جان لیکر رہے گا اسی طرح ہر معاملے میں محض کوشش سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی خاص عمل کی ضرورت بھی اچھی طرح ذہن نشین نہیں ہوتی ہے ہمارے دل میں اکثر اس قسم کے شبہے پیدا ہوتے ہیں۔ "فرض کرو کہ میرے خیالات آگے چل کر بدل جائیں" میں عہد کر کے اپنی آزادی کیوں

Marfat.com

کھو دوں؟ مگر ایسے شبہے بھی یہی ظاہر کرتے ہیں کہ جس چیز کو چھوڑنا ہے اس کے ترک کے متعلق ابھی ہمارے خیالات پوری طرح صاف نہیں ہوئے اسی لیے نشکلانند نے کہا ہے:۔

"اشیاء کا ترک بغیر خواہشات کے ترک کے کاغذ کی ناؤ ہے۔"

اس لئے اگر واقعی کسی شے کی خواہش دل سے نکل گئی ہے تو اس کے ترک کا عہد لازمی اور قدرتی بات ہے۔

حوالہ جات

1 - تجرد۔ عصمت کی زندگی۔

2 - ۔ سنا کاروں کا دستہ جو زخمیوں اور بیماروں کی خدمت کے لئے فوج کے ساتھ رہتا ہے۔

Marfat.com

آٹھواں باب

"برہمچاریہ" (۳)

اچھی طرح بحث کرنے کے بعد اور خوب سوچ سمجھ کر میں نے 1906ء میں برہمچاریہ کا عہد کر لیا۔ میں نے ابھی تک اپنے خیالات کا ذکر اپنی بیوی سے نہیں کیا تھا مگر عہد کرتے وقت میں نے ان سے مشورہ کیا۔ انہوں نے بے تامل منظور کر لیا۔ مگر آخری فیصلہ کرنا میرے لئے سہل نہ تھا۔ میری ہمت جواب دے رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اپنے جذبات کو کیونکر روکوں۔ اس زمانے میں یہ عجیب بات معلوم ہوتی تھی کہ شہر اپنی بیوی سے ہمبستر ترک کر دے۔ مگر میں خدا کا نام ملے کر اور اس کی مدد پر بھروسہ کر کے عہد کر گزرا۔

جب میں اس عہد کے بعد کی زندگی جسے اب بیس سال ہو گئے غور کرتا ہوں تو میرا دل خوشی او رحیرت سے معمور ہو جاتا ہے ضبط نفس کی کوشش میں 1901ء سے کر رہا تھا اور اس میں کم و بیش کامیابی ہی ہوئی تھی۔ لیکن خوشی اور آزادی کا احساس عہد کرنے کے بعد ہوا اور وہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا عہد کرنے سے پہلے مجھے ہر وقت ترغیب سے مغلوب ہو جانے کا خوف رہتا تھا اب یہ عہد ہر ترغیب کے مقابلے میں سپر کا کام دیتا تھا۔ برہمچاریہ کی عظیم الشان قوت کا مجھے روز بروز یقین ہوتا جاتا تھا۔ عہد کرنے کے وقت میں فینکس میں تھا۔ ایمبولینس کے کام سے فارغ ہوتے ہی وہاں آیا تھا۔ فینکس سے میں جوہانسبرگ واپس آ گیا۔ یہاں آئے ایک مہینے کے قریب ہوا تھا کہ ستیاگرہ شروع ہو گیا۔ گویا برہمچاریہ کا عہد مجھے بغیر میرے علم کے اس کے لئے تیار کر رہا تھا۔ ستیاگرہ کوئی پہلے سے سوچی ہوئی تجویز نہ تھی۔ یہ خود بخود میرے بغیر ارادے کے شروع ہو گئی لیکن یہ میں جانتا تھا کہ یہ میری پچھلی تمام جدوجہد کا لازمی نتیجہ ہے۔ میں نے جوہانسبرگ میں اپنے مصارف بہت گھٹا دیئے تھے اور فینکس آکر "برہمچاریہ" کا عہد کر لیا تھا۔

Marfat.com

یہ بات شاستروں کے مطالعے سے نہیں سیکھی تھی کہ مکمل "برہمچاریہ" سی "برہما" کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ مجھے تجربے سے آہستہ آہستہ یہ احساس ہو گیا تھا۔ اس کے متعلق شاستروں کے "اشلوک" میری نظر سے آگے چل کر گذرے۔عہد کے بعد سے مجھے روز بروز اس حقیقت کا علم ہوتا جاتا ہے کہ "برہمچاریہ" میں ہمارے جسم، ہمارے ذہن اور ہماری روح کی سلامتی ہے۔ کیونکہ اب "برہمچاریہ" میرے لئے کوئی کٹھن ریاضت کا معاملہ نہ تھا بلکہ تسکین اور راحت کا سرچشمہ۔ ہر روز مجھے اس میں ایک نئی خوبی نظر آتی تھی۔

لیکن اگر یہ میرے لئے روز افزوں مسرت کا سرمایہ تھا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ کوئی سہل کام تھا۔ اب چھپن سال کی عمر میں بھی مجھے اس کی دشواریاں محسوس ہوتی ہیں مجھے روز بروز یقین ہوتا جاتا ہے کہ "برہمچاریہ" برتنا گویا تلوار کی دھار پر چلنا ہے اور اس میں انسان کو ہر لحظہ ہوشیار رہنا چاہیئے کہ کہیں قدم ڈگمگا نہ جائے۔

اس عہد کی پابندی کے لئے پہلی ناگزیر شرط یہ ہے کہ انسان ذائقے کے معاملے میں ضبط نفس سے کام لے۔میں نے دیکھا کہ ذائقے کو پوری پوری طرح قابو میں رکھنے سے اس کی پابندی بہت آسان ہو جاتی ہے۔ اس لئے اب میں غذا کے متعلق جو تجربے کرتا تھا۔ان میں سے صرف نباتاتی مشرب کی رعایت نہ ہوتی تھی بلکہ برہمچاری، نقطہ کا بھی لحاظ تھا۔ ان تجربوں سے میں نے یہ نتیجہ نکالا "برہمچاری" کی غذا قلیل، سادہ، بے مسالے کی اور ممکن ہو تو بے پکی ہونا چاہیئے۔

چھ سال کے تجربے سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ برہمچاری کے لئے بہترین غذا تازہ پھل اور اخروٹ، مونگ پھلی وغیرہ ہیں۔ اس غذا کے استعمال کے دوران میں میرا دل شہوانی خواہشوں سے جس قدر پاک رہا اتنا اس کے چھوڑنے کے بعد کبھی نہیں رہا۔ جنوبی افریقہ میں جہاں میں سوائے تر اور خشک میووں کے کچھ نہیں کھاتا تھا مجھے "برہمچاریہ" کے لئے کوئی خاص سعی نہیں کرنا پڑتی تھی۔ لیکن جب سے میں نے دودھ کا استعمال شروع کیا ہے اس عہد کی پابندی کے لئے بڑی سخت کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ آگے چل کر معلوم ہو گا کہ میں نے پھل چھوڑ کر دودھ کی طرف کیوں رجوع کیا۔ یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میرے نزدیک دودھ کے استعمال سے یقیناً "برہمچاریہ" برتنے میں دشواری ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ ہر برہمچاری کے لئے دودھ ترک کر دینا لازمی ہے۔ یہ تو متعدد تجربوں کے بعد بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ مختلف غذاؤں کے استعمال کا "برہمچاریہ" پر کیا اثر پڑتا ہے مجھے اب تک دودھ کا کوئی ایسا بدل نہیں مل سکا جو

Marfat.com

عضلات کی نشوونما میں بھی مدد دیتا ہو اور آسانی سے ہضم بھی ہو جاتا ہو۔ میں نے ڈاکٹروں، ویدوں، حکیموں سب سے پوچھ دیکھا مگر کوئی مجھے ایسی چیز نہ بتا سکا اس لئے گو میں جانتا ہوں کہ دودھ ایک محرک ہے مگر میں فی الحال کسی کو اس کے ترک کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا۔

"برہمچاریہ" کو مدد دینے کی خارجی تدبیروں میں سے روزہ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنی غذا کی سادگی اور قلت حسی لذت کی خواہشیں اتنی قوی ہیں کہ انہیں قابو میں رکھنے کے لئے جب تک ہر طرف سے گھیرا نہ ڈالا جائے کام نہیں چلتا ہر شخص جانتا ہے کہ غذا نہ ملنے سے ان کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے میرے نزدیک حیات کو قابو میں لانے کی غرض سے روزہ رکھنا بہت مفید ہے۔ بعض لوگوں کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ یہ سمجھ کر کہ محض فاقے سے شہوانی خواہشوں سے نجات مل جائے گی وہ معدہ کو خالی رکھتے ہیں مگر تصور میں طرح طرح کی لذتوں کے مزے لیا کرتے ہیں اور ہر وقت سوچا کرتے ہیں کہ جب روزہ کھولیں گے تو یہ کھائیں گے اور یہ پئیں گے۔ اس طرح کے نہ روزے سے نہ تو ذائقے کو قابو میں لانے میں مدد ملتی ہے اور نہ شہوانی خواہش کو دبانے میں۔ روزہ تبھی مفید ہوتا ہے جب دل بھی بھوکے جسم کے ساتھ دے یعنی جن چیزوں کو جسم نے ترک کیا ہے ان سے دل بھی بھر جائے دل ہی شہوانی خواہشوں کی جڑ ہے اس لئے روزہ کا فائدہ محدود ہے کیونکہ ممکن ہے کہ روزہ رکھ کر انسان بدستور خواہشوں میں گھرا رہے پھر بھی شہوانی خواہشوں کا استیصال بیروزے کے ناممکن ہے۔ اس لئے "برہمچاریہ" میں یہ ایک ناگزیر چیز ہے "برہمچاریہ" کے بہت سے طالب اس وجہ سے ناکامیاب ہوتے ہیں کہ دوسری خواہشوں کی باگ وہ اس طرح ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں جیسے غیر برہمچاری۔ اس لئے ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو انتہائی گرمی میں یہ کوشش کرتا ہے کہ کڑاکے کے جاڑے کا لطف اٹھائے۔ برہمچاری اور غیر برہمچاری کی زندگی میں نمایاں حد فاصل ہونا چاہئے۔ دونوں میں جو مشابہت ہے وہ محض دیکھنے کی ہے اور وہ جو فرق ہے وہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے دونوں اپنی آنکھوں سے کام لیتے ہیں مگر برہمچاری ان سے خدا کے جلوؤں کا مشاہدہ کرتا ہے اور دوسرا شخص بے حقیقت کھلونوں سے کھیلتا ہے دونوں اپنے کانوں کو کام میں لاتے ہیں مگر پہلا ذرے ذرے سے خدا کی حمد سن کر وجد کرتا ہے اور دوسرا واہیات باتوں پر سر دھنتا ہے۔ دونوں اکثر رات کو دیر تک جاگتے ہیں مگر پہلا سارا وقت عبادت میں بسر کرتا ہے اور دوسرا بیہودہ رنگ رلیوں میں گنواتا ہے۔ دونوں کھانا کھاتے ہیں مگر پہلا صرف اس لئے کھاتا ہے کہ اس کا جسم جو خدا کا گھر ہے صحت کے ساتھ قائم رہے اور دوسرا دنیا بھر کی

Marfat.com

چیزیں ٹھونس کر اس پاک گھر کو گندی نالی بنا دیتا ہے۔ غرض دونوں میں بعد المشرقین ہے اور جوں جوں دن گزرتے جائیں گے یہ فاصلہ کم نہیں ہو گا بلکہ اور بڑھتا جائے گا۔

"برہمچاریہ" کے معنی ہیں خیال قول اور فعل میں ضبط نفس سے کام لینا۔ مجھے کو روز بروز اس قسم کے ضبط کی ضرورت کا احساس بڑھتا جاتا ہے۔ ترک لذات کی بھی "برہمچاریہ" کی طرح کوئی حد نہیں۔ مکمل "برہمچاریہ" انسان کی کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بہت سے لوگوں کے لئے یہ محض ایک نصب العین رہے گا۔ "برہمچاریہ" کے طالب کو ہمیشہ اپنی کوتاہیوں کا احساس رہتا ہے اور اپنے دل کے گوشوں سے چھپی ہوئی خواہش کھود کھود کر نکالتا ہے اور ان سے نجات پانے کی کوشش کرتا ہے جب تک خیال پوری طرح ارادے کا تابع نہ ہو جائے مکمل "برہمچاریہ" حاصل نہیں ہو سکتا۔ غیرارادی خیال ایک نفسی کیفیت ہے اور اسے دبانے کے یہ معنی ہیں کہ انسان اپنے نفس کو دباتا ہے جو کرہ ہوا کو دبانے سے بھی زیادہ مشکل ہے، تاہم چونکہ انسان کے دل میں خدا کا جلوہ موجود ہے اس لئے وہ نفس کو بھی قابو میں لا کر مانتا ہے۔ یہ چیز مشکل ضرور ہے مگر ہی ہرگز نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ ناممکن ہے۔ یہ سب سے اعلیٰ مقصد ہے اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ اسے حاصل کرنے کے لئے سب سے زیادہ کوشش کرنا پڑتی ہے۔

مگر یہ بات مجھے ہندوستان آکر معلوم ہوئی کہ ایسا "برہمچاریہ" محض انسان کی کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس وقت میں اس دھوکے میں تھا کہ محض پھل کھانے کا التزام تمام نفسانی خواہشوں کو مٹا دینے کے لئے کافی ہے۔ اور میں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ مجھے کسی اور تدبیر کی ضرورت نہیں۔

مگر مجھے اپنی روحانی کشمکش کی داستان وقت سے پہلے بیان نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ یہاں میں اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لئے "برہمچاریہ" برتنا چاہتے ہیں انہیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے بشرطیکہ انہیں خدا پر عقیدہ اور اپنی سعی پر بھروسا ہو۔

پرہیزگاروں کے نفس سے محسوس اشیاء کا خیال دور ہو جاتا ہے مگر ان کی لذت کا اثر رہ جاتا ہے جب خدائے برتر کی معرفت حاصل ہوئی ہے تو یہ اثر بھی زائل ہو جاتا ہے۔" (بھگوت گیتا (59-2)

اس لئے "موکشا" کے طالب علموں کے لئے آخری وسیلہ خدا کا نام ہے اور اس کی توفیق ہے۔ یہ حقیقت مجھ پر ہندوستان آنے کے بعد کھلی۔

Marfat.com

نواں باب

سادہ زندگی

میں نے عیش و آرام کی زندگی شروع کی تھی مگر یہ صرف چند روز رہی۔ گو میں نے اپنے مکان کو آراستہ کرنے میں بہت اہتمام کیا تھا مگر مجھے اس سے کوئی وابستہ نہیں تھی۔

تھوڑے ہی عرصے میں میں نے مصارف میں کزبیونت شروع کر دی ہیرا دھوبی ایک تو دھلائی بہت لیتا تھا۔ دوسرے وقت پر کپڑے نہیں دیتا تھا اس لئے دو تین درجن قمیض اور کالر بھی میرے لئے کافی نہیں ہوتے تھے۔ کالر روز بدلنا پڑتا تھا اور قمیض روز نہیں تو ایک دن بیچ۔ اس سے بہت خرچ پڑ جاتا تھا جو میرے خیال میں بالکل فضول تھا۔ اس خرچ کو بچانے کے لئے میں نے کپڑے دھونے کا سامان خریدا اور اس مضمون پر کتاب خرید کر پڑھی اس طرح میں نے کپڑے دھونا سیکھ لیا۔ اور اپنی بیوی کو بھی سکھا دیا۔ اس سے میرا کام تو ضرور بڑھ گیا مگر ایک نئی چیز تھی اس لئے لطف بھی آتا تھا۔

میں نے جو پہلا کالر اپنے ہاتھ سے دھویا تھا وہ ہمیشہ یاد رہے گا میں نے کالر میں پچ ضرورت سے زیادہ تھوپ دی۔ استری کافی گرم نہیں کی اور اور جلنے کے خوف سے کالر کو اچھی طرح دبیا بھی نہیں۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ کالر خاصا سخت تو ہو گیا مگر اس میں پچ ٹپکتی جاتی تھی یہی کالر لگا کر عدالت میں گیا۔

میرے ہم چشم بیرسٹروں نے میرا مذاق اڑایا۔ مگر مجھے اس زمانے میں بھی اس کی کوئی پرواہ نہ تھی کہ لوگ مجھ پر ہنسیں گے۔

میں نے کہا۔ "بھئی بات یہ ہے کہ مجھے اپنے ہاتھ سے کالر دھونے کا یہ پہلا موقع ہے اس لئے پچ بھری رہ گئی مگر میرا اس میں کوئی ہرج نہیں اور یہ فائدہ بھی ہے کہ آپ لوگوں کیلئے

Marfat.com

تفریح کا سامان ہو گیا۔

ایک دوست نے پوچھا "آخر کیوں؟ کیا یہاں دھوبیوں کی کمی ہے؟ میں نے جواب دیا، دھلائی بہت دینا پڑتی ہے کالر کی دھلائی قریب قریب اتنی ہی ہے جتنی اس کی قیمت اور پھر ہمیشہ دھوبی کا پابند رہنا پڑتا ہے۔ اس سے میں بہتر سمجھتا ہوں کہ اپنے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوؤں۔"

مگر میں اپنے دوستوں کو اپنی مدد آپ کرنے کی خوبی محسوس نہ کرا سکا۔ تھوڑے دن میں مجھے اتنی مہارت ہو گئی کہ اپنے کپڑے بڑی آسانی سے دھو لیتا تھا اور میرے دھوئے کپڑے دھوبی کے یہاں کے کپڑوں سے کسی طرح برے نہیں ہوتے تھے، میرے کالر ویسے ہی سخت اور چمکدار ہوتے تھے جیسے دوسروں کے۔ جب گوکھلے جنوبی افریقہ آئے تو ان کے پاس ایک مفلر تھا جو انہیں مہادیو گووندرانا ڈے نے تحفے کے طور پر دیا تھا وہ اس نشانی کو بہت عزیز رکھتے تھے اور صرف خاص خاص موقعوں پر استعمال کرتے تھے۔ جب جوہانسبرگ کے ہندوستانیوں نے ان کے اعزاز میں ڈنر دیا تو اس کے باندھنے کا موقع آیا مگر یہ مل دیا گیا تھا اور اس پر استری کی ضرورت تھی اتنا وقت نہ تھا کہ دھوبی کے یہاں دھلوایا جائے۔ میں نے کہا لایئے میں اپنا ہنر آزماؤں۔

گوکھلے نے کہا "میں وکالت میں تمہاری قابلیت پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔ مگر دھوبی کے کام میں نہیں تم نے اسے خراب کر دیا تو پھر میں کیا کروں گا؟ تم جانتے ہو یہ مجھے کس قدر عزیز ہے؟".

یہ کہہ کر انہوں نے بڑے شوق سے اس تحفے کے ملنے کا قصہ سنایا۔ مگر میں نے اصرار کیا اور انہیں یقین دلایا کہ میں بہت عمدگی سے کام کروں گا۔ آخر اجازت مل گئی اور میں نے اس پر استری کر دی جسے دیکھ کر وہ میرے ہنر کے قائل ہو گئے۔ اس کے بعد چاہے ساری دنیا اس سے انکار کرتی مجھے کوئی پروا نہ تھی۔

جس طرح میں نے دھوبی کی پابندی سے نجات پائی اسی طرح نائی کا بھی محتاج نہیں رہا۔ وہ لوگ جو انگلستان جایا کرتے ہیں سب کے سب داڑھی مونڈھنا سیکھ جاتے ہیں۔ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے اپنے ہاتھ سے بال کاٹنا کوئی بھی نہیں سیکھتا۔ مجھے یہ بھی سیکھنا پڑا۔ ایک بار میں پریٹوریا میں ایک انگریز حجام کے یہاں گیا اس نے حقارت کے انداز میں میرے بال کاٹنے سے انکار کیا۔ ظاہر ہے کہ مجھے اس سے تکلیف ہوئی۔ مگر میں نے فوراً ایک بال کاٹنے کی مشین خرید لی اور آئینہ سامنے رکھ کر اپنے بال کاٹنے لگا۔ سامنے کے بال کاٹنے میں تو مجھے کم و بیش کامیابی ہوئی۔ مگر گردن کے بال خراب ہو گئے۔ عدالت میں میرے دوست انہیں دیکھ کر ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔

Marfat.com

"گاندھی یہ تمہارے بالوں کو کیا ہوا۔ چوہے کتر کر لے گئے؟"

"نہیں یورپی حجام نے میرے کالے بالوں کو ہاتھ لگانے میں اپنی ذلت سمجھی۔ اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اپنے ہاتھوں سے کاٹوں گا۔ چاہے کیسے ہی خراب کیوں نہ کٹیں۔"

اس جواب سے میرے دوستوں کو کوئی تعجب نہیں ہوا۔

حجام نے جو میرے بال کاٹنے سے انکار کیا اس میں اس کا قصور نہ تھا۔ اگر کالے آدمیوں کا کام کرتا تو اس کے یورپی گاہک چھوٹ جاتے۔ ہم بھی تو اپنے نائیوں کو اچھوتوں کا کام نہیں کرنے دیتے۔ مجھے اس سلوک کا بدلا جنوبی افریقہ میں ایک بار نہیں بیسیوں بار ملا۔ اور چونکہ میرا عقیدہ تھا کہ یہ ہمارے گناہوں کی سزا ہے اس لئے مجھے اس پر غصہ نہیں آیا۔

میری سادگی اور اپنی مدد آپ کرنے کے اصول نے آگے چل کر جو انتہائی صورتیں اختیار کر لیں ان کا ذکر مناسب موقع پر آئے گا۔ ان کا بیج بہت دن پہلے بویا جا چکا تھا۔ اس کے جڑ پکڑنے اور پھولنے پھلنے کے لئے صرف پانی دینے کی ضرورت تھی اور یہ آبیاری آہستہ آہستہ ہوتی رہی۔

Marfat.com

Marfat.com

دسواں باب

جنگ بوئر

میں نے 1890ء سے 1896ء تک کے بہت سے واقعات کو چھوڑ کر صرف جنگ بوئر کا ذکر کرتا ہوں۔

اعلان جنگ کے وقت مجھے ذاتی طور پر بوئروں سے ہمدردی تھی۔ مگر ان دنوں میرا خیال تھا کہ ایسے معاملات میں مجھے یہ حق نہیں کہ دوسروں کو اپنی انفرادی رائے پر چلاؤں میں نے "جنوبی افریقہ کی ستیاگرہ کی تاریخ" میں اس اندرونی کشمکش کا ذکر تفصیل سے کیا ہے اور یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ جن لوگوں کو اس کے معلوم کرنے کا شوق ہو وہ اس کتاب کو پڑھیں یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ برطانوی حکومت کی وفاداری کے جذبے نے مجھے اس لڑائی میں انگریزوں کی طرف کھینچ لیا۔ میں نے سوچا اگر میں سلطنت برطانیہ کے شہری کی حیثیت سے حقوق کا طالب ہوں تو میرا فرض ہے کہ اس سلطنت کی حفاظت میں شرکت کروں۔ میرا ان دنوں یہ خیال تھا کہ ہندوستان کو کامل آزادی صرف سلطنت برطانیہ کی مدد سے اور اس کے ماتحت رہ کر حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے مجھے جتنے ساتھی مل سکے سب کو جمع کر کے میں نے ایک ایمبولینس کور بنائی اور حکومت نے اس کی خدمات قبول کر لیں۔

انگریزوں کا عام طور پر یہ خیال تھا کہ ہندوستانی بزدل ہوتے ہیں۔ جوکھم سے گھبراتے ہیں اور ان کی نظر اپنے فوری فائدے سے آگے نہیں جاتی۔ اس لئے بہت سے انگریز دوستوں نے میری تجویز کی مخالفت کر کے میرے جوش کو ٹھنڈا کر دیا۔ مگر ڈاکٹر بوتھ نے دل و جان سے اس کی حمایت کی۔ انہوں نے ہماری ایمبولینس کور کو کام سکھایا۔ ہم نے اس کام کی اہلیت کے طبی تصدیق نامے حاصل کئے۔ مسٹر لاٹن اور مسٹر ایسکومب آنجہانی نے بڑے جوش کے ساتھ ہماری تجویز کی تائید

Marfat.com

کی اور خدا خدا کر کے وہ وقت آیا کہ ہم میدان جنگ میں جانے کی درخواست کریں۔ حکومت نے ہمارا شکریہ ادا کیا لیکن یہ کہا کہ ابھی آپ کی خدمات کی ضرورت نہیں۔ مگر میں اس انکار سے ماننے والا نہ تھا۔ ڈاکٹر بوتھ کے ذریعے سے میں نٹال کے بشپ (اسقف) سے ملا۔ ہماری کور میں بہت سے عیسائی بھی تھے وہ میری تجویز سن کر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ ہماری خدمات کو قبول کئے جانے میں مدد کریں گے۔

واقعات بھی ہمارا ساتھ دے رہے تھے۔ بوئروں نے توقع سے زیادہ جرات بہادری اور استقلال دکھلایا۔ آخر ہماری خدمات قبول کر لی گئیں۔

ہماری کور میں کل گیارہ سو آدمی تھے جن میں چالیس افسر تھے۔ ان میں سے تین سو آزاد ہندوستانی تھے اور باقی سب پابند مزدور تھے۔ ڈاکٹر بوتھ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ہماری کور نے اچھا خاصا کام کیا۔ ہمارا مقام محاذ جنگ کے پیچھے تھا اور ہم صلیب احمر کی حفاظت میں تھے مگر ایک بار ایک نازک موقع پر ہم سے میدان جنگ میں کام لیا گیا۔ ہم تو خود یہی چاہتے تھے۔ ابتدا میں جنگی افسر ہمیں گولہ باری کی زد میں نہیں بھیجنا چاہتے تھے مگر اسپینوں کاپ کی پسپائی کے بعد صورت حال بدل گئی۔ ہمارے پاس جنرل بلر کا پیام آیا کہ گو آپ لوگ اس پر مجبور نہیں کہ اپنی جان خطرے میں ڈالیں لیکن آپ زخمیوں کو میدان جنگ سے لے آیا کریں تو حکومت آپ کی بہت ممنون ہو گی ہم نے بے تامل منظور کر لیا۔ اس لئے اسپینوں کاپ کے معرکے میں ہم خط جنگ پر موجود تھے ان دنوں ہمیں زخمیوں کو ڈولی میں اٹھا کر بیس پچیس میل روزانہ چلنا پڑتا تھا۔ بجز ان کے ہمیں جنرل دوڈگیٹ کے سے سپاہیوں کو اٹھانے کا فخر حاصل ہوا۔

چھ ہفتے کے کام کے بعد کور کے لوگ چھٹی پر بھیج دیئے گئے اسپینوں کاپ اور وال کرانز کی شکستوں کے بعد برطانوی سپہ سالار نے لیڈی اسمتھ وغیرہ کو دھاوا کر کے مدد پہنچانے کا خیال ترک کر دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ آہستہ آہستہ آگے بڑھیں تاکہ اس عرصے میں انگلستان سے اور ہندوستان سے مدد پہنچ جائے۔

اس موقعے پر حقیر خدمت کی بہت تعریف کی گئی اور لوگوں کی نظر میں ہندوستانی کی وقعت بڑھ گئی۔ اخباروں نے مدحیہ نظمیں شائع کیں۔ ترجیع بند لکھے گئے جن کے آخر میں اس مضمون کا مصرعہ آتا تھا۔ "لاکھ کچھ ہو پھر ہم سلطنت کے فرزند ہیں۔"

جنرل بلر نے اپنی رپورٹ میں کور کے کام کی تعریف کی اور اس کے افسروں کو تمغہ جنگ

Marfat.com

عنایت کیا۔

ہندوستانیوں میں تنظیم پہلے سے بہت بہتر ہو گئی مجھے پابند مزدوروں سے اچھی طرح ملنے کا موقع ملا۔ ان میں بیداری پیدا ہو گئی اور ان کے دل میں اسی خیال نے جڑ پکڑ لی کہ ہندو، مسلمان، عیسائی، گجراتی، سندھی سب بھارت ماتا کے بیٹے ہیں ہر شخص کو یقین تھا کہ اب ہندوستانیوں کی شکایتیں رفع کر دی جائیں گی۔ ان دنوں کے یورپیوں کے طرز عمل میں نمایاں فرق نظر آتا تھا۔ لڑائی کے زمانے میں ہم سے اور یورپیوں سے بہت اچھے تعلقات پیدا ہو گئے تھے ہمیں ہزاروں گوروں سے ملنے کا موقع ملا تھا۔ وہ ہم سے اچھی طرح پیش آتے تھے اور ہمارے شکر گزار تھے کہ ہم ان کی خدمت کے لئے آئے ہیں۔

میرا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ یہاں ایک واقعے کا ذکر کروں۔ جس کی یاد بہت خوشگوار ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انسانی فطرت کی انتہائی خوبی آزمائش کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ ہم شیو کی کیمپ جا رہے تھے جہاں لارڈ رابرٹس کے بیٹے لیفٹننٹ رابرٹس نے کاری زخم کھا کر جان دی تھی۔ ہماری کور کو یہ فخر حاصل ہے کہ ان کی لاش میدان جنگ سے اٹھا کر لائی۔ اس روز بڑی سخت گرمی تھی۔ ہر شخص پیاس سے بیتاب تھا۔ راہ میں اک چھوٹا سا چشمہ تھا۔ جہاں ہم اپنی پیاس بجھا سکتے تھے۔ مگر سوال یہ تھا کہ پہلے کون پانی پینے جائے۔ ہم چاہتے تھے کہ پہلے گورے پی لیں تب ہم جائیں۔ مگر انہیں یہ گوارا نہ تھا اور وہ ہم سے اصرار کر رہے تھے۔ دیر تک یہ خوشگوار مقالہ ہوتا رہا جس میں ہر فریق دوسرے کو آگے بڑھا کر خود پیچھے رہنا چاہتا تھا۔

Marfat.com

Marfat.com

گیارھواں باب

حفظانِ صحت کا اہتمام اور قحط کا امدادی کام

مجھے یہ بات ہمیشہ سے بری معلوم ہوتی ہے کہ ہئیت اجتماعی کا کوئی رکن بیکار رہے۔ مجھے یہ گوارا نہیں کہ اپنی قوم کی کمزوریوں پر پردہ ڈالوں یا ان سے چشم پوشی کروں۔ اگر میں ایک طرف اپنی قوم کے حقوق کے لئے لڑتا ہوں تو دوسری طرف اس کے عیوب کی اصلاح بھی کرتا ہوں۔ اس لئے جب میں نے نٹال کی سکونت اختیار کی تھی میں ہندوستانیوں کے سر سے ایک الزام دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو ان پر لگایا جاتا تھا۔ اور ایک حد تک بجا تھا۔ اکثر یہ کہا جاتا تھا کہ ہندوستانی پھوہڑ ہوتے ہیں اپنے مکان اور گردوپیش کی زمین صاف نہیں رکھتے قوم کے سربرآوردہ افراد اپنے مکانوں کی صفائی کرنے لگے تھے۔ مگر خانہ دار معائنہ صرف اس زمانے میں شروع ہوا جب ڈربن میں طاعون پھیلنے کا خوف تھا۔ میونسپلٹی کے ممبروں نے اس کام کو پسند کیا اور اس میں ہماری مدد کی کیونکہ وہ خود چاہتے تھے کہ ہم ان سے اتحاد عمل کریں۔ اس اتحاد عمل کی بدولت انہیں بھی آسانی ہوئی اور ہماری دقتیں بھی کم ہوگئیں کیونکہ جب کبھی وبا پھیلتی ہے تو انتظامی افسر عموماً بے صبری سے کام لے کر سختیاں شروع کر دیتے ہیں اور جن لوگوں سے خفا ہوتے ہیں ان سے تشدد کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ہماری قوم نے خود حفظان صحت کی تدابیر پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اس لئے وہ اس تشدد سے محفوظ رہی۔

مگر مجھے بعض باتوں میں بڑی سخت مایوسی ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ جب میں اپنی قوم کے لئے حقوق کا مطالبہ کرتا ہوں تو وہ بڑی خوشی سے ساتھ دیتی ہے مگر جب اس سے کہتا ہوں کہ اپنا فرض ادا کرے تو اتنی مستعدی نہیں دکھاتی۔ کہیں لوگوں نے مجھے ذلیل کیا اور کہیں اخلاق سے پیش آئے لیکن میری بات پر کوئی توجہ نہیں کی۔ لوگ اتنی زحمت نہیں اٹھانا چاہتے تھے کہ اپنے محلوں کو

Marfat.com

صاف رکھیں۔ ان سے یہ توقع رکھنا کہ اس کام میں روپے سے امداد دیں بالکل فضول تھا۔ ان تجربوں سے مجھے اور بھی یقین ہو گیا کہ لوگوں کو کسی کام پر آمادہ کرنے کے لئے بے حد صبر کی ضرورت ہے۔ اصلاح کی فکر صرف اصلاح کرنے والوں کو ہوتی ہے سماج کو نہیں ہوتی۔ اس سے ماسوائے مخالفت، نفرت اور ایذا رسانی کے کوئی توقع نہیں رکھنا چاہئے۔ اصلاح کرنے والا جس چیز کو جان کے برابر عزیز رکھتا ہے اسے سماج تنزل سے تعبیر کرتی ہے اور کیوں نہ کرے؟۔

تاہم اس جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانیوں کو اس ضرورت کا احساس ہو گیا کہ اپنے مکان اور محلے صاف رکھنا چاہئے۔ میری وقعت حکام کی نظر میں بڑھ گئی انہیں معلوم ہو گیا کہ ایک طرف میں اپنی قوم کی شکایتوں کو ظاہر کرتا ہوں اور حقوق پر زور دیتا ہوں تو دوسری طرف اس کی اندرونی اصلاح میں بھی اتنی ہی سرگرمی سے کام لیتا ہوں۔

البتہ ایک کام ابھی باقی تھا وہ یہ کہ نو آباد ہندوستانیوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ بھارت ماتا کی محبت اور خدمت ان پر فرض ہے۔ ہندوستان غریب ملک ہے۔ نو آباد ہندوستانی دولت کی تلاش میں جنوبی افریقہ آتے ہیں انہیں چاہئے کہ اپنی کمائی کے ایک حصے سے اپنے ہموطنوں کی آڑے وقت مدد کریں۔ یہ فرض ان لوگوں نے اس قحط کے زمانے میں جو 1897 سے 1899 ءتک پڑا تھا انہوں نے 1897 میں قحط کے امدادی کام میں بہت معقول چندہ دیا اور 1899 ءمیں اس سے بھی زیادہ دیا۔ ہم نے انگریزوں سے بھی چندہ مانگا اور انہوں نے اچھی خاصی رقم دی۔ پابند مزدوروں تک نے چندے میں شرکت کی اور یہ طریقہ جنوبی افریقہ میں قحط کے زمانے میں شروع ہوا تھا اور اب تک جاری ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جب ہماری قوم پر مصیبت پڑتی ہے تو جنوبی افریقہ کے ہندوستانی برابر معقول رقمیں چندے میں بھیجتے ہیں۔

اس طرح میں نے جنوبی افریقہ میں جو خدمت ہندوستانیوں کی انجام دی اس سے مجھے ہر ہر قدم پر نئے نئے پہلو نظر آئے۔ حق ایک عظیم الشان درخت کی طرح ہے اور اسے جتنا زیادہ سینچئے اتنا ہی زیادہ پھل دیتا ہے حق کے معدن کو جتنا گہرا کھودیئے اتنے ہی زیادہ جواہرات ہاتھ لگتے ہیں یعنی سماج کی خدمت کے نت نئے اور بہتر موقعے ملتے ہیں۔

Marfat.com

بارھواں باب

ہندوستان کو واپسی

جنگ کی خدمت سے فرصت پانے کے بعد مجھے یہ محسوس ہوا کہ میرا کام اب جنوبی افریقہ میں نہیں بلکہ ہندوستان میں ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جنوبی افریقہ میں اب کچھ کرنے کے لئے نہ تھا بلکہ یہ خوف تھا کہ کہیں میرے وقت کا زیادہ حصہ روپیہ کمانے میں نہ صرف ہو جائے۔

وطن میں میرے احباب میری واپسی پر مصر تھے اور مجھے ہی خیال ہوا کہ میں ہندوستان کی زیادہ خدمت کر سکوں گا۔ جنوبی افریقہ کے کام کو سنبھالنے کے لئے خان صاحب اور منسکھ لال جی نظر موجود تھے۔ اس لئے میں تے اپنے رفیقوں سے رخصت کی درخواست کی۔ یہ درخواست بڑی مشکل سے منظور ہوئی اور وہ بھی اس شرط پر کہ اگر جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کو ایک سال کے اندر میری ضرورت پڑی تو مجھے واپس آنا پڑے گا۔ مجھے یہ شرط بڑی سخت معلوم ہوئی مگر اس محبت کی وجہ سے جو مجھے اپنے وطنی بھائیوں سے تھی میں نے اسے منظور کر لیا۔ میرابائی نے کہا ہے:۔

"میرے مالک نے مجھے باندھ رکھا ہے محبت کے سچے دھاگے میں۔ میں اس کا غلام ہوں۔"

میرے لئے بھی برادرانہ رشتۂ محبت کا توڑنا ممکن نہ تھا۔ زبان خلق نقارہ خدا کہلاتی ہے۔ میں اپنے دوستوں اور وطنی بھائیوں کے کہنے کو کیونکر ٹال سکتا تھا؟ میں نے یہ شرط قبول کر لی اور مجھے جانے کی اجازت مل گئی۔

میرے تعلقات اس زمانے میں صرف نٹال تک محدود تھے۔ نٹال کے ہندوستانیوں نے مجھ پر مہر و محبت کا مینہ برسا دیا۔ ہر جگہ رخصتی جلسوں کا انتظام کیا گیا اور مجھے قیمتی تحفے دیئے گئے۔

جب میں پہلی بار یہاں سے ہندوستان جا رہا تھا تب بھی مجھے تحفے دیئے گئے تھے۔ مگر اس مرتبہ رخصت میں بیحد جوش و خروش تھا۔ تحفوں میں سونے چاندی کی چیزوں کے علاوہ بعض جڑاؤ

Marfat.com

چیزیں بھی تھیں۔

مجھے ان تحفوں کے قبول کرنے کا کیا حق تھا؟ اگر میں انہیں قبول کر لیتا تو اپنے دل میں کیونکر سمجھتا کہ میں اپنے بھائیوں کی خدمت بلامعاوضے کر رہا ہوں؟ سوائے چند تحفوں کے جو میرے موکلوں نے دیئے تھے اور سب مجھے قومی خدمت کی وجہ سے دیئے گئے تھے۔ پھر میں اپنے موکلوں اور رفیقوں میں فرق بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میرے موکل بھی مجھے قومی کاموں میں مدد دیتے تھے۔

ایک سونے کا کنٹھا جس کی قیمت پچاس گنی تھی میری بیوی کو دیا گیا تھا لیکن یہ تحفہ بھی میری قومی خدمات کی وجہ سے ملا تھا۔ اس لئے اس میں دوسرے تحفوں میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جس شام کو یہ تحفے دیئے گئے تھے اس کے بعد کی رات مجھے جاگتے گزری میں الجھن اور پریشانی کے عالم میں اپنے کمرے میں ٹہلتا رہا مگر اس مسئلے کو حل کرنے کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ سینکڑوں کی قیمت کے تحفوں کو پھیر دینا کچھ سہل نہ تھا۔ مگر انہیں رکھ لینا میرے لئے اس سے زیادہ دشوار تھا۔

میں نے سوچا کہ فرض کیجئے میں انہیں رکھ لوں تو میرے بچوں پر اور میری بیوی پر اس کا کتنا خراب اثر پڑے گا۔ انہیں میں یہ تعلیم دے رہا تھا کہ اپنی زندگی قومی خدمت میں گذاریں اور خدمت کو معاوضے سے بے نیاز سمجھیں۔

ہمارے گھر میں قیمتی زیور نہیں تھے کیونکہ ہم روز بروز سادگی اختیار کرتے جاتے تھے۔ ہم سے سونے کی گھڑیاں باندھنا سونے کی زنجیریں اور انگوٹھیاں پہنتا کیونکر نبھ سکتا تھا؟ انہیں دنوں میں لوگوں پر تاکید کر رہا تھا کہ زیوروں کی ہوس چھوڑیں پھر میں ان زیوروں کو کیسے لے لیتا؟

آخر میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ میں ان چیزوں کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا۔ میں نے بیٹھ کر خط کا مسودہ لکھا کہ میں ان چیزوں کو قومی کاموں کے لئے وقف کرتا ہوں اور پارسی رستم جی اور چند اور اشخاص کو وقف کا متولی مقرر کرتا ہوں۔ صبح کو میں نے اپنی بیوی بچوں سے مشورہ کیا اور خدا خدا کر کے اس بوجھ کو اپنے سر سے ہٹایا۔

مجھے یقین تھا کہ اپنی بیوی کو اس بات پر آمادہ کرنے میں مجھے کسی قدر دقت ہوگی۔ مگر بچے آسانی سے مان لیں گے اس لئے میں نے سوچا کہ بیوی کو سمجھانے میں بچوں کو اپنا وکیل بناؤں گا۔

Marfat.com

بچے فوراً راضی ہو گئے۔ انہوں نے کہا "ہمیں ان قیمتی زیوروں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ یہ زیور اپنے وطنی بھائیوں کو لوٹا دیں۔ اگر ہمیں ضرورت ہو گی تو جب چاہیں گے دوسرے زیور خرید لیں گے۔"

مجھے بڑی خوشی ہوئی، میں نے ان سے پوچھا "تو پھر تم اپنی والدہ کو بھی سمجھا لو گے؟" انہوں نے کہا "یہ کونسی بڑی بات ہے۔ یہ آپ ہم پر چھوڑ دیجئے۔ وہ خود تو زیور پہنتی نہیں اگر لیں گی تو ہمارے لئے ہی لیں گی۔ پھر جب ہمیں یہ منظور نہیں تو انہیں واپس کرنے میں کیا عذر ہو گا؟"

انہوں نے کہنے کو تو کہہ دیا مگر جب کرنے کا وقت آیا تو مشکل پڑی۔

میری بیوی نے کہا "تمہارے بچے زیور نہیں چاہتے ہیں تو نہ چاہیں۔ انہیں تم پھسلا کر جو چاہو کہلوا لو۔ مگر میری بہوئیں جو آئیں گی؟ ان کو زیور کی ضرورت ہو گی یا نہیں؟ کسی کو کیا خبر کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ مجھ سے یہ نہ ہو گا کہ لوگوں نے جو تحفے اتنی محبت سے دیئے ہیں وہ لوٹا دوں۔"

بحث کا دریا امنڈ آیا اور آخر میں آنسوؤں کا سیلاب آ گیا۔ مگر بچے اپنی بات پر اڑے رہے اور میں بھی نہ پسیجا۔"

میں نے نرمی سے کہا "بچوں کی شادی کا ابھی کیا ہے۔ ہمیں ان کا بیاہ کم سنی میں تو کرنا نہیں جب بڑے ہو جائیں گے تو اپنے آپ نپٹ لیں گے اور پھر ہم ان کے لئے ایسی دلہنیں کیوں لانے لگے جنہیں زیور کا شوق ہو؟ اور فرض کرو زیور کی ضرورت ہو تو میں تو موجود ہوں تم مجھ سے کہنا۔"

"اور کیا تمہیں سے تو کہوں گی۔ میں نے تمہیں اتنے دن میں خوب دیکھ لیا۔ تم نے میرے پیچھے پڑ کر میرا سارا زیور لے لیا۔ بہوؤں کے لئے تم ضرور خریدو گے۔ بچوں کو تو تم ابھی سے سادھو بنانے کی فکر میں ہو انہیں صاحب میں یہ زیور واپس نہیں ہونے دوں گی اور یہ تو کہو میرا کنٹھا واپس کرنے کا تمہیں کون سا حق ہے؟ میں نے کہا "اخو! یہ کنٹھا تمہیں میری ہی خدمت کی وجہ سے ملا ہے۔"

یہ سچ ہے مگر وہ تمہاری خدمت ہوئی یا میری خدمت بات ایک ہی ہے میں نے جو تمہارے کام کی خاطر دن رات مشقت اٹھائی وہ کسی گنتی ہی میں نہیں؟ تم نے دنیا بھر کے مردے میرے گھر میں لا کر بھر دیئے مجھے آٹھ آٹھ آنسو رلایا اور مجھے ان کی مرہم پٹی کرنا پڑی۔"

یہ باتیں میرے دل پر تیر کی طرح لگیں مگر میں نے یہ ٹھان لی تھی کہ زیور لوٹا کر رہوں گا۔ اپنی بیوی کو میں نے کسی نہ کسی طرح راضی کر لیا۔ جتنے تحفے، 1896 سے 1901 تک ملے تھے

Marfat.com

سب واپس کئے گئے ایک وقف نامہ لکھا گیا اور یہ سب چیزیں ایک بنک میں جمع کر دی گئیں کہ میں خود یا وقف کے متولی انہیں جس طرح چاہیں قومی کاموں میں صرف کریں۔

اکثر ایسا اتفاق ہوا کہ مجھے قومی کاموں کے لئے روپے کی ضرورت ہوئی اور میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ وقف سے مدد لوں مگر ہمیشہ مجھے یہ روپیہ چندوں سے مل گیا اور وقف کی رقم میں ہاتھ لگانے کی نوبت نہ آئی۔ یہ وقف اب تک موجود ہے۔ ضرورت کے وقت اس سے روپیہ لیا جاتا ہے اور اس کی آمدنی جمع ہوتی ہوئی ایک معقول رقم ہو گئی ہے۔

مجھے آج تک کبھی اپنے اس فعل پر افسوس نہیں ہوا اور میری بیوی کو بھی رفتہ رفتہ یقین ہو گیا ہے کہ یہ دانشمندی کا فعل تھا۔ اس نے ہمیں بہت سی ترغیبوں سے بچایا۔

میرا یہ راسخ عقیدہ ہے کہ قومی کام کرنے والوں کو قیمتی تحفے قبول نہیں کرنا چاہئیں۔

Marfat.com

تیرھواں باب

پھر ہندوستان میں

غرض میں پھر دیس روانہ ہو گیا۔ جہاز کا ایک مقام ماریش میں بھی تھا اور چونکہ یہاں کئی دن ٹھہرنا تھا اس لئے میں شہر جا کر وہاں کی زندگی کا مشاہدہ کیا کرتا تھا۔ ایک راستہ میں اس نو آبادی کے گورنر سر رابرٹ بروس کا مہمان رہا۔

ہندوستان پہنچ کر میں کچھ دن سارے ملک کا دورہ کرتا رہا۔ 1901ء میں کانگریس کلکتے میں ہو رہی تھی اور اس کے صدر مسٹر ڈنشاؤ اچا تھے (جو اب سر ڈنشاد اچا کہلاتے ہیں) میں بھی اس میں شریک ہوا۔ میرے لئے کانگریس کی شرکت کا یہ پہلا موقع تھا۔

بمبئی سے میں اسی گاڑی میں سوار ہوا جس میں سر فیروز شاہ مہتا تھے کیونکہ مجھے ان سے جنوبی افریقہ کے معاملات کے متعلق باتیں کرنا تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بڑی شان سے رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے لئے ایک ڈبہ رزرو کرا لیا تھا اور مجھے یہ حکم تھا کہ ایک خاص اسٹیشن سے کچھ دور تک ان کے ڈبے میں سفر کروں اور جب موقع ملے گفتگو کر لوں۔ چنانچہ میں مقررہ اسٹیشن پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے ساتھ مسٹر واچا اور مسٹر چمن لال ستیلواد تھے (جو اب سر چمن لال کہلاتے ہیں) یہ تینوں آپس میں سیاسی معاملات پر گفتگو کر رہے تھے سر فیروز شاہ نے دیکھتے ہی کہا "بھئی گاندھی ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ جو ریزولیوشن تم چاہتے ہو اسے ہم ضرور پاس کرا دیں گے۔ مگر ہمیں اپنے ہی ملک میں کون سے حقوق حاصل ہیں؟ میرے خیال میں جب تک ہمیں اپنے ملک میں قوت حاصل نہ ہو جائے ہماری نو آبادیوں کی بھی ایسی ہی خراب حالت رہے گی جیسی ہماری ہے۔

میں ہکا بکا رہ گیا۔ مسٹر ستیلواد کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی تھی۔ مسٹر واچا نے میری طرف رحم اور تعلق کی نظر سے دیکھا۔

Marfat.com

میں نے سرفیروز شاہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر بھلا میرا جیسا شخص بمبئی کے بے تاج بادشاہ سے کیا پیش پاتا میں نے اسی کو غنیمت سمجھا کہ مجھے رزولیوشن پیش کرنے کی اجازت مل گئی۔

مسٹر واچا نے میری ہمت افزائی کے لئے کہا، "بھئی رزولیوشن مجھے ضرور دکھالینا"

غرض یہ کلکتے پہنچ گئے۔ صدر کو مجلس استقبالیہ کے اراکین بڑی دھوم دھام سے کیمپ میں لے گئے۔ میں نے ایک رضاکار سے پوچھا کہ میں کہاں جاؤں۔ وہ مجھے رپن کالج لے گیا جہاں بہت سے ڈیلیگیٹ ٹھہرے ہوئے تھے۔ میری قسمت نے یاوری کی۔ لوکمانیہ بھی اسی حصے میں ٹھہرائے گئے جس میں میں تھا مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ ایک دن بعد آئے تھے۔

ظاہر ہے کہ جہاں لوکمانیہ ہوں وہاں ان کا دربار بھی ضرور ہو گا۔ اگر میں مصور ہوتا تو آج بھی ان کی تصویر اسی انداز میں کھینچ دیتا جس طرح میں نے انہیں بستر پر بیٹھے دیکھا تھا۔ وہ منظر میری نظروں میں پھر رہا ہے۔ ان کے پاس بے شمار اشخاص ملنے کے لیے آئے مگر مجھے ان میں سے صرف ایک صاحب یعنی امرت بازار پتر کا کے اڈیٹر بابو موتی لال گھوش آنجہانی یاد ہیں۔ ان لوگوں کا ہنسنا بولنا، قہقہے لگانااور حاکم قوم کی زیادتیوں کا ذکر کرنا مجھے کبھی نہ بھولے گا۔

مگر اس کیمپ کے انتظام کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کروں گا۔ رضاکار آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ آپ ایک شخص سے کسی کام کو کہئے۔ وہ دوسرے پر ٹال دیتا تھا۔ دوسرا تیسرے پر اور یہ سلسلہ یوں ہی چلا جاتا تھا۔ رہے ڈیلیگیٹ تو وہ کسی شمار میں نہ تھے۔

میں نے چند رضاکاروں سے ملاقات پیدا کی۔ جب میں نے انہیں جنوبی افریقہ کے قصے سنائے تو انہیں کسی قدر شرم آئی۔ میں نے انہیں خدمت کا راز سمجھانا چاہا۔ وہ سمجھ تو گئے مگر خدمت کوئی خودرو درخت تو نہیں کہ ہر زمین پر اگ آئے۔ اس کے لئے پہلی شرط خلوص نیت ہے اور دوسری تجربہ۔ ان نیک دل بھولے نوجوانوں میں خلوص کی کمی نہ تھی۔ مگر تجربہ انہیں ذرہ برابر بھی نہ تھا کانگریس سال میں تین دن اپنی بہار دکھا کر غفلت کی نیند سو جاتی تھی۔ یہ جو سال میں تین دن تماشا سا ہو کر رہ جاتا تھا اس میں انہیں کیا تجربہ حاصل ہو سکتا تھا؟ اور ڈیلیگیٹوں کا بھی وہی حال تھا جو رضاکاروں کا۔ یہ بھی اس سے زیادہ یا اس سے بہتر تجربہ نہیں رکھتے وہ خود کوئی کام نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بس بیٹھے رضاکاروں کو حکم دیا کرتے تھے "جاؤ یہ کام کر لاؤ، جاؤ وہ کام کر لاؤ۔"

یہاں بھی چھوت چھات کا خاصا تجربہ ہوا۔ تامل لوگوں کا باورچی خانہ اور باورچی خانوں سے دور تھا۔ تامل ڈیلیگیٹ کھانا کھانے کے وقت دوسروں کی جھلک بھی دیکھ لیں تو چھوت ہو جاتی تھی

Marfat.com

اس لئے ان کے واسطے کالج کے احاطے میں علیحدہ باورچی خانہ بنایا گیا اور اس کے آس پاس ٹٹیاں لگائی گئیں۔ اس میں دھوئیں کا یہ عالم تھا کہ دم گھٹتا تھا۔ اسی لئے دروازے کے صندوق میں کھانا پکتا تھا۔ یہیں کھایا جاتا تھا اور یہیں برتن دھلتے تھے مجھے تو ورن دھرم (1) کی مسخ کی ہوئی صورت معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اپنے جی میں کہا جب کانگریس کے ڈیلیگیٹوں کا یہ حال ہے تو جن لوگوں کی یہ نمائندگی کرتے ہیں ان کا حال تو اور بھی بدتر ہوگا۔ یہ خیال کر کے میں نے ایک آہ سرد کھینچی اور دم بخود ہو گیا۔

غلاظت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ہر جگہ پانی گڑھوں میں جمع رہتا تھا۔ پاخانے بہت تھوڑے تھے اور ان میں بلا کا تعفن تھا کہ اس کے خیال سے اب بھی تکلیف ہوتی ہے۔ میں نے رضاکاروں کو اس پر توجہ دلائی۔ انہوں نے صاف کہہ دیا "یہ ہمارا کام نہیں۔ بھنگی کا کام ہے۔" میں نے ایک شخص سے جھاڑو مانگی۔ وہ حیرت سے منہ تکنے لگا۔ میں نے کہیں سے جھاڑو لا کر پاخانہ صاف کیا۔ مگر اس سے صرف میرا کام چلا۔ آدمی بہت تھے اور پاخانے تھوڑے۔ اس لئے بار بار صاف کرنے کی ضرورت تھی۔ مگر یہ میرے بس کی بات نہ تھی اس لئے مجھے اسی پر قناعت کرنا پڑی کہ اپنی فکر کر لوں اور دوسروں کو اس بدبو اور غلاظت کی کوئی پروا بھی نہ تھی۔

اس سے بھی بڑھ کر سنئے بعض ڈیلیگیٹ رات کو بے تامل اپنے کمروں سے آگے برآمدے میں رفع حاجت کرتے تھے۔ ایک روز صبح کو میں نے رضاکاروں کو غلیظ دکھایا۔ کوئی اسے صاف کرنے پر راضی نہ ہوا۔ اس لئے مجھے تنہا یہ عزت حاصل کرنا پڑی۔ اب حالت بہتر ہو گئی ہے مگر اب بھی بعض ایسے ناسمجھ ڈیلیگیٹ ہیں جو کانگریس کیمپ کے اندر جہاں جی چاہتا ہے رفع حاجت کر کے کیمپ کو غلیظ کرتے ہیں اور بہت کم رضاکار اسے صاف کرنے پر تیار ہوتے ہیں۔

یہ حالت دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اگر کانگریس کے اجلاس میں کچھ روز کی توسیع کر دی جاتی تو وبا پھیلنے کا پورا پورا سامان ہو جاتا۔

حوالہ

1- ہندو سماج کی چاروں تقسیمیں اور ان کے فرائض۔

Marfat.com

Marfat.com

چودھواں باب

محرر اور خدمت گار

ابھی کانگریس کا اجلاس شروع ہونے میں دو دن تھے۔ میں نے پہلے سے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اپنی خدمات کانگریس کے دفتر کے لئے پیش کروں گا تاکہ کچھ تجربہ حاصل ہو جائے۔ چنانچہ کلکتے پہنچتے ہی میں ہاتھ منہ دھو کر سیدھا کانگریس کے دفتر میں پہنچا۔

بابو بھوپندر ناتھ اسو اور گھوشال بابو سیکرٹری تھے۔ میں نے بھوپندر بابو کے پاس جا کر اپنی خدمات پیش کیں۔ انہوں نے میری طرف دیکھ کر فرمایا "میرے یہاں تو کوئی کام نہیں مگر ممکن ہے گھوشال بابو آپ کو کوئی کام دیں۔ مہربانی کر کے ان کے پاس جائیے۔"

میں ان کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھے سر سے پیر تک دیکھا اور مسکرا کر کہا۔ "میں تمہیں صرف محرری کا کام دے سکتا ہوں" تم کرو گے؟

میں نے جواب دیا ضرور کروں گا۔ میں اسی لئے آیا ہوں کہ جو کام بھی ملے اسے انجام دوں بشرطیکہ وہ میری قابلیت سے بڑھ کر نہ ہو۔"

انہوں نے کہا "شاباش نوجوانوں میں یہی خلوص ہونا چاہئے۔" ان رضاکاروں کو مخاطب کر کے جو ان کے گرد کھڑے تھے کہنے لگے "سنتے ہو یہ جوان کیا کہہ رہے ہیں؟"

پھر میری طرف مڑ کر بولے۔ "لو یہ خطوط کا انبار ہے جن کا جواب دینا ہے۔ اس کرسی پر بیٹھ جاؤ اور کام شروع کر دو۔ تم دیکھتے ہو میرے پاس سینکڑوں آدمی آتے ہیں اب میں ان سے باتیں کروں یا ان دخل در معقولات دینے والوں کو جواب دوں جنہوں نے خطوط کے مارے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے؟ میرے پاس کوئی ایسے محرر نہیں جن کے سپرد یہ کام کر سکوں۔ بہت سے خطوط میں کوئی کام کی بات نہیں مگر مہربانی کر کے ان پر ایک نظر ڈال لو۔ ان میں سے جو جواب کے

Marfat.com

قابل ہوں ان کا جواب دے دو اور اگر کوئی خاص بات ہو تو مجھ سے دریافت کر لو۔"

مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ انہوں نے مجھ پر اتنا اعتبار کیا۔

گھوشال بابو نے جب مجھے یہ کام دیا اس وقت تک مجھ سے بالکل واقف نہیں تھے۔ بہت دیر کے بعد انہوں نے مجھ سے میرا نام و نشان پوچھا۔

مجھے اس خطوط کے انبار کو پڑھنے اور اس کا جواب دینے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ ذرا سی دیر میں میں نے یہ کام نپٹا دیا۔ گھوشال بابو بہت خوش ہوئے۔ وہ بڑے باتونی آدمی تھے گھنٹوں بیٹھے باتیں کیا کرتے تھے۔ جب انہیں میرے حالات معلوم ہوئے تو افسوس کرنے لگے کہ میں نے تمہیں محرری کا کام دیا۔ مگر میں نے انہیں یہ کہہ کر مطمئن کر دیا۔

آپ کچھ تردد نہ کیجئے میری آپ کے آگے کیا حیثیت ہے؟ آپ کی عمر کانگریس کی خدمت میں گذری ہے اور آپ میرے بزرگ ہیں۔ میں محض ایک ناتجربہ کار نوجوان ہوں، یہ کام میرے سپرد کر کے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے کیونکہ مجھے کانگریس کے کام کا شوق ہے اور آپ کی بدولت مجھے یہ نادر موقع ملا ہے کہ اس کام کی جزیات کو سمجھ لوں۔

گھوشال بابو نے کہا "شاباش" قومی کام کرنے والوں کا یہی خیال ہونا چاہیئے۔ مگر آج کل کے نوجوانوں کو اس کا احساس نہیں ہے، بیشک میں کانگریس کو اس وقت سے جانتا ہوں جب سے یہ قائم ہوئی بلکہ سچ پوچھو تو میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ اس کے قائم کرنے میں میں بھی مسٹر ہیوم کے ساتھ شریک تھا۔

اس طرح ہم دونوں میں خاصی دوستی ہو گئی۔ وہ بڑے اصرار سے مجھے دوپہر کا کھانا اپنے ساتھ کھلاتے تھے۔

گھوشال بابو کی قمیض کے بٹن ان کا خدمت گار لگایا کرتا تھا۔ میں نے یہ کام اپنے ذمے لے لیا اور مجھے اس میں بڑی خوشی ہوتی تھی کیونکہ میں ہمیشہ سے بزرگوں کی بڑی عزت کیا کرتا تھا۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا تو وہ اکثر ایسے چھوٹے چھوٹے کام مجھ سے لینے لگے۔ جب میں ان کی قمیض کے بٹن لگاتا تو وہ کہتے جاتے تھے دیکھتے ہو کانگریس کے سیکرٹری کو اپنی قمیض میں بٹن لگانے کا بھی وقت نہیں ملتا۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی کام رہتا ہے۔

گھوشال بابو کے بھولے پن پر مجھے ہنسی آتی ہے لیکن اس سے میری خدمت کے شوق میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ ان کی خدمت سے مجھے اتنا فائدہ پہنچا جس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

چند روز میں میں کانگریس کے طور طریقے سے اچھی طرح واقف ہو گیا۔ مجھے اکثر لیڈروں سے ملنے اور گوکھلے اور سریندر ناتھ جیسے شیر مردوں کے طرز عمل کو دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے اس بات پر غور کیا کہ یہاں کتنا وقت ضائع ہوتا ہے اور یہ دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوا۔ ہمارا سارا کاروبار انگریزی میں ہوتا ہے قوت عمل کو کفایت کے ساتھ خرچ کرنے کا کسی کو خیال تک نہ تھا۔ کہیں ایک شخص کا کام کئی آدمی کرتے تھے اور کہیں ضروری کام اس لئے رہ جاتے تھے کہ کوئی کام کرنے والا نہ تھا۔

گو میں ان چیزوں کو تنقیدی نظر سے دیکھتا تھا مگر میری طبیعت میں اتنی رواداری تھی کہ میں سمجھتا تھا کہ شاید موجودہ حالت میں اس سے بہتر کام نہیں ہو سکتا اور اسی وجہ سے میں نے کسی کام کی بے قدری نہیں کی۔

Marfat.com

Marfat.com

پندرھواں باب

کانگریس میں

خدا خدا کر کے میں کانگریس پہنچا۔ اس دل بادل خیمے کو، رضاکاروں کی شاندار صفوں کو، اور ڈائس پر بڑے بڑے لیڈروں کو دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئیں میں دل میں کہتا تھا کہ اس عظیم الشان اجتماع میں مجھے کون پوچھے گا۔

خطبہ صدارت ایک مستقل کتاب تھی۔ اسے اول سے آخر تک پڑھنا بالکل ناممکن تھا، اس لئے صرف اس کے چند حصے پڑھے گئے۔

اس کے بعد سبجیکٹس کمیٹی کے ممبروں کا انتخاب ہوا۔ گوکھلے مجھے کمیٹی کے جلسوں میں لے جایا کرتے تھے۔

سر فیروز شاہ نے میرے رزولیوشن کو پیش کرانے کا وعدہ کر لیا تھا۔ مگر میں اس فکر میں تھا کہ دیکھوں یہ سبجیکٹس کمیٹی میں کب پیش ہوتا ہے اور کون پیش کرتا ہے۔ کیونکہ ہر رزولیوشن کے ساتھ طویل طویل تقریریں ہوتی تھیں اور وہ بھی انگریزی میں اور ہر رزولیوشن کی تائید کوئی مشہور لیڈر کرتا تھا۔ اس نقار خانے میں بھلا میری طوطی جیسی آواز کو کون سنتا۔ جب میں نے دیکھا کہ رات ہونے آئی اور وہ رزولیوشن اب تک پیش نہیں ہوا تو میرا دل دھڑکنے لگا جہاں تک مجھے یاد ہے آخری رزولیوشن بہت جلدی جلدی نپٹائے جا رہے تھے۔ اب گیارہ بج چکے تھے۔ میں گوکھلے سے مل کر ان کو اپنا رزولیوشن دکھا چکا تھا۔ اس لئے میں نے ان کی کرسی کے پاس جا کر ان کے کان میں کہا "مہربانی کر کے میرے معاملے میں کچھ کیجئے۔ انہوں نے کہا۔ "میں تمہارے رزولیوشن کو بھولا نہیں ہوں۔ تم دیکھتے ہو کتنی تیزی سے کام ہو رہا ہے دم لینے کی فرصت نہیں۔ مگر میں اس کا خیال رکھوں گا کہ تمہارا رزولیوشن نظر انداز نہ ہونے پائے۔"

Marfat.com

اتنے میں سر فیروز شاہ مہتا نے کہا "اب تو سب رزولیوشن ہو گئے
گھو کھلے چلا اٹھے "نہیں نہیں ابھی جنوبی افریقہ والا رزولیوشن باقی ہے مسٹر گاندھی دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔"

سر فیروز شاہ نے پوچھا "آپ نے وہ رزولیوشن دیکھا ہے۔"

"جی ہاں، دیکھا ہے۔"

"آپ کو پسند ہے"

"ہاں اچھا خاصا ہے"

"اچھا گاندھی اپنا رزولیوشن پڑھ کر سناؤ۔"

میں نے کانپتے ہوئے وہ رزولیوشن پڑھا۔

گوکھلے نے اس کی تائید کی۔

سب چلا اٹھے۔ "بالاتفاق منظور"

مسٹر واچا نے کہا "گاندھی تمہیں اس پر تقریر کرنے کے لئے پانچ منٹ ملیں گے۔"

مجھے اس کارروائی سے بالکل خوشی نہیں ہوئی۔ کسی شخص نے رزولیوشن کو سمجھنے کی زحمت نہیں اٹھائی۔ ہر شخص کو جانے کی بہت جلدی تھی اور چونکہ گوکھلے اس رزولیوشن کو دیکھ چکے تھے اس لئے یہ ضروری نہیں خیال کیا گیا کہ دوسرے بھی اسے دیکھیں یا سمجھیں۔

صبح اٹھ کر میں اپنی تقریر کی فکر میں الجھ گیا۔ میں دل میں سوچتا تھا کہ پانچ منٹ میں کیا کہہ سکوں گا۔ میں نے اچھی طرح تیاری کر لی تھی مگر اس وقت مناسب الفاظ سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ میں یہ طے کر چکا تھا کہ اپنی اسپیچ پہلے سے نہیں لکھوں گا۔ بلکہ وقت کے وقف تقریر کروں گا۔ جنوبی افریقہ میں روانی سے تقریر کرنے کی مشق ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت کام آئی۔

جیسے ہی میرے رزولیوشن کا وقت آیا مسٹر واچا نے میرا نام لے کر پکارا، میں کھڑا ہو گیا۔ میرے سر میں چکر آرہے تھے۔ کسی شخص نے ایک نظم چھپوا کر ڈیلیگیٹوں میں تقسیم کی تھی۔ جس میں غیر ملکوں میں جا کر رہنے کی تعریف کی تھی۔ میں نے یہ نظم پڑھی اور اسی سلسلہ میں ان مصیبتوں کا ذکر کرنے لگا جو نو آباد ہندوستانیوں کو جنوبی افریقہ میں اٹھانا پڑتی ہیں۔ عین اس وقت مسٹر واچا نے گھنٹی بجائی۔ مجھے یقین تھا کہ ابھی پانچ منٹ نہیں ہوئے۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس گھنٹی سے اطلاع دینا مقصود ہے کہ دو منٹ میں تقریر ختم کر دو۔ میں نے دوسروں کو تیس تیس بلکہ

Marfat.com

پینتالیس پینتالیس منٹ تقریر کرتے سنا تھا اور ان کے لئے کبھی گھنٹی نہیں بجائی گئی تھی۔ مجھے یہ بہت ناگوار ہوا اور میں گھنٹی بجتے ہی بیٹھ گیا۔ میرا یہ طفلانہ خیال تھا کہ یہ نظم سرفیروز شاہ کی بے توجہی کا کافی جواب ہے۔ رزولیوشن کے پاس ہونے میں تو کوئی شک ہی نہ تھا۔ ان دنوں وزیٹروں اور ڈیلیگیٹوں میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا ہر شخص ہاتھ اٹھا دیتا تھا اور سب رزولیوشن بالاتفاق پاس ہوتے تھے۔ میرے رزولیوشن کا بھی یہی حشر ہوا۔ اس لئے میری نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ مگر میرے لئے یہی کچھ کم خوشی کی بات نہ تھی کہ اسے کانگریس نے پاس کر دیا اور مجھ پر کیا موقوف ہے جس کو یہ علم ہوتا کہ کانگریس کی تائید گویا سارے ملک کی تائید ہے وہی اس بات پر خوش ہوتا۔

Marfat.com

Marfat.com

سولھواں باب

لارڈ کرزن کا دربار

کانگریس ختم ہو گئی۔ مجھے جنوبی افریقہ کے کام کے سلسلے میں ایوان تجارت کے ممبروں اور کچھ اور لوگوں سے ملنا تھا۔ اس لئے میں کلکتہ میں ایک مہینہ اور ٹھہر گیا۔ اس بار میں نے ہوٹل میں ٹھہرنا پسند نہیں کیا بلکہ بعض دوستوں نے انڈیا کلب کے منتظموں سے میرا تعارف کرا دیا اور مجھے وہاں ایک کمرہ مل گیا۔ اس کے ممبر بعض ممتاز ہندوستانی تھے اور میں یہ چاہتا تھا کہ ان لوگوں سے مل کر انہیں جنوبی افریقہ کے معاملات کی طرف توجہ دلاؤں۔ گو کھلے اکثر اس کلب میں اِنا کھیلنے جایا کرتے تھے اور جب انہیں معلوم ہُوا کہ میں ابھی کچھ دن کلکتے میں رہوں گا تو انہوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ میرے ساتھ آکر ٹھہرو۔ میں نے اس دعوت کو شکریئے کے ساتھ قبول کر لیا۔ مجھے بغیر ان کے دوبار ابلائے وہاں جانا مناسب نہیں معلوم ہوا۔ انہوں نے دو ایک دن انتظار کیا۔ اس کے بعد خود آکر مجھے لے گئے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ میری طبیعت دیر آشنا ہے اور انہوں نے مجھ سے کہا۔ "گاندھی! تمہیں اس ملک میں رہنا ہے ایسی دیر آشنائی سے کام نہیں چلے گا۔ تمہیں تو چاہیئے جتنے زیادہ لوگوں سے ممکن ہو میل جول پیدا کرو میں چاہتا ہوں کہ تم کانگریس کا کام کرو۔"

گو کھلے کی صحبت کا ذکر کرنے سے پہلے میں انڈیا کلب کا ایک واقعہ بیان کرونگا۔ اس زمانے میں لارڈ کرزن نے دربار منعقد کیا۔ بعض راجا مہاراجا جو دربار میں بلائے گئے تھے کلب کے ممبر تھے۔ کلب میں میں نے انہیں ہمیشہ بنگالی دھوتی باندھے قمیض پہنے اور گلے میں چادر ڈالے دیکھا تھا۔ دربار کے دن کیا دیکھتا ہوں کہ دھوتی کی جگہ پتلون ہے جیسی خانساماں پہنتے ہیں، اور پیر میں چمکدار بوٹ مجھے یہ دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی اور میں نے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ آپ نے اپنی وضع کیوں تبدیل کی؟

Marfat.com

انہوں نے جواب دیا "ہم جس شامت میں مبتلا ہیں اسے ہم ہی جانتے ہیں کسی کو کیا خبر کہ ہمیں دولت اور خطاب کی خاطر کیا کیا ذلتیں اٹھانا پڑتی ہیں۔"

میں ن ے پوچھا مگر یہ خانساماؤں "جیسی پگڑی باندھنے اور چمکدار بوٹ پہننے کا کیا سبب ہے؟"

انہوں نے کہا "ہم میں اور خانساماؤں میں فرق ہی کیا ہے، وہ ہمارے "خانساماں" ہیں۔ اور ہم لارڈ کرزن کے "خانساماں" ہیں۔ اگر میں دربار نہ جاؤں تو آفت آجائے اگر اپنے معمولی کپڑے پہن کر جاؤں تو مجرم ٹھہرایا جاؤں اور کیا آپ کے خیال میں وہاں مجھے لارڈ کرزن سے گفتگو کرنے کا موقع ملے گا؟ اجی توبہ کیجئے؟

مجھے ان صاف گو دوست پر بڑا رحم آیا۔

اسی سلسلے میں مجھے اور دربار یاد آگیا۔

جب لارڈ ہارڈنگ نے ہندو یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا تو ایک دربار منعقد کیا گیا اور ظاہر ہے کہ وہاں راجا مہاراجا ہی بلائے گئے تھے۔ مگر پنڈت مالوی جی نے مجھے بھی بڑے اصرار سے دعوت دی چنانچہ میں بھی گیا۔

مجھے یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوا کہ سب مہاراجے عورتوں کی طرح بن ٹھن کر آئے ہیں۔ یہ لوگ ریشمی پاجامے اور ریشمی اچکنیں پہنے تھے۔ ان کے گلے میں موتیوں کے مالے تھے۔ ہاتھوں میں کنگن تھے۔ پگڑیوں میں زرتار طرے اور کمر میں تلواریں جن کے قبضے سونے کے تھے۔

مجھے معلوم ہوا کہ یہ نشانیاں ان کی بادشاہی کی نہیں ان کی غلامی کی ہیں میں سمجھتا تھا کہ انہوں نے یہ نامردی کے طوق اپنی خوشی سے گلے میں ڈالے ہوں گے مگر معلوم ہوا کہ راجاؤں کے لئے لازمی ہے کہ ایسے موقعوں پر اپنے سارے زیور اور ہیرے موتی لاد کر آئیں۔ میں نے یہ بھی سنا کہ ان میں سے بعض ان چیزوں کے پہننے کو قطعاً ناپسند کرتے ہیں اور سوائے دربار وغیرہ کے کبھی نہیں پہنتے۔

مجھے معلوم نہیں کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے مگر چاہے وہ اور موقعوں پر یہ چیزیں پہنتے ہوں یا نہ پہنتے ہوں یہی کیا کم قابل افسوس ہے کہ انہیں وائسرائے کے دربار میں ایسے زیور پہن کر آنا پڑے جو صرف بعض مخصوص عورتیں پہنتی ہیں۔

دولت، قوت اور عزت کی خاطر انسان کو کن کن ذلتوں اور گناہوں کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔

Marfat.com

سترھواں باب

ایک مہینہ گو کھلے کی صحبت میں (۱۴)

میں گو کھلے کے یہاں جاکر رہا تو وہ مجھ سے اس طرح پیش آئے کہ میں پہلے ہی دن سے بے تکلف ہو گیا وہ مجھ سے ایسی محبت کرتے تھے جیسے بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی سے ہوتی ہے۔ وہ مجھ سے میری ضروریات معلوم کر کے ایک ایک کی فراہمی کا اہتمام کرتے تھے۔ اتنا اچھا تھا کہ میری ضروریات بہت کم تھیں اور چونکہ میں نے اپنی مدد آپ کرنے کی عادت ڈالی تھی اس لئے مجھے نوکر کی حاجت بھی بہت کم ہوتی تھی ان پر اس بات کا کہ میں اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتا ہوں، اور میری صفائی، یا ضابطگی اور استقلال کا بڑا اثر ہوا۔ اور وہ اکثر میری تعریفیں کر کے مجھے شرمندہ کر دیتے تھے۔

وہ مجھ سے کوئی بات نہ چھپاتے تھے مجھے ان سب بڑے آدمیوں سے جو ان کے پاس آیا کرتے تھے، ملاتے تھے۔ ان لوگوں میں سے ڈاکٹر پی، سی رائے (جو اب سرپی سی رائے کہلاتے ہیں) کی تصویر میرے حافظے میں سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ بہت قریب رہتے تھے اور اکثر آیا جایا کرتے تھے۔

انہوں نے ڈاکٹر رائے کو مجھ سے یہ کہہ کر ملایا۔ "یہ پروفیسر رائے ہیں جو آٹھ سو روپیہ تنخواہ پاتے ہیں اور اس میں سے چالیس روپیہ خود لیتے ہیں اور باقی قومی کاموں میں صرف کر دیتے ہیں۔ شادی انہوں نے نہ کی ہے نہ کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے ڈاکٹر رائے کو اس وقت بھی قریب قریب ویسا ہی دیکھا تھا جیسا اب دیکھتا ہوں۔ ان کے لباس میں وہی سادگی تھی جو اب ہے فقط اتنا فرق ہوا ہے کہ اس زمانے میں ہندوستانی ملوں کا کپڑا پہنتے تھے اور اب کھادی پہنتے ہیں۔ گو کھلے اور ڈاکٹر رائے کی گفتگو سننے سے میرا جی کبھی نہیں

Marfat.com

بھر تا تھا کیونکہ یہ گفتگو قومی مفاد کے متعلق ہوتی تھی یا دوسری حیثیتوں سے تعلیمی اہمیت رکھتی تھی۔ کبھی کبھی ان دونوں کی باتیں سن کر تکلیف بھی ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ قومی لیڈروں پر بڑی سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض لوگ جنہیں میں شیر سمجھتا تھا اب بھیڑ نظر آنے لگے۔

گوکھلے کو کام کرتے دیکھ کر خوشی بھی ہوتی تھی اور تعلیمی فائدہ بھی پہنچتا تھا۔ وہ ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرتے تھے۔ ان کے ذاتی تعلقات اور ان کی دوستی بھی قومی مقاصد کے لئے ہوتی تھی۔ ان کی گفتگو کا موضوع ہمیشہ ملک کی بھلائی ہوتی تھی اور اس میں مبالغے یا بناوٹ کا نام بھی نہ تھا۔ وہ ہمیشہ ہندوستان کی غلامی اور افلاس کے رنج میں گھلا کرتے تھے۔ اس کے سوا نہیں کوئی فکر نہ تھی۔ مختلف لوگ انہیں مختلف کاموں میں کھینچنا چاہتے تھے مگر وہ سب کو یہی جواب دیتے تھے۔ "یہ آپ خود ہی کیجئے مجھے میرا کام کرنے دیجئے مجھے تو ملک کے آزاد کرانے کی دھن ہے، آزادی مل جائے تو پھر اور کاموں کی طرف توجہ کرنے کا وقت آئے گا۔ یہی کام اتنا بڑا ہے کہ میرا سارا وقت اور ساری قوت اس میں کھپ جاتی ہے۔"

انہیں راناڈے سے جو عقیدت تھی اس کا اظہار ہر لحظہ ان کے قول اور عمل سے ہوتا تھا۔ میری ان کی یکجائی کے زمانے میں ایک بار راناڈے کی ولادت کا یا شاید وفات کا دن آیا۔ گوکھلے ان دونوں دنوں کی یادگار مناتے تھے۔ اس روز ان کے ساتھ میرے علاوہ پروفیسر کٹھو آتے اور ایک سب جج بھی تھے۔ انہوں نے ہم لوگوں کو بھی اس رسم میں شریک کیا اور ایک تقریر کی جس میں راناڈے کے بہت سے قصے سنائے۔ دوران تقریر میں وہ ضمناً راناڈے۔ تیلانگ اور سنڈلک میں باہم مقابلہ کرنے لگے۔ انہوں نے کہا تیلانگ کا دلکش اسلوب اور منڈلک کا اصلاحی جوش قابل تعریف ہے۔ منڈلک کو اپنے موکلوں کا اس قدر خیال رہتا تھا کہ ایک بار انہیں ایک مقدمے میں باہر جانا تھا اور گاڑی چھوٹ گئی تو انہوں نے ایک اسپیشل ٹرین کرائے پر لی تاکہ عدالت میں وقت پر پہنچیں اور ان کے موکل کا ہرج نہ ہو مگر راناڈے ان سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ ان کا ذہن ہمہ گیر تھا وہ صرف ایک قابل جج ہی نہیں تھے بلکہ مورخ ماہر اقتصادیات اور مصلح کی حیثیت سے بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ باوجود جج ہونے کے وہ کانگریس میں شریک ہوتے تھے اور سب لوگوں کو ان کی دانشمندی پر اس قدر بھروسہ تھا کہ ان کے فیصلوں کو بے چوں و چرا تسلیم کر لیتے تھے۔ گوکھلے ان ذہنی اور اخلاقی خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے جو ان کے گرو کی ذات میں جمع تھیں خوشی

Marfat.com

سے پھولے نہ سماتے تھے۔

اس زمانے میں گوکھلے کے پاس ایک گھوڑا گاڑی تھی۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ بعض وجوہ سے وہ گھوڑا گاڑی رکھنے پر مجبور ہیں۔ اس لئے میں نے ان سے شکایت کے طور پر کہا۔ "آپ ٹرام میں کیوں نہیں جایا کرتے؟ کیا یہ لیڈری کی شان کے خلاف ہے؟"

انہیں اس سے کسی قدر تکلیف ہوئی اور انہوں نے کہا "تمہیں بھی میری نیت کا اندازہ نہیں ہو سکا! مجھے کونسل سے جو الاؤنس ملتا ہے اسے میں اپنی ذاتی آسائش پر صرف نہیں کرتا مجھے تم پر رشک آتا ہے کہ تم آزادی سے ٹرام میں بیٹھ سکتے ہو۔ میں یہ نہیں کر سکتا۔ جب تم میری طرح شہرت کی بلا میں گرفتار ہو گئے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ ٹرام میں آنا جانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ تم نے خواہ مخواہ یہ کیوں سمجھ لیا کہ لیڈر جو کچھ کرتے ہیں اپنے آرام کے لئے کرتے ہیں مجھے تمہاری سادگی بہت پسند ہے۔ میں اپنے امکان بھر سادگی سے رہتا ہوں مگر میرے جیسے شخص کے لئے کچھ نہ کچھ مصارف ضرور ہیں۔

اس معاملے میں انہوں نے میرا پورا اطمینان کر دیا۔ مگر مجھے ایک اور شکایت تھی جس کا وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔

"لیکن آپ ٹہلنے بھی تو نہیں جاتے۔ اسی وجہ سے آپ کی صحت خراب رہتی ہے۔ کیا قومی کام میں یہ بھی شرط ہے کہ ورزش کا وقت نہ ملے؟

انہوں نے کہا "تم دیکھتے ہو مجھے کبھی اتنی فرصت ملتی ہے کہ ٹہلنے جاؤں؟"

میرے دل میں گوکھلے کا احترام اس قدر تھا کہ میں کبھی ان سے محبت نہیں کرتا تھا۔ اگرچہ اس جواب سے میرا اطمینان نہیں ہوا۔ مگر میں چپ ہو رہا۔ میرا اس وقت بھی یہی خیال تھا اور اب بھی ہے کہ خواہ انسان کو کتنا ہی کام کرنا ہو اسے ورزش کے لئے بھی اسی طرح وقت نکالنا چاہئے جیسے کھانے کے لئے نکالتا ہے میری ناقص رائے ہے کہ اس سے مجموعی کام کم نہیں بلکہ زیادہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

اٹھارھواں باب

ایک مہینہ گوکھلے کی صحبت میں (۲)

گوکھلے کے ساتھ قیام کے زمانے میں گھر پر بہت رہتا تھا۔

مں نے جنوبی افریقہ میں اپنے عیسائی دوستوں سے وعدہ کیا تھا کہ ہندوستان کے عیسائی بھائیوں سے ملوں گا اور ان کی حالت کا مشاہدہ کروں گا۔ میں نے بابو کالیچرن بزجی کا نام سنا تھا اور ان کا بہت احترام کرتا تھا وہ کانگریس میں بہت پیش پیش تھے اور مجھے ان کی طرف سے وہ شکوک نہ تھے جو عام عیسائیوں کی طرف سے۔ ان کے کانگریس میں شریک نہ ہونے اور ہندو مسلمانوں سے الگ رہنے کی وجہ سے تھے۔ جب میں نے گوکھلے کے سامنے ان سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے کہا "ان سے مل کر کیا کرو گے؟ اس میں شک نہیں کہ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ مگر مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم ان سے مل کر مطمئن نہ ہو گے۔ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ پھر بھی تمہارا جی ان سے ملنے کو چاہتا ہے تو ضرور ملو۔"

میں نے ان سے ملاقات کی درخواست کی جسے انہوں نے فوراً منظور کر لیا جب میں ان کے یہاں گیا تو دیکھا کہ ان کی بیوی بستر مرگ پر ہیں۔ ان کا گھر بار بالکل سیدھا سادھا ہے۔ کانگریس میں میں نے انہیں کوٹ پتلون پہنے دیکھا تھا۔ مگر اس وقت مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ قمیض پہنے ہیں اور بنگالی دھوتی باندھے۔ گو میں خود اس زمانے میں کوٹ پتلون پہنتا تھا۔ مگر مجھے ان کی سادگی بہت پسند آئی۔ میں نے بغیر کسی تمہید کے اپنی مشکلات ان کے سامنے بیان کر دیں۔ انہوں نے پوچھا۔

"آپ گناہ آدم کے (1) مسئلے کو مانتے ہیں۔ یا نہیں۔"

میں نے کہا "میں مانتا ہوں۔"

Marfat.com

وہ کہنے لگے "بس تو پھر معاملہ صاف ہے، ہندو دھرم میں اس گناہ کو عذاب سے نجات پانے کی کوئی صورت نہیں۔ عیسائیت میں موجود ہے۔ گناہ کی جزا ہلاکت ہے اور انجیل کہتی ہے کہ نجات کی صرف ایک صورت ہے۔ "مسیح پر ایمان لانا۔"

میں نے "بھگوت گیتا" کی "بھگتی مرگ" کا ذکر کیا۔ مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ میں نے ان کی عنایت کا شکریہ ادا کیا۔ وہ میرا اطمینان نہیں کر سکے۔ مگر ان کی گفتگو سے مجھے کچھ فائدہ ضرور پہنچا۔

ان دنوں میں کلکتے کی گلیوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اکثر مقامات پر پیدل جایا کرتا تھا میں جسٹس مترا اور گرو داس بزجی سے ملا جن سے میں جنوبی افریقہ کے کام میں مدد لینا چاہتا تھا۔ اسی زمانے میں مجھے راجا سر پیارے موہن مکر جی سے ملنے کا اتفاق ہوا۔

کالی چرن بزجی نے مجھ سے کالی مندر کا ذکر کیا تھا اور مجھے پہلے سے بھی اس کے دیکھنے کا شوق تھا۔ کیونکہ میں نے کتابوں میں ان کا ذکر اکثر پڑھا تھا۔ چنانچہ ایک دن اس مندر میں پہنچا۔ جسٹس مترا کا گھر بھی اسی محلے میں تھا۔ اس لئے جس دن میں ان سے ملنے گیا اسی دن مندر چلا گیا۔ راہ میں بھیڑوں کا گلہ نظر آیا جو کالی پر بلدان کی جانے والی تھیں۔ مندر کی گلی میں فقیروں کی قطار تھی۔ جن میں سادھو بھی تھے۔ میں ان دنوں بھی ہٹے کٹے فقیروں کو بھیک دینے کا مخالف تھا۔ ان کا ایک غول میرے پیچھے لگ گیا اسی شکل کا ایک شخص غلام گردش میں بیٹھا نظر آیا۔ اس نے مجھے روک کر کہا "بچہ کہاں جاتا ہے؟" میں نے کہا مندر دیکھنے جاتا ہوں۔

اس نے مجھ سے اور میرے ساتھی سے بیٹھنے کو کہا۔ چنانچہ ہم دونوں بیٹھ گئے۔ میں نے اس سے پوچھا "آپ اس بلدان کو دھرم کے مطابق سمجھتے ہیں؟"

"کون شخص جانوروں کی جان لینے کو دھرم سمجھے گا؟"

"پھر آپ اس کے خلاف اپدیش کیوں نہیں دیتے۔"

"یہ ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام بھگتی کرنا ہے۔"

"مگر آپ کو بھگتی کرنے کے لئے کوئی اور جگہ نہیں ملتی۔"

"ہمارے لئے ہر جگہ یکساں ہے۔ دنیا کے لوگ بھیڑ کے گلے کی طرح ہیں۔ جدھر ان کے اگوالے جائیں چلے جاتے ہیں۔ ہم سادھوؤں کو اس سے کیا؟"

ہم نے زیادہ بحث نہیں کی بلکہ آگے بڑھ کر۔ مندر کے قریب خون کے نالوں نے ہمارا

Marfat.com

استقبال کیا۔ مجھ سے وہاں کھڑا نہ ہوا گیا مجھے بڑی جھلاہٹ اور بے چینی تھی وہ منظر آج تک میرے دل سے محو نہیں ہو سکا ہے۔

اسی رات کو مجھے چند بنگالی دوستوں کی طرف سے کھانے کی دعوت دی گئی تھی۔ وہاں میں نے ایک دوست سے اس وحشیانہ طریقہ عبادت کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا "بھیڑوں کو کچھ محسوس تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ شور و غل سے اور ڈھولک کی آواز سے الم کا حس جاتا رہتا ہے۔"

مجھ یہ بات یقین نہیں آئی اور میں نے ان سے کہا کہ "اگر بھیڑوں کی زبان ہوتی تو وہ کچھ اور داستان سناتیں۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ اس ظالمانہ رسم کو موقوف کرنا ضروری ہے۔ مجھے گوتم بدھ کا قصہ یاد آگیا۔ مگر میں جانتا تھا کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔

میری آج بھی وہی رائے ہے جو اس زمانے میں تھی۔ میرے نزدیک ایک میمنے کی زندگی انسان کی زندگی سے کم قیمتی نہیں ہے مجھے یہ گوارا نہیں کہ انسان کے جسم کی خاطر ایک میمنے کی جان لی جائے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ کمزور جانور ہو اتنا ہی وہ اس کا مستحق ہے کہ انسان کے ظلم سے بچایا جائے۔ لیکن جو حس ں خدمت کا اہل نہیں وہ اس کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ میں ابھی اور تزکیہ نفس اور قربانی کروں تب جا کر ہی امید کی جا سکتی ہے کہ میں ان میمنوں کو اس ناپاک بلدان سے بچا سکوں گا۔ میرا خیال ہے کہ میں اس تزکیہ نفس اور قربانی کی آرزو میں گھل گھل کر مر جاؤں گا۔ میں ہمیشہ خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ دنیا میں کوئی نفس قدسی خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ایسا پیدا ہو جس کا دل ابدی رحم سے معمور ہو۔ جو ہمیں اس شرمناک گناہ سے نجات دے بے چارے معصوم جانوروں کی جان بچائے اور مندر کو اس آلودگی سے پاک کر دے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بنگال والے باوجود اس علم، ذہانت، قربانی اور زود حسی کے اس خونریزی کو کیونکر برداشت کرتے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

انیسواں باب

ایک مہینہ گوکھلے کی صحبت میں (۲۳)

اس خوفناک بھینٹ کو دیکھ کر جو دھرم کے نام سے کالی پر چڑھائی جاتی ہے مجھے اور بھی شوق پیدا ہوا کہ بنگالیوں کی زندگی کا مشاہدہ کروں، میں نے برہمو سماج کے متعلق بہت کچھ سنا تھا۔ میں پرتاپ چندر موزمدار کی زندگی کے حالات سے واقف تھا۔ بعض جلسوں میں ان کی تقریریں سننے کا بھی اتفاق ہوا تھا۔ میں نے ان کی کیشب چندر سین کی سوان عمری بہم پہنچائی اور بڑے شوق سے اس کا مطالعہ کیا۔ اسے پڑھ کر مجھے معلوم ہو گیا کہ سدھروں برہمو سماج اور ادی برہمو سماج میں کیا فرق ہے۔ میں پنڈت شیوناتھ شاستری سے ملا اور پروفیسر کتھوٹے کے ساتھ مہارشی دیویندر ناتھ ٹگور کی زیارت کے لئے گیا۔ لیکن وہ اس زمانے میں کسی سے نہیں ملتے تھے اس لئے ملاقات نہ ہو سکی۔ مگر ان کے گھر برہمو سماج کا ایک جلسہ ہوا جس میں ہم دونوں بلائے گئے۔ یہاں بہترین بنگالی گانا سننے میں آیا۔ اس دن سے مجھے بنگالی گانے کا بڑا شوق ہو گیا ہے۔

برہمو سماج کے دیکھنے کے بعد سوامی دیو کانند کو دیکھے بغیر چین نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے میں بڑے جوش اور خلوص کے ساتھ بیلور ناتھ روانہ ہوا اور دور تک یا شاید سارے رستے پیدل گیا۔ مجھے یہ جگہ جو دنیا کے شور و شر سے الگ تھی بہت پسند آئی مگر جب وہاں یہ سنا کہ سوامی جی اپنے کلکتہ والے مکان میں بیمار پڑے ہیں اور کسی سے مل نہیں سکتے تو بہت افسوس اور مایوسی ہوئی۔

پھر میں نے بھگتی لیودتیا کے گھر کا پتہ معلوم کیا اور چورنگی کے ایک عالیشان مکان میں ان سے ملا۔ ان کی شان و شوکت کو میں دیکھ کر دنگ رہ گیا اور گفتگو میں بھی میری ان کی میزان نہ پٹی۔ میں نے گوکھلے سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا اس سیماب وش خاتون سے تمہارا دل نہ ملنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

Marfat.com

مجھے ان سے ایک بار پستونجی بادشاہ کے یہاں پھر ملاقات ہوئی۔ جب میں پہنچا تو وہ پستون جی کی بوڑھی ماں سے باتیں کر رہی تھیں اور میں نے ان کی ترجمانی کی خدمت انجام دی۔ گو مجھ میں اور ان میں اتفاق رائے نہیں ہو سکا مگر میں نے دیکھا کہ ان کا دل ہندو دھرم کی محبت سے معمور ہے اور مجھے ان کی یہ بات بہت پسند آئی۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ میں نے بعد میں کیا۔

میں دن کا کچھ حصہ کلکتے کے سربرآوردہ لوگوں سے مل کر جنوبی افریقہ کے متعلق گفتگو کرنے میں صرف کرتا تھا اور باقی وقت شہر کے مذہبی اور قومی اداروں کا مشاہدہ کرتا تھا۔ میں نے ایک جلسے میں جس کے صدر ڈاکٹر ملک تھے "جنگ بوئر میں ہندوستانی ایمبولینس کور کی خدمات" پر تقریر کی۔ اس موقع پر بھی انگلش مین کے ایڈیٹر کی ملاقات میرے کام آئی۔ مسٹر سانڈرس اس زمانے میں علیل تھے پھر بھی انہوں نے مجھے اتنی ہی مدد دی جتنی 1896ء میں دی تھی۔ گو کھلے کو میری یہ تقریر پسند آئی۔ جب انہوں نے ڈاکٹر رائے کو اس کی تعریف کرتے سنا تو انہیں بڑی خوشی ہوئی۔

غرض گو کھلے کے ساتھ ٹھہرنے کی بدولت مجھے کلکتے میں اپنا کام کرنے میں بڑی آسانی ہوئی اور بنگال کے ممتاز خاندانوں سے میل جول پیدا کرنے کا موقع ملا۔ اسی لئے ان تعلقات کی بنیاد پڑی جو مجھ سے اور اہل بنگال میں ہیں۔

جگہ کی کمی کے سبب سے میں اس یادگار مہینے کے بہت سے واقعات نظر انداز کرتا ہوں صرف برما کے سفر کا ذکر کروں گا۔ کلکتے سے میں چند دن کے لئے برما گیا اور وہاں کے پھوگیتوں سے ملا مجھے ان کی کاہلی دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ میں نے سنہری مندر کی بھی زیارت کی۔ مجھے وہاں بے شمار چھوٹی چھوٹی قندیلوں کا جلنا پسند نہ آیا اور اس مقدس گھر میں چوہوں کی کثرت کو دیکھ کر مجھے وہ واقعہ یاد آگیا جو سوامی دیانند کو موزکی میں پیش آیا تھا۔ برمی عورتوں کی آزادی اور مستعدی سے مجھے بڑی خوشی ہوئی اور مردوں کی آرام طلبی نے اس خوشی پر پانی پھیر دیا۔ ان چند دنوں کے قیام میں مجھے یہ بات محسوس ہوئی کہ جیسے بمبئی ہندوستان نہیں ہے اسی طرح رنگون بھی برما نہیں ہے۔ اور جیسے ہم ہندوستانی انگریزوں کے کمیشن ایجنٹ بن گئے ہیں اسی طرح ہم نے برما میں انگریز تاجروں سے مل کر برہموں کو اپنا کمیشن ایجنٹ بنالیا ہے۔

برما سے لوٹ کر میں گو کھلے سے رخصت ہو گیا۔ ان سے جدا ہونا مجھ پر بہت شاق تھا مگر چونکہ اب بنگال میں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ کلکتے میں میرا کوئی کام نہیں رہا تھا۔ اس لئے یہاں

Marfat.com

ٹھہرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

میرا یہ ارادہ تھا کہ کسی جگہ مستقل قیام کرنے سے پہلے تیسرے درجے میں ہندوستان کا سفر کروں اور یہ معلوم کروں کہ تیسرے درجے کے مسافروں کو کیا کیا تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں۔ میں نے گو کھلے سے اس کا تذکرہ کیا۔ پہلے تو انہوں نے اس خیال کا مضحکہ اڑایا جب میں نے اپنی تجویز تفصیل سے بیان کی تو انہوں نے بڑی خوشی سے اس کی تائید کی۔ اس زمانے میں مسز بیسنٹ بنارس میں بیمار تھیں۔ میں نے سوچا کہ سب سے پہلے وہاں جاکر ان کے درشن کر لوں۔

تیسرے درجے کے سفر کے لئے نیا سامان مہیا کرنا ضروری تھا۔ گو کھلے نے اپنے پاس سے مجھے ایک پیتل کا ناشتے دان اور اس میں پوریاں اور لڈو بھروا دیئے۔ میں نے ایک کرمچ کا تھیلا بارہ کرنے میں خریدا اور چھایا کے (1) اونی کپڑے کا ایک لمبا سا اونی کوٹ بنوایا۔ تھیلا اس لئے تھا کہ اس میں یہ کوٹ، ایک دھوتی ایک تولیا اور ایک قمیض رکھ لوں۔ اس کے علاوہ میرے پاس ایک کمبل اور لوٹا بھی تھا۔ اس سازو سامان سے میں نے اپنا سفر شروع کیا۔ گو کھلے اور ڈاکٹر رائے مجھے پہنچانے اسٹیشن آئے۔ میں نے ان دونوں سے درخواست کی کہ یہ زحمت نہ اٹھائیں مگر وہ نہ مانے۔ گو کھلے نے کہا "اگر تم اول درجے میں جاتے تو میں نہ چلتا۔ مگر اب ضرور چلوں گا۔ گو کھلے کو کسی نے پلیٹ فارم پر جانے سے نہیں روکا۔ وہ ریشمی پگڑی اور دھوتی باندھے اور کوٹ پہنے تھے۔ ڈاکٹر رائے بنگالی وضع میں تھے انہیں ٹکٹ کلکٹر نے ٹوکا مگر گو کھلے نے کہا کہ یہ میرے دوست ہیں تو انہیں اندر جانے کی اجازت مل گئی۔

غرض ان دونوں کی دعائیں لے کر میں روانہ ہوا۔

حوالہ

1- پوربندر کے قریب ایک گاؤں جس کا موٹا اونی کپڑا گردونواح میں مشہور ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

بیسواں باب

بنارس میں

مجھے کلکتے سے راجکوٹ جانا تھا اور راستے میں بنارس، آگرہ، جے پور اور پالن پور ٹھہرنے کا مقصد تھا اور مقامات پر بھی ٹھہرنا۔ مگر اتنا وقت نہ تھا۔ ہر شہر میں میں نے ایک ایک دن قیام کیا اور سوائے پالن پور کے سب کہیں معمولی جاتریوں کی طرح دھرم سالوں میں یا پنڈتوں کے یہاں مہمان رہا۔ اس سارے سفر میں (مع ریل کے کرائے کے) اکتیس روپے سے زیادہ صرف نہیں ہوئے۔

اس تیسرے درجے کے سفر میں میں نے اکثر پسنجر میں جانے کو ڈاک گاڑی میں جانے پر ترجیح دی۔ کیونکہ ڈاک میں ایک تو مسافروں کی بہت کثرت ہوتی تھی دوسرے کرایہ کسی قدر زیادہ تھا۔

اب بھی تیسرے درجے کی گاڑی اتنی ہی میلی ہیں اور پاخانہ کا انتظام اتنا ہی خراب ہے جتنا اس زمانے میں تھا۔ ممکن ہے کہ کچھ تھوڑی سی ترقی ہوئی ہو، لیکن اب بھی اول درجے اور تیسرے درجے میں جتنا فرق ہے وہ کرائے کے تناسب سے بہت زیادہ ہے۔ تیسرے درجے کے مسافروں سے بھیڑوں کا سا برتاؤ ہوتا ہے اور ان کے ڈبے بھی بھیڑوں کے باڑے معلوم ہوتے ہیں یورپ میں میں تیسرے درجے میں سفر کا کرتا تھا۔ مگر ایک بار میں نے اول درجے میں سفر کیا کہ دیکھوں دونوں میں کیا فرق ہے۔ وہاں مجھے کوئی زیادہ فرق نظر نہیں آیا۔ جنوبی افریقہ میں تیسرے درجے کے مسافر عموماً حبشی ہوتے ہیں۔ پھر بھی وہاں تیسرے درجے میں ہندوستان سے کہیں زیادہ آسائش ہے جنوبی افریقہ کے بعض حصوں میں تو تیسرے درجے کے مسافروں کے لئے گدے دار بنچیں ہیں اور سونے کا بھی انتظام ہے۔ مسافروں کے بٹھانے میں اس کا خیال رکھا جاتا ہے کہ بہت بھیڑ نہ ہو جائے۔ مگر ہندوستان میں عموماً ہر ڈبے میں مقررہ تعداد سے زیادہ مسافر بھر جاتے ہیں۔

Marfat.com

ایک تو ریلوے کے منتظمین تیسرے درجے کے مسافروں کی آسائش کی مطلق پروا نہیں کرتے دوسرے یہ مسافر خود اتنے میلے اور بے لحاظ ہوتے ہیں کہ جس شخص کے مزاج میں صفائی ہو اس کے لئے تیسرے درجے میں سفر کرنا ایک مصیبت ہے۔ ان لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر طرح کا کوڑا کچرا ریل کے ڈبے کے فرش پر پھینکے جاتے ہیں۔ ہر جگہ اور ہر وقت تمباکو پیتے رہتے ہیں۔ پان چبایا کرتے ہیں اور سارے ڈبے کو اگالدان بنا دیتے ہیں۔ ان کے شور وغل گالی گلوچ سے دوسرے مسافروں کو چاہے جتنی تکلیف ہو۔ انہیں اس کی پروا نہیں ہوتی۔ میں نے 1902ء میں تیسرے درجے کا سفر کیا تھا۔ پھر 1902ء سے 1919ء تک مسلسل کرتا رہا۔ مگر اتنے عرصے میں مجھے تیسرے درجے کی حالت میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوا۔

مجھے اس صورت حال کا صرف ایک علاج نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تعلیمیافتہ اپنے اوپر لازم کر لیں کہ ہمیشہ تیسرے درجے میں سفر کریں گے۔ عام مسافروں کی عادتوں کو سدھاریں گے اور ریل کے ملازموں کو کبھی چین نہ لینے دیں گے بلکہ جب ضرورت ہو گی شکایتوں کی بھرمار کر دیں گے۔ اپنے آرام کے لئے رشوت یا دوسرے ناجائز ذرائع سے کام نہ لیں گے اور کسی کو قواعد کی خلاف ورزی نہ کرنے دیں گے۔ اگر ایسا ہو تو مجھے یقین ہے کہ بہت کچھ اصلاح ہو جائے گی۔

افسوس ہے کہ 19-1918ء کی شدید علالت کے سبب سے مجھے تیسرے درجے میں سفر کرنے کا معمول ترک کرنا پڑا مجھے اس کا بڑا رنج اور بڑی شرمندگی ہے خصوصاً اس لئے کہ یہ معذوری ایسے زمانے میں پیش آئی جب تیسرے درجے کے مسافروں کی شکایات رفع کرنے کی تحریک اچھی خاصی چل رہی تھی۔ ریل اور جہاز کے غریب مسافروں کی تکلیفیں جو خود ان کی نامعقول عادتوں سے اور بڑھ جاتی ہیں۔ وہ ناجائز رعایتیں جو حکومت نے غیر ملکوں کی تجارت کو دے رکھی ہیں اور اسی قسم کی اور چیزیں بجائے خود ایسے اہم مسائل ہیں کہ دو ایک حوصلہ مند اور مستقل مزاج آدمیوں کو اپنا سارا وقت ان کے لئے وقف کر دینا چاہئے۔

تیسرے درجے کے مسافروں کا ذکر نہیں چھوڑ کر میں وہ واقعات بیان کرتا ہوں جو بنارس میں پیش آئے۔ میں صبح کے وقت وہاں پہنچا میں نے یہ طے کیا کہ کسی پنڈے سے کے یہاں ٹھہروں گا۔ جیسے ہی میں گاڑی سے اترا مجھے بہت سے برہمنوں نے آگھیرا۔ میں نے ان میں سے ایک شخص کا انتخاب کیا جو دوسروں کے مقابلہ میں صاف ستھرا اور معقول معلوم ہوتا تھا۔ آگے چل کر معلوم ہوا کہ یہ انتخاب صحیح تھا۔ اس کا مکان دو منزلہ تھا۔ صحن میں ایک گائے بندھی ہوئی تھی۔ مجھے اس

Marfat.com

نے اوپر کی منزل میں ٹھہرایا۔ میں پرانی رسم کے مطابق کھانا کھانے سے پہلے گنگا اشنان کرنا چاہتا تھا۔ پنڈا اس کا سامان کرنے لگا۔ میں نے اس سے پہلے کہہ دیا تھا کہ میں تمہیں سوا روپیہ سے زیادہ دکشنا نہیں دوں گا۔ تم اسی لحاظ سے سب کام کرنا۔

وہ اس پر راضی ہو گیا اور کہنے لگا۔ چاہے جاتری امیر ہو یا غریب دونوں کی سیوا ایک کرنا چاہیئے۔ اب رہی دکشنا جو جس کی جیسی حیثیت ہوتی ہے دے دیتا ہے جہاں تک مجھے معلوم ہے پنڈے نے پوجا وغیرہ کے سوا ادا کرنے میں کسی طرح کی کمی نہیں کی پوجا گیارہ بجے ختم ہوئی اور میں درشن کے لئے کاشی وشوا ناتھ پہنچا۔ میں نے وہاں جو کچھ دیکھا اس سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی۔ 1891ء میں جب میں بمبئی میں وکالت کرتا تھا۔ میں نے پرارتھنا سماج میں کاشی جاترا پر ایک لکچر سنا تھا۔ اس لئے میں پہلے سے سمجھتا تھا کہ یہاں آکر مایوسی ہوگی۔ لیکن اتنی سخت مایوسی کی توقع نہ تھی۔

مندر میں ایک تنگ گلی سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔ جہاں پیر پھسلتا تھا۔ خاموشی اور سکون نام کو نہ تھا۔ کھیوں کے ہجوم سے اور دوکانداروں اور جاتریوں کے شور و غل سے ناک میں دم آنے لگا۔

یہ وہ جگہ تھی جہاں دھیان گیا ان کی فضا ہونا چاہیئے تھی۔ مگر معاملہ بالکل الٹا تھا۔ یہ فضا تلاش کرنے کے لئے انسان کو اپنے قلب کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ میں نے بعض عبادت گذار بہنوں کو دیکھا کہ دھاین میں ڈوبی ہوئی ہیں اور انہیں کچھ خبر نہیں کہ آس پاس کیا ہو رہا ہے لیکن اس میں مندر کے منتظمین کی کوئی تعریف نہ تھی ان کا یہ کام تھا کہ مندر میں ایک پاکیزہ، پرسکون اور دلکش جسمانی اور روحانی فضا پیدا کریں۔ اس کے بجائے مجھے وہاں ایک بازار نظر آیا جس میں چاک دکاندار مٹھائیاں اور جدید ترین وضع کے کھلونے بیچ رہے تھے۔

مندر کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ سڑے ہوئے پھولوں کا ڈھیر لگا ہے جن کی بدبو سے دماغ پھٹا جاتا ہے مندر کا فرش نفیس سنگ مرمر کا ہوتا مگر کسی بد مذاق خوش عقیدہ شخص نے اسے جا بجا سے اکھاڑ کر روپئے جڑوا دیئے تھے جن سے۔ بہتر گرد میں اٹھنے کے لئے کوئی چیز نہیں ہو سکتی میں جنن دپی کے قریب گیا اس کے آس پاس کی جگہ۔ بہت میلی تھی میں نے یہاں خدا کو ڈھونڈا مگر وہ مجھے نہ ملا۔ میں جھلایا ہوا تھا اور میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ وہ دکھنا دوں۔ میں نے ایک پائی نکال کر اس پنڈے کے سامنے پیش کی جو "جنن دپی" کا نگران تھا۔ وہ مجھ پر برس پڑا اور کہنے لگا تو اس ایمان کی سزا میں ترک میں جائے گا۔"

Marfat.com

مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں نے کہا "مہاراج میرا جو کچھ انجام ہوتا ہے وہ ہو گا مگر آپ کو برہمن ہو کر لام کاف زبان سے نہ نکالنا چاہیئے۔

اس نے جواب دیا، چل دور ہو مجھے تیری پائی نہیں چاہیئے۔، اور اس کے بعد گالیوں کی باڑھ چلی۔ میں نے وہ پائی اٹھالی۔ خوش خوش چلا کہ برہمن کے ہاتھ سے پائی بچالی۔ مگر وہ کب چھوڑنے والا تھا۔ اس نے پکار کر کہا۔ اچھا پائی یہاں دھر دے۔ میں تیرا جیسا نہیں ہونا چاہتا۔ اگر میں تجھ سے یہ پائی نہ لوں تو تیرے لئے بہت برا ہو گا۔

میں نے بادل ناخواستہ پائی اس کے حوالے کی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

اس کے بعد مجھے دوبار کاشی وشواناتھ جانے کا اتفاق ہوا مگر یہ وہ زمانہ تھا کہ میرے نام کے ساتھ مہاتما کا دم چھلا لگایا جا چکا تھا۔ جن واقعات کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے ان کا پیش آنا اب ناممکن تھا۔ لوگ میرے درشن کے شوق میں امڈے آتے تھے اور مجھے مندر کا درشن نہیں کرنے دیتے تھے۔ مہاتماؤں پر جو کچھ گذرتی ہے انہیں کا دل جانتا ہے پھر بھی اتنا میں نے دیکھ لیا کہ یہاں کے میلے پن اور شور و شغب کا وہی حال ہے جو پہلے تھا۔

اگر کسی کو خدا کے بے حساب عفو اور رحم کی شان دیکھنا ہو تو ان مقدس مقامات کو دیکھے۔ یہ جوگیوں کا داتا لوگوں کو اپنے نام سے کیسی کیسی ریاکاری اور بیدینی کرتے دیکھتا ہے اور درگذر کرتا ہے۔ اس نے مدت ہوئی ہمیں آگاہ کر دیا ہے۔ "جیسا کرنا ویسا بھرنا" "کرم" کے اٹل قانون سے کسی کو مضر نہیں۔ پھر خدا کو دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے تو قانون بنا کر گویا دنیا کو اس کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔

مندر کی زیارت کے بعد میں مسز بسینٹ کے درشن کیلئے گیا مجھے معلوم تھا کہ وہ ابھی بیماری سے اٹھی ہیں۔ میری اطلاع ہوتے ہی وہ باہر تشریف لے آئیں۔ میں نے صرف سلام کے لئے کہا تھا۔ اس لئے میں نے عرض کیا۔ "مجھے معلوم ہے کہ آپ کی طبیعت ناساز ہے بس صرف سلام کرنا تھا۔ میں آپ کی اس عنایت کا شکر گزار ہوں کہ باوجود علالت کے آپ نے مجھ سے ملنا قبول فرمایا۔ میں آپ کو زیادہ زحمت نہیں دینا چاہتا۔

Marfat.com

اکیسواں باب

بمبئی میں بس جانے کا ارادہ ہے

گو کھلے کا اصرار تھا کہ میں بمبئی میں بس جاؤں اور وکالت کے ساتھ ساتھ قومی کام بھی کروں قومی کام سے مراد ان دنوں کانگریس کی خدمت تھی اور انہوں نے جو ادارہ قائم کیا تھا وہ بھی زیادہ تر کانگریس ہی کا کام کرتا تھا۔

مجھے گو کھلے کا مشورہ پسند آیا۔ مگر مجھے وکالت چلنے کی کچھ زیادہ امید نہ تھی۔ میں اب تک پہلی ناکامی کی تلخی کو نہیں بھولا تھا اور مقدمے حاصل کرنے کیلئے خوشامد کرنا مجھے اب زہر لگتا تھا۔

اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے راجکوٹ میں کام شروع کروں۔ وہاں میرے پرانے عنایت فرما کیول رام باؤ جی دیو جنہوں نے مجھے انگلستان جانے پر آمادہ کیا تھا۔ موجود تھے۔ انہوں نے مجھے پہلے ہی دن مقدمے لا کر دیئے۔ دو اپیلیں تھیں جو پولیٹیکل ایجنٹ کاٹھیاوار کے جوڈیشنل اسسٹنٹ کے یہاں پیش ہونے والی تھیں اور ایک ابتدائی مقدمہ جام نگر کا یہ معاملہ کسی قدر اہم تھا۔ میں نے کہا مجھے اپنے اوپر بھروسہ نہیں کہ اس مقدمے کی پیروی، جیسی چاہیئے۔ کر سکوں گا۔ کیول رام دیو بولے تمہیں ہارنے جیتنے سے کیا غرض۔ تم تو اپنی ہی کوشش کر ڈالو۔ آخر میں بھی تو تمہاری مدد کے لئے موجود ہوں۔"

دوسری طرف سے سمرتھا جی آنجہانی وکیل تھے میں نے خاصی تیاری کی تھی میں خود تو ہندوستان کے قانون سے اچھی طرح واقف نہ تھا مگر کیول رام دیو نے مجھے ساری اونچ نیچ سمجھا دی۔ میں نے جنوبی افریقہ جانے سے پہلے دوستوں سے سنا تھا کہ سر فیروز شاہ مہتا کو قانون شہادت ازبریاد ہے اور یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔ میں نے یہ بات دل میں رکھی تھی اور سفر کے دوران میں قانون شہادت اور اس کی شرحوں کا مطالعہ اچھی طرح کر لیا تھا۔ پھر جنوبی افریقہ میں اتنے دن

Marfat.com

وکالت کر کے جو تجربہ حاصل ہوا تھا وہ بھی اس وقت کام آیا۔

میں مقدمہ جیت گیا اور مجھے اپنی قابلیت پر تھوڑا بہت بھروسہ ہو گیا۔ اپیلوں کے بارے میں مجھے کوئی کھٹکا نہیں تھا۔ ان دونوں میں کامیابی ہوئی۔ ان سب باتوں سے میری ڈھارس بندھ گئی کہ شاید بمبئی میں بھی کام چلا لوں۔

لیکن بمبئی جانے کے اسباب بیان کرنے سے پہلے میں ایک واقعہ بیان کروں گا جس سے مجھے انگریز افسر کی جہالت اور بدسلوکی کا تجربہ ہوا۔ جوڈیشنل اسسٹنٹ کی عدالت کا کوئی مقام متعین نہ تھا۔ وہ ہمیشہ دورے پر رہتا تھا اور وکیلوں اور موکلوں کو اس کے پیچھے پیچھے جانا پڑتا تھا۔ وکیل جب صدر مقام سے باہر جاتے تھے تو فیس زیادہ لیتے تھے۔ اس لئے بے چارے موکل پر دہرا خرچ پڑتا تھا۔ اس کی اس مصیبت کی جج کو کوئی پروانہ تھی۔

جس اپیل کا میں نے ذکر کیا ہے وہ ڈیرا دال میں سنا جانے والا تھا۔ جہاں شدت سے طاعون پھیلا ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس چھوٹی سی جگہ میں جس کی آبادی ساڑھے پانچ ہزار تھی، روز پچاس کیس تک ہو جاتے تھے۔ قصبہ قریب قریب خالی ہو گیا تھا۔ میں ایک دھرم سالے میں ٹھہر گیا جو شہر سے کچھ دور کے فاصلے پر واقع تھا۔ لیکن بے چارے موکل کہاں ٹھہرتے۔ ان میں سے جو غریب تھے ان کا خدا ہی حافظ تھا۔

میرے ایک دوست نے جن کے چند مقدمے اسی عدالت میں تھے مجھے تار دیا کہ تم ڈیرا دال میں طاعون ہونے کی بنا پر درخواست دے دو کہ پڑاؤ کسی اور جگہ منتقل کر دیا جائے۔ جب میں نے یہ درخواست دی تو صاحب نے کہا "آپ ڈرتے ہیں؟"

میں نے جواب دیا "میرے ڈرنے نہ ڈرنے کا سوال نہیں میں تو اپنی فکر کر لوں گا مگر موکل کیا کریں گے۔" صاحب بولے "طاعون نے تو اب ہندوستان میں ڈیرا ڈال دیا ہے اس سے ڈرنا کیا؟ ڈیرا دال کی آب و ہوا بڑی اچھی ہے (صاحب قصبے سے دور سمندر کے کنارے ایک عالیشان خیمے میں رہتے تھے) لوگوں کو کھلی ہوا میں رہنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔"

اس فلسفے کے آگے ساری دلیلیں بیکار ثابت ہوئیں۔ صاحب نے سررشتہ دار سے کہا "مسٹر گاندھی جو کہتے ہیں اسے نوٹ کر لیجئے اور یہ دریافت کر لیجئے کہ کیا واقعی وکیلوں یا موکلوں کو یہاں آنے میں بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔"

ظاہر ہے کہ "صاحب نے جو کچھ کیا نیک نیتی سے مناسب سمجھ کر کیا لیکن اسے کیا خبر کہ

Marfat.com

غریب ہندوستان پر کیا مصیبتیں گذرتی ہیں؟ وہ کیا جانے کہ ہندوستانیوں کی ضرورتیں عادتیں خصوصیتیں کیا ہیں؟ جو شخص سونے کی گنیوں سے حساب کرنے کا عادی ہو وہ ایک دم تانبے کے پیسوں کی گنتی کیونکر سمجھ سکتا ہے۔ جس طرح ہاتھی چاہے اپنی طرف سے کتنی ہی کوشش کرے دنیا کو چیونٹی کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا اسی طرح انگریز جو ہاتھی کی سی ضرورتیں رکھتا ہے چیونٹی کی زندگی بسر کرنے والے ہندوستانیوں کے طرز خیال کو اختیار کرنے اور اس کے مطابق قانون بنانے سے معذور ہے۔

خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ اب میں اصل قصے کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ باوجود اس کی کہ میری وکالت خوب چل رہی تھی میرا مقصد ابھی اور کچھ دن راجکوٹ ہی میں رہنے کا تھا مگر ایک دن کیول رام دیو آکر مجھ سے کہنے لگے "بھئی گاندھی ہم سے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ تم راجکوٹ میں پڑے سوکھا کرو۔ اب تو تمہیں بمبئی میں جا کر رہنا چاہیئے۔

میں نے پوچھا "مگر وہاں میرے لئے کام کون فراہم کرے گا؟ کیا آپ میرے اخراجات کا ذمہ لیتے ہیں؟" انھوں نے جواب دیا "ہاں میں اس کا ذمہ لیتا ہوں۔ ہم لوگ تمہیں کسی دن بڑے نامی بیرسٹر کی حیثیت سے یہاں بلائیں گے اور عرضداشتیں لکھنے کا کام وہیں بھیج دیا کریں گے۔ یہ تو ہم وکیلوں کے ہاتھ میں ہے کہ جس بیرسٹر کو چاہیں بڑھا دیں جسے چاہیں گھٹا دیں۔ تم نے جام نگر اور ویراول کے مقدموں میں اپنی قابلیت ثابت کر دی ہے۔ اس لئے مجھے تمہاری طرف سے پورا اطمینان ہے۔ تمہیں خدا نے قومی کام کرنے کے لئے پیدا کیا ہے ہم تمہیں کاٹھیاوار میں گمنامی کی زندگی بسر نہیں کرنے دیں گے۔ اب بتاؤ بمبئی کب جاؤ گے؟"

میں نے کہا "مجھے نٹال سے ایک رقم کا انتظار ہے۔ اس کے آتے ہی چلا جاؤں گا کوئی دو ہفتے میں روپیہ آگیا اور میں بمبئی روانہ ہو گیا۔ میں نے چین گلبرٹ اور سیانی کے دفتر میں کمرے کرائے پر لے لئے اور بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ اب میرا مستقل قیام بمبئی میں رہے گا۔

Marfat.com

Marfat.com

بائیسواں باب

دھرم کی آزمائش

اگرچہ میں نے فورٹ میں دفتر کے لئے کمرے اور گرگام میں مکان لے لیا تھا مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ میں یہاں مستقل قیام کروں نئے مکان میں آتے ہی میرا منجھلا بیٹا منی لال جسے چند سال پہلے چیچک کا شدید دورہ ہو چکا تھا تپ محرقہ میں مبتلا ہو گیا۔ اسی کے ساتھ اس کے پھیپھڑے میں ورم ہوا اور رات کو ہذیان کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

ڈاکٹر بلایا گیا۔ اس نے کہا کہ دوا سے کچھ کام نہیں چلے گا مگر انڈے اور چوزے کی یخنی دیجئے اس سے فائدہ ہو گا۔

منی لال اس زمانے میں صرف دس برس کا تھا۔ اس سے تو میں کیا پوچھتا مجھے اس کے ولی کی حیثیت سے خود ہی فیصلہ کرنا تھا۔ یہ ڈاکٹر پارسی تھا اور بڑا اچھا آدمی تھا میں نے اس سے کہا کہ ہم سب نباتاتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں بچوں کو نہیں دی جاسکتیں۔ آپ کوئی اور چیز بتایئے۔

نیک ڈاکٹر بولا۔ "آپ کے لڑکے کی زندگی خطرے میں ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اسے دودھ میں پانی ملا کر دیا جائے مگر اس میں کافی غذائیت نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں بہت سے ہندو گھرانوں میں بلایا جاتا ہوں ان لوگوں کو میں جو کچھ بتاتا ہوں بے تکلف استعمال کرتے ہیں۔ خدا کے لئے آپ اپنے بچے پر یہ ظلم نہ کیجئے۔"

میں نے کہا "آپ بجا کہتے ہیں ڈاکٹر کو یہی کہنا چاہئے۔ مگر میری ذمہ داری بہت بڑی ہے اگر لڑکا سیانا ہوتا تو میں یقیناً اسی سے پوچھتا اور جو وہ کہتا وہی کرتا مگر مجھے تو اس کے بجائے خود فیصلہ کرنا ہے میرے خیال میں ایسے ہی موقعے پر انسان کے عقیدے کی آزمائش ہوتی ہے۔ اب چاہے یہ ٹھیک ہو یا نہ ہو مگر میرا مذہبی عقیدہ ہے کہ انسان کو گوشت انڈے وغیرہ نہیں کھانا چاہئے، زندگی کی

Marfat.com

ضروریات کی بھی آخر حد ہوتی ہے۔ بعض باتیں ایسی ہیں جو جان بچانے کی خاطر بھی نہیں کرنا چاہئیں۔ میرا مذہب مجھے ایسے موقعوں پر بھی اجازت نہیں دیتا کہ میں گوشت اور انڈے کھاؤں یا اپنے بچوں کو کھلاؤں۔ اس لئے مجھے چار و ناچار اس خطرے کا مقابلہ کرنا ہے جس کا آپ کو احتمال ہے۔ آپ سے میری ایک درخواست ہے کہ آپ کی تدبیر پر عمل کرنے سے تو میں معذور ہوں اس لئے میرا مقصد ہے کہ پانی کے علاج سے کام لوں جس سے مجھے واقفیت ہے مگر میں نہ بچے کی نبض دیکھ سکوں گا اور نہ اس کے سینے سے پھیپھڑے وغیرہ کا معائنہ کر سکوں گا۔ اگر آپ کبھی کبھی آ کر اس کا معائنہ کر لیا کریں اور مجھے اس کی حالت بتا دیا کریں تو بڑا احسان ہو۔

نیک ڈاکٹر میری مشکلوں کو سمجھ گیا اور اس نے میری درخواست قبول کر لی۔ گو منی لال خود کوئی فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ مگر میں نے اپنی اور ڈاکٹر کی گفتگو اس کو سنائی اور پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟

اس نے کہا "آپ تو پانی کا علاج کیجئے مجھے انڈے ونڈے یخنی وخنی نہیں چاہیئے۔" اس سے مجھے خوشی ہوئی۔ اگرچہ یہ میں جانتا تھا کہ میں اسے یہ چیزیں دیتا تو وہ انکار نہ کرتا۔

میں کوہنے کے طریقہ علاج سے واقف تھا اور اس کا تجربہ بھی کر چکا تھا میرا خیال تھا کہ فاقے سے بھی فائدہ ہو گا اس لئے میں نے منی لال کو کوہنے کی ہدایت کے مطابق تین تین منٹ کے "ہپ باتھ" دینا شروع کئے اور تین دن تک سوائے لیو کے آبشورے کی کھانے پینے کو کچھ نہیں دیا۔

مگر بخار کسی طرح 104 درجے سے کم نہیں ہوتا تھا۔ رات کو اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ مجھے بڑا تردد ہو گیا۔ میں دل میں سوچتا تھا کہ لوگ مجھے کیا کہیں گے؟ بڑے بھائی میری نسبت کیا خیال کریں گے؟ کسی اور ڈاکٹر کو نہ بلا لوں وید کا علاج کیوں نہ کروں؟ ماں باپ کو کیا حق ہے کہ جس چیز کا انہیں خبط ہے اس پر خواہ مخواہ بچوں کو بھی مجبور کریں؟

اس قسم کے وسوسے میرے دل میں پیدا ہوتے تھے مگر پھر خیالات کا رخ بدل جاتا تھا۔ میرا دل کہتا تھا کہ خدا یقیناً اس بات سے خوش ہو گا کہ میں اپنے بچے کا وہی علاج کر رہا ہوں جو اپنا کرتا۔ مجھے پانی کے علاج پر عقیدہ ہے اور ڈاکٹری علاج پر نہیں ہے۔ ڈاکٹر اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ضرور صحت ہو گی۔ وہ بھی زیادہ سے زیادہ تجربہ ہی کر سکتے ہیں موت زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے توکل سے کام لینا چاہیئے۔ اور جس علاج کو میں مناسب سمجھتا ہوں وہی کرنا چاہیئے۔

Marfat.com

مجھے ان متضاد خیالات نے کشمکش میں ڈال رکھا تھا۔ رات کا وقت تھا میں منی لال کے پاس اسی کے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ سوچتے سوچتے میں نے یہ طے کیا کہ کپڑا بھگو کر اس کے جسم پر لپیٹوں۔ میں فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک چادر پانی میں بھگوئی اور خوب نچوڑ کر منی لال کے سارے دھڑ پر لپیٹ دی۔ اوپر سے دو کمبل ڈال دیئے اور سر پر ایک گیلا تولیا رکھ دیا۔ سارا بدن گرم لوہے کی طرح تپ رہا تھا۔ پسین کا نام بھی نہ تھا۔

اس وقت میرے دل کی عجیب حالت تھی میں منی لال کی ماں کو اس کے پاس چھوڑ کر چوپاٹی کی طرف ٹہلنے نکل گیا کہ ذرا حواس درست کر لوں۔ دس بج چکے تھے۔ راہ گیر اکا دکا نظر آتے تھے۔ میں اپنے خیالات میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا یا اللہ اس امتحان میں عزت تیرے ہاتھ ہے۔" اور زبان کو "رام نام" کی رٹ لگی تھی۔ کچھ دیر کے عبد گھر لوٹا۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔

جیسے ہی میں نے گھر میں قدم رکھا۔ منی لال نے کہا۔ "باپو تم آگئے؟"

"ہاں بٹا آگیا۔"

"یہ چادر تو ہٹائیے۔ میرا گرمی کے مارے برا حال ہے۔"

"کیا پسینہ نکل رہا ہے؟۔"

"سارا بدن تر بتر ہے۔ خدا کے لئے اب ہٹائیے۔"

میں نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ پسینے کے قطرے موتی کی طرح جھلک رہے تھے۔ بخار کم ہو رہا تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

"منی لال۔ بس اب تمہارا بخار اترنے ہی والا ہے، ذرا دیر اور پسینہ نکل لے۔ پھر میں چادر ہٹائے لیتا ہوں۔"

"نہیں میرے باپو میں ہاتھ جوڑتا ہوں مجھے اس بھٹی سے نکالئے۔ چاہے پھر کبھی لپیٹ دیجئے۔"

میں نے اسے سمجھا بجھا کر چند منٹ اور چادر لپٹی رہنے دی۔ اس کے ماتھے سے پسینے کی اولتی ٹپک رہی تھی میں نے چادر ہٹائی اور اس کا بدن سکھایا۔ پھر ہم باپ بیٹے ایک ہی پلنگ پر سو گئے۔ دونوں گھوڑے بیچ کر سوئے۔ صبح کو منی لال کا بخار کم ہو گیا۔ چالیس دن تک اسے صرف پانی ملا۔ دودھ اور پھلوں کا عرق دیا گیا۔ اب مجھے کوئی ڈر نہ تھا۔ یہ بڑا موذی بخار تھا مگر اب قابو میں آگیا۔

Marfat.com

آج منی لال میرے لڑکوں میں سب سے زیادہ تندرست ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اسے محض خدا کے فضل سے صحت ہوئی۔ یا پانی کے علاج سے یا غذا اور تیمار داری میں احتیاط کرنے سے؟ ہر شخص اپنے عقیدے کے مطابق جو چاہے سمجھ لے۔ مجھے تو یہ یقین تھا کہ خدا نے میری عزت رکھ لی اور یہی یقین آج تک قائم ہے۔

Marfat.com

تیسواں باب

پھر جنوبی افریقہ چلا

منی لال اچھا ہو گیا۔ مجھے یہ محسوس ہوا کہ گرگام والا گھر رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اس میں سیلن تھی اور کافی روشنی نہیں پہنچتی تھی۔ اس لئے ریوا شنکر جگ جیون جی کے مشورے سے میں نے یہ طے کیا کہ بمبئی کے مضافات میں کوئی ہوادار بنگلہ لوں۔ میں باندرا اور سانتا کرز میں گشت لگاتا رہا۔ باندرا اس لئے پسند نہیں آیا کہ وہاں مسلخ تھا۔ گھاٹ کو پار اور اس کے گرد و نواح کے مقامات سمندر سے دور تھے۔ آخر ہم نے سانتا کرز میں ایک خوبصورت بنگلہ انتخاب کیا اور چونکہ وہ حفظان صحت کے اعتبار سے بہت اچھا تھا اس لئے اسی کو لیا۔

مں نے سانتا کرز سے چرچ گیٹ تک کا اول درجہ کا سیزن ٹکٹ خرید لیا۔ مجھے یاد ہے کہ بعض اوقات درجے میں میرے سوا کوئی مسافر نہیں ہوتا تھا اور اس پر میرے نفس کو ایک غرور سا بعض اوقات محسوس ہوتا تھا۔ اکثر میں باندرا تک پیدل جاتا تھا اور وہاں سے تیز گاڑی میں بیٹھتا تھا۔ جو چرچ گیٹ تک بیچ میں کسی اسٹیشن پر نہیں رکتی تھی۔

مجھے اپنے پیشے میں توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ میرے جنوبی افریقہ کے موکل اکثر مجھے اپنے مقدمے دیا کرتے تھے اور میری گذر اوقات کے لئے کافی تھے۔

ابھی تک مجھے ہائیکورٹ کا کام نہیں ملا تھا۔ ان دنوں ہائیکورٹ کے وکلا مشق کے لئے فرضی مقدموں میں بحثیں کیا کرتے تھے اور میں بھی وہاں جایا کرتا تھا۔ اگرچہ بحث میں شریک ہونے کی کبھی ہمت نہیں ہوئی۔ مجھے یاد ہے کہ جمیت مرام نانا بھائی اس میں نمایاں حصہ لیا کرتے تھے۔ دوسرے نومشق بیرسٹروں کی طرح میں بھی ہائیکورٹ میں مقدموں کی بحثیں سننے جایا کرتا تھا۔ لیکن سچ پوچھیے تو مجھے اپنے علم میں اضافہ کرنے کی اتنی خواہش نہ تھی جتنی سمندر کی ہوا کی۔ جو تھپکیاں دے

Marfat.com

کر سلا دیتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ صرف میں ہی اس نیند کے مزے نہیں لیتا ہوں بلکہ اور لوگ بھی ہیں۔ وہاں یہ فیشن سا ہو گیا تھا۔ اس لئے اس میں کوئی شرم کی بات نہ تھی۔

تاہم میں ہائیکورٹ کے کتب خانہ سے فائدہ اٹھاتا تھا اور نئے نئے لوگوں سے ملاقات ہوا کرتی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ تھوڑے دن میں ہائیکورٹ کا کام ملنے لگے گا۔

غرض ادھر تو میری وکالت میں کسی قدر اطمینان کی صورت پیدا ہو رہی تھی اور ادھر گوکھلے جو مجھے ہمیشہ نظر میں رکھتے تھے۔ میرے لئے کچھ اور ہی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ وہ ہفتے میں دو تین بار میرے دفتر میں آجاتے تھے اکثر اپنے ساتھ ان دوستوں کو لاتے تھے جن سے وہ مجھے ملانا چاہتے تھے۔ وہ مجھے اپنے طریقہ کار سے ہمیشہ باخبر رکھتے تھے۔

مگر میری زندگی کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ میں نے خود جتنے منصوبے سوچے خدا نے کسی کو پورا نہ ہونے دیا۔ اس نے مجھ سے وہی کام لیا جو اسے منظور تھا۔

عین اس وقت جب میں یکسوئی سے اپنے کاروبار میں مشغول ہونے والا تھا۔ جنوبی افریقہ سے یہ تار پہنچا کہ "یہاں چیمبرلین کے آنے کی خبر ہے۔ مہربانی کر کے فوراً چلے آیئے۔ مجھے اپنا وعدہ یاد آیا اور میں نے اس مضمون کا تار دیا کہ "میں آنے کو تیار ہوں، جب آپ روپیہ بھیجیں گے فوراً روانہ ہو جاؤں گا۔" تار پہنچتے ہی روپیہ آگیا۔ میں نے اپنا دفتر توڑ دیا اور جنوبی افریقہ روانہ ہو گیا۔

میرا قیاس تھا کہ جس کام کے لئے جا رہا ہوں اس میں کم از کم ایک سال لگے گا۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ بنگلہ رہنے دوں اور بال بچوں کو اسی میں چھوڑ جاؤں۔

ان دنوں میرا خیال تھا کہ من چلے نوجوانوں کو اپنے ملک میں کام نہ ملے تو انہیں ترک وطن کر کے دوسرے ملکوں میں چلا جانا چاہئے۔ اس لئے میں نے اپنے ساتھ ایسے چار پانچ نوجوانوں کو لے لیا جن میں کمسن لال گاندھی بھی تھے۔

ہمارا خاندان ان دنوں بڑا تھا اور اب بھی بڑا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ ان میں سے جتنے پرانی لکیر کو چھوڑ کر باہر جانے کی ہمت رکھتے ہوں انہیں ساتھ لے جاؤں۔ میرے والدین میں سے اکثر کو ریاستوں میں نوکر رکھا دیتے تھے۔ میں انہیں اس طلسم سے نکالنا چاہتا تھا۔ انہیں کسی دوسری جگہ نوکری دلانا میرے اختیار میں نہ تھا اور ہوتا بھی تو بھی میں کبھی نہ دلاتا۔ میری تو یہ خواہش تھی کہ یہ اپنے اوپر بھروسہ کرنا سیکھیں۔

لیکن جوں جوں میرا نصب العین بلند ہوتا گیا میں ان نوجوانوں کو بھی اپنی تقلید پر آمادہ کرتا گیا اور

Marfat.com

کسن لال گاندھی کی تربیت میں مجھے بڑی کامیابی ہوئی۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

بیوی بچوں سے بچھڑنا جمے جمائے کارخانے کو توڑنا۔ ٹھور سے بے ٹھور ہونا تھوڑی دیر مجھ پر شاق گذرا۔ مگر میں بے اطمینانی کی زندگی کا عادی ہو چکا تھا میرے خیال میں اس دنیا میں اطمینان کی توقع رکھنا بڑی غلطی ہے۔ یہاں سوائے حق کے یعنی ذات الٰہی کے کسی چیز کا ٹھور ٹھکانا نہیں۔ یہ سارے کھیل جو دنیا کے پردے پر نظر آتے ہیں چلتی پھرتی تصویریں ہیں کسی کا بھروسہ نہیں، کسی کو ثبات نہیں، ہاں اس پردے کے اندر ایک بلند اور برتر ذات ہے اور وہ سراپا حقیقت ہے۔ خوش حال اس کے جو حقیقت کی جھلک دیکھ لے۔ جو حق کا دامن تھام لے حق کی تلاش ہی زندگی کی معراج ہے۔

میں عین وقت پر ڈربن پہنچا۔ میرے لئے کام تیار رکھا تھا۔ مسٹر چیمبرلین کی خدمت میں وفد کے جانے کی تاریخ مقرر ہو چکی تھی مجھے ان کے سامنے پیش کرنے کے لئے عرضداشت مرتب کرنا تھی اور وفد کے ساتھ جانا تھا۔

Marfat.com

Marfat.com

حصّہ چہارم

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب

محبت کے سارے جتن بیکار گئے

مسٹر چمبرلین جنوبی افریقہ سے ساڑھے تین کروڑ پونڈ نذر لینے اور انگریزوں اور بوئروں کی کی دلجوئی کرنے آئے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہندوستانی وفد کو سوکھا ٹال دیا۔

انہوں نے "آپ جانتے ہیں کہ جن نو آبادیوں کو حکومت خود اختیاری حاصل ہے ان کے معاملات میں دخل دینے کا امپیریل گورنمنٹ کو بہت کم حق ہے۔ آپ کی شکائیتیں بجا معلوم ہوتی ہیں۔ مجھ سے جو کچھ بن پڑے گا کروں گا۔ مگر آپ کو یوروپیوں کے ساتھ رہنا ہے تو انہیں خوش رکھنے کی کوشش کیجئے۔"

اس جواب سے وفد کے ارکان کی امیدوں پر اداسی پڑ گئی۔ مجھے بھی بڑی مایوسی ہوئی۔ اس نے ہماری آنکھیں کھول دیں اور ہمیں بتادیا کہ سارا کام از سر نو شروع کرنا پڑے گا۔ میں نے یہ صورت حال اپنے رفیقوں کو سمجھائی۔

سچ پوچھئے تو مسٹر چمبرلین کا جواب کچھ بے جا نہیں تھا۔ بہت اچھا ہوا کہ انہوں نے اصل بات صاف صاف کہہ دی۔ انہوں نے ہمیں نرم الفاظ میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول یا تلوار کا قانون سمجھادیا۔

مگر ہم تلوار تو کیا تلوار کھانے کا بل بوتہ بھی نہ رکھتے تھے۔ مسٹر چمبرلین نے اتنے بڑے ملک کو تھوڑے سے وقت میں دیکھا۔ اگر سری نگر سے راس کماری تک انیس سو میل کا فاصلہ ہے تو ڈربن سے کیپ ٹاؤن بھی 1100 میل سے کم نہیں۔ مسٹر چمبرلین نے یہ فاصلہ آندھی کی سی رفتار سے طے کیا۔

نتال سے وہ ٹرانسوال گئے مجھے ٹرانسوال کے ہندوستانیوں کے مطالبات بھی مرتب کر کے ان کی

Marfat.com

خدمت میں پیش کرنا تھے۔ مگر سوال یہ تھا کہ میں پریٹوریا کیونکر جاؤں؟ وہاں کے ہندوستانی میرے داخلے کے قانونی مراحل اتنی جلدی طے نہیں کرسکتے تھے۔ لڑائی نے ٹرانسوال کو ویران کردیا تھا۔ نہ وہاں کھانے پینے کا سامان بہم پہنچتا تھا۔ نہ کپڑا ملتا تھا۔ بہت سی دوکانیں خالی تھیں بہت سی بند پڑی تھیں۔ خالی دوکانوں کا بسنا اور بند دوکانوں کا کھلنا ذرا دیر طلب تھا جن لوگوں نے یہاں سے بھاگ کر دوسرے ملکوں میں پناہ لی تھی ان تک کو واپسی کی اجازت نہیں دی جاسکتی تھی تاوقتیکہ دوکانوں میں کھانے پینے کا سامان نہ ملنے لگے۔ اس لئے ہر ٹرانسوال کے باشندے کو وہاں جانے کے لئے پروانہ راہداری لینا پڑتا تھا۔ یورپیوں کو یہ پروانہ آسانی سے مل جاتا تھا مگر ہندوستانیوں کے لئے بڑی دشواریاں تھیں۔

جنگ کے زمانے میں ہندوستان اور لنکا سے بہت سے فرنگی افسر اور گورے سپاہی جنوبی افریقہ آئے تھے۔ برطانی حکام کا یہ فرض سمجھا جاتا تھا کہ ان میں سے جو لوگ یہاں بسنا چاہیں ان کے لئے معاش کا کچھ بندوبست کریں۔ آخر انہیں نئے عہدہ دار رکھنا تھے پھر ان تجربہ کار لوگوں کو کیوں نہ رکھتے؟ ان لوگوں نے جوڑ توڑ لگا کر ایک نیا محکمہ قائم کرالیا۔ حبشیوں کی نگرانی کے لئے ایک خاص محکمہ تھا ہی پھر کیا وجہ تھی کہ ایشیائیوں کے واسطے نہ ہو؟ بات بظاہر معقول تھی جب میں ٹرانسوال پہنچا تو یہ محکمہ کھل چکا تھا اور اس کا جال آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ جو حکام پناہ گزینوں کی واپسی کے لئے پروانہ راہداری جاری کرتے تھے وہ اوروں کو تو خود پروانے دے دیتے تھے مگر ایشیائیوں کے کے داخلے کے بارے میں بھلا نیا محکمہ بے مداخلت کے کیسے رہ سکتا تھا؟ اس کے اہل کاروں نے ان حکام سے کہا کہ آپ ایشیائیوں کو ہماری سفارش کے پروانے دے دیا کیجئے۔ اس سے آپ کا کام بھی ہلکا ہوجائے گا اور ذمہ داری بھی کم ہوجائے گی۔ مگر یہ سب کہنے کی باتیں تھیں۔ اصل بات یہ تھی کہ نئے محکمے کو کچھ نہ کچھ کام دکھانا تھا اور اس کے اہل کاروں کو اپنا پیٹ پالنا تھا۔ اگر کوئی کام نہ ہوتا تو یہ محکمہ غیر ضروری سمجھ کر توڑ دیا جاتا۔ اس لئے کسی نہ کسی طرح کام نکالا گیا۔

ہندوستانیوں کو داخلے کی اجازت کے لئے اس محکمے میں درخواست دینی پڑتی تھی۔ مدت کے بعد درخواست کا جواب ملتا تھا۔ داخلے کے خواہشمند بے شمار تھے اور اجازت میں یہ دشواریاں۔ اس لئے بہت سے دلال پیدا ہوگئے تھے جنہوں نے افسروں کے ساتھ مل کر غریب ہندوستانیوں کو خوب لوٹا مجھ سے لوگوں نے کہا کہ بغیر سفارش کے پروانہ نہیں مل سکتا اور بعض وقت تو سفارش بھی کافی نہیں ہوتی بلکہ سو پونڈ تک کی رشوت دینا پڑتی ہے۔ اس لئے تمہیں اجازت ملنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میں

Marfat.com

نے اپنے پرانے دوست ڈربن کے سپرنٹنڈنٹ سے جاکر کہا "مہربانی کر کے پرمٹ کے افسر سے میرا تعارف کرادیجئے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ٹرانسوال میں عرصے تک رہ چکا ہوں۔ انہوں نے فوراً ہیٹ سر پر رکھی اور میرے ساتھ جاکر مجھے پروانہ دلوادیا۔ میری گاڑی چھوٹنے میں مشکل سے ایک گھنٹہ باقی تھا مگر میرا سامان پہلے سے بندھا رکھا تھا۔ میں نے مسٹر الیگزینڈر کا شکریہ ادا کیا اور پریٹوریا روانہ ہوگیا۔

اب مجھے اپنے کام کی دشواریوں کا اندازہ ہوا۔ پریٹوریا پہنچتے ہی میں نے عرضداشت مرتب کرلی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے ڈربن میں ہندوستانیوں سے وفد کے ارکان کی فہرست پہلے مانگی گئی تھی مگر یہاں تو نیا محکمہ موجود تھا۔ اس نے یہ پخ لگادی پریٹوریا کے ہندوستانیوں کو یہ خبر مل گئی تھی کہ اس محکمے کے افسر میرا نام وفد سے خارج کرنا چاہتے ہیں۔

یہ واقعہ افسوسناک بھی تھا اور مضحک بھی مگر اسے بیان کرنے کے لئے ایک اور باب کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

ایشیا سے آئے ہوئے صاحب بہادر

نئے محکمے کے افسر حیران تھے کہ میں ٹرانسوال میں کیونکر داخل ہوا۔ انہوں نے ان ہندوستانیوں سے جو ان سے ملنے جایا کرتے تھے دریافت کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ انہیں یہ شبہہ تھا کہ شاید میں پرانے تعلقات سے فائدہ اٹھا کر بے اجازت چلا آیا۔ اگر یہ صورت تھی تو میں گرفتار کیا جاسکتا تھا۔

عام قاعدہ ہے کہ جب بڑی لڑائی ختم ہوتی ہے تو حکومت کی غیر معمولی اختیارات دے دیئے جاتے ہیں۔ جنوبی افریقہ میں بھی یہی ہوا تھا۔ حکومت نے ضابطہ تحفظ امن کے نام سے ایک ہنگامی قانون پاس کیا تھا جس کی رو سے وہ شخص جو بغیر پروانہ راہداری کے ٹرانسوال میں داخل ہو گرفتاری اور قید کا مستوجب تھا۔ نئے محکمے کے افسروں میں صلاح ہوئی کہ اس ضابطے کے ماتحت مجھے گرفتار کریں۔ مگر کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ مجھ سے پروانہ مانگے۔

ان افسروں نے ڈربن تار دے کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ میں پروانہ لے کر آیا ہوں انہیں بڑی مایوسی ہوئی۔ مگر یہ ہار ماننے والے آسامی نہ تھے انہوں نے کہا یہ شخص ٹرانسوال آگیا تو آجائے مگر اسے چیمبرلین سے نہ ملنے دیں گے۔

اسی لئے ہندوستانیوں سے کہا گیا کہ وفد کے ارکان کے نام بھیجیں۔ رنگ کا تعصب تو جنوبی افریقہ میں ہر جگہ نظر آتا تھا مگر مجھے یہ توقع نہ تھی کہ یہاں کے افسروں میں بھی وہی کمینہ پن کی حرکتیں اور کاٹ پھانس کی ترکیبیں ہوں گی جن سے مجھے ہندوستان میں سابقہ پڑا کرتا تھا۔ جنوبی افریقہ میں پبلک محکمے وہاں کے باشندوں کی فلاح و بہبود کے لئے قائم کئے گئے تھے اور رائے عامہ کے ماتحت تھے۔ اس لئے ان کے عہدے داروں میں شائستگی اور بردباری پائی جاتی تھی جس کا تھوڑا بہت فائدہ کالے آدمیوں کو بھی پہنچتا تھا۔ ایشیا سے جو افسر آئے وہ ایشیا کے مطلق العنانی اور دوسری عادتیں جو مطلق العنانی سے پیدا ہوتی ہیں ساتھ لائے۔ جنوبی افریقہ میں تو کسی قدر آئینی حکومت اور جمہوریت بھی تھی مگر ایشیا سے جس مال کی کھیپ آئی اس میں خالص مطلق العنانی تھی۔ ایشیا والے غیر قوم کے ماتحت تھے

Marfat.com

انہیں ذمہ دار حکومت کہاں نصیب ؟ جنوبی افریقہ میں فرنگی لوگ باہر سے آکر آباد ہوئے تھے ۔ انہیں افریقی شہریوں کے حقوق اور محکمے افسروں پر اقتدار حاصل تھا ۔ اب ایشیا کے صاحب بہادر پہنچے اور بیچارے ہندوستانی غم صیاد و فکر باغباں کی دو عملی میں پھنس گئے ۔

میں خود مطلق العنانی کا شکار ہوا اس لئے مجھے اس کا اچھا خاصا اندازہ ہو گیا پہلے مجھے اس محکمے کے افسر اعلیٰ نے بلا بھیجا ۔ شاید "بلا بھیجنے" کے لفظ سے کسی کو غلط فہمی ہو اس لئے میں تصریح کئے دیتا ہوں ۔ مجھے کوئی حکم نہیں بھیجا گیا تھا ۔ ہندوستانی لیڈر اکثر اس محکمے کے افسروں سے ملنے جایا کرتے تھے ۔ ایک بار سیٹھ طیب جی حاجی خان محمد افسر اعلیٰ سے ملنے گئے تو انہوں نے پوچھا کہ یہ گاندھی کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے ؟ سیٹھ طیب نے کہا "وہ ہمارے مشیر ہیں اور ہمارے بلانے پر آگئے ہیں ۔"

صاحب بہادر نے پوچھا "پھر ہم لوگ کس لئے ہیں ؟ ہم اسی لئے تو مقرر کئے گئے ہیں کہ تمہارے حقوق کی حفاظت کریں ۔ گاندھی کو یہاں کے حالات کی کیا خبر ؟ طیب سیٹھ سے جو کچھ جواب بن پڑا انہوں نے دیا ۔

"بیشک آپ ہماری حمایت کے لئے موجود ہیں ۔ مگر گاندھی ہمارے آدمی ہیں وہ ہماری زبان جانتے ہیں اور ہماری طبیعتوں کو سمجھتے ہیں ۔ آپ لاکھ کچھ ہوں پھر بھی سرکاری عہدے دار ہیں ۔"

صاحب بہادر نے طیب سیٹھ کو حکم دیا کہ مجھے لے جا کر ان کے سامنے پیش کریں ۔ میں سیٹھ طیب اور کچھ اور لوگوں کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ کسی سے بیٹھنے کے لئے نہیں کہا گیا ۔ ہم سب کھڑے رہے ۔

صاحب نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا "تم یہاں کیوں آئے ؟"

میں نے جواب دیا "میں اپنے ہموطنوں کے کہنے سے آیا ہوں کہ انہیں مشورہ دوں ۔"

"مگر کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ ٹرانسوال آنے کا کوئی حق نہیں ؟ جو پروانہ تمہارے پاس ہے وہ غلطی سے دے دیا گیا تھا ۔ تم نو آباد ہندوستانی قرار نہیں دئے جا سکتے ۔ تمہیں فوراً واپس جانا پڑے گا ۔ مسٹر چمبیرلین سے ملنے کی اجازت نہیں دی جائے گی ۔ "ایشیائی محکمہ" خاص طور سے ہندوستانیوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے قائم کیا گیا ہے ۔ اچھا اب تم جاؤ" یہ کہہ کر انہوں نے مجھے بغیر جواب کا موقع دیئے رخصت کر دیا مگر میرے ساتھیوں کو روک لیا ۔ ان لوگوں کو انہوں نے خوب ڈانٹا اور کہا گاندھی کو رخصت کر دو ۔

وہ کھسیائے ہوئے لوٹے ۔ اب ہمارے سامنے ایسی صورت حال تھی جس کے لئے ہم بالکل تیار نہ

Marfat.com

تیسرا باب

ذلت چپ چاپ سہ لی

مجھے اس توہین سے بڑی تکلیف ہوئی مگر میں پہلے بہت ذلتیں اٹھا چکا تھا۔ اور ان کا عادی ہو گیا تھا۔ اس لئے میں نے یہ طے کیا کہ یہ ذلت بھی چپ چاپ سہ لوں گا اور جو کچھ کروں گا صورت حال پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد کروں گا۔

"ایشیائی محکمے" کے افسر اعلیٰ کے یہاں سے ایک خط آیا کہ چونکہ گاندھی ڈربن میں مسٹر چمیبرلین سے مل چکے ہیں اس لئے ان کا نام اس وفد سے خارج کر دیا گیا ہے۔ جواب موصوف کی خدمت میں جانے والا ہے۔

اس خط کو دیکھ کر میرے رفیقوں میں ضبط کی تاب نہیں رہی انہوں نے یہ تجویز کی کہ وفد کا خیال ہی ترک کر دیا جائے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ مناسب نہیں "اگر آپ لوگ اپنے مطالبات مسٹر چمیبرلین کے سامنے پیش نہ کریں گے تو یہ سمجھا جائے گا کہ آپ کے کوئی مطالبات ہی نہیں ہیں اصل چیز تو عرضداشت ہے اور وہ لکھی جا چکی ہے اسے میں پڑھوں یا کوئی اور بات ایک ہی ہے۔ مسٹر چمیبرلین ہم سے بحث تو کریں گے نہیں۔ میرے خیال میں تو سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ہم اس ذلت کو چپ چاپ سہ لیں۔

ابھی میں نے بات ختم نہ کی تھی کہ طیب سیٹھ بول اٹھے "کیا تمہاری ذلت ساری برادری کی ذلت نہیں ہے؟ آخر تم ہمارے نمائندے ہو یا نہیں؟"

میں نے جواب دیا "یہ بالکل بجا ہے۔ مگر اس طرح کی ذلتیں برادری کو بھی سہنا پڑیں گی۔ سوائے اس کے چارا ہی کیا ہے؟"

طیب سیٹھ نے کہا "چاہے جو کچھ ہو مگر ہمیں یہ ذلت برداشت نہیں کرنا چاہیے۔ آخر کوئی ہمارا

Marfat.com

کر کیا لے گا؟ ہمارے ایسے کون سے بہت حقوق ہیں جو چھن جائیں گے؟"

مجھے یہ تیکھا جواب پسند آیا مگر میں جانتا تھا کہ اس تیکھے پن سے کام نہیں چلے گا۔ مجھے اپنی برادری کی کمزوریوں کا حال معلوم تھا۔ میں نے اپنے دوست کو دھیما کیا اور انہیں یہ صلاح دی کہ میری جگہ مسٹر گاڈفرے (ایک ہندوستانی بیرسٹر) کو لے جائیں۔

چنانچہ مسٹر گاڈفرے کی سرکردگی میں وفد گیا۔ مسٹر چمبرلین نے اپنے جواب میں میرے واقعے کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے تالیف قلوب کی غرض سے کہا "کیا یہ بہتر نہیں کہ بار بار ایک ہی نمائندے کے آنے کے بجائے اب کے نیا شخص آیا ہے؟"

مگر ان باتوں سے بجائے اس کے کہ کوئی فیصلہ ہو میرا اور میری برادری کا کام اور بڑھ گیا۔ ہمیں نئے سرے سے ابتدا کرنی پڑی۔

لوگ مجھے یہ کہہ کر طعنے دینے لگے "تمہارے ہی کہنے سے برادری نے لڑائی میں مدد کی تھی۔ اب تم ہی دیکھو کہ اس کا کیا نتیجہ ہوا" مگر مجھ پر اس طعن کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں نے جواب دیا "میں نے جو مشورہ دیا تھا اس کا مجھے ذرا بھی افسوس نہیں میرے نزدیک تو ہم لوگوں نے بہت اچھا کیا کہ جنگ میں شریک ہوئے یہ ہمارا فرض تھا جو ہم نے ادا کر دیا ہمیں کوئی حق نہیں کہ اپنی محنت کے معاوضے کی توقع رکھیں۔ مگر مجھے دل سے یقین ہے کہ اچھے کام کا پھل ضرور ملتا ہے۔ خیر جو ہوا سو ہوا اب ہمیں آئندہ کی فکر کرنا چاہیئے۔" اس بات سے سب نے اتفاق کیا۔

پھر میں نے کہا "سچ پوچھئے تو جس کام کے لئے آپ نے مجھے بلایا تھا وہ اب ختم ہو گیا ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو مجھے بھی ٹرانسوال ہی میں رہنا چاہیئے گو آپ مجھے واپسی کی اجازت بھی دے دیں۔ بجائے نٹال میں رہ کر کام کرنے کے اب میرے لئے یہیں رہنا مناسب ہے۔ مجھے ایک سال کے اندر ہندوستان واپس جانے کا خیال چھوڑ کر ٹرانسوال کی عدالت العالیہ سے اجازت لے لینا چاہیئے۔ مجھے اپنے اوپر بھروسہ ہے کہ اس نئے محکمے سے اچھی طرح نبٹ لوں گا۔ اگر یہ نہ ہوا تو ہماری برادری خوب لٹے گی اور ہمارا اس ملک میں رہنا دشوار ہو جائے گا۔ روز نئی نئی ذلتوں کا سامنا ہو گا مسٹر چمبرلین کا مجھ سے نہ ملنا یا اس عہدے دار کا اہانت آمیز برتاؤ اس ذلت کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں جو ہماری برادری کو اٹھانا پڑے گی ہم سے یہ چاہا جائے گا کہ ہم کتوں کی سی زندگی بسر کریں اسے ہم کیونکر برداشت کریں گے۔"

غرض میں نے ہرچہ باداباد کہہ کر کام شروع کر دیا اور پریٹوریا اور جوہانسبرگ کے ہندوستانیوں

Marfat.com

سے مشورہ کر کے جوہانسبرگ میں اپنا دفتر قائم کر دیا۔

مجھے ٹرانسوال کی عدالت العالیہ سے وکالت کی اجازت ملنا بہت مشتبہ تھا مگر مجلس وکلاء نے میری درخواست کی مخالفت نہیں کی اور عدالت نے منظوری دے دی۔

دفتر کے معاملے میں یہ دشواری تھی کہ اچھے محلوں میں کسی ہندوستانی کو مکان نہیں ملتا تھا۔ مگر مجھ سے وہاں کے ایک تاجر مسٹر رچ سے میل جول ہو گیا تھا۔ ان کے ایک ملاقاتی مکانوں کے ایجنٹ تھے۔ ان کی مہربانی سے مجھے شہر کے اس حصے میں جہاں عدالتیں تھیں معقول کمرے مل گئے اور میں نے وکالت شروع کر دی۔

Marfat.com

Marfat.com

چوتھا باب

جوش ایثار میں ترقی

ٹرانسوال میں تو آباد ہندوستانیوں کے حقوق کے لئے جو لڑائی لڑنا پڑی اور ایشیائی محکمے سے جو معرکے پیش آئے ان کے بیان سے پہلے مجھے اپنی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کا تھوڑا سا ذکر کر دینا چاہیئے۔

اب تک میرے دل میں ایک دور نگی سی تھی۔ اثار کے جوش کے ساتھ ساتھ یہ فکر بھی لگی ہوئی تھی کہ آئیندہ کے لئے کچھ سرمایہ جمع کرلوں۔

جس زمانے میں میں نے بمبئی میں اپنا دفتر قائم کیا تھا وہاں ایک امریکی بیمہ ایجنٹ آیا۔ یہ ایک خوشرد اور شیریں زبان شخص تھا اور مجھ سے اس طرح گھل مل کے باتیں کرنے لگا جیسے برسوں کا دوست ہو۔ اس نے میری آئیندہ زندگی کی فلاح و بہبود کا ذکر کرتے ہوئے کہا "امریکہ میں آپ جیسی حیثیت کے لوگ سب اپنی زندگی کا بیمہ کراتے ہیں۔ آپ کو بھی آئیندہ کی فکر کرلینا چاہیئے۔ زندگی کا کیا بھروسہ؟ ہم امریکہ والے بیمہ کرانا مذہبی فرض سمجھتے ہیں۔ میرا کہنا مانئے اور ایک چھوٹی سی بیمہ پالیسی خرید لیجئے"۔

اس سے پہلے مجھے جنوبی افریقہ اور ہندوستان میں جتنے بیمہ ایجنٹ ملے میں نے سب کو سوکھا ٹال دیا تھا کیونکہ میں زندگی کا بیمہ کرانے کو بزدلی اور منافی توکل سمجھتا تھا۔ مگر اس وقت مجھ پر اس امریکی ایجنٹ کا جادو چل گیا۔ ادھر وہ یہ گفتگو کر رہا تھا اور ادھر میری نظروں میں بیوی بچوں کی تصویر پھر رہی تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا "بھلے آدمی تو نے اپنی بیوی کا سارا زیور ٹھکانے لگا دیا۔ کل کو تجھے سانحہ پیش آجائے تو تیری بیوی بچوں کی کفالت غریب بھائی کے سر ہوگی جس نے اپنے اوپر تکلیفیں اٹھا کر تجھے بیٹے کی طرح رکھا۔ اس وقت تجھے شرم تو نہ آئے گی؟" اس قسم کی دلیلوں سے میں نے اپنے دل کو سمجھایا اور دس ہزار روپے کی پالیسی خرید لی۔

Marfat.com

مگر جنوبی افریقہ پہنچ کر میری زندگی بدل گئی اور اسی کے ساتھ خیالات بھی بدلے۔ اس امتحان کے وقت میں نے جو کچھ کیا خدا کے لئے کیا اور اسی کے بھروسے پر کیا۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ جنوبی افریقہ میں کب تک رہنا ہے۔ یہ ڈر تھا کہ شاید کبھی ہندوستان واپس نہ جاسکوں اس لئے میں نے یہ طے کیا کہ بیوی بچوں کو ساتھ رکھنا چاہئے تاکہ وہ میری جدائی میں نہ تڑپیں اور صرف اتنا کمانا چاہئے کہ ان کی پرورش کے لئے کافی ہو جائے۔ ان خیالات کے سبب سے میں بہت پچھتایا کہ میں نے بیمہ ایجنٹ کے فقروں میں آکر پالیسی خرید لی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میرے بھائی واقعی باپ کے برابر ہیں تو ضرورت کے وقت میری بیوہ کی پرورش ان پر ہرگز بار نہ ہوگی۔ اور آخر یہ کیوں سمجھ لیا جائے کہ مجھے دوسروں سے پہلے موت آجائے گی؟ حافظ حقیقی خداوند تعالیٰ کی ذات ہے میری یا میرے بھائی کی کیا بساط ہے۔ میں نے اپنی زندگی کا بیمہ کرا کر اپنے بیوی بچوں کو اپنے بل سے محروم کر دیا۔ انہیں کیوں نہ ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے؟ آخر دنیا میں اتنے غریب آدمی مرتے ہیں ان کے بیوی بچے کیسے بسر کرتے ہیں؟ میں بھی اپنے آپ کو ان میں سے کیوں نہ سمجھ لوں؟

اس قسم کے بیشمار خیالات میرے دل میں آئے مگر ان پر فوراً عمل نہیں کیا مجھے یاد ہے کہ میں نے جنوبی افریقہ میں بیمہ پالیسی کی کم از کم ایک قسط ضرور ادا کی تھی۔

مگر خارجی واقعات سے میرے ان خیالات کو اور مدد ملی۔ پہلی بار جنوبی افریقہ کے قیام کے زمانے میں میرے دل میں مذہبی احساس کو عیسائیوں کے اثر نے قائم کر رکھا تھا۔ اس مرتبہ تھیوسوفی اثر نے اسے گہرا کر دیا اور مسٹر رچ تھیوسوف تھے اور ان کے ذریعے سے میری رسائی جو ہانسبرگ کی تھیوسوفی جماعت میں ہوئی۔ مجھے اس کے عقائد سے بہت سی باتوں میں اختلاف تھا اس لئے میں اس کا ممبر تو نہیں ہوا مگر مجھے قریب قریب کل تھیوسوفیوں سے میل جول پیدا کرنے کا موقع ملا۔ میری ان سے روزانہ مذہبی بحث ہوتی تھی۔ کبھی کبھی تھیوسوفی کتابیں پڑھی جاتی تھیں اور ایک آدھ بار مجھے ان کے جلسوں میں تقریر کرنے کا بھی اتفاق ہوا۔ تھیوسوفی میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اخوت کے اصول پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اس مسئلہ پر اکثر بحث ہوتی تھی اور اگر مجھے کسی بات میں ممبروں کا عمل ان کے نصب العین کے منافی معلوم ہوتا تھا تو میں ان پر اعتراض کیا کرتا تھا۔ اس تنقید سے مجھے بھی فائدہ پہنچا۔ اس کی بدولت مجھے مشاہدہ نفس کا موقع ملا۔

حوالہ

Rootaurant - 1

Marfat.com

پانچواں باب

مشاہدہ نفس کا نتیجہ

1893ء میں جب مجھے عیسائی دوستوں سے میل جول پیدا کرنے کا موقع ملا میں محض مبتدی تھا۔ یہ لوگ انتہائی کوشش کرتے تھے کہ مجھے مسیح کا پیام سمجھا کر ان کا پیرو بنالیں اور میں کھلے دل سے ادب اور عاجزی کے ساتھ ان کی گفتگو سنا کرتا تھا۔ اسی کو سمجھنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔

1903ء میں صورت حال ذرا بدل گئی تھی اب تھیوسوف دوست مجھے اپنی صحبت میں کھینچ بلانے تھے مگر ان کی غرض یہ تھی کہ مجھ سے ہندو دھرم کے متعلق کچھ معلومات حاصل کریں۔ تھیوسوفی کتابیں ہندو دھرم کے اثرات سے بھری ہوئی ہیں۔ ان دوستوں کو یہ بہت توقع تھی کہ مجھ سے انہیں ان کتابوں کے سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ میری سنسکرت کی استعداد بہت معمولی ہے۔ میں نے ہندو دھرم کی اصلی کتابوں کی مطالعہ نہیں کیا اور ترجمے بھی بہت سرسری طور پر پڑھے ہیں۔ مگر چونکہ وہ مسمسکار" (پہلے جنم کے اثرات) اور "پنر جنم" (دوبارہ پیدا ہونے) کے قائل تھے اس لئے انہوں نے یہ فرض کرلیا تھا کہ میں کچھ نہ کچھ مدد ضرور دے سکوں گا۔ غرض میری وہ مثل تھی کہ اندھوں میں کانا راجا۔ میں نے بعض دوستوں کے ساتھ سوامی دیویکانند کی "راج یوگ" اور بعض کے ساتھ م، ن دیویدی کی "راج یوگ" کا مطالعہ شروع کیا۔ ایک دوست کے ساتھ پتن جلی کی "یوگ شاستر" اور کچھ اور حضرات کے ساتھ بھگوت گیتا بھی پڑھتا تھا۔ ہم سب طالبان حق نے ایک کلب سا بنا لیا جہاں سب مل کر پابندی سے مطالعہ کرتے تھے۔ گیتا کا میں پہلے ہی سے معتقد تھا اور میرے دل کو اس سے ایک خاص تعلق تھا۔ اب مجھے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ میں اس کا اور گہرا مطالعہ کروں۔ میرے ساتھ دو ایک ترجمے تھے جن کی مدد سے میں اصل سنسکرت متن کو سمجھنے کی کوشش کرتا تھا اور روز دو ایک اشلوک زبانی یاد کرلیتا تھا۔ اس کے لئے میں نے صبح کا وقت مخصوص کرلیا۔

Marfat.com

مجھے روز دانت مانجھنے میں پندرہ منٹ اور نہانے میں بیس منٹ لگتے تھے ۔ اسی دوران میں میں گیتا کے اشلوک یاد کرتا تھا ۔ کاغذ کے پرچوں پر لکھ کر چپکا دیتا تھا اور اشلوک پڑھتے پڑھتے جہاں بھولتا تھا ان پرچوں کو دیکھ لیتا تھا ۔ اتنا وقت روز کا سبق یاد کرنے اور آموختہ دہرانے کے لئے کافی ہوتا تھا مجھے یاد ہے کہ میں نے اس طرح تیرہ باب حفظ کر لئے تھے مگر کچھ دن بعد اور کاموں کے ہجوم میں یہ مشغلہ چھوٹ گیا ۔ ستیا گرہ کا بیج بونے کے بعد میرا سارا وقت اسی پودے کے سینچنے میں صرف ہونے لگا اور اب تک ہوتا ہے ۔

گیتا کے مطالعہ کا میرے دوستوں پر جو اثر ہوا ہے اسے وہی بتا سکتے ہیں مگر میرے لئے تو یہ کتاب قانون عمل بن گئی ہیں روز مرہ کے کاموں میں اس کا حوالہ یوں ڈھونڈھتا تھا جیسے کوئی لغت دیکھا کرتا ہے ۔ جس طرح مشکل انگریزی الفاظ کے معنی میں انگریزی کی ڈکشنری سے نکالتا تھا اسی طرح اپنی عملی مشکلوں کو اس قاموس اخلاق سے حل کرتا تھا ۔ "اپری گرہ" (ترک املاک) اور "سمبھو" (عدل) جیسے الفاظ میرے دل کو مسخر کر لیتے تھے ۔ سوال یہ تھا کہ یہ "عدل" اختیار کیونکر کیا جائے ۔ میں حیران تھا کہ آخر اس حکم کے کیا معنی ہیں کہ میں ان دل آزار، بد تمیز، رشوت خوار عہدے داروں سے جو کل تک میرے رفیق تھے اور آج میری راہ میں بے کار روڑے اٹکا رہے تھے اسی طرح پیش آؤں جیسے اپنے پرانے محسنوں سے؟ اور انسان کل املاک کو کیونکر ترک کر سکتا ہے؟ خود ہمارا جسم بھی تو ہماری ملک ہے؟ بیوی بچے بھی تو املاک میں داخل ہیں؟ کیا میں اپنی کتابوں کی الماری کو آگ لگا دوں؟ کیا میں اپنی کشتی "پھونک دوں اپنا گھر بار لٹا دوں اور "اس کے پیچھے ہو لوں؟ میرے دل کی گہرائیوں سے یہ جواب ملا "میرا قانون انگلستان کا مطالعہ اس وقت بہت کام آیا ۔ مجھے اسنیل کی بحث اصول عدالت پر یاد آ گئی ۔ میں اس میں "ٹرسٹی" (امین یا ستولی) کا لفظ دیکھا کرتا تھا مگر اب اس کا صحیح مفہوم اب جا کر گیتا کی تعلیم کی بدولت سمجھ میں آیا ۔ میں نے گیتا کے "ترک املاک" کے حکم کا مطلب یوں سمجھا کہ جو لوگ نجات ابدی چاہتے ہیں انہیں چاہئے کہ اپنے مال سے ٹرسٹی کا سا تعلق رکھیں جو بڑی بڑی رقموں اور جائدادوں کا انتظام کرتا ہے مگر اس میں سے ایک کوڑی کو بھی اپنی ملک نہیں سمجھتا ۔ مجھ پر یہ بات اچھی طرح روشن ہو گئی کہ "املاک" اور "عدل" کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ انسان اپنا طرز خیال بالکل بدل دے ۔

میں نے ریوا شنکر بھائی کو لکھا کہ بیمہ پالیسی کو ضبط ہو جانے دیں ۔ اگر کچھ مل جائے تو لے لیں ورنہ جتنی قسطیں دی جا چکی ہیں ان سے ہاتھ دھو لیں کیونکہ اب میرا یہ عقیدہ ہو گیا ہے کہ وہی خدا جس

Marfat.com

نے مجھے اور میری بیوی بچوں کو پیدا کیا ہے ان کو رزق پہنچائے گا اپنے بھائی کو جنہوں نے مجھے ہمیشہ بیٹے کی طرح رکھا تھا میں نے یہ اطلاع دی کہ اب تک میں اپنا اندوختہ آپ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا مگر اب آپ مجھ سے کچھ توقع نہ رکھئے کیونکہ اب میں جو کچھ جمع کروں گا وہ ہندوستانی برادری کی بہبود کے لئے صرف کیا جائے گا۔

بھائی کو اس فیصلہ کے وجوہ سمجھانے میں مجھے بڑی دقت ہوئی۔ انہوں نے خفگی کے الفاظ میں مجھے میرے فرائض اور اپنے حقوق سے آگاہ کیا انہوں نے لکھا کہ تمہیں والد سے زیادہ دانشمند بننے کا حوصلہ نہیں کرنا چاہئے اور جس طرح میں خاندان کی مدد کرتا ہوں تمہیں بھی کرنا چاہئے۔ میں نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ میں بھی وہی کر رہا ہوں جو والد کیا کرتے تھے۔ آپ خاندان کے مفہوم کو کسی قدر وسیع کر دیجئے تو میرے طرز عمل کی مصلحت سمجھ میں آجائے گی۔

بھائی صاحب میری طرف سے مایوس ہو گئے اور انہوں نے مجھ سے خط و کتابت بند کر دی مجھے بہت رنج ہوا مگر جس چیز کو میں اپنا فرض سمجھتا تھا اسے چھوڑ دیتا تو اس سے بڑھ کر رنج ہوتا۔ اس لئے میں اپنی بات پر قائم رہا۔ مگر مجھے ان سے جو محبت اور عقیدت تھی اس میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ انہیں زیادہ صدمہ اسی لئے تھا کہ وہ مجھ سے بے حد محبت رکھتے تھے۔ میرے روپے کی انہیں اتنی پروانہ تھی جتنی اس بات کی کہ میں اپنے خاندان کے ساتھ اچھا سلوک کروں۔ مگر آخری وقت میں انہیں میرے نقطہ نظر کی قدر ہوئی۔ بستر مرگ پر انہیں یہ محسوس ہوا کہ میں نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔ ایک دردناک خط میں انہوں نے مجھ سے اس انداز میں معذرت کی جیسے باپ بیٹے کے آگے اظہار ندامت کرتا ہے اور لکھا کہ میں اپنے بیٹوں کو تمہارے سپرد کرتا ہوں جس طرح جی چاہے ان کی تربیت کرو۔ پھر ان کا تار آیا کہ میں جنوبی افریقہ آنا چاہتا ہوں۔ مگر میں نے فوراً جواب دیا کہ ضرور تشریف لائیے۔ مگر تقدیر کو یہ منظور نہ تھا روانگی سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ بیٹوں کے بارے میں بھی ان کی خواہش پوری نہ ہونے پائی۔ ان لوگوں نے پرانی فضا میں پرورش پائی تھی اور اب وہ اپنا طرز زندگی بدل نہیں سکتے تھے۔ میں نے چاہا کہ وہ مجھ سے مانوس ہو جائیں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ ہر شخص کی طبیعت ایک دریا ہے جس کے دھارے کو وہ روکنا بھی چاہے تو نہیں روک سکتا۔ پیدائش کے وقت اس کے دل کی لوح پر جو گہرے نقوش ہوتے ہیں وہ اس کے مٹائے نہیں مٹتے۔ یہ امید فضول ہے کہ کسی کی اولاد زیادہ بچے جو اس کی ولایت میں ہیں اسی راہ ارتقاء پر چلیں گے جس پر وہ خود چلتا ہے۔

اس مثال سے کسی قدر اندازہ ہوتا ہے کہ صاحب اولاد ہونا کتنی بڑی ذمہ داری کی چیز ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

چھٹا باب

نباتاتی مشرب کے لئے ایک قربانی

جوں جوں میں سادگی اور ایثار کے نصب العین سے قریب تر ہوتا جاتا تھا میری روز مرہ زندگی میں احساس اور نباتات مشرب کی تبلیغ کا جوش بڑھتا جاتا تھا۔ مجھے تبلیغ کا صرف ایک ہی طریقہ معلوم ہے اور وہ یہ کہ انسان اپنے عمل کی مثال پیش کرے اور جو لوگ حق کے طالب ہیں ان سے بحث مباحثہ کرے۔

جوہانسبرگ میں ایک جرمن نے جو کوہنے کے "پانی کے علاج" کا قائل تھا ایک نباتاتی ریستوران قائم کیا تھا۔ میں خود اس ریستوران میں جاتا اور اپنے انگریز دوستوں کو بھی لے جاتا تھا۔ مگر میں نے دیکھا کہ یہ ریستوران چلنے والا نہیں کیونکہ یہ ہمیشہ مالی مشکلات میں مبتلا رہتا ہے میں اسے جتنی مدد کا مستحق سمجھتا تھا اس میں میں نے دریغ نہیں کیا مگر آخر میں اس کے مالک کو ریستوران بند ہی کرنا پڑا۔

اکثر تھیوسوف کم وبیش نباتاتی مشرب رکھتے ہیں۔ ایک باہمت خاتون نے جو تھیوسوفی انجمن کی ممبر تھیں ایک نباتاتی ریستوران بڑے پیمانے پر کھولنے کا ارادہ کیا۔ مگر ان کی طبیعت کو اس کام سے مناسبت نہ تھی۔ وہ فنون لطیفہ کی شائق، فضول خرچی کی عادی اور حساب کتاب سے ناواقف تھیں۔ ان کے دوستوں کا حلقہ خاصا وسیع تھا انہوں نے ابتدا میں چھوٹا سا ریستوران کھولا تھا مگر اب وہ یہ چاہتی تھیں کہ اس کے لئے بڑا مکان لیں اور اسے وسیع پیمانے پر لے آئیں۔ انہوں نے مجھ سے اس کام میں مدد مانگی مجھے اس وقت تک ان کی مالی حالت معلوم نہیں تھی میں نے ان کے اعتبار پر یہ سمجھ لیا کہ جو تخمینہ انہوں نے بتایا ہے صحیح ہے۔ میرے لئے ان کی مدد کرنے کی ایک صورت بھی نکل آئی۔ میرے موکل

Marfat.com

میرے پاس بڑی بڑی رقمیں رکھوایا کرتے تھے۔ ان میں ایک سے اجازت لے کر میں نے اس کی طرف سے ایک ہزار پونڈ ان خاتون کو قرض دے دئے۔ یہ بڑا دل والا آدمی تھا اور جس پر اعتبار کرتا تھا اس پر پوری طرح کرتا تھا۔ یہ ابتدا میں "پابند مزدور" کی حیثیت سے جنوبی افریقہ آیا تھا۔ جب میں نے اس سے زرِ روپیہ قرض دینے کی اجازت مانگی تو اس نے کہا "آپ کا جی چاہے تو یوں ہی دے ڈالئے میں ان باتوں کو نہیں جانتا میں تو آپ کو جانتا ہوں" اس شخص کا نام بدری تھا۔ اس نے آگے چل کر ستیا گرہ میں بہت نمایاں حصہ لیا اور قید بھی بھگتی غرض میں نے اس اجازت کو کافی سمجھ کر روپیہ قرض دے دیا۔

دو تین مہینے کے بعد معلوم ہوا کہ روپیہ واپس ملنے کی کوئی امید نہیں۔ میرے لئے اس نقصان کو برداشت کرنا سہل نہ تھا مگر روپیہ تو ڈوب ہی گیا تھا۔ اتنے روپے سے میرے بہت سے کام چلتے۔ میں نے سوچا بے چارہ بدری جو مجھ پر اتنا اعتبار کرتا ہے کیوں نقصان اٹھائے۔ اس نے تو میرے بھروسے پر دیا تھا۔ میں نے رقم اپنے پاس سے ادا کر دی۔

ایک موکل نے جس سے میں نے اس معاملے کا ذکر کیا تھا، مجھے بہت ملامت کی۔ انہوں نے کہا: "بھائی" خوش قسمتی سے میں اس وقت تک "مہاتما" کیا "باپو" بھی نہیں کہلاتا تھا۔ میرے دوست مجھے "بھائی" کے پیارے لقب سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہ تو سوچئے کہ ہم لوگ آپ پر کتنا بھروسہ کرتے ہیں۔ اب اس رقم سے ہاتھ دھو رکھئے یہ میں جانتا ہوں کہ آپ بدری کا نقصان نہ ہونے دیں گے اور یہ روپیہ اپنے پاس سے بھریں گے لیکن آپ اپنے اصلاحی کاموں کی امداد موکلوں کے روپے سے کرتے رہے تو ایک دن یہ بے چارے بھی تباہ ہو جائیں گے اور آپ بھی بھیک مانگنے لگیں گے۔ آپ ہمارے رہنما ہیں اگر آپ کی یہ نوبت ہوئی تو ہمارا سارا قومی کام رک جائے گا۔

یہ دوست خدا کے فضل سے اب تک زندہ ہیں۔ میں نے جنوبی افریقہ میں بلکہ کہیں بھی ان سے بڑھ کر پاک نفس آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا ہے کہ اگر انہیں کسی شخص پر شبہہ ہو جائے اور ان کا شبہہ بے بنیاد ثابت ہو تو وہ جا کر اس سے معافی مانگتے تھے اور عرق ندامت سے اپنے دل کو دھو کر پاک کرتے تھے۔

ان کی تنبیہ بالکل بجا تھی۔ میں نے بدری کے نقصان کی تلافی کر دی۔ لیکن اگر پھر کسی معاملے میں اس طرح نقصان ہوتا تو میں ہزار پونڈ کہاں سے لاتا؟ نتیجہ یہ ہوتا کہ مجھے قرض لینا پڑتا جو میں نے آج تک کبھی نہیں لیا اور جس سے مجھے سخت نفرت ہے۔ مجھ پر یہ بات کھل گئی کہ اصلاح کے جوش میں بھی

Marfat.com

انسان کو جائز حدود سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے۔ میں نے اپنے موکل کی احسان مندی سے فائدہ اٹھا کر اس کاروپیہ قرض دے دینے میں گیتا کے اس اہم ترین حکم کی خلاف ورزی کی تھی کہ عادل کو کسی کام میں معاوضے کی توقع نہیں رکھنا چاہیئے۔ یہ ٹھوکر میرے لئے شمع ہدایت بن گئی۔

یہ قربانی جو میں نے نباتاتی مشرب کے لئے کی جان بوجھ کر نہیں کی اور نہ مجھے پہلے سے اس کی خبر تھی۔ یہ تو مارے باندھے کی نیکی تھیں۔

Marfat.com

Marfat.com

ساتواں باب

مٹی پانی کے علاج کے تجربے

میری زندگی میں جتنی سادگی بڑھتی گئی اسی قدر میرا دل دواؤں سے پھرتا گیا۔ جن دنوں میں ڈربن میں وکالت کرتا تھا مجھے کچھ عرصے تک گٹھیا کی شکایت رہی جس کے سبب سے بدن سوج گیا اور نقاہت بہت بڑھ گئی۔ مگر ڈاکٹر پ۔ ج۔ مہتا کے علاج سے صحت ہو گئی اور اس کے بعد سے ہندوستان جانے تک کبھی کوئی ایسی شکایت نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہو۔

مگر جوہانسبرگ آنے کے بعد مجھے اکثر قبض اور درد سر رہتا تھا۔ کھانے میں احتیاط رکھنے سے اور کبھی کبھی ملین دواؤں کے استعمال سے میری طبیعت سنبھلی رہی۔ مگر اس حالت میں میں اپنے آپ کو تندرست نہیں کہہ سکتا تھا اور اس فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح ملین دواؤں کے جنجال سے نجات ملے۔

اسی زمانے میں میں نے کسی اخبار میں پڑھا کہ منچسٹر میں ایک انجمن ان لوگوں کی بنی ہے جنھوں نے ناشتہ ترک کر دیا ہے۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ انگریز بار بار کھاتے ہیں اور بہت کھاتے ہیں، صبح سے آدھی رات تک کھانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اسی لئے ڈاکٹروں کی فیس دیتے دیتے ان کا دیوالہ نکل جاتا ہے اگر انہیں اس کی اصلاح منظور ہے تو انہیں کم سے کم ناشتہ ترک کر دینا چاہئے۔ اگرچہ میری حالت انگریزوں جیسی نہ تھی پھر بھی مجھے یہ محسوس ہوا کہ ایک حد تک یہ الزام مجھ پر عائد ہوتا ہے۔ میں دن میں تین بار پیٹ بھر کے کھانا کھاتا تھا اور سہ پہر کی چائے اس کے علاوہ تھی۔ میں ہمیشہ سے خوش خوراک واقع ہوا تھا اور جتنے مزے دار نباتاتی کھانے بے مرچ مسالے کے پک سکتے تھے سب اڑایا کرتا تھا میں صبح چھ سات بجے سے پہلے سو کر نہیں اٹھتا تھا اور چند گھنٹے کے بعد دوپہر کے کھانے کا وقت آجایا کرتا تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ میں بھی ناشتہ چھوڑ دوں۔ شاید اس طرح سے سر کا درد جاتا رہے۔ میں نے اس کا تجربہ کیا۔ چند روز تک ذرا بھوک کی تکلیف تو رہی مگر سر کا درد بالکل جاتا رہا۔ اس لئے میں

Marfat.com

نے یہ نتیجہ نکالا کہ میری غذا ضرورت سے زیادہ تھی۔

مگر ناشتے کے ترک کرنے سے قبض کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے کوہنے کے "کمر اور کولے کے غسل" کا تجربہ کیا اس سے کچھ تخفیف تو ہوئی مگر پوری طرح ازالہ نہیں ہوا۔ اس اثنا میں اس جرمن نے جو ریستوران کا مالک تھا یا کسی اور دوست نے مجھے جسٹ کی کتاب "رجوع بہ فطرت" دی۔ اس کے پڑھنے سے مجھے مٹی کے علاج کا طریقہ معلوم ہوا مصنف نے اس پر بھی زور دیا تھا کہ تازے پھل اور نٹ (اخروٹ، مونگ پھلی وغیرہ) انسان کی قدرتی غذا ہے۔ میں نے یہ تو نہیں کیا کہ سوائے پھلوں کے اور سب چیزیں یک لخت چھوڑ دیں ہوں مگر مٹی کا علاج فوراً شروع کر دیا اور اس سے حیرت انگیز فائدہ ہوا۔ علاج کا طریقہ یہ تھا کہ ایک باریک کپڑے کی پٹی لے کر اس پر صاف مٹی کی تہہ جما دی اور اسے پانی سے تر کر کے پیٹ پر باندھ لیا۔ میں سوتے وقت یہ پٹی باندھ لیتا تھا اور صبح کو یا رات میں جس وقت آنکھ کھلے کھول ڈالتا تھا۔ یہ تدبیر تیر بہدف ثابت ہوئی۔ اس کے بعد میں نے بارہا اس علاج کا تجربہ خود کیا اور اپنے دوستوں کو کرایا ہے۔ اور ہمیشہ فائدہ ہوا ہے۔ ہندوستان میں مجھے اس کا پورا تجربہ کرنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ ایک جگہ جم کر رہنا نصیب نہیں ہوا۔ مگر مجھے اس پر اب بھی وہی عقیدہ ہے جو پہلے تھا۔ آج بھی میں ایک حد تک مٹی پانی کے علاج پر عامل ہوں اور ضرورت کے وقت اپنے دوستوں کو بھی یہی بتاتا ہوں۔ گو میں اپنی عمر میں دو بار سخت بیمار ہوا مگر میرا عقیدہ ہے کہ انسان کو دواؤں کے استعمال کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہزار مریضوں میں سے نو سو ننانوے محض غذا میں احتیاط کرنے، مٹی پانی کے علاج اور اسی قسم کے گھریلو چٹکلوں سے اچھے ہو سکتے ہیں۔ جو شخص ذرا ذرا سی بات کے لئے ڈاکٹر، دید یا حکیم کے پاس دوڑا جاتا ہے اور دنیا بھر کی نباتاتی اور معدنی دوائیں نگلا کرتا ہے اس کی زندگی ہی نہیں گھٹ جاتی بلکہ وہ اپنے جسم کا غلام بن کر ضبط نفس کھو دیتا ہے اور انسانیت سے خارج ہو جاتا ہے۔

میں یہ باتیں اس وقت لکھ رہا ہوں جب میں خود بستر علالت پر ہوں۔ مگر اس بنا پر کسی کو ان کی سچائی میں شبہ نہیں کرنا چاہئے مجھے پنی بیماری کے اسباب معلوم ہیں۔ مجھے پوری طرح احساس ہے کہ اس میں سراسر میرا ہی قصور ہے۔ اور اسی احساس کی وجہ سے مجھے بے صبری نہیں بلکہ خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے میری غلطیوں پر متنبہ کر دیا اور ہر قسم کی دواؤں سے پرہیز کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میری اس ضد سے میرے معالج ڈاکٹروں کو بہت تکلیف ہوتی ہے مگر ان کی مہربانی ہے کہ وہ ان باتوں کو برداشت کرتے ہیں اور میرے علاج سے دست کش نہیں ہوتے۔

Marfat.com

خیر یہ جملہ معترضہ تھا اب مجھے اصل قصے کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ مگر اس سے پہلے اس کتاب کے پڑھنے والوں کو متنبہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ جو لوگ اس باب کے مطالعے کی بنا پر جسٹ کی کتاب خریدیں وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے حرف بحرف صحیح ہے۔ جو شخص کوئی کتاب لکھتا ہے وہ اکثر ایک خاص نقطہ نظر کو پیش کرتا ہے۔ حالانکہ ہر مسئلہ پر غور کرنے کے مختلف نقطۂ نظر ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے ہر نقطہ نظر اپنی اپنی جگہ صحیح ہو مگر ایک ہی وقت میں اور ایک ہی صورت حال میں سب صحیح نہیں ہوسکتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بہت سی کتابیں خریدار بہم پہنچانے کے لئے اور نام و نمود کی غرض سے لکھی جاتی ہیں۔ ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں کو چاہیئے کہ بہت سمجھ بوجھ سے کام لیں اور نئے تجربے کرنے سے پہلے کسی تجربہ کار سے مشورہ کرلیں یا خود ہی ان کتابوں کو غور سے پڑھیں کہ اُن کے مطالب پر پوری طرح حاوی ہوجائیں اور اس کے بعد اُن پر عمل کریں۔

Marfat.com

Marfat.com

آٹھواں باب

تنبیہہ

بیچ میں ایسی بات چھڑ گئی ہے کہ مجھے یہ پورا باب اسی کی نذر کرنا پڑے گا میں کے علاج کے تجربوں کے ساتھ ساتھ میں غذائیات کے تجربے بھی کرتا رہا۔ یہاں میں ان کا تھوڑا سا ذکر کرتا ہوں اور آگے بھی مناسب موقعوں پر ان کی طرف اشارہ کروں گا۔

غذائیات کے تجربوں پر تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان پر گجراتی میں ایک سلسلہ مضامین لکھ چکا ہوں۔ بہت دن ہوئے یہ مضامین "انڈین اوپینین" میں چھپے تھے اور پھر انگریزی میں "رہنمائے صحت" کے نام سے ایک رسالے کی شکل میں شائع ہوئے۔ میری مختصر تصانیف میں بھی رسالہ مشرق اور مغرب میں سب سے زیادہ مقبول ہوا۔ اس کی وجہ آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اصل میں یہ "انڈین اوپینین" پڑھنے والوں کے لیے لکھا گیا لیکن مجھے معلوم ہے کہ اس کا اثر مشرق اور مغرب میں بہت سے ایسے لوگوں کی زندگی پر پڑا ہے۔ جنہوں نے کبھی "انڈین اوپینین" کی شکل تک نہیں دیکھی۔ بہت سے لوگ مجھ سے اس بارے میں خط و کتابت کرتے رہے اور اب تک کرتے ہیں۔ اس لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالے کا ذکر کر دیا جائے۔ میں نے جو خیالات اس میں ظاہر کئے تھے ان پر اب بھی قائم ہوں۔ لیکن میرے عمل میں بعض اہم تبدیلیاں ہوئی ہیں جن سے اس رسالے کے پڑھنے والے واقف نہیں ہیں۔ انہیں ان تبدیلیوں سے آگاہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

دوسری کتابوں کی طرح میں نے یہ رسالہ بھی روحانی مقصد کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہے میرا ہر عمل اسی مقصد کا تابع ہوتا ہے۔ مگر مجھے اس بات کا بڑا صدمہ ہے کہ آج کل میں اس رسالے کے بعض اصولوں پر عمل نہیں کرسکتا۔

Marfat.com

میرا قطعی عقیدہ ہے کہ انسان کو بغیر ماں کے دودھ کے جو وہ بچپن میں پیتا ہے دودھ کے استعمال کی مطلق ضرورت نہیں۔ اس کی غذا میں سوائے دھوپ میں پکے ہوئے پھلوں اور مونگ پھلی، اخروٹ وغیرہ کے اور کچھ نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے رگ پٹھوں کے لئے جتنی غذا کی ضرورت ہے وہ انگور جیسے تازہ پھل اور بادام جیسے خشک میوے سے حاصل ہو سکتی ہے جو شخص ان چیزوں پر زندگی بسر کرتا ہے اسے شہوت جنسی اور دوسرے جذبات کی روک تھام میں آسانی ہوتی ہے۔ میں نے اور میرے رفیقوں نے تجربہ کر کے دیکھ لیا کہ ہندوستان کی مثل "آدمی جس قسم کی غذا کھائے گا ویسی ہی اس کی طبیعت بن جائے گی" بڑی حد تک صحیح ہے۔ یہی خیالات اس رسالے میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

مگر افسوس ہے کہ ہندوستان میں مجھے اپنے بعض اصولوں کے خلاف عمل کرنا پڑا۔ جن دنوں میں کھیدا میں رنگروٹ بھرتی تھا کھانے میں کچھ بے احتیاطی ہوئی اور میں ایسا بیمار پڑا کہ بچنے کی امید نہ رہی۔ اس بیماری نے میرے جسم کو توڑ دیا اور میں نے لاکھ کوشش کی کہ بغیر دودھ کے قوت آئے مگر کسی طرح کام نہ چلا۔ میں نے اپنی جان پہچان کے سارے ڈاکٹروں، ویدوں، اور سائنس دانوں سے پوچھا کہ دودھ کا بدل کیا ہو سکتا ہے۔ بعض نے مونگ پانی بتایا بعض نے مہورا کا تیل اور بادام کا شیرہ تجویز کیا۔ میں نے ان چیزوں کا تجربہ کر کے اپنے جسم کو گھلا ڈالا مگر کسی طرح اتنی قوت نہ آئی کہ بستر سے اٹھ سکوں ...... ویدوں نے مجھے چرک پڑھ کر سنائی کہ دوا و علاج میں مذہبی خدشوں کو دخل نہیں دینا چاہئے اس لئے انسے یہ توقع بے کار تھی کہ مجھے بغیر دودھ کے جینے کی کوئی تدبیر بتائیں گے۔ جب ان کا یہ حال تھا تو وہ لوگ جو گائے کے گوشت کی یخنی اور برانڈی تجویز کرتے ہیں مجھے دودھ سے بچنے کی تدبیر کیسے بتا سکتے تھے؟ گائے بھینس کے دودھ کا استعمال کرنے سے تو میں اپنے عہد کی وجہ سے معذور تھا۔ اصل میں عہد کا منشا تو یہی تھا کہ ہر قسم کا دودھ ترک کر دیا جائے مگر کچھ اسے خیال سے کہ عہد کرتے وقت میرے پیش نظر گائے اور بھینس کا دودھ تھا اور کچھ اس لئے کہ مجھے زندگی کی خواہش تھی میں نے اپنے دل کو پھسلا کر اس پر راضی کر لیا کہ عہد کے الفاظ کی پابندی پر قناعت کرے اور میں بکری کا دودھ استعمال کرنے لگا۔ جب میں نے پہلی بار بکری کا دودھ پیا تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میں اپنے عہد کے اصل مقصد کو برباد کر رہا ہوں۔

مگر مجھے اس زمانے میں رولٹ ایکٹ کو منسوخ کرانے کی دھن تھی۔ اس لئے زندگی کی خواہش غالب آگئی اور میری زندگی کا اہم ترین تجربہ ادھورا رہ گیا۔

Marfat.com

مجھے معلوم ہے بعض لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ روح کچھ کھاتی پیتی نہیں اس لئے ہمارے کھانے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور اصل سوال یہ نہیں ہے کہ انسان پیٹ میں کیا چیز ڈالتا ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ دل و دماغ سے کیا بات نکالتا ہے۔ مگر میں اس کا جواب دینے کے بجائے محض اس پر قناعت کرتا ہوں کہ اپنا دلی عقیدہ ظاہر کر دوں۔ میرے نزدیک طالب حق کے لئے جو خوف خدا میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہے اور دیدار الہی کی آرزو رکھتا ہے اپنے خیال اور کلام کی طرح اپنی غذا کے کیف و کم میں بھی ضبط نفس سے بھی کام لینا ضروری ہے۔

مگر جب میں خود اس معاملے میں اپنے اصول پر عمل نہ کر سکا تو مجھے محض واقعات بیان کرنے پر اکتفا نہ کرنا چاہیئے بلکہ دوسروں کو متنبہ بھی کر دینا چاہیئے۔ جن لوگوں نے میرے اصول کے مطابق دودھ کا استعمال چھوڑ دیا ہے انہیں میں تاکید کے ساتھ یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اسے ترک کر دیں البتہ اگر انہیں اس میں ہر طرح فائدہ محسوس ہوتا ہو یا تجربہ کار طبیبوں کی رائے ہو تو ضرور جاری رکھیں۔ اب تک مجھے ہندوستان کے تجربے سے یہی معلوم ہوا ہے کہ جو لوگ صاحب فراش ہیں یا جن کا ہاضمہ کمزور ہے ان کے لئے دودھ جیسی ہلکی اور مقوی اور کوئی غذا نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص جسے ان معاملات میں درک ہو، کتابوں کے حوالے سے نہیں بلکہ اپنے ذاتی تجربے سے، مجھے دودھ کا کوئی نباتاتی بدل بتا سکے جو اسی قدر مقوی اور زود ہضم ہو تو مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔

Marfat.com

Marfat.com

نواں باب

حکومت سے مقابلہ

اب ایشیائی محکمے کا حال سنئے:۔

اس کے عہدے داروں کا جتنا زور جوہانسبرگ میں تھا اور کہیں نہ تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ یہ لوگ ہندوستانیوں، چینیوں وغیرہ کے حقوق کی حفاظت کرنے کے بجائے اور الٹا انہیں پیس رہے تھے۔ روز مرہ اس قسم کی شکایتیں سننے میں آتی تھیں "جو داخلے کی حقدار ہیں وہ داخل نہیں ہونے پاتے اور جنہیں کوئی حق نہیں وہ سو پونڈ دے کر مزے میں چلے آتے ہیں۔ اگر تم اس اندھیر کی روک تھام نہیں کرو گے تو کون کرے گا۔" میرا بھی یہی خیال تھا میں دل میں کہتا تھا کہ اگر میں اس بلا کو دور نہ کر سکا تو میرا ٹرانسوال میں رہنا بے کار ہے۔

اس لئے میں نے ان شکایتوں کے ثبوت فراہم کرنا شروع کئے اور جب کافی مسالہ جمع ہو گیا تو میں پولس کمشنر کے پاس پہنچا۔ وہ منصف مزاج آدمی نکلا۔ مجھے ٹالنے کے بجائے اس نے بہت صبر سے میری باتیں سنیں اور کہا کہ تمہارے پاس جو کچھ ثبوت ہے مجھے دکھاؤ اس نے خود گواہوں کی شہادت سن کر اپنا پورا اطمینان کرلیا۔ مگر وہ بھی جانتا تھا اور میں بھی جانتا تھا کہ جنوبی افریقہ میں کوئی فرنگیوں کی جوری کالے آدمیوں کے مقابلے میں گورے افسروں کو ملزم ٹھہرائے گی۔ مگر اس نے کہا "کم سے کم ایک بار کوشش تو کرنا چاہئے۔ یہ بھی تو ٹھیک نہیں کہ ایسے مجرموں پر محض اس خوف سے ہاتھ نہ ڈالا جائے کہ جوری انہیں رہا کردے گی۔ میں تو انہیں گرفتار کئے بغیر نہ مانوں گا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا"۔

مجھے اس کے بے کہے اس بات کا یقین تھا مجھے بہت سے عہدہ داروں پر شبہ تھا مگر چونکہ میرے

Marfat.com

پاس ان سب کے خلاف قطعی شہادت نہیں تھی اس لئے میں نے صرف دو شخصوں کے نام وارنٹ جاری کرائے جن پر جرم بالکل ثابت تھا۔

میری یہ عادت نہیں کہ اپنی نقل و حرکت پوشیدہ رکھوں۔ بہت سے لوگ جانتے تھے کہ میں قریب قریب روزانہ پولس کمشنر کے یہاں جاتا ہوں۔ جن دو عہدہ داروں کی گرفتاری کے لئے وارنٹ جاری ہوئے تھے انہوں نے مخبر لگا رکھے تھے۔ یہ لوگ میرے دفتر کے گرد چکر کاٹا کرتے تھے اور میری نقل و حرکت کی رپورٹ ان عہدے داروں کو پہنچاتے تھے۔ مگر یہ دونوں اس قدر بدطنیت تھے کہ انہیں جاسوس بھی مشکل سے ملتے ہوں گے ہندوستانی اور چینی تو ان سے اس قدر نالاں تھے کہ انہوں نے ان کی گرفتاری میں پولیس کی امداد کی ورنہ ان کا ہاتھ آنا مشکل تھا۔

ان میں سے ایک تو فرار ہو گیا تھا۔ کمشنر پولیس نے اس کی سپردگی کے لئے وارنٹ جاری کرا کر دوسری حکومتوں کے پاس بھیجا اور وہ گرفتار کر کے ٹرانسوال لایا گیا۔ ان دونوں کے مقدمے کی تحقیقات ہوئی اور باوجود یہ کہ ان کے خلاف بہت قوی شہادت تھی اور جوری کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان میں سے ایک فرار ہو گیا تھا مگر دونوں بے قصور قرار دے کر بری کر دئے گئے۔

مجھے سخت مایوسی ہوئی کمشنر پولیس کو بھی بہت رنج ہوا میرا دل قانون کے پیشے سے پھر گیا بلکہ مجھے سرے سے ذہنی قابلیت سے نفرت ہو گئی۔ کیونکہ میں نے دیکھا کہ یہ روپے کے بدلے مجرموں کے جرم پر پردہ ڈالنے میں صرف کی جاتی ہے۔

مگر ان دونوں عہدہ داروں کا جرم اتنا کھلا ہوا تھا کہ ان کے بری ہو جانے پر بھی حکومت انہیں اپنی ملازمت میں نہ رکھ سکی۔ دونوں برخاست کر دئے گئے۔ ایشیائی محکمہ پہلے کے مقابلے میں پاک صاف ہو گیا اور ہندوستانیوں کے تھوڑے بہت آنسو پچھ گئے۔

اس واقعے سے میری دھاک بیٹھ گئی اور میرے پاس کثرت سے مقدمے آنے لگے۔ ہماری برادری جو سیکڑوں پونڈ رشوت کے ہر مہینے دیا کرتی تھی اس میں سے بھی بہت بڑا حصہ بچ گیا۔ سب اس لئے نہیں بچ سکا کہ بے ایمان لوگوں نے اب بھی اپنی حرکتیں نہیں چھوڑیں مگر کم سے کم اتنا ہو گیا کہ اب ایماندار لوگ اپنی ایمانداری قائم رکھ سکتے تھے۔

گو یہ عہدے دار اس قدر بدکردار تھے مگر مجھے ان سے کوئی ذاتی مخالفت نہیں تھی انہیں خود بھی اس کا احساس تھا۔ چنانچہ آڑے وقت مجھے انہوں نے میرا سہارا ڈھونڈا اور میں نے اپنے مقدور بھر ان کی مدد کی۔ انہیں جوہانسبرگ کی میونسپلٹی میں ملازمت مل رہی تھی مگر یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ

Marfat.com

میں اس تجویز کی مخالفت نہ کروں۔ ان کے ایک دوست کے کہنے سننے سے میں اس پر راضی ہو گیا کہ اس معاملے میں مزاحمت نہ کروں گا چنانچہ دونوں کو جگہ مل گئی۔

میرے اس طرز عمل کا یہ اثر ہوا کہ جن عہدے داروں سے مجھے سابقہ تھا ان کا دل میری طرف سے صاف ہو گیا اور باوجود اس کے کہ مجھے اکثر ان کے محکمے میں لاڑنا پڑتا تھا اور اکثر سخت سست کہنے کی بھی نوبت آجاتی تھی ان کا برتاؤ میرے ساتھ ہمیشہ دوستانہ رہا۔ اس وقت تک مجھے پوری طرح اس بات کا احساس نہ تھا کہ یہ رواداری میری سرشت میں ہے آگے چل کر مجھے معلوم ہوا کہ یہ "ستیاگرہ" کی جان اور "اہمسا" کی شان ہے۔

انسان کی ذات اور اس کے افعال یہ دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ اچھے فعل پر تحسین اور برے پر یقین کرنا چاہئے لیکن فائل اگر اچھا ہے تو عزت کا برا ہے تو رحم کا مستحق ہے۔ "نفرت جرم سے نہ کرو" ایسی تعلیم ہے جس کا سمجھنا تو سہل ہے مگر اس پر عمل بہت کم کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ نفرت کا زہر دنیا میں پھیل رہا ہے۔

یہی "اہمسا" تلاش حق کی بنیاد ہے۔ مجھ پر روز بروز یہ بات روشن ہوتی جاتی ہے کہ حق تک رسائی کی کوشش بے "اہمسا" کے زینے گے بالکل فضول ہے۔ کسی نظام کی مزاحمت یا تخریب کی کوشش جائز ہے مگر اس کے بانی کے آزار کے درپے ہونا خود اپنے ساتھ بدسلوکی کرنا ہے۔ کیونکہ ہم سب ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہیں۔ ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص بحر حقیقت کا قطرہ ہے اور قطرہ بحر کی طرح نامحدود ہے۔ کسی قطرے کو حقیر سمجھنا دریا کی حقارت کرنا ہے۔ کسی بندے کا دل دکھانا ساری خدائی کا دل دکھا دینا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

دسواں باب

ایک گناہ اور اس کی ندامت

میری زندگی میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ مجھے مختلف مذہب و ملت کے لوگوں سے سابقہ رہا اور ان تجربوں کی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کبھی اپنے اور غیر، دیسی اور بدیسی، گورے اور کالے، ہندو، مسلمان، پارسی، عیسائی، یہودی میں فرق نہیں کیا بلکہ یوں کہنا چاہیۓ کہ میری طبیعت میں اس طرح کا فرق کرنے کا مادہ ہی نہیں ہے۔ اس میں میری کوئی تعریف نہیں کیونکہ میں نے یہ صفت اپنی سعی سے حاصل نہیں کی بلکہ یہ میری سرشت میں ہے۔ برخلاف اس کے "اہمسا" "برہمچاریہ" "اپری گرہ" اور دوسری بنیادی نیکیوں کے حصول کے لئے مجھے مسلسل کوشش کرنا پڑی اور اب بھی کرنا پڑتی ہے۔

جب میں ڈربن میں وکالت کرتا تھا تو میرے دفتر کے محرر اکثر میرے گھر میں رہا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض گجراتی ہندو تھے اور بعض تامل عیسائی۔ میں انہیں اپنے عزیزوں کی طرح رکھتا تھا اور میری بیوی کبھی اس میں مزاحمت کرتی تھیں تو میری ان سے ان بن ہو جاتی تھی۔ ان ہی محرروں میں ایک عیسائی تھا جس کے ماں باپ "پنچم" تھے۔

ہمارا مکان مغربی وضع کا تھا۔ اس کے کمروں میں نالیاں نہیں تھیں اور ہونا بھی نہیں چاہیۓ تھیں۔ ہر کمرے میں "پاٹ" رکھ دئے گئے تھے مجھے یہ پسند نہ تھا کہ انہیں مہتر سے یا نوکروں سے صاف کراؤں۔ اس لئے میں خود یا میری بیوی انہیں صاف کیا کرتی تھیں۔ جو محرر ہم لوگوں میں گھل مل گئے تھے وہ اپنے "پاٹ" آپ صاف کرلیا کرتے تھے۔ مگر یہ عیسائی محرر نیا نیا آیا تھا اس لئے اس کے کمرے کی صفائی کرنا ہمارا فرض تھا۔ دوسروں کے "پاٹ" صاف کرنے میں میری بیوی نے کبھی عذر نہیں کیا۔ مگر جو شخص "پنچم" سے عیسائی ہوا تھا اس کا میلا اٹھانا انہیں کسی طرح گوارا نہیں ہوا۔ اس بات پر ہم دونوں میں ان بن ہو گئی۔ ان سے نہ تو یہ دیکھا جاتا تھا کہ میں اس شخص کا پاٹ اٹھاؤں اور نہ وہ خود اٹھانا

Marfat.com

پسند کرتی تھیں ۔ میری آنکھوں میں آج تک وہ تصویر پھرتی ہے کہ وہ پاٹ ہاتھ میں لئے سیڑھی سے اتر رہی ہیں، آنکھیں غصے سے لال ہیں، رخساروں پر آنسو بہہ رہے ہیں اور مجھے برا بھلا کہہ رہی ہیں مگر مجھے ان سے جو محبت تھی وہ ظلم کا پہلو لئے ہوئے تھی میں اپنے آپ کو ان کا معلم سمجھتا تھا۔ میری اندھی محبت سے ان کی جان عذاب میں تھی ۔

صرف ان کا " پاٹ " اٹھالینا میرے اطمینان کے لئے کافی نہ تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ یہ خدمت خندہ پیشانی سے انجام دیں اس لئے میں نے درشتی کے ساتھ کہا " مجھے اپنے گھر میں یہ بیہودگی پسند نہیں۔"

یہ لفظ ان کے دل میں تیر کی طرح لگے ۔

انہوں نے جھنجلا کر جواب دیا " تمہیں اپنا گھر مبارک ہو مگر میرا یہاں نباہ نہیں ہوسکتا"۔

میں یہ سن کر اپنے آپے میں نہ رہا اور میرے دل میں رحم کا سرچشمہ خشک ہوگیا۔ میں ان بے چاری کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا سیڑھی کے سامنے پھاٹک میں لے گیا۔ اور دروازہ کھولنے لگا کہ انہیں باہر ڈھکیل دوں ۔ وہ زار و قطار روتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں " تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آتی، آدمیت سے گزرے جاتے ہو، آخر میں جاؤں کہاں؟

یہاں نہ میرے ماں باپ ہیں نہ بھائی بند ہیں جو میرے سر پر ہاتھ رکھیں ۔ میں تمہاری بیوی ہوں اس لئے تم چاہتے ہو کہ میں ٹھوکریں کھاؤں اور اف نہ کروں، خدا کے لئے ہوش میں آؤ دروازہ بند کرو، لوگ ہمیں اس حالت میں دیکھیں گے تو کیا کہیں گے؟"

بظاہر میں تیس مار خان بنا رہا لیکن دل میں بہت شرمندہ ہوا اور میں نے دوازہ بند کر دیا ۔ نہ میری بیوی مجھے چھوڑ سکتی تھیں نہ میں انہیں چھوڑ سکتا تھا۔ ہم دونوں میں اکثر لڑائیاں ہوئیں مگر ہمیشہ صلح پر خاتمہ ہوا۔ میری بیوی کو اپنے بے مثل صبر و تحمل کی بدولت ہر معرکے میں فتح ہوئی۔

آج میں اس واقعہ کو کسی قدر بے تکلفی سے بیان کر سکتا ہوں کیونکہ یہ اس دور کا ذکر ہے جس سے میں خوش قسمتی سے گزر چکا ہوں ۔ اب میں وہ محبت سے اندھا شوہر نہیں ہوں اور نہ اپنی بیوی کا معلم بنتا ہوں ۔ اب اگر وہ چاہیں تو مجھے اتنا ہی ستا سکتی ہیں جتنا میں انہیں پہلے ستایا کرتا تھا ۔ ہم دونوں میں دوستی ہے جو بہت سے امتحانوں میں پوری اتر چکی اور اب ہم ایک دوسرے کو خواہشات نفسانی کا موضوع نہیں سمجھتے ہیں ۔ انہوں نے میری بیماریوں میں ہمیشہ بے نفسی سے میری تیمار داری کی۔

یہ واقعہ 1898ء میں ہوا جب مجھے برہمچاریہ کی ہوا تک نہیں لگی تھی ۔ ان دنوں میں بیوی کو شوہر کی رفیق مددگار، اس کی رنج و راحت کی شریک نہیں بلکہ اس کی خواہشات نفسانی کا کھلونا سمجھتا تھا۔

Marfat.com

1900 ءمیں ان خیالات میں کایا پلٹ ہو گئی اور 1906 ءمیں انہوں نے ایک معینہ صورت اختیار کر لی۔ مگر اس کا ذکر میں مناسب موقعہ پر کروں گا یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میری نفسانی خواہشوں کے معدوم ہو جانے سے میری گھریلو زندگی روز بروز پر امن، خوشگوار اور مسرت بخش ہوتی جاتی ہے۔

اس واقعے سے، جس کی یاد کو میں تبرک سمجھ کر عزیز رکھتا ہوں کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ہم دونوں کے تعلقات میاں بیوی کے اتحاد کا کامل نمونہ ہیں یا میرا اور میری بیوی کا نصب العین بالکل ایک ہے۔ یوں تو ان بے چاری کو احساس بھی نہیں کہ وہ کوئی علیحدہ نصب العین رکھتی ہیں مگر بہت ممکن ہے کہ میری بعض باتیں انہیں اب بھی پسند نہ ہوں ہم دونوں میں کبھی ان چیزوں پر گفتگو نہیں ہوتی میں اسے بے کار سمجھتا ہوں کیونکہ ان غریب کو نہ تو ان کے ماں باپ نے پڑھایا اور نہ میں نے اس زمانے میں تعلیم دی جوان کے لئے مناسب تھا۔ ان میں یہ بہت بڑا وصف ہے جو ایک حد تک سب ہندو بیویوں میں ہوتا ہے کہ چاہے ان کا جی چاہتا ہو یا نہ چاہتا ہو۔ انہیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو۔ انہوں نے ہمیشہ میری پیروی کو باعث سعادت سمجھا اور میری ضبط نفس کو سعی میں کبھی رکاوٹ نہیں ڈالی۔ اس لئے گو ہم دونوں کی ذہنی قابلیت میں بڑا فرق ہے مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہماری زندگی اطمینان، مسرت اور ترقی کی زندگی ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

گیارھواں باب

فرنگیوں سے میل جول (۱)

اس مقام پر ناظرین کو یہ بتادینا ضروری ہے کہ یہ آپ بیتی میں نے ہفتہ وار مضامین کی شکل میں لکھی ہے۔

جب میں نے یہ کتاب لکھنا شروع کی تو میرے پیش نظر کوئی معینہ خاکہ نہ تھا میرے پاس کوئی روزنامچہ یا دوسری تحریں نہیں ہیں جن سے اپنے تجربوں کی داستان لکھنے میں مدد لے سکوں مجھ سے استاد ازل جو لکھواتا ہے قلم برداشتہ لکھ دیتا ہوں۔ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میرا ہر خیال اور ہر فعل خدا کی طرف سے ہے مگر جب میں ان چھوٹے بڑے کاموں پر غور کرتا ہوں جو میرے ہاتھ سے انجام کو پہنچے تو یہ کہنا بے جا نہیں معلوم ہوتا کہ ان سب میں کچھ ادہر کا اشارہ ضرور تھا۔

مجھے نہ خدا کا دیدار نصیب ہوا نہ اس کی معرفت حاصل ہوئی۔ ساری خدائی کو خدا کا قائل دیکھ کر میں بھی قائل ہوگیا۔ مگر میرا عقیدہ اتنا راسخ ہے کہ میں اسے تجربے کے برابر سمجھتا ہوں۔ ممکن ہے لوگ یہ اعتراض کریں کہ عقیدے کو تجربہ کہنا حق کا منہ چڑانا ہے۔ اس لئے غالباً یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ مجھے خدا پر جو عقیدہ ہے اسے بیان کرنے کے لئے مجھے کوئی موزوں لفظ نہیں ملتا۔

اب شاید لوگوں کو میرا یہ فقرہ سمجھنے میں آسانی ہو کہ یہ آپ بیتی اسی طرح لکھتا ہوں جیسے استاد ازل لکھواتا ہے۔ جب میں نے پچھلا باب لکھنے کے لئے قلم اٹھایا تو اس کا عنوان وہ رکھا تھا جو اس باب کا ہے مگر پھر یہ خیال آیا کہ فرنگیوں سے میل جول کا ذکر کرنے سے قبل تمہید کے طور پر ایک واقعہ جو کئی سال پہلے گزرا تھا بیان کر دینا چاہئے۔ اس لئے میں نے عنوان بدل کر وہ واقعہ لکھ دیا۔

مگر یہ باب شروع کرتے وقت میں پھر الجھن میں پڑ گیا ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں جن

Marfat.com

انگریز دوستوں کا ذکر کرنے والا ہوں ان کی کون سی باتیں لکھوں اور کون سی نہ لکھوں۔ اگر ضروری باتیں چھوٹ گئیں تو حقیقت دھندلی ہو کر رہ جائے گی۔ سرسری نظر میں یہ کیسے معلوم ہو کہ کونسی چیز ضروری ہے؟ مجھے تو اسی میں شبہ ہے کہ اس کتاب کا لکھنا بھی ضروری ہے یا نہیں۔

بہت دن ہوئے میں نے پڑھا تھا کہ آپ بیتی بحیثیت تاریخ کے ناقص ہوتی ہے۔ آج اس بات کی تصدیق ہو گئی۔ مجھے جتنی باتیں معلوم ہیں سب تو میں اس کتاب میں لکھ نہیں سکتا۔ اب یہ کون کہہ سکتا ہے کہ حق کی صحیح تفسیر کے لئے ان میں سے کیا کیا لے لینا چاہئے اور کیا کیا چھوڑ دینا چاہئے؟ اور پھر میری زندگی کے متعلق میری یک طرفہ شہادت جتنے باب میں لکھ چکا ہوں ان کے متعلق مجھ سے جرح کرنے لگے تو شاید ان کا مطلب زیادہ واضح ہو جائے گا اور اگر اس کی جرح مخالفانہ ہو تو یہ بھی ممکن ہے کہ اسے "میرے دعووں کی پول کھول دینے" پر فخر کا موقع ملے۔

ذرا دیر کے لئے میرے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ اب اس دفتر کو تہ کر دوں۔ مگر جب تک اندرونی آواز مجھے منع نہ کرے گی میں لکھتا جاؤں گا مجھے اس حکیمانہ اصول پر عمل کرنا چاہئے کہ جو کام ایک بار شروع کر دیا جائے اسے کبھی نہیں چھوڑنا چاہئے بغیر اس صورت کے کہ اس میں کوئی اخلاقی برائی نظر آئے۔

میں یہ آپ بیتی نقادوں کو خوش کرنے کے لئے نہیں لکھ رہا ہوں۔ اس کا لکھنا خود تلاش حق کا ایک تجربہ ہے۔ ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اپنے رفیقوں کے لئے روحانی غذا اور تسکین فراہم کروں بلکہ انہیں کے اصرار سے میں نے یہ کتاب لکھنا شروع کیا۔ اگر جے رام داس اور سوامی آنند کا اصرار نہ ہوتا تو یہ کبھی نہ لکھی جاتی۔ اگر یہ تجویز قابل الزام ہے تو میرے ساتھ یہ دونوں بھی ملزم ہیں۔

اب اصل مطلب پر آتا ہوں جس کی طرف اس باب کے عنوان میں اشارہ ہے جس طرح ڈربن میں میرے ساتھ ہندوستانی مہمان عزیزوں کی طرح رہتے تھے اسی طرح انگریز بھی رہتے تھے۔ ان میں سے بعض لوگوں کو میرے یہاں رہنا پسند نہ تھا مگر میں اصرار سے رکھتا تھا۔ اس معاملے میں میں نے غلطیاں بھی کیں اور کچھ لوگوں کا مجھے بہت تلخ تجربہ ہوا۔ جن میں ہندوستانی بھی تھے اور فرنگی بھی۔ مگر باوجود ان تجربوں کے اور باوجود اس پریشانی اور تکلیف کے جو میرے دوستوں کو میری وجہ سے اٹھانا پڑی میں نے اپنا یہ معمول ترک نہیں کیا اور وہ بے چارے بھی میری خاطر سب کچھ سہتے رہے۔ جب کبھی میرے دوستوں کو میرا اجنبیوں سے میل جول رکھنا گوارا ہوا میں نے ہمیشہ انہیں ملامت کی۔ میرا عقیدہ ہے کہ جن لوگوں کو دوسروں میں اور اپنے آپ میں ایک ہی خدا کا جلوہ نظر آتا ہے انہیں باہمہ اور بے ہمہ

Marfat.com

زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالنا چاہیئے ۔ اور یہ عادت اس طرح پڑتی ہے کہ جب آپ ہی آپ دوسروں سے میل جول کا موقع نکل آئی تو انسان پہلو نہ بچائے بلکہ سچے جذبہ خدمت کے ساتھ ان کا خیر مقدم کرے مگر اپنے دل کو ان سے وابستہ نہ ہونے دے ۔

اس لئے گو جنگ بوئر کے آغاز کے وقت میرا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا میں نے دو انگریزوں کو جو جوہانسبرگ سے آئے تھے اور ٹھہرالیا ۔ یہ دونوں تھیوسوف تھے ۔ ان میں سے ایک مسٹر کچن تھے جن کا ذکر آگے تفصیل سے آئے گا ۔ ان دوستوں کی بدولت میری بیوی اکثر آٹھ آٹھ آنسو روتی تھیں ۔ وہ میرے ہاتھوں پہلے بھی اس قسم کی تکلیفیں اٹھا چکی تھیں ۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انگریز میرے ساتھ بے تکلفی سے عزیزوں کی طرح آن کر رہے تھے ۔ میں نے انگلستان میں انگریزوں کے گھر رہ چکا تھا مگر وہاں ان کے طریقوں کی پابندی کرتا تھا اور پھر اتنی بے تکلفی بھی نہ تھی ۔ یہاں معاملہ بالکل الٹا تھا ۔ انگریز دوست ہم میں گھل مل گئے تھے اور انہوں نے بہت سی باتوں میں انگریزی طریقہ اختیار کرلیا تھا ۔ میرے گھر میں ظاہری سازوسامان تو مغربی تھا مگر اندرونی زندگی زیادہ تر ہندوستانی تھی ۔ مجھے یاد ہے کہ گو مجھ کو ان سے بے تکلف ہونے میں کسی قدر دقت ہوئی مگر وہ بہت جلد میرے گھر کی زندگی سے مانوس ہوگئے ۔ جوہانسبرگ میں اس قسم کے میل جول کے موقعے ڈربن سے بھی زیادہ ملے ۔

Marfat.com

Marfat.com

بارھواں باب

فرنگیوں سے میل جول (۲)

جوہانسبرگ میں ایک زمانے میں میرے یہاں چار محرر تھے جنہیں میں اپنے بیٹوں کی طرح سمجھتا تھا ۔ مگر کام اتنا تھا کہ یہ بھی کافی نہ ہوئے ۔ کاغذات ٹائپ کرنے کی بہت ضرورت پڑتی اور ٹائپ نویسی ہم سب میں اگر کوئی تھوڑا بہت جانتا تھا تو میں ہی جانتا تھا میں نے دو محرروں کو سکھانا چاہا مگر ان کی استعداد انگریزی میں بہت کم تھی اس لئے ترقی نہ کر سکے پھر ان میں سے ایک کو میں محاسب کا کام سکھانا چاہتا تھا ۔ نٹال سے کسی کو بلا نہیں سکتا تھا کیونکہ ٹرانسوال میں بغیر پروانے کے داخل ہونے کی ممانعت تھی اور مجھے اپنے ذاتی کام کے لئے پرمٹ افسر کا ممنون احسان ہونا منظور نہیں تھا ۔

میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں ۔ کام کی بقایا کا انبار بڑھتا جاتا تھا میں بڑی محنت کرتا تھا لیکن پیشے کا کام اور قومی کام مل کر اتنا ہوگیا کہ کسی طرح نہ سنبھلتا تھا میں اس پر تیار تھا کہ فرنگی محرر رکھوں مگر مجھے یقین نہ تھا کہ کوئی فرنگی مرد یا عورت میرے جیسے کالے آدمی کا کام کرنے پر راضی ہو جائے گی ۔ بہرحال میں نے یہ طے کیا کہ کوشش ضرور کرنا چاہیئے ۔ میں نے ایک ٹائپ نویسوں کے ایجنٹ سے فرمائش کی کہ مجھے ایک مختصر نویس ڈھونڈھ دو ۔ اس نے کہا کہ نوجوان عورتیں مل سکتی ہیں ان میں سے کسی کو نوکری پر راضی کرلوں گا ۔ اسے ایک نوجوان اسکاتی خاتون مس ڈک مل گئی جو سیدھی اسکاتستان سے آئی تھیں ۔ یہ جائز طریقہ پر روزی کمانے پر تیار تھیں چاہے کسی کا بھی کام کرنا پڑے اور حاجتمند بھی تھیں ۔ اس لئے ایجنٹ نے انہیں میرے پاس بھیج دیا ۔ میں نے صورت دیکھتے ہیں ان کی طرف سے اچھا خیال قائم کرلیا ۔

میں نے پوچھا "آپ کو ہندوستانی کے یہاں کام کرنے میں تامل تو نہیں؟

انہوں نے جواب دیا "مطلق نہیں"

Marfat.com

"آپ تنخواہ کیا چاہتی ہیں؟"

"یہی سولہ سترہ پونڈ یہ تنخواہ زیادہ تو نہیں؟

"نہیں اگر آپ کا کام میرے حسب منشا ہو تو زیادہ نہیں۔ آپ کب سے کام شروع کر سکتی ہیں؟"

"آپ چاہیں تو اسی وقت شروع کر دوں"۔

میں بہت خوش ہوا اور میں نے فوراً خط لکھوانا شروع کر دئے

تھوڑے ہی دن میں انہیں محرر نہیں بلکہ اپنی چھوٹی بہن یا بیٹی کی طرح سمجھنے لگا۔ ان کا کام ہر طرح قابل اطمینان تھا۔ اکثر ان کی تحویل میں ہزارہا پونڈ رہتے تھے اور سارا حساب کتاب وہی رکھتی تھیں۔ مجھے ان پر پورا بھروسہ ہو گیا اور وہ بھی مجھ پر اتنا اعتماد کرنے لگیں کہ اپنے دلی خیالات اور جذبات مجھ پر اظہار کر دیا کرتی تھیں۔ انہوں نے شوہر کے انتخاب میں بھی مجھ سے مدد لی اور ان کا نکاحی باب بھی میں ہی بنا جب مس ڈک مسز سیکڈ انلڈ ہو گئی تو انہیں میری ملازمت ترک کرنا پڑی۔ لیکن اس کے بعد بھی جب کبھی کام کی کثرت ہوئی اور میں نے ان سے مدد کی درخواست کی انہوں نے میری بات کبھی نہیں ٹالی۔

مگر اب ان کی جگہ ایک مستقل مختصر نویس کی ضرورت تھی اور خوش قسمتی سے مسٹر کیلن باخ جن کا ذکر آگے آئے گا مس شلیزن کو میرے پاس لے آئے۔ آج کل وہ ٹرانسوال کے ایک ہائی اسکول میں معلمہ ہیں۔ جس زمانے میں وہ میرے یہاں آئیں ان کی عمر سترہ برس کی تھیں۔ بعض وقت ان کی سنک سے مجھے اور مسٹر کیلن باخ کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ انہیں کام کرنے کی اتنی فکر نہ تھی جتنی تجربہ حاصل کرنے کی۔ رنگ کا تعصب ان میں بالکل نہ تھا۔ مگر ان لوگوں کا جو عمر یا تجربے میں انسے بڑے تھے بالکل ادب نہیں کرتی تھیں۔ انہیں کسی شخص کی توہین کرنے میں یا اسے اس کے منہ پر برا بھلا کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا تھا۔ ان کی تنک مزاجی بعض وقت بڑی مشکل پڑ جاتی تھی مگر ان کی صاف دلی اور سادگی کی بدولت فوراً ہی رفع بھی ہو جاتی تھیں۔ میں اکثر ان کے لکھے ہوئے خطوں پر بے نظر ثانی کئے ہوئے دستخط کر دیتا تھا۔ مگر ان کی انگریزی مجھ سے اچھی تھی اور ان کی دیانت داری پر مجھے پورا بھروسہ تھا۔

انہوں نے بڑے ایثار سے کام لیا۔ عرصے تک وہ صرف چار پونڈ ماہوار تنخواہ لیتی رہیں اور انہوں نے یہ عہد کر لیا تھا کہ کبھی دس پونڈ سے زیادہ نہیں لیں گی جب کبھی میں ان کی تنخواہ بڑھانے پر اصرار کرتا تھا وہ مجھے یہ کہہ کر جھڑک دیتی تھیں "میں یہاں تنخواہ کے لالچ میں کام نہیں کرتی ہوں۔ میں اس لئے آئی ہوں کہ مجھ آپ کے ساتھ کام کرنے سے خوشی ہوئی ہے اور میں آپ کے نصب العین کی قدر کرتی ہوں۔

Marfat.com

ایک بار انہیں مجھ سے چالیس پونڈ لینے کی ضرورت ہوئی مگر انہیں یہ اصرار تھا کہ یہ رقم انہیں قرض کے طور پر دی جائے اور گزشتہ سال انہوں نے یہ روپیہ ادا کر دیا۔ ان کی ہمت بھی ان کے ایثار سے کم نہ تھی اور وہ ان معدودے چند عورتوں میں سے ہیں جن کی ملاقات کو میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں جن کا دل آئینہ کی طرح صاف ہے جن کی ہمت پر سورماؤں کو رشک آتا ہے اب وہ سن کہولت کو پہنچ گئی ہیں مجھے اب ان کی سیرت کا اتنا اندازہ نہیں جتنا اس زمانے میں تھا۔ مگر ان نوجوان خاتون کی یاد کو میں ہمیشہ تبرک سمجھ کر عزیز رکھوں گا۔ اگر میں ان کے اوصاف بیان کرنے میں کمی کروں تو اظہار حق کا حق ادا نہ ہوگا۔

وہ قومی کام کے انجام دینے میں دن رات ایک کر دیتی تھیں۔ جب ضرورت ہو اندھیری راتوں میں بے دھڑک اکیلی باہر چلی جاتی تھیں اور اگر کوئی ساتھ چلنے کو کہے تو خفا ہوتی تھیں۔ ہزاروں ہندوستانی جواں مردان سے رہنمائی کو توقع رکھتے تھے۔ ستیا گرہ کے دنوں میں جب قریب قریب سارے لیڈر جیل میں تھے وہ اکیلی اس تحریک کو چلاتی رہیں۔ ان کے ذمے ہزاروں آدمیوں کی نگرانی بیشمار خطوط کے جواب دینا اور "انڈین اوپینین" کو چلانا تھا مگر تھکنے کا نام نہ لیتی تھیں۔

میں مس شلیزن کی پوری تعریف لکھوں تو ایک دفتر ہو جائے مگر میں ان کے متعلق گوکھلے کی رائے لکھ کر اس باب کو ختم کرتا ہوں۔ گوکھلے میری ہر رفیق کو جانتے تھے۔ وہ ان میں سے اکثر کو پسند کرتے تھے اور اکثر کا ذکر کیا کرتے تھے۔ مگر مس شلیزن کو وہ میرے سارے ہندوستانی اور فرنگی رفیقوں پر فوقیت دیتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے "میں نے مس شلیزن میں جو ایثار، پاکبازی اور ہمت دیکھی ہے آج تک کسی شخص میں نہیں دیکھی میرے نزدیک تمہارے رفیقوں میں سب سے زیادہ قابل قدر وہی ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

تیرھواں باب

"انڈین اوپینین"

قبل اس کے کہ میں فرنگیوں کے سابقے کا ذکر کروں مجھے دو تین اہم باتوں کی طرف اشارہ کر دینا چاہیئے۔ مگر ایک فرنگی دوست کا ذکر فوراً کر دینا ضروری ہے مس ڈک کا تقرر میرے لئے کافی نہیں ہوا مجھے اور مددگاروں کی ضرورت تھی۔ مسٹر رچ کا نام اس کتاب میں پہلے بھی آچکا ہے۔ ان سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ یہ ایک تجارتی کارخانے کے منیجر تھے۔ انہوں نے میرے کہنے سے ملازمت ترک کر دی اور میرے ساتھ کام کرنے لگے ان کی بدولت میرا بوجھ بہت کچھ ہلکا ہو گیا۔

اسی زمانے میں مدن جیت جی نے میرے سامنے ایک اخبار "انڈین اوپینین" کے نام سے نکالنے کی تجویز پیش کی اور اس کے بارے میں میری رائے پوچھی وہ ایک مطبع پہلے سے چلا رہے تھے اس لئے میں نے اس تجویز کو پسند کیا۔ یہ اخبار 1904ء میں جاری کیا گیا اور مسکھ لال جی نظر پہلے ایڈیٹر مقرر ہوئے مگر زیادہ تر کام مجھی کو کرنا پڑتا تھا بلکہ اکثر ادارت کے فرائض بھی میں ہی انجام دیتا تھا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ مسکھ لال جی اخبار کو چلا نہیں سکتے تھے۔ وہ ہندوستان میں عرصے تک اخبار نویسی کر چکے تھے مگر جنوبی افریقہ کے پیچیدہ مسائل پر وہ میرے ہوتے ہوئے قلم اٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ انہیں میری سوجھ بوجھ پر پورا بھروسہ تھا اس لئے مقالہ افتتاحیہ لکھنے کی ذمہ داری انہوں نے مجھ پر ڈال دی یہ اخبار اس وقت سے اب تک ہفتہ وار ہے۔ ابتدا میں یہ گجراتی، ہندی، تامل، انگریزی میں نکلتا تھا مگر میں نے دیکھا کہ تامل اور ہندی کے حصے محض برائے نام ہیں۔ ان کا جو مقصد تھا وہ پورا نہیں ہوتا تھا۔ اور ان کا باقی رکھنا ایک طرح کا ڈھوکا تھا۔ اس لئے میں نے انہیں نکال دیا۔

مجھے پہلے یہ خیال نہ تھا کہ مجھے اس اخبار میں روپیہ لگانا پڑے گا مگر تھوڑے ہی دن میں یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ میری مالی مدد کے بغیر نہیں چل سکتا۔ ہندوستانی اور فرنگی دونوں جانتے تھے کہ گو "

Marfat.com

انڈین اوپینین "کی ادارت میں میرا نام نہیں ہے مگر اصل میں اس کے چلانے کی ذمہ داری مجھی پر ہے ۔اگر اخبار جاری نہ ہوا ہوتا تو کوئی بات نہ تھی ۔ مگر جاری ہونے کے بعد بند ہونا بہت برا تھا ۔اس میں ذلت کی ذلت تھی اور نقصان کا نقصان ۔ اس لئے اس پر برابر روپیہ لگاتا رہا ۔ یہاں تک کہ آخر میں میرے پاس جو کچھ بچتا تھا سب اس میں کھپ جاتا تھا مجھے یاد ہے کہ میں ایک زمانے میں پچھتر پونڈ ماہوار دیا کرتا تھا ۔

مگر آج اتنے دنوں کے بعد بھی میرا یہی خیال ہے کہ اس اخبار نے ہماری برادری کی مفید خدمت انجام دی ۔اس کی حیثیت ابتدا سے تجارتی نہ تھی ۔ جب تک یہ میرے انتظام میں رہا اس کی حالت میری زندگی کے ساتھ بدلتی رہی ۔ جس طرح آج "ینگ انڈیا" ۔اور "نوجیون" میری زندگی کا آئینہ ہیں ان دنوں "انڈین اوپینین" تھا ۔ہر ہفتہ میں اس میں اپنی واردات قلب کی داستان اپنے درد دل کی کہانی کہا کرتا تھا اور ستیاگرہ کے اصول اور عمل کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کیا کرتا تھا ۔ دس سال کے عرصے میں یعنی 1914 ء تک بجز اس زمانے کے جو میں نے قید میں گزارا، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اس میں مضمون لکھا ہو ۔ مجھے یاد نہیں کہ ان مضامین میں میں نے ایک لفظ بھی بغیر سوچ سمجھے لکھا ہو یا کبھی جان بوجھ کر مبالغہ یا خوشامد کی ہو ۔ سچ پوچھئے تو یہ اخبار نویسی میرے لئے ضبط نفس کی تربیت تھی اور میرے دوستوں کے لئے میرے خیالات سے باخبر رہنے کا ذریعہ ۔ نقادوں کو اس پر اعتراض کا موقع بہت کم ملتا ہے ۔ بلکہ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ "انڈین اوپینین" کے لہجے نے نقادوں کو قلم روک کر لکھنے پر مجبور کر دیا ۔ اگر یہ اخبار نہ ہوتا تو ستیاگرہ کبھی نہ چل سکتی ۔ ناظرین اسی سے ستیاگرہ کی تحریک کی معتبر کیفیت اور جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کے صحیح حالات معلوم کرتے تھے ۔ میرے لئے یہ انسانی فطرت کی نیرنگیوں کے مطالعے کا ذریعہ تھا کیونکہ مجھے ہمیشہ یہ بات مدنظر رہی ہے کہ ایڈیٹر اور ناظرین میں ایک گہرا اور پاک رابطہ قائم ہے ۔ میرے پاس بے شمار خطوط آتے تھے جن میں لوگ اپنے دلی خیالات اور جذبات کا اظہار کرتے تھے ۔ ان کا لہجہ لکھنے والوں کی مزاجی کیفیت کے اعتبار سے مختلف ہوتا تھا کسی کا دوستانہ ، کسی کا نقادانہ اور کسی کا شدید مخالفانہ ۔ ان خطوط کو پڑھنا، ان کے مضمون پر غور کرنا اور ان کا جواب دینا میرے لئے بہت اچھی تعلیم تھی ۔ یہ خط وکتابت گویا ایک ساز تھی جس کے پردوں میں مجھے اپنی برادری کے دل کی حرکت سنائی دیتی تھی ۔ اس نے مجھے اخبار نویس کی ذمہ داریوں سے پوری طرح آگاہ کر دیا اور برادری میں میرا اثر قائم کر دیا جس کی بدولت آگے چل کر ستیاگرہ کے معرکہ میں عملی آسانی، اخلاقی شان اور بے پناہ قوت پیدا ہو گئی۔

Marfat.com

"انڈین اوپینین" کے جاری ہونے کے بعد پہلے ہی مہینے میں مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی کہ اخبار نویسی کا مقصد محض خدمت خلق ہے۔ اخبار بہت بڑی قوت ہے۔ مگر جس طرح پانی کے بے قید سیلاب میں علاقے کے علاقے ڈوب جاتے ہیں اور فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں اسی طرح اخبار نویس کے بے روک قلم سے سوائے تخریب کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن یہ روک تھام اگر کسی بیرونی قوت کی طرف سے ہو تو مطلق العنانی سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو دنیا میں کون سا اخبار اس معیار پر پورا اتریگا؟ مگر کسے پڑی ہے کہ بیکار اخباروں کو روکے؟ اور پھر اس کا فیصلہ کون کر سکتا ہے؟ دنیا میں نیکی کی اور بدی کی طرح مفید اور غیر مفید چیزیں ساتھ ساتھ چلی آتی ہیں اور اسی طرح چلی جائیں گی۔ ہر انسان کو خود ہی یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کسے لے اور کسے چھوڑے۔

Marfat.com

Marfat.com

چودھواں باب

قلیوں کے باڑے یا "گھیٹو"

بعض ذاتوں کو جو بڑھ کر ہماری سماجی خدمت کرتی ہیں ہم ہندوؤں نے نہ جانے کیوں "اچھوت" قرار دے رکھا ہے۔ یہ لوگ شہر یا گاؤں کے بیرونی محلوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ گجراتی میں یہ محلے "دھیدھاودو" کہلاتے ہیں۔ اور اس میں حقارت کی بو آتی ہے مسیحی فرنگستان میں بھی ایک زمانے میں یہودی "اچھوت" سمجھے جاتے تھے اور ان کے لئے جو محلے مخصوص تھے انہیں لوگ حقارت سے "گھیٹو" کہتے تھے۔ اسی طرح آج ہم لوگوں کی حیثیت بھی جنوبی افریقہ میں اچھوتوں کی سی ہو گئی ہے۔ دیکھیں اینڈریوز کا ایثار اور شاستری کا جادو ہمیں ہماری کھوئی ہوئی عزت واپس دلانے میں کہاں تک کامیاب ہوتا ہے۔

قدیم زمانے میں یہودی اپنے آپ کو دنیا کی ساری قوموں کے مقابلے میں خدا کے برگزیدہ بندے سمجھتے تھے۔ جن کی پاداش میں انہیں یہ اور حد سے زیادہ سخت سزا بھگتنا پڑی۔ قریب قریب اسی طرح ہندو اپنے آپ کو "آریا" یعنی مہذب اور اپنے بعض بھائی بندوں کو "اناریا" یعنی غیر مہذب سمجھتے ہیں۔ جس کی انوکھی اور شدید مکافات میں جنوبی افریقہ میں وہ خود بھی مبتلا ہیں اور مسلمان اور پارسی بھی محض ان کے ہم وطن اور ہم رنگ ہونے کے جرم میں لپیٹ میں آ گئے ہیں۔

اب ناظرین "باڑے" کے لفظ کو سمجھ گئے ہوں گے جو اس باب کے عنوان میں آیا ہے ہم لوگ جنوبی افریقہ میں حقارت سے "قلی" کہلاتے ہیں۔ ہندوستان میں "قلی" کے معنی محض حمال یا مزدور کے ہیں۔ مگر جنوبی افریقہ میں یہ حقارت کا کلمہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کا مفہوم وہی ہے جو ہمارے یہاں "اچھوت" کا ہے۔ اور وہ محلے جو "قلیوں" کے لئے مخصوص ہیں "قلی باڑے" کہلاتے ہیں۔ جو ہانسبرگ میں بھی ایک اس طرح کا محلہ تھا۔ دوسرے مقامات پر تو ہندوستانی ان محلوں میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہتے تھے مگر یہاں انہوں نے ننانوے سال کا پٹہ حاصل کر لیا تھا۔ اس محلے میں آبادی بڑھتی جاتی تھی مگر رقبہ نہیں بڑھتا تھا اور تھوڑی جگہ میں لوگ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے میونسپلٹی نے

Marfat.com

پاخانوں کی صفائی کا تو کچھ برائے نام انتظام کردیا تھا مگر حفظان صحت کی اور تدبیروں سے بالکل غافل تھی سڑکوں اور روشنی کا تو بھلا ذکر ہی کیا ہے؟ جب اسے محلے والوں کی فلاح و بہبود کی پروانہ تھی محلے کی صفائی کون کرتی؟ جو ہندوستانی یہاں رہتے تھے وہ بے چارے عام صفائی اور حفظان صحت کے اصولوں سے ناواقف تھے اس لئے بغیر میونسپلٹی کی نگرانی اور مدد کے کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ اگر یہ سب رابنسن کروسو ہوتے تو اور بات تھی۔ مگر دنیا میں کہیں بھی وہ لوگ جو اپنا وطن چھوڑ کر نو آبادیاں بساتے ہیں رابنس کروسو نہیں ہوتے عموماً لوگ دولت اور کاروبار کی تلاش میں پردیس جاتے ہیں اور جنوبی افریقہ جانے والے ہندوستانیوں میں سے اکثر جاہل اور مفلس کاشتکار تھے جنہیں دوسروں کی خبرگیری اور امداد کی ضرورت تھی ان کے بعد تاجر اور تعلیم یافتہ ہندوستانی آگئے تھے مگر بہت کم۔

ایک طرف میونسپلٹی کی مجرمانہ غفلت اور دوسری طرف نو آباد ہندوستانیوں کی جہالت سے یہ محلہ نہایت گندا ہوگیا تھا۔ میونسپلٹی نے محلہ کی حالت سدھارنے کے بجائے اس گندگی کو جو خود اس کی غفلت کا نتیجہ تھی حیلہ بنا کر اس محلے کو اجاڑنے کی فکر کی اور مجلس وضع قوانین سے نو آباد ہندوستانیوں کو بے دخل کرانے کی اجازت لے لی یہ صورت حال تھی جب میں نے جوہانسبرگ میں بود و باش اختیار کی۔

ظاہر ہے کہ اس محلے کے رہنے والوں کو اپنی زمین پر ملکیت کا حق تھا اس لئے وہ ہرجانے کے مستحق تھے۔ انتقال اراضی کے مقدموں کی سماعت کے لئے ایک خاص عدالت قائم کی گئی۔ اگر مکان دار کو میونسپلٹی کی پیش کی ہوئی لغزئیں منظور نہ ہوں تو اسے یہ حق تھا کہ اس عدالت میں اپیل کرے اور اگر عدالت میونسپلٹی کی مقرر کی ہوئی رقم سے زیادہ کی ڈگری دے تو مقدمے کا خرچہ میونسپلٹی کو دینا پڑتا تھا۔

اکثر مکان داروں نے مجھے وکیل کیا مجھے ان مقدموں سے روپیہ کمانا منظور نہ تھا۔ اس لئے میں نے ان لوگوں سے کہا کہ میں ہر مقدمے میں صرف دس پونڈ لوں گا۔ اور جتنے مقدمے کامیاب ہوں گے ان میں عدالت سے جو خرچہ ملے گا میرا ہوگا۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ اپنے محنتانے کی آدھی رقم سے میں غریبوں کے لئے ایک ہسپتال یا اسی قسم کا کوئی اور ادارہ بنوا دوں گا۔ ظاہر ہے کہ اس تجویز سے سب کو خوشی ہوئی۔

ستر مقدموں میں سے صرف ایک میں ناکامیابی ہوئی میری فیس کی اچھی خاصی رقم جمع ہوگئی۔ مگر "انڈین اوپینین" کو ہمیشہ روپے کی ضرورت رہتی تھی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے سولہ پونڈ اسی کی نذر

Marfat.com

ہو گئے مجھے ان مقدموں میں سخت محنت کرنا پڑی موکل مجھے ہمیشہ گھیرے رہتے تھے ۔ ان میں سے اکثر بہار اور اس کے قرب و جوار کے ضلعوں کے یا جنوبی ہندوستان کے رہنے والے تھے اور ابتدا میں پابند مزدوروں کی حیثیت سے آئے تھے ۔ انہوں نے اپنی شکایتوں کی چارہ جوئی کے لئے ہندوستانی تاجروں کی انجمن سے الگ جماعت قائم کی تھی ۔ ان میں سے بعض صاف دل، فیاض اور عالی منش لوگ تھے ۔ ان کے رہنما دو شخص تھے ۔ جیرام سنگھ جی صدر تھے اور بدری جی ان کے دست راست ۔ ان دونوں کا انتقال ہو چکا ہے ۔ بدری جی کا اور میرا بہت ساتھ رہا اور انہوں نے ستیاگرہ میں نمایاں حصہ لیا ان دونوں صاحبوں اور بعض اور دوستوں کے توسط سے مجھ سے شمالی اور جنوبی ہندوستان کے بہت سے لوگوں سے میل جول ہو گیا ۔ میں ان کا وکیل ہی نہیں بلکہ آپ کا بھائی بھی بن گیا اور ہمیشہ ان کے دکھ درد میں چاہے وہ ذاتی ہو یا سای برادری سے تعلق رکھتا ہو، برابر شریک رہا ۔

ممکن ہے بعض لوگوں کو اس سے دلچسپی ہو کہ جنوبی افریقہ کے ہندوستانی مجھے کیا کہہ کر پکارتے تھے ۔ عبداللہ سیٹھ میرا نام لینے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتے تھے ۔ یہ بڑی خیر ہوئی کہ کسی نے بھی مجھے صاحب کہہ کر ذلیل نہیں کیا عبداللہ سیٹھ نے ایک بڑا پیاں لقب ڈھونڈھ نکالا ۔ وہ مجھے بھائی کہنے لگے ۔ دوسرے بھی ان کی تقلید میں مجھے ہمیشہ بھائی کہتے رہے ۔ مگر ان لوگوں کی زبان سے جو کبھی پابند مزدور رہ چکے تھے مجھے بھائی کا لقب اور بھی پیارا معلوم ہوتا تھا ۔

Marfat.com

Marfat.com

پندرھواں باب

کالا طاعون (۱)

میونسپلٹی "قلی باڑے" کے مکانوں پر قبضہ پانے کے بعد ان کے مکینوں کو فوراً نہیں ہٹایا تھا۔ ان کو بے دخل کرنے سے پہلے ان کے لئے دوسرے مناسب گھر ڈھونڈھنا تھے۔ اس میں میونسپلٹی کو بڑی دقت پیش آئی اس لئے ہندوستانیوں کو اس گندے محلے میں رہنے دیا۔ اگر فرق ہوا تو یہ ہوا کہ ان کی حالت اور بدتر ہو گئی۔ پہلے وہ مکانوں کے مالک تھے اب میونسپلٹی کے کرائے دار بن گئے اور ان کے گرد و پیش گندگی اور بڑھ گئی جب وہ مالک تھے تو انہیں اور کچھ نہیں تو قانون کے خوف سے تھوڑی بہت صفائی رکھنا پڑتی تھی۔ مگر میونسپلٹی کو قانون کا کوئی خوف نہیں تھا۔ کرایہ داروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور اسی کے ساتھ غلاظت بھی بڑھتی گئی۔

ادھر ہندوستانی اس مصیبت کو رو رہے تھے۔ ادھر کالا طاعون بھی پھوٹ پڑا یہ نمونیا[1] کا طاعون بھی کہلاتا ہے اور گلٹی کے طاعون سے کہیں زیادہ مہلک ہے۔

بڑی خیر ہوئی کہ وبا ہندوستانیوں کے محلے میں نہیں بلکہ شہر کے باہر ایک سونے کی کان میں شروع ہوئی۔ یہاں زیادہ تر حبشی کام کرتے تھے جن کی صفائی کے ذمہ دار ان کے فرنگی آقا تھے۔ بعض ہندوستانی مزدور بھی تھے۔ جن سے تیئیس پر وبا کا اثر ہو گیا اور ایک روز شام کو یہ لوگ اپنے محلے میں آتے ہی شدید طاعون میں مبتلا ہو گئے۔ اتفاق سے مدن جیت جی جو اس زمانے میں "انڈین اوپینین" کے خریدار بنا رہے تھے اور چندہ جمع کر رہے تھے وہاں موجود تھے۔ وہ بڑے جری آدمی تھے۔ ان وبا زدوں کو دیکھ کر ان کا دل بھر آیا اور انہوں نے مجھے ایک رقعہ پنسل سے لکھ کر بھیجا جس کا مضمون تھا۔ کالا طاعون ایک دم سے پھوٹ پڑا ہے۔ آپ کو فوراً آ کر اس کا تدارک کرنا چاہئے۔ ورنہ یہ سمجھ لیجئے کہ اس کا انجام بڑا مہلک ہے۔ خدا کے لئے جلد آئیے۔

مدن جیت نے دلیری سے ایک خالی گھر کا قفل توڑ ڈالا اور سب مریضوں کو اس میں رکھا۔ میں

Marfat.com

بائسکل پر بیٹھ کر ہندوستانیوں کے محلے میں گیا اور میں نے میونسپلٹی کے ہیڈ کلرک کو لکھ دیا کہ ایسی ایسی حالت تھی اس لئے ہم نے مکان پر قبضہ کر لیا ہے۔

ڈاکٹر ولیم گاڈفرے جو جوہانسبرگ میں مطب کرتے تھے یہ خبر سنتے ہی مدد کے لئے دوڑے آئے اور مریضوں کا علاج اور تیمار داری کرنے لگے۔ لیکن تیئیس مریض ہم تین آدمیوں سے نہیں سنبھل سکتے تھے۔

میرا یہ عقیدہ ہے اور تجربہ پر مبنی ہے کہ جب مصیبت آتی ہے تو اس کا چارہ اور چارہ خود گر بخود پیدا ہو جاتے ہیں اس زمانے میں میرے دفتر میں چار ہندوستانی تھے کلیان داس جی، مانک لال جی، گنونت رائے جی دیسائی اور شخص جن کا نام مجھے یاد نہیں۔ کلیان داس کو ان کے والد نے میرے سپرد کیا تھا۔ مجھے جنوبی افریقہ میں کوئی شخص ان سے زیادہ بامروت اور دل و جان سے اطاعت کرنے والا نہیں ملا۔ خوش قسمتی سے اس وقت تک ان کی شادی نہیں ہوئی تھی اور میں ان سے بے تامل بڑے خطرے کے کام لے سکتا تھا مانک لال مجھ جوہانسبرگ میں ملے تھے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے ان کی بھی شادی نہیں ہوئی تھی اس لئے میں نے دل میں ٹھان لی کہ ان چاروں کو جو میرے محرر، رفیق بیٹے سبھی کچھ تھے قربان کر دوں۔ کلیان داس سے تو کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ تھی، دوسرے بھی کہنے کے ساتھ ہی آمادہ ہو گئے۔ ان کا چھوٹا سا پیارا جواب یہ تھا" جہاں آپ رہیں گے ہم بھی رہیں گے"۔

مسٹر رچ کا بہت بڑا خاندان تھا۔ وہ تیار تھے کہ اس آگ میں کود پڑیں مگر میں نے انہیں روک دیا۔ انہیں اس ہلاکت میں کھسیٹتے ہوئے میرا دل دکھتا تھا۔ اس لئے ان کے سپرد وہ کام کیا گیا جس میں خطرہ نہیں تھا۔

وہ شب بیداری اور تیمار داری کی رات تھی۔ تیمار داری میں پہلے بہت کر چکا تھا۔ مگر کالے طاعون کے مریضوں کی کبھی نہیں کی تھی۔ ڈاکٹر گاڈفرے کی ہمت سے ہم سب کو بڑی تقویت ہوئی۔ تیمار داری میں کچھ ایسی زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ ہمارا کام بس اتنا تھا کہ مریضوں کو دوا پلا دیا کریں، ان کی خبر گیری کرتے رہیں، ان کے بستر صاف ستھرے رکھیں اور انہیں ملول نہ ہونے دیں۔

جس جوش اور دلیری سے نوجوان کام کرتے تھے اسے دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ ڈاکٹر گاڈفرے یا مدن جیت جی کے سے پرانے سپاہی کیا ایسی جرات دکھانا کوئی تعجب کی سی بات نہیں تھی گرنا کردہ کار نوجوانوں کے جوش کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

جہاں تک مجھے یاد ہے سب مریضوں کی وہ رات بخیر و خوبی گزر گئی۔

Marfat.com

مگر یہ واقعہ اتنا پر اثر اور دلچسپ ہے اور میرے لئے اتنی مذہبی اہمیت رکھتا ہے کہ مجھے کم سے کم دو باب اس کے لئے وقف کرنا پڑیں گے۔

حوالہ

1- پھیپھڑے کا ورم۔

Marfat.com

Marfat.com

سولھواں باب

کالا طاعون (۲)

میونسپلٹی کے ہیڈ کلرک نے میرا شکریہ ادا کیا کہ میں نے خالی مکان پر قبضہ کرلیا اور مریضوں کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ اس نے صاف صاف اس بات کا اعتراف کیا کہ میونسپلٹی خود اس ناگہانی حادثے کا فوری تدارک کرنے سے معذور ہے۔ مگر یہ وعدہ کیا کہ جہاں تک ممکن ہے ہم لوگوں کی مدد کرے گے۔ اسے ایک بار اس کے فرض کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت تھی پھر اس نے مستعدی سے کام شروع کردیا۔

دوسرے دن اس نے ایک خالی گودام میرے حوالے کردیا اور مجھے یہ رائے دی کہ مریضوں کو وہاں منتقل کردوں لیکن اس مکان کی صفائی کا میونسپلٹی نے کوئی انتظام نہیں کیا سارے مکان میں کوڑے کرکٹ کے انبار تھے۔ ہم نے اپنے ہاتھوں سے جھاڑو دی اور مخیر ہندوستانیوں کی امداد سے پلنگ، بستر اور دوسری چیزیں مہیا کرکے ایک عارضی ہسپتال بنالیا۔ میونسپلٹی نے ایک نرس بھیج دی جو اپنے ساتھ برانڈی اور دوسری چیزیں جن کی ہسپتال میں ضرورت پڑتی تھی لیتی آئی۔ نگرانی بدستور ڈاکٹر گاڈفرے ہی کی رہی۔

نرس بڑی نیک دل عورت تھی اسے مریضوں کی خدمت کا سچا شوق تھا مگر ہم اس ڈر سے کہ کہیں اسے چھوت نہ لگ جائے اسے حتی الامکان مریضوں کے قریب نہیں جانے دیتے تھے۔

ہمیں یہ ہدایت تھی کہ مریضوں کو برانڈی بار بار دیتے رہیں۔ بلکہ نرس نے تو کہا کہ تم لوگ بھی حفظ ما تقدم کے لئے میرے طرح برانڈی پی لیا کرو۔ مگر ہم لوگ اسے ہاتھ تک نہ لگاتے تھے مجھے یہ بھی یقین نہ تھا کہ یہ مریضوں کے لئے مفید ہے۔ میں نے ڈاکٹر گاڈفرے کی اجازت سے تین مریضوں پر جو برانڈی سے بچنا چاہتے تھے مٹی کے علاج کا تجربہ کیا اور انکے سر اور سینے پر گیلی پٹیاں باندھیں۔ ان میں

Marfat.com

سے دو بچ گئے۔ باقی بیس گودام ہی میں مر گئے۔

اس عرصے میں میونسپلٹی دوسری تدبیریں کر رہی تھی۔ جوہانسبرگ سے سات میل کے فاصلے پر لگ جانے والی بیماری کا ہسپتال تھا۔ دو مریض جو بچ رہے تھے اس ہسپتال کے قریب ایک خیمے میں رکھے گئے روز نئے بیماروں کو وہاں پہنچانے کا انتظام کر دیا۔ اس طرح ہمیں اس کام سے چھٹی مل گئی۔

چند روز بعد سنا کہ نیک دل نرس طاعون میں مبتلا ہو کر چٹ پٹ مر گئی۔ اب خدا جانے وہ دو مریض کیسے بچ گئے اور ہم کیونکر محفوظ رہے۔ مگر اس تجربے سے میں مٹی کے علاج کا اور بھی قائل ہو گیا۔ اور برانڈی کے طبی فوائد کی طرف میری بدعقیدگی اور بڑھ گئی میں جانتا ہوں نہ یہ عقیدہ معقول وجوہ پر مبنی ہے اور نہ یہ بدعقیدگی۔ مگر میرے دل پر اس وقت یہی اثر پڑا اور اب تک ہے میں اسے کسی طرح مٹا نہیں سکتا۔ اس لئے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کا ذکر کر دوں۔

جب طاعون شروع ہوا ہے تو میں نے اخباروں میں ایک خط چھپوایا تھا جس میں میونسپلٹی کو اس محلے کے زمیں دار کی حیثیت سے غفلت کا ملزم بلکہ طاعون کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا۔ اس خط کی بدولت مسٹر ہنری پولک میرے رفیق بن گئے، پادری جوزف ڈوک آنجہانی سے میری دوستی کی بنا بھی ایک حد تک یہی تھی۔

میں اوپر کے کسی باب میں کہہ چکا ہوں کہ میں نباتاتی ریستوران میں کھانا کھایا کرتا تھا۔ یہاں مسٹر البرٹ ویسٹ سے ملاقات ہو گئی۔ وہ روز شام کو ریستوران میں ملتے تھے۔ اور کھانے کے بعد میرے ساتھ ٹہلنے جایا کرتے تھے۔ وہ ایک چھوٹے سے مطبع میں حصہ دار تھے انہوں نے اخبار میں میرا خط وبا پھوٹنے کے متعلق پڑھا اور میری تلاش میں ریستوران پہنچے۔ میں وہاں نہیں ملا تو انہیں کچھ تردد سا پیدا ہو گیا۔

میں نے اور میرے ساتھیوں نے وبا پھوٹنے کے بعد سے اپنی غذا میں کمی کر دی تھی۔ میرا عرصے سے یہ دستور تھا کہ وبا کے زمانے میں بہت ہلکی غذا استعمال کرتا تھا۔ اس لئے میں نے اس زمانے میں شام کا کھانا ترک کر دیا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی میں دوسرے مہمانوں کے آنے سے پہلے کھا لیا کرتا تھا۔ ریستوران کے مالک سے میرے مراسم تھے اور میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ میں طاعون کے مریضوں کی تیمارداری کر رہا ہوں اس لئے جہاں تک ہو سکے میں اپنے دوستوں سے الگ رہنا چاہتا ہوں۔

مسٹر ویسٹ نے مجھے دو تین دن ریستوران میں نہیں پایا تو ایک دن صبح تڑکے جب میں ٹہلنے کے لئے جانے کا قصد کر رہا تھا انہوں نے میرے گھر پہنچ کر دروازے پر دستک دی۔ میں نے دروازہ

Marfat.com

کھولا تو مسٹر ویسٹ کہنے لگے۔ "آپ ریستوران میں نہیں ملے تو میں گھبرایا کہ کوئی حادثہ نہ گزرا ہو۔ اس لئے میں نے کہا کہ صبح تڑکے چل کر دیکھوں تاکہ آپ کے ملنے میں شبہ نہ رہے۔ میرے لائق کوئی کام ہو تو میں حاضر ہوں۔ میں مریضوں کی تیماری کے لئے تیار ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اکیلا آدمی ہوں۔ نہ بیوی بچے ہیں اور نہ اور کوئی عزیز جس کی مجھے فکر کرنا ہو"۔

میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا "تیمارداری کے لئے آپ کی ضرورت نہیں اگر نئے کیس نہ ہوئے تو ہم لوگ خود دو ایک روز میں فارغ ہو جائیں گے البتہ ایک کام ہے۔

"کہیے کہیے کیا کام ہے"۔

"کیا آپ ڈربن جاکر "انڈین اوپینین" کی نگرانی کر سکتے ہیں؟ مدن جیت جی کو غالباً ابھی یہاں رہنا پڑے گا۔ اس لئے ڈربن میں ایک شخص کی ضرورت ہے۔ اگر آپ جاسکیں تو مجھے ادھر سے اطمینان ہو جائے"۔

"آپ جانتے ہیں کہ میرا یہاں مطبع ہے۔ غالباً میں جاسکتا ہوں۔ مگر قطعی جواب شام کو دوں گا۔ شام کو جب آپ ٹہلنے چلیں گے تو اس کے متعلق گفتگو ہو گی"۔

مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ شام کو باتیں ہوئی اور وہ جانے پر راضی ہو گئے۔ تنخواہ کی انہیں کوئی پروانہ تھی کیونکہ ان کا مقصد روپیہ کمانا نہیں تھا۔ پھر بھی یہ طے ہوا کہ دس 10 پونڈ ماہوار ان کی تنخواہ ہو اور اگر کچھ نفع ہو تو اس کا ایک حصہ دیا جائے۔ دوسرے ہی دن شام کی ڈاک سے مسٹر ویسٹ روانہ ہو گئے انکا کچھ روپیہ لوگوں پر باقی تھا۔ جس کی وصولی وہ میرے سپرد کر گئے۔ اس دن سے لے کر جب تک میں جنوبی افریقہ میں رہا وہ میرے دکھ درد کے شریک رہے۔

مسٹر ویسٹ اوتھ (لنکن شائر) کے کسانوں کے خاندان سے تھے۔ انہوں نے اسکول کی معمولی تعلیم پائی تھی مگر تجربہ کے مکتب میں اپنے بل پر بہت کچھ سیکھا تھا میں نے اتنے دن کے سابقے میں دیکھا کہ وہ ایک پاکباز، پرہیز گار، خدا پرست، رحم دل انگریز ہیں۔

ان کے اور ان خاندان کے مزید حالات آگے چل کر معلوم ہوں گے۔

Marfat.com

Marfat.com

سترھواں باب

ہندوستانی محلے میں آگ لگ گئی

مجھے اور میرے رفیقوں کو مریضوں کی تیمارداری سے تو چھٹی مل گئی مگر کالے طاعون کے سبب سے اور بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ جن کا تدارک باقی تھا۔

میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ میونسپلٹی ہندوستانی محلے یا "قلی باڑے" کی طرف سے بالکل بے پروا تھی۔ مگر شہر کے فرنگی باشندوں کی صحت کی اسے بڑی فکر تھی۔ ان کی صحت کی خاطر اس نے بہت کچھ صرف کیا تھا۔ اور اب طاعون کو دور کرنے کے لئے روپیہ پانی کی طرح بہا رہی تھی۔ گو میں نے ہندوستانیوں کے بارے میں میونسپلٹی کو لعل اور ترک فعل کے بہت سے گناہوں کا مرتکب ٹھہرایا تھا مگر فرنگی باشندوں کے ساتھ اس کی یہ خیر خواہی دیکھ کر میں تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا اور مجھ سے اس کار خیر میں جو کچھ مدد ممکن تھی دیتا رہا۔ میرا خیال ہے کہ میں ساتھ نہ دیتا تو میونسپلٹی کو بڑی دقت پیش آتی۔ اسے مسلح قوت سے کام لینا پڑتا اور وہ ہر طرح کی سختی بلا تامل کر بھی گزرتی۔

مگر ان باتوں کی ضرورت نہیں پڑی اور انکا دامن اس دھبے سے پاک رہا۔ میونسپل حکام ہندوستانیوں کے طرز عمل سے بہت خوش ہوئے اور آئیندہ کے لئے طاعون کے دفعیہ کی تدابیر اختیار کرنے میں بڑی آسانی ہو گئی۔ میں نے ہندوستانیوں سے میونسپلٹی کی ہدایت پر عمل کرانے میں اپنے پورے اثر سے کام لیا۔ ہندوستانیوں کے لئے یہ بکھیڑے کرنا سہل نہ تھا۔ مگر جہاں تک مجھے یاد ہے کسی نے میرے مشورے کو قبول کرنے میں تامل نہیں کیا۔ محلے کی نگرانی کے لئے پولیس کا ایک بڑا دستہ تعینات کیا گیا۔ بغیر اجازت کے کوئی شخص آنے جانے نہیں پاتا تھا۔ مجھے اور میرے رفیقوں کو داخلے اور واپسی کے پاس مل گئے تھے۔ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ سارے محلے والوں سے مکان خالی کرا لئے جائیں اور وہ تین ہفتے تک جوہانسبرگ سے تیرہ میل کے فاصلے پر کھلے میدان میں خیموں میں رکھے جائیں۔ ظاہر ہے کہ کھانے پینے کا سامان اور دوسری ضروریات فراہم کر کے خیموں میں بسنا ذرا دیر طلب کام تھا۔ اسی لئے اس اثناء میں پولیس کے پہرے کی ضرورت پڑی۔

لوگ بہت ڈرے ہوئے تھے مگر میری ہر وقت کی موجودگی سے انہیں تسکین رہتی تھی۔ بہت

Marfat.com

سے غریب لوگوں نے اپنی چھوٹی سے پونجی کو زمین میں گاڑ رکھا تھا۔ یہ روپیہ نکال کر کہیں رکھوانا تھا۔ نہ ان کا کوئی بینک تھا اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو جانتے تھے جسے اپنا روپیہ سپرد کر سکیں اس لئے میں ان کا خزانچی بن گیا۔ میرے دفتر میں روپے کے ڈھیر لگ گئے۔ بھلا یہ کیونکہ ممکن تھا کہ میں ایسے وقت میں ان سے اس کا کوئی معاوضہ لیتا میں نے کسی نہ کسی طرح اس کام کو بھی سمیٹا۔ میرے بینک کا منیجر میرا دوست تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ روپیہ تمہارے یہاں امانت رکھوانا ہے۔ تانبے اور چاندی کے اتنے سکے لینے پر کوئی بینک راضی نہیں ہوتا تھا۔ پھر بھی یہ خوف تھا کہ بینک کے محرر طاعون زدہ محلے سے آگے ہوئے روپے کو ہاتھ لگانے سے انکار نہ کر دیں۔ مگر منیجر کو میری خاطر ہر طرح منظور تھی یہ طے کیا گیا کہ روپیہ بینک میں بھیجنے سے پہلے جراثیم سے پاک کر لیا جائے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کوئی ساٹھ ہزار پونڈ روپیہ اس طرح جمع کیا گیا۔ جن لوگوں کے پاس کافی روپیہ تھا انہیں میں نے مشورہ دیا کہ میعادی تحویل میں رکھوا دیں اور وہ اس بات پر راضی ہو گئے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں نے بعض کو بینک میں روپیہ رکھنے کی عادت پڑ گئی۔

محلے کے سب باشندے اسپیشل ٹرین سے جوہانسبرگ کے قریب کلپ اسپروٹ فارم میں پہنچا دئے گئے۔ اور ان کے لئے میونسپلٹی کی طرف سے کھانے پینے کا سامان مہیا کر دیا گیا۔ یہ خیموں کا شہر ایک فوجی پڑاؤ سا معلوم ہوتا تھا۔ جو لوگ اس طرح کی زندگی کے عادی نہیں تھے ان کے لئے یہاں کے انتظامات تعجب انگیز اور تکلیف دہ تھے مگر اصل میں انہیں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ میں روزانہ بائیسکل پر بیٹھ کر وہاں جایا کرتا تھا۔ وہاں پہنچ کر یہی دیکھتا تھا کہ لوگ گانے بجانے ہنسنے کھیلنے میں مگن ہیں۔ تین ہفتے کھلی ہوا میں رہنے سے انکی صحت کو بڑا فائدہ ہوا۔

جہاں تک مجھے یاد ہے محلہ جس دن خالی ہوا اس کے دوسرے ہی دن وہاں آگ لگ گئی میونسپلٹی نے کسی چیز کو بچانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ انہیں دنوں میونسپلٹی نے اپنی ساری عمارت لکڑی میں جو بازار میں پڑی تھی خود آگ لگا دی اور دس ہزار پونڈ کا نقصان برداشت کیا۔ اس حرکت مذبوحی کا سبب یہ تھا کہ بازار میں چند مردہ چوہے پائے گئے تھے۔

میونسپلٹی کو بہت روپیہ صرف کرنا پڑا۔ مگر اس نے طاعون کو آگے پھیلنے نہیں دیا اور خدا اور کر کے شہر کے لوگوں کو اطمینان نصیب ہوا۔

حوالہ

Jined diprait - 1

Marfat.com

اٹھارہواں باب

ایک کتاب کا جادو

کالے طاعون کے سبب سے میرا اثر غریب طبقے کے ہندوستانیوں میں بڑھ گیا میری وکالت خوب چمکی اور میری ذمہ داریوں میں اضافہ ہوگیا۔ بعض فرنگی حضرات سے بڑے گہرے تعلقات ہوگئے اور مجھ پر نئی اخلاقی پابندیاں عاید ہوگئیں۔

مسٹر پولک سے بھی نباتاتی ریستوران میں ملاقات ہوئی جیسے مسٹر ویسٹ سے ہوئی تھی۔ ایک دن میں اس ریستوران میں کھانا کھا رہا تھا کہ ایک نوجوان نے جو قریب کی میز پر بیٹھے تھے اپنا کارڈ میرے پاس بھیجا جس کا مطلب تھا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے انہیں اپنی میز پر بلا لیا۔ انہوں نے کہا" میں کریٹک کا سب ایڈیٹر ہوں۔ میں نے اخباروں میں آپ کا خط طاعون کے متعلق پڑھا تو بے اختیار جی چاہا کہ آپ سے ملوں۔ شکر ہے کہ موقع مل گیا۔

مسٹر پولک کی اس بے تکلفی میں کچھ ایسی کشش تھی کہ میرا دل ان کی طرف کھینچنے لگا۔ ایک ہی روز میں ہم دونوں میں اچھی خاصی ملاقات ہوگئی اور یہ معلوم ہوا کہ زندگی کے اہم مسائل کے متعلق ہم دونوں کی رائے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ انہیں سادہ زندگی پسند تھی۔ ان میں یہ عجیب ملکہ تھا کہ جس بات سے ان کا ذہن متاثر ہوتا تھا اسے فوراً عملی صورت میں لے آتے تھے۔ بعض تبدیلیاں جو انہوں نے اپنی زندگی میں کیں فوری بھی تھیں اور قطعی بھی۔

"انڈین اوپینین" کا خرچ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ مسٹر ویسٹ کی پہلی ہی رپورٹ بڑی پریشان کن تھی۔ انہوں نے لکھا" آپ کو قوی امید تھی کہ اس کام میں منافع ہوگا مگر میرے خیال میں اس کی کوئی توقع نہیں بلکہ مجھے تو خسارے کا خوف ہے، حساب کتاب باقاعدہ نہیں ہے۔ لوگوں پر بہت سا روپیہ باقی

Marfat.com

ہے مگر اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بہت کچھ کاٹ چھانٹ کر کے نئے سرے سے انتظام کرنا پڑے گا مگر آپ گھبرائے نہیں میں اپنے امکان بھر اصلاح کی پوری کوشش کروں گا۔ چاہے منافع ہو یا نہ ہو میں ہٹنے والا نہیں۔

ایسی صورت میں کہ فائدے کی کوئی امید نہ تھی مسٹر ویسٹ چاہتے تو علیحدہ ہو جاتے مجھے شکایت کا کوئی حق نہ ہوتا بلکہ وہ الٹا مجھے الزام دے سکتے تھے کہ تم نے بغیر کافی ثبوت کے یہ کہہ دیا کہ یہ نفع کا کام ہے۔ مگر انہوں نے ذرا بھی شکایت نہیں کی۔ البتہ مجھے یہ خیال ہے کہ اس واقعے سے مسٹر ویسٹ مجھے زود اعتقاد سمجھنے لگے۔ اور ہے بھی یہی کہ میں نے مدن جیت جی کے تخمینہ کو بغیر جانچ پڑتال کے صحیح مان لیا اور مسٹر ویسٹ سے کہہ دیا کہ منافع کی امید ہے۔

اب مجھے اچھی طرح احساس ہو گیا ہے کہ قومی خدمت کرنے والے کو کوئی ایسی بات نہیں کہنا چاہئے جس کی اس نے اچھی طرح تحقیق نہ کر لی ہو خصوصاً حق کے پرستار کو اس معاملہ میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کسی دوسرے کو ایسی بات کا یقین دلانا جس پر خود پورا وثوق نہ ہو حق کا منہ چڑانا ہے۔ مجھے افسوس کے ساتھ اعتراف ہے کہ باوجود اس علم کے میری زود اعتقادی کی عادت اب تک نہیں گئی اسکی وجہ یہ ہے کہ مجھے اپنے ذمے اتنا کام لے لینے کا شوق ہے جو مجھ سے سنبھل نہیں سکتا۔ میرے اس شوق کی بدولت مجھ سے زیادہ میرے رفیقوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

مسٹر ویسٹ کا خط آتے ہی میں نٹال روانہ ہو گیا۔ میں نے مسٹر پولک سے سارا واقعہ بیان کر دیا تھا وہ مجھے پہنچانے اسٹیشن آئے۔ انہوں نے مجھے ایک کتاب رستے میں پڑھنے کے لئے دی اور کہا کہ یہ تمہیں یقیناً پسند آئے گی۔ یہ رسکن کی Units this last تھی۔

یہ کتاب اتنی دلچسپ تھی کہ جب اسے پڑھنا شروع کیا تو بے ختم کئے ہاتھ سے نہ چھوٹی اس نے مجھ پر جادو سا کر دیا۔ جوہانسبرگ سے ڈربن تک چوبیس گھنٹے کا سفر تھا گاڑی شام کے وقت ڈربن پہنچی وہ ساری رات مجھے جاگتے گزری۔ میں نے دل میں ٹھان لی کہ اس کتاب کے نصب العین کے مطابق اپنی زندگی بدل دوں گا۔

اس سے پہلے رسکن کی کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری تھی طالب علمی کے زمانے میں میں نے درسی کتابوں کے سوا کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی اور دنیا کے دھندے میں لگ جانے کے بعد مجھے مطالعے کے لئے بہت کم وقت ملتا تھا۔ اس لئے میرا کتابی علم بہت محدود ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ مطالعہ کا محدود ہونا میرے حق میں برا نہیں ہوا۔ بلکہ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ میں نے جو کچھ پڑھا وہ دماغ میں

Marfat.com

اچھی طرح رچ بچ گیا۔ ان میں سے Units this last ایسی کتاب تھی جس کی بدولت میری زندگی میں فوری اور عملی تغیر ہو گیا۔ بعد میں میں نے اس کا ترجمہ گجراتی میں "سردودیا" (رفاہ عام) کے نام سے کیا۔

مجھے رسکن کی اس جید کتاب میں اپنے بعض گہرے عقیدوں کی جھلک نظر آئی۔ اسی لئے اس نے میرے دل کو موہ لیا اور میری زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ شاعر وہ ہے جو انسان کے دل میں سوئی ہوئی نیکیوں کو جگا دے شاعروں کے کلام کا اثر سب پر یکساں نہیں ہوتا کیونکہ جوہر قابل کسی شخص میں کم ہوتا ہے کسی میں زیادہ۔

میرے نزدیک Units this last کی تعلیم کا لب لباب یہ تھا:۔

1 ۔ ہر فرد کا بھلا اسی میں ہے جس میں سب کا بھلا ہو۔

2 ۔ ایک حجام کے کام کی قیمت وہی ہے جو ایک وکیل کے کام کی ہے کیونکہ ہر شخص کو حق ہے جس طرح چاہے روزی کمائے۔

3 ۔ سب سے اچھی اور پر لطف زندگی مزدور کی یعنی کسان اور کاریگر کی زندگی ہے۔

پہلی بات میں پہلے سے جانتا تھا۔ دوسری کا بھی بہت خفیف سا احساس تھا۔ مگر تیسری کا کبھی خیال تک نہیں آیا تھا Units this last کے مطالعے سے مجھ پر یہ روشن ہو گیا کہ پہلی بات میں دوسری اور تیسری بھی شامل ہے۔ ادھر تڑکا ہوا ادھر میں دل میں یہ ٹھان کر اٹھا کہ ان اصولوں پر عمل کروں گا۔

حوالہ

1 - Critic (نقاد) اخبار کا نام ہے

Marfat.com

Marfat.com

انیسواں باب

فینکس کی بستی

میں نے سارا ماجرا مسٹر ویسٹ سے بیان کیا کہ Units this last کے مطالعے کا مجھ پر اثر ہوا ہے اور میری تجویز ہے کہ "انڈین اوپینین" کا دفتر ایک زراعتی فارم میں رکھا جائے۔ ہم میں سے ہر شخص اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کا اور خالی وقت میں مطبع کا کام کرے اور سب کو مساوی اجرت دی جائے جو پیٹ کی روٹی اور تن کے کپڑے کو کافی ہو۔ مسٹر ویسٹ نے اس تجویز کو پسند کیا اور یہ قرار پایا کہ ہر شخص کو خواہ وہ کسی ملک اور کسی قوم کا ہو تین پونڈ ماہوار اجرت دی جائے گی۔

مگر یہ بڑا مشکل سوال تھا کہ دس 10 بارہ 12 آدمی جو مطبع میں کام کرتے ہیں سب کے سب ایک دور افتادہ فارم میں جا کر بسنے اور اتنی کم اجرت لینے پر راضی بھی ہونگے یا نہیں۔ اس لئے ہم نے یہ طے کیا کہ جو لوگ اس تجویز پر عمل نہ کر سکتے ہوں وہ موجودہ تنخواہ پر کام کرتے رہیں اور آہستہ آہستہ اس بستی کے مطب العین تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

میں نے سب رفیقوں سے اس کے متعلق گفتگو کی۔ مدن جیت جی کو یہ تجویز پسند نہیں آئی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ محض حماقت ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ کام جس کی خاطر انہوں نے سب کچھ دے دیا تھا بیٹھ جائے گا، سارے ملازم کام چھوڑ کر بھاگ جائے گے "انڈین اوپینین" اور مطبع دونوں بند ہو جائیں گے۔

مطبع کے ملازموں میں میرے رشتے کے بھائی چھگن لال گاندھی بھی تھے میں نے جس وقت مسٹر ویسٹ سے اس تجویز کا ذکر کیا وہ بھی موجود تھے۔ وہ بال بچوں والے آدمی تھے مگر انہوں نے بچپن سے میری تربیت میں رہنے اور میرے ساتھ کام کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ انہیں مجھ پر پورا بھروسہ تھا۔ اس

Marfat.com

لئے انہوں نے بغیر کسی بحث کے یہ تجویز منظور کرلی اور اس دن سے آج تک میرے ساتھ ہیں۔ گروند سوامی مشین میں شریک ہوگئے۔ دوسروں نے پوری تجویز تو منظور نہیں کی مگر اس پر راضی ہوگئے کہ میں جہاں کہیں مطبع لے جاؤں گا وہ ساتھ چلیں گے۔

جہاں تک مجھے خیال ہے ان لوگوں سے یہ بحث دپز کرنے میں مجھے دو روز سے زیادہ نہیں لگے۔ اس کے بعد میں نے فوراً اشتہار دیا کہ ایک زمین کے قطعے کی ضرورت ہے جو ڈربن کے مضافات میں کسی ریل کے اسٹیشن کے قریب واقع ہو۔ اس کے جواب میں فینکس سے پیغام آیا میں اور مسٹر ویسٹ اس زمین کو دیکھنے گئے اور ایک ہفتہ کے اندر ہم نے بیس ایکڑ کا قطعہ خرید لیا۔ اس میں ایک چھوٹا سا خوبصورت چشمہ بہتا تھا اور آم اور نارنگی کے چند درخت بھی تھے۔ اس سے ملا ہوا ایک اسی ایکڑ کا قطعہ تھا جس میں بہت سے درخت اور ایک ٹوٹا پھوٹا بنگلہ تھا۔ ہم نے اسے بھی خرید لیا۔ اس میں سب ملا کر ایک ہزار پونڈ صرف ہوئے۔

مسٹر رستم جی آنجہانی اس قسم کے معاملات میں ہمیشہ میری مدد کیا کرتے تھے۔ انہیں یہ تجویز پسند آئی۔ انہوں نے ایک بڑے گودام کی پرانی لوہے کی چادریں میرے حوالے کردیں اور بہت سا اور عمارت کا مسالہ بھی دیا۔ ہم نے اس سامان سے تعمیر شروع کردی چند ہندوستانی معمار اور بڑھئی مل گئے جو میرے ساتھ جنگ بوئر کے زمانے میں کام کرچکے تھے اور ان کی مدد سے ہم نے چھاپے خانے کے لئے ایک پچتر فٹ لمبا اور پچاس فیٹ چوڑا سائبان ایک مہینے کے اندر تیار کرلیا۔ مسٹر ویسٹ اور بعض اور لوگ بڑی جوکھم اٹھا کر ان کاریگروں کے ساتھ رہتے تھے۔ ساری زمین پر گھاس ہی گھاس تھی اور سانپوں کی اتنی کثرت تھی کہ وہاں رہنے میں جان کا خطرہ تھا۔ پہلے سب خیموں میں رہتے تھے۔ ہم لوگ ہفتے میں ایک بار اپنا سامان چھکڑوں میں بھر کر فنیکس لے جایا کرتے تھے۔ یہ جگہ ڈربن سے چودہ میل اور فنیکس اسٹیشن سے ڈھائی میل کے فاصلے پر تھی۔

"انڈین اوپینین" کا صرف ایک نمبر باہر مرکزی پریس میں چھپوانے کی ضرورت پڑی۔ اب میں نے یہ کوشش شروع کی کہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کو ہندوستان سے روزگار کی تلاش میں میرے ساتھ آئے تھے اور مختلف قسم کے کاروبار میں لگے ہوئے تھے فینکس لے آؤں۔ یہ لوگ روپیہ کمانے کے شوق میں آئے تھے اور انہیں اس زندگی پر آمادہ کرنا بہت مشکل تھا مگر پھر بھی چند لوگ تھوڑے دن کے بعد چھوڑ کر چلے گئے اور اپنے اپنے دھندوں میں لگ گئے۔ مگن لال گاندھی عمر بھر کے لئے اپنے کاروبار سے ہاتھ دھو کر میرے ساتھ ہوگئے اور میرے اخلاقی تجربوں میں وہ اپنی قابلیت، ایثار،

Marfat.com

خلوص اور محنت کے لحاظ میرے سب پرانے ساتھیوں سے ممتاز رہے اور دستکاری میں تو انہوں نے بغیر کسی سے سیکھے وہ کمال پیدا کیا کہ ہم میں سے کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اس طرح 1904 ء میں فینکس کی بستی کی بنیاد پڑی اور شدید مشکلات کے باوجود اب تک "انڈین اوپینین" اسی بستی سے نکلتا ہے۔

مگر اس مہم کی ابتدائی مشکلوں مختلف تبدیلیوں اور ہماری امیدوں اور مایوسیوں کے بیان کے لئے ایک الگ باب کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

بیسواں باب

پہلی رات

فنیکس سے "انڈین اوپینین" کا پہلا نمبر نکالنے میں دانتوں پسینا آگیا۔ اگر میں نے دو باتوں کی احتیاط نہ کی ہوتی تو پہلا نمبر نہ نکل سکتا یا دیر میں نکلتا۔ مجھے چھاپے خانے میں انجن سے کام لینا پسند نہیں تھا۔ میرا تو یہ خیال تھا کہ جہاں کھیتی باڑی کا کام ہاتھ سے کیا جائے وہاں مشینوں کو بھی ہاتھ سے چلانا زیادہ مناسب حال ہوگا۔ مگر اس طرح کام چلتا نظر نہ آیا تو ہم نے ایک تیل کا انجن لگادیا۔ پھر بھی میں نے ویسٹ سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسا انتظام کرلینا چاہیئے کہ اگر انجن اتفاقاً بند بھی ہوجائے تو مشین نہ رکیں۔ انہوں نے ایک چرخی لگائی ہاتھ سے چلائی جاسکتی تھی۔ اخبار کی تقطیع اب تک وہی تھی جو روزانہ اخباروں کی ہوتی ہے۔ مگر فینکس کیسے دور افتادہ مقام پر اس تقطیع کی چھپائی مشکل تھی، اس لئے اس کی فل اسکیپ سائز اختیار کی گئی کہ بروقت ضرورت اخبار چھوٹی مشین پر چھاپا جاسکے۔

ابتدا میں اخبار کی اشاعت کے دن ہم سب کو رات کو دیر تک جاگنا پڑتا تھا۔ چھوٹے بڑے سب مل کر چھپے ہوئے تختوں کو موڑتے تھے اور یہ کام عموماً رات کے دس 10 اور بارہ بجے کے درمیان ختم ہوتا تھا۔

پہلی رات کبھی نہ بھولے گی۔ مشین پر فرمہ کس دیا گیا مگر انجن چلنے کا نام نہ لیتا تھا۔ ہم نے ڈربن سے ایک انجینئر بلوایا تھا کہ مشین کو جما کر چالو کردے اس نے اور ویسٹ نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا مگر انجن ٹس سے مس نہ ہوا۔ ہر شخص پریشان تھا۔ ویسٹ بیچارے کے چھکے چھوٹ گئے۔ وہ میرے پاس آئے تو ان کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگے "انجن کسی طرح نہیں چلتا۔ میرے خیال میں پرچہ وقت پر نکلنے کی کوئی امید نہیں"۔

Marfat.com

میں نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا "اگر یہ صورت ہے تو مجبوری ہے۔ رونے پیٹنے سے کیا فائدہ؟ پھر بھی ہمیں اپنی جیسی کر لینا چاہئے۔ کیا اس چرخی سے کام نہیں چلے گا؟

انہوں نے جواب دیا "چرخی چلانے کے لئے آدمی کہاں سے آئیں گے؟ یہ اتنے آدمیوں کے بس کی بات نہیں چار چار کو باری باری سے کام کرنا پڑے گا اور ہم لوگ سب تھکے ہوئے ہیں"۔

تعمیر کا کام ہنوز ختم ہوا تھا اس لئے بڑھئی تک موجود تھے۔ سب چھاپے خانے کے سائبان میں پڑے سو رہے تھے۔ میں نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا ایسا کیوں نہ کریں کہ ان لوگوں سے مدد لیں اور رات بھر جاگ کر کام ختم کر ڈالیں؟ میرے خیال میں تو یہ تدبیر ضرور آزمانا چاہئے"۔

ویسٹ نے کہا "میری ہمت نہیں پڑتی کہ ان آدمیوں کو جگاؤں اور چھاپے خانے کے آدمی سچ مچ شل ہو گئے ہیں"۔

میں نے کہا "خیر یہ تم مجھ پر چھوڑ دو"۔

ویسٹ نے کہا "پھر تو ممکن ہے کہ ہم کام کر لے جائیں"۔

میں نے سونے والوں کو جگایا اور ان سے مدد کی درخواست کی وہ فوراً راضی ہو گئے اصرار کرنے کی مطلق ضرورت نہیں ہوئی۔ انہوں نے کہا "اگر ہم ایسے وقت میں کام میں نہ آئے تو پھر ہم کسی مرض کی دوا ہیں؟ آپ آرام کیجئے ہم چرخی چلاتے ہیں ہمارے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔

"ہمارے آدمی تو پہلے ہی سے تیار تھے"۔

ویسٹ بہت خوش ہوئے اور جب ہم لوگوں نے کام شروع کیا تو جوش میں آکر ایک مناجات گانے لگے میں اس فریق میں تھا جس میں بڑھئی تھے۔ دوسرے بھی اپنی اپنی باری کام کرتے تھے۔ یہ سلسلہ صبح سات بجے تک جاری رہا ابھی بہت سا کام باقی تھا۔ اس لئے میں نے ویسٹ سے کہا کہ انجینئر کو جگا کر ان سے کہو ایک بار پھر انجن چلانے کی کوشش کریں۔ اگر اب بھی انجن چل جائے تو کام وقت پر ختم ہو سکتا ہے۔

ویسٹ نے جا کر انہیں جگایا اور فوراً انجن گھر پہنچے۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ ان کے ہاتھ لگاتے ہیں انجن چلنے لگا ہمارا مطبع خوشی کے نعروں سے گونجنے لگا۔

میں نے پوچھا "یہ کیا بات ہے؟ آخر اس کا کیا سبب ہے کہ رات ہم محنت کرتے کرتے تھک گئے اور کچھ نہ ہوا اور صبح انجن خود بخود چلنے لگا جیسے کبھی بگڑا ہی نہ تھا؟

مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ اس کے جواب میں یہ الفاظ انجینئر نے کہے یا ویسٹ نے "اب یہ کون کہہ

Marfat.com

سکتا ہے کہ کیا سبب تھا۔ مشینوں کی بھی بعض اوقات یہ حالت ہوتی ہے کہ گویا ہماری طرح وہ بھی سستانا چاہتی ہیں"۔

، میرے نزدیک انجن کا بند ہونا ہم سب کی آزمائش کے لئے تھا اور اس کا عین ضرورت کے وقت چلنا ہمارے خلوص اور محنت کا اجر تھا۔

اخبار وقت پر بھیج دیا گیا۔ ہم میں سے ہر ایک خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا پہلی ہی بار وقت کی پابندی پر اس قدر زور دینے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اخبار ہمیشہ باقاعدہ شائع ہوتا رہا اور فنیکس کے لوگوں میں اعتماد نفس کی روح پیدا ہو گئی۔ ایک زمانہ وہ آیا کہ ہم نے اپنی خوشی سے انجن کا استعمال ترک کر دیا اور ہاتھ سے کام کرنے لگے۔

میرے نزدیک یہی دن فنیکس کی اخلاقی معراج کے تھے۔

Marfat.com

Marfat.com

اکیسواں باب

بو لک آگے بڑھے

مجھے اس بات کا ہمیشہ افسوس رہا کہ میں نے فنیکس کی بستی بسائی مگر میرے قیام کی صورت یہی رہی کہ کبھی کبھی جا کر کچھ دن وہاں رہ آتا تھا۔ اس میں میرا ارادہ یہ تھا کہ میں آہستہ آہستہ وکالت ترک کر دوں اس بستی میں جا کر بس جاؤں محنت مزدوری سے روزی کماؤں اور فنیکس کی ترقی میں کوشش کر کے ذوق خدمت حاصل کروں مگر یہ میری قسمت میں نہ تھا مجھے اکثر تجربہ ہوا ہے کہ انسان کچھ سوچتا ہے اور خدا کچھ اور کرتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ دیکھا ہے کہ اگر اصلی مقصد طلب حق ہے تو خواہ انسان کی ساری تدبیریں الٹی ہو جائیں نتیجہ کبھی اس کے حق میں برا نہیں ہوتا بلکہ اکثر اس کی توقع سے بڑھ کر اچھا ہوتا ہے فنیکس میں جو غیر متوقع واقعات پیش آئے وہ ہرگز مضر نہیں تھے۔ البتہ یہ مشکل سے کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے پہلے جو امیدیں باندھ رکھی تھیں ان سے بہتر نتیجے حاصل ہوئے۔

ہم نے چھاپے خانے کے آس پاس کی زمین کو تین تین ایکڑ کے قطعوں میں تقسیم کر دیا تاکہ ہر شخص کھیتی کر کے گزر بسر کے لائق کما لے۔ ایک قطعہ میرے حصے میں بھی آیا ان سب قطعوں میں ہمیں چار و ناچار لوہے کی نالی دار چادروں کے مکان بنانا پڑے ہم تو یہ چاہتے تھے کہ کچی خس پوش جھونپڑیاں یا اینٹوں کے چھوٹے چھوٹے مکان کسانوں کے رہنے کے لائق بنالیں مگر اس کا موقع نہ ملا۔ ان مکانوں میں خرچ بھی زیادہ ہوتا اور وقت بھی بہت لگتا اور ہم کو یہ فکر تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے ٹھکانے سے بیٹھ کر کام شروع کر دیں۔

اخبار کے ایڈیٹر ابھی تک سکھ لال نظر تھے۔ انہوں نے نئی تجویز منظور کی تھی اور اخبار کی نگرانی ڈربن میں رہ کر کرتے تھے جہاں ہمارے دفتر کی شاخ تھی۔ گو ہم تنخواہ دار کمپوزیٹروں سے کام لیتے تھے مگر تجویز یہ تھی کہ ہم میں سے ہر شخص کمپوزنگ کا کام جو سب سے سہل مگر نہایت تکلیف دہ ہے

Marfat.com

سیکھ لے۔ بعض لوگ پہلے سے جانتے تھے۔ جو نہیں جانتے تھے انہوں نے اب سیکھ لیا۔ میں سب سے پھسڈی رہا اور مگن لال گاندھی سب سے بڑھ گئے۔ اب تک انہوں نے کبھی چھاپے خانے میں کام نہیں کیا تھا مگر تھوڑے ہی دن کی مشق میں وہ نہ صرف "کمپوزنگ" میں بلکہ چھپائی کے سارے کاموں میں برق ہوگئے تھے ان کی ترقی دیکھ کر تعجب اور خوشی ہوئی میرا ہمیشہ یہ خیال رہا کہ ان میں جتنی قابلیت ہے اس کا انہیں خود احساس نہیں۔

ابھی ہم ٹھکانے سے بیٹھے نہیں پائے تھے اور عمارتیں پوری طرح تیار نہیں ہوئی تھیں کہ مجھے اپنا نیا نشیمن چھوڑ کر جوہانسبرگ جانا پڑا کچھ ایسی صورت تھی کہ میں وہاں کے کام سے زیادہ دن بے توجی نہیں کر سکتا تھا۔

جوہانسبرگ پہنچ کر میں نے پولک سے اپنے نئے انتظام کا ذکر کیا۔ انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ اس کتاب نے، جو انہوں نے مجھے عاریتاً دی تھی یہ انقلاب پیدا کر دیا تو وہ بے انتہا خوش ہوئے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا کوئی ایسی صورت نہیں کہ میں اس تجربہ میں شریک ہو سکوں؟" میں نے کہا" ہے کیوں نہیں آپ کا جی چاہے تو آپ نئی بستی میں چل کر ہماری برادری میں داخل ہو جائیے وہ کہنے لگے" تو پھر میں بالکل تیار ہوں"۔

ان کی اولوالعزمی نے مجھے گرویدہ کر لیا۔ انہوں نے اپنے افسر کو ایک مہینے کا نوٹس دیا کہ "کرنیک" کی ادارت سے سبک دوش کر دئے جائیں اور اس مدت کے گزرنے کے بعد فنیکس پہنچ گئے۔ وہ اس قدر ملنسار تھے کہ تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے سب کے دل کو موہ لیا اور ہمارے خاندان میں گھل مل گئے اور سادگی تو ان کی سرشت میں تھی۔ فنیکس کی زندگی انہیں ذرا بھی غیر مانوس یا دشوار نہیں معلوم ہوئی بلکہ ایسی راس آئی جیسے بط کو پانی۔ مگر میں انہیں زیادہ دن وہاں نہیں رکھ سکتا تھا۔ مسٹر رچ اپنی تعلیم کے لئے انگلستان جارہے تھے اور میں اکیلا دفتر کا کام نہیں سنبھال سکتا تھا اس لئے میں نے پولک سے کہا کہ تم دفتر کے کام میں میری مدد کرو اور وکالت کا امتحان پاس کر لو۔ میرا خیال تھا کہ کچھ دن کے بعد ہم دونوں کام چھوڑ کر فنیکس میں بس جائیں گے۔ مگر اس کی کبھی نوبت نہ آئی۔ پولک اتنے بھولے آدمی تھے کہ جب انہیں کسی دوست پر اعتماد ہو جاتا تھا تو جو وہ کہتا تھا بغیر بحث کے مان لیتے تھے۔ انہوں نے فنیکس سے لکھا کہ مجھے یہ زندگی دل سے پسند ہے، یہاں سچی راحت و مسرت حاصل ہے اور میرے دل میں اس بستی کو ترقی دینے کے ولولے اور امیدیں ہیں۔ پھر بھی اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اسے چھوڑ کر آپ کے ساتھ دفتر میں کام کرنے اور وکیل بننے سے ہمارا نصب العین جلد حاصل

Marfat.com

ہو جائے گا تو مجھے کوئی عذر نہیں مجھے اس خط کے آنے سے بڑی خوشی ہوئی ۔ پولک فنیکس سے جوہانسبرگ آئے اور انہوں نے میرے ساتھ کام کرنے کے معاہدے پر دستخط کر دیئے ۔

اسی زمانے میں میں نے ایک اسکاتی تھیوسوف سے جو مجھ سے ایک ابتدائی قانونی امتحان کی کتابیں پڑھتے تھے کہا کہ تم بھی پولک کی طرح میرے ساتھ کام کرنے کا معاہدہ کرلو اور وہ راضی ہو گئے ان کا نام میک انٹائر تھا۔

غرض میری نیت تو یہ تھی کہ جس طرح جلد ممکن ہو فنیکس کے نصب العین تک پہنچوں مگر اس کے لئے جو طریقہ میں نے اختیار کیا تھا وہ مجھے منزل مقصود سے دور لے جا رہا تھا۔ اور اگر مشیت ایزدی کا دخل ہوتا تو میں اس جال میں جو میں نے سادہ زندگی کے نام سے پھیلا رکھا تھا پھنس کر رہ جاتا۔

جس طریقے سے خدا نے مجھے اور میرے نصب العین کو تباہی سے بچایا اس کا کسی کو سان گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بیان کرنے کے لئے کئی باب چاہئیں۔

Marfat.com

Marfat.com

بائیسواں باب

خدا حافظ حقیقی ہے

اب میرے ہندوستان واپس جانے کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ میں نے اپنی بیوی سے ایک سال میں لوٹنے کا وعدہ کیا تھا۔ سال ختم ہوگیا اور واپسی کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے میں نے طے کیا کہ بیوی بچوں کو اپنے پاس بلاؤں۔

جس جہاز میں یہ لوگ جنوبی افریقہ آرہے تھے اس میں ایک دن میرا منجھلا لڑکا رام داس کپتان کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ یکایک اس کا بازو اکھڑ گیا۔ کپتان نے اس کی دیکھ بھال بہت اچھی طرح کی اور جہاز کے ڈاکٹر سے اس کا علاج کرایا مگر پوری طرح فائدہ نہیں ہوا۔ اس لئے جب وہ جہاز سے اترا تو اس پٹی کے سہارے ہاتھ لٹکائے تھا۔ جہاز کے ڈاکٹر نے یہ مشورہ دیا تھا کہ گھر پہنچتے ہی کسی اچھے ڈاکٹر سے مرہم پٹی کرانا چاہیئے مگر یہ وہ زمانہ تھا کہ جب مجھے مٹی کے علاج کی اتنی دھن تھی کہ میں نے اپنے بعض موکلوں کو جو مجھ جیسے نیم حکیم پر عقیدہ رکھتے تھے، یہ علاج شروع کرا دیا تھا میں نے اپنے دل میں سوچا کہ رام داس کے لئے کیا کرنا چاہیئے؟ وہ پورے آٹھ برس کا تھا میں نے اس سے پوچھا "اپنی مرہم پٹی مجھے کرنے دو گے؟" اس نے مسکرا کر کہا "بڑی خوشی سے" اسے اس عمر میں اتنا شعور نہ تھا کہ اپنے برے بھلے کو سمجھتا مگر وہ عطائی علاج اور باقاعدہ علاج کا فرق ضرور جانتا تھا میں نے ڈرتے ڈرتے کانپتے ہاتھوں سے پٹی کھولی، زخم دھویا اور صف مٹی کی پلیٹس رکھ کر بازو پر پٹی باندھ دی۔ عمل ایک مہینے تک جاری رہا یہاں تک کہ زخم بھر کر سوکھ گیا اس درمیان میں کوئی رکاوٹ نہیں پیش آئی اور وقت بھی اس سے زیادہ نہیں لگا جتنا بقول جہاز کے ڈاکٹر کے معمولی علاج میں لگتا۔

اس طرح کے تجربوں سے میرا عقیدہ گھریلو علاج پر اور پختہ ہوگیا اور اب میں زیادہ وثوق سے ان باتوں کا مشورہ دینے لگا۔ میں نے ان طریقوں کے استعمال کا دائرہ وسیع کر دیا اور مٹی پانی اور فاقے کے

Marfat.com

علاج سے مختلف قسم کے زخموں میں، بخار، ضعف معدہ، اور یرکان وغیرہ میں کام لیا اور اکثر کامیاب ہوا ۔ مگر اب مجھے اتنا وثوق نہیں جتنا جنوبی افریقہ میں تھا۔ بلکہ اتنے دن کی آزمائش سے یہ ثابت ہوا ہے کہ اس قسم کے تجربوں میں صریحی خطرے ہیں۔

یہاں ان تجربوں کا ذکر کرنے سے یہ غرض نہیں کہ ان کی کامیابی ظاہر کی جائے مجھے اپنے کسی تجربے کے پوری طرح کامیاب ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔ اور مجھ پر کیا موقوف ہے ڈاکٹر بھی اپنے تجربوں کے متعلق اس کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ میں تو صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ جس شخص کو نئے تجربے کرنا ہوں وہ اپنی ذات سے ابتدا کرے۔ اس سے حق کی تلاش میں آسانی ہو جاتی ہے۔ جو شخص خلوص نیت سے تجربہ کرتا ہے اسے خدا ضرر سے محفوظ رکھتا ہے۔

فرنگیوں سے میل جول پیدا کرنے کے جو تجربے میں نے کئے ان میں بھی گھریلو علاج کے تجربوں سے کم خطرے نہیں تھے۔ صرف اتنا فرق تھا کہ ان خطروں کی نوعیت دوسری تھی۔ مگر میں نے ان کی کبھی ذرا بھی پروا نہیں کی۔

میں نے پولک کو اپنے گھر ہی میں رکھا اور ہم دونوں سگے بھائیوں کی طرح رہنے لگے۔ ان کی نسبت مسز پولک سے کئی سال قبل ہو چکی تھی۔ مگر شادی کے لئے مناسب وقت کا انتظار تھا۔ میرا خیال ہے کہ پولک خانہ داری کی زندگی شروع کرنے سے پہلے کچھ روپیہ جمع کرنا چاہتے تھے۔ وہ رسکن کی تعلیم کو مجھ سے بہتر سمجھتے تھے مگر اس پر فوری عمل کرنے میں ان کا مغربی ماحول حائل تھا۔ میں نے انہیں سمجھایا "جب دو دلوں میں ایسا اتحاد ہو جیسا تم دونوں میں ہے تو مالی مصلحتوں سے شادی کو ملتوی کرنا جائز نہیں اگر افلاس شادی میں رکاوٹ ڈالتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ غریب آدمی کبھی شادی کر ہی نہیں سکتے۔ اور پھر تم تو میرے ساتھ رہتے ہو روزمرہ کے خرچ کی تو فکر ہی نہیں کرنا چاہئے۔ میرے خیال میں تو تمہیں جتنی جلدی ہو سکے شادی کر لینا چاہئے"۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مجھے پولک سے کوئی بات دوبارہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ انہوں نے میری دلیل تسلیم کر لی اور فوراً مسز پولک سے جو ان دنوں انگلستان میں تھیں اس معاملے کے متعلق خط و کتابت شروع کر دی۔ مسز پولک خوشی سے راضی ہو گئیں اور چند مہینے میں جوہانسبرگ پہنچ گئیں۔ شادی میں کچھ خرچ کرنے کا تو سوال ہی نہ تھا۔ دلہن کے لئے نیا لباس بھی ضروری نہیں سمجھا گیا۔ ان دونوں کو عقد کے لئے مذہبی رسوم کی حاجت نہیں تھی۔ مسز پولک عیسائی مذہب پر پیدا ہوئی تھیں اور پولک یہودی مذہب پر۔ ان دونوں کا مشترک مذہب، مذہب اخلاق تھا۔

Marfat.com

لگے ہاتھوں اس عقد کے متعلق ایک واقعہ بھی بیان کردوں۔ ٹرانسوال میں اس رجسٹرار کو، جو ٹرنگیوں کی شادی کا اندراج کرتا تھا۔ کالے آدمیوں کی شادیوں کا درج رجسٹر کرنے کا اختیار نہ تھا۔ پولک کی شادی میں دولہا کا ساتھی میں تھا۔ اس کام کے لئے فرنگی دوست بھی مل سکتے تھے مگر پولک کو یہ کسی طرح گوارا نہ تھا۔ غرض ہم تینوں رجسٹرار کے دفتر میں گئے اور اس نے مجھ سے کہا کہ جب تم دولہا کے ساتھی ہو تو مجھے کیونکر یقین آئے کہ دولہا دلہن فرنگی ہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ جب تک اچھی طرح تحقیق نہ کرلے اس شادی کے اندراج کو ملتوی رکھے۔ دوسرے دن اتوار تھا اور اس کے اگلے دن سال نو کی تعطیل تھی۔ بھلا ہم کیسے برداشت کرسکتے تھے کہ ٹھہری ٹھہرائی شادی اتنی سی بات کے لئے ملتوی کردی جائے۔ مجھ سے چیف مجسٹریٹ سے جو رجسٹری کے محکمہ کا افسر تھا ملاقات تھی۔ اس لئے میں دولہا دلہن کو ساتھ لے کر ان کے پاس گیا۔ انہوں نے کر رجسٹرار کے نام ایک رقعہ لکھ دیا اور شادی کا باضابطہ اندراج ہوگیا۔

اب تک جو فرنگی میرے ساتھ رہتے تھے ان سے پہلے کی ملاقات تھی مگر اب ایک انگریز خاتون، جو ہمارے لئے بالکل اجنبی تھیں ہمارے خاندان میں داخل ہوئیں جہاں تک مجھے یاد ہے ان میاں بیوی سے ہم سے کبھی بگاڑ نہیں ہوا اور فرض کیجئے کہ مسز پولک میں اور میری بیوی میں کبھی ناچاقی ہوئی بھی ہو تو ایسی باتیں تو اچھے اچھے خاندانوں میں بھی پیش آجاتی ہیں۔ ہمارا خاندان تک اس قدر مخلوط تھا کہ اس میں ہر قسم کے اور ہر مزاج کے لوگ جمع تھے۔ اور اگر غور کیجئے تو ہم جنس اور غیر جنس کا فرق محض خیالی ہے۔ ہم سب ایک ہی خاندان کے رکن ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ اس باب میں ویسٹ کی شادی کا ذکر بھی کردیا جائے۔ اس وقت میرے خیالات "برہمچاریہ" کے متعلق پختہ نہیں ہونے پائے تھے۔ اس لئے مجھے اپنے سب کنوارے دوستوں کی شادی کرانے سے بڑی دلچسپی تھی۔ کچھ دن کے بعد ویسٹ اپنے والدین سے ملنے لوتھ گئے۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر ہوسکے تو شادی کرلینا اور اپنی بیوی کو ساتھ لیتے آنا۔ فنیکس ہمارا مشترکہ گھر تھا اور ہم سب کسان بن گئے اس لئے ہمیں شادی کا اور اس کے لازمی نتائج کا ڈر نہیں رہا تھا۔ ویسٹ نے لیسٹر کی ایک نوجوان حسین خاتون سے شادی کرلی اور انہیں ساتھ لے کر لوٹے۔ ان کے خاندان والے موچی تھے اور لیسٹر کے ایک کارخانے میں مزدوری کرتے تھے۔ مسز ویسٹ خود بھی کچھ دن اس کارخانے میں کام کرچکی تھی۔ میں نے انہیں حسین اس لئے کہا ہے کہ ان کے حسن سیرت نے فوراً میرے دل کو موہ لیا۔ سچ پوچھئے تو سچا حسن پاکدامنی اور باطنی میں ہے۔ مسز ویسٹ کے ساتھ ان کی والدہ بھی آئی تھیں۔

Marfat.com

ضعیفہ اب تک زندہ ہیں ان کی محنت، مستعدی اور جوش مزاجی پر سب کو رشک آتا ہے۔

جس طرح میں نے فرنگی دوستوں کو شادی کی ترغیب دی۔ اسی طرح ہندوستانی دوستوں کو بھی اس بات پر آمادہ کیا کہ اپنے بال بچوں کو وطن واپس بلالیں۔ فنیکس آہستہ آہستہ چھوٹا سا گاؤں بن گیا۔ اب وہاں چند خاندان بس گئے تھے اور ان کے بال بچوں سے آبادی بڑھتی جاتی تھی۔

حوالہ

1 -. best gran

Marfat.com

تینتیسواں باب

گھر گرہستی کی ایک جھلک

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ڈربن میں میرے گھر کا خرچ بہت تھا مگر میرا میلان سادگی کی طرف ہو چلا تھا۔ جوہانسبرگ میں رسکن کی تعلیم کے مطابق میں نے اس معاملے میں بہت سختی شروع کردی۔

ایک بیرسٹر کے گھر میں جتنی سادگی ممکن تھی وہ میں نے اختیار کی۔ تھوڑے بہت فرنیچر کے بغیر گزارا نہیں ہوسکتا تھا۔ مکان کی صورت میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ اپنے ہاتھ سے محنت کرنے کا شوق بڑھ گیا میں نے اپنے بچوں کو بھی اس کی تربیت دینی شروع کردی۔

نان پاؤ خریدنا چھوڑ دیا گیا اور کوہنے کی ہدایت کے مطابق بے خمیر کی روٹی گھر پر پکنے لگی معمولی کل کی چکی کا پسا ہوا میدہ اس کام کا نہیں تھا۔ اس لئے سادگی، صحت اور کفایت کے خیال سے یہ مناسب معلوم ہوا کہ ہم خود ہاتھ کی چکی میں آٹا پیسیں۔ میں نے سات پونڈ میں ایک چکی خریدی اس میں ایک لوہے کی چرخی لگی تھی جو ایک آدمی کے بس کی نہ تھی مگر دو آدمی اسے اچھی طرح چلا سکتے تھے۔ عام طور پر میں پولک اور بچے اسے چلایا کرتے تھے۔ میری بیوی بھی کبھی کبھی ہاتھ بٹا لیتی تھیں۔ اگرچہ چکی چلانے کا وقت وہی تھا جب وہ پکانا ریندھنا شروع کرتی تھیں۔ جب مسز پولک آئیں تو وہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہوگئیں۔ بچوں کو چکی چلانے میں بڑی اچھی ورزش ہو جاتی تھی۔ یہ کام بلکہ کوئی کام بھی، ان سے جبراً نہیں لیا جاتا تھا بلکہ ان کے لئے ایک کھیل سا تھا۔ جب جی چاہتا آکر ہاتھ لگا دیتے اور جب تھک جاتے تو چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ مگر ان بچوں نے اور دوسروں نے جن کا میں آگے ذکر کروں گا میری مدد میں کبھی کمی نہیں کی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ان میں کوئی کام چور تھا ہی نہیں مگر اکثر ایسے تھے جو جی سے کام کرتے تھے مجھے بہت کم لڑکے یاد ہیں جو کام سے جی چراتے ہوں یا تھکنے کا بہانہ کرتے ہوں۔

Marfat.com

ہم نے اوپر کے کام کے لئے ایک نوکر رکھ لیا تھا وہ بھی عزیزوں کی طرح گھر میں رہتا تھا اور بچے کام میں اس کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے ۔ میونسپلٹی کا مہتر میلا اٹھایا کرتا تھا مگر پاخانے کی صفائی ہم نوکر سے نہیں کراتے تھے بلکہ اپنے ہاتھ سے کرتے تھے ۔ بچوں کے لیئے بڑی اچھی تربیت ثابت ہوئی ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ میرے لڑکوں میں سے کسی کو مہتر کا کام کرنے میں عار نہیں ۔ اور انہیں قدرتی طور پر حفظان صحت کے عام اصولوں پر عمل کرنے کی عادت پڑ گئی ہے ۔ ہمارے گھر میں بہت کم یہ اتفاق ہوتا تھا کہ کوئی بیمار پڑے ۔ جب کبھی ایسی صورت پیش آتی تھی تو بچے بڑے شوق سے تیمارداری کرتے تھے ۔ میں نے ان کی کتابی تعلیم کی طرف سے بالکل غافل تو نہیں تھا مگر اسے اس عملی تعلیم پر قربان کرنے میں ذرا سا بھی تامل نہیں کرتا تھا اس لئے اگر میرے بچوں کو مجھ سے شکایت ہو تو ایک لحاظ سے بجا ہے ۔ بعض موقعوں پر انہوں نے اس کا اظہار بھی کیا ہے اور مجھے ایک حد تک اپنے قصور کا اعتراف ہے ۔ انہیں تعلیم دلانے کی خواہش میرے دل میں بھی بلکہ میں نے خود انہیں پڑھانے کی کوشش کی مگر ہمیشہ کوئی نہ کوئی چیز حائل ہو گئی اور یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا مجھے ان کے لئے کوئی اتالیق نہ مل سکا اس لیئے میں انہیں روزانہ اپنے ساتھ دفتر لے جاتا تھا ۔ یہ پانچ میل کا فاصلہ وہ آتے جاتے پیدل ہی طے کرتے تھے ۔ اس سے انہیں اچھی خاصی ورزش ہو جاتی تھی ۔ اور اگر کوئی اور ساتھ نہ ہوا جس سے باتیں کرنا ضروری ہو تو میں بچوں کو چلتے چلتے گفتگو کے ذریعے تعلیم دینے کی کوشش کرتا تھا ۔ میرے سب بچوں نے بغیر ہری لال کے جو ہندوستان ہی میں رہ گیا تھا جوہانسبرگ میں اسی طرح تعلیم پائی ۔ اگر میں انہیں ایک گھنٹہ روز بھی پابندی کے ساتھ ادبی تعلیم دے سکتا تو میرے خیال میں ان تعلیم مکمل ہو جاتی مگر اس کا موقع نہ ملا اور ان کی ادبی تعلیم ناقص رہ گئی جس کا انہیں بھی افسوس ہے اور مجھے بھی ۔ میرے بڑے بیٹے نے اکثر نج کی گفتگو میں اور اخباروں میں شکایت ظاہر کی ہے ۔ دوسرے بچوں نے کریم النفسی سے میرا قصور ناگزیر سمجھ کر معاف کر دیا ۔ میں اس صورت حال سے ہرگز دل شکستہ نہیں ہوں ۔ مجھے جو کچھ افسوس ہے وہ یہ ہے کہ میں نے باپ کی حیثیت سے اپنا فرض پوری طرح نہیں ادا کیا ۔ لیکن میرا عذر یہ ہے کہ میں نے ان کی ادبی تعلیم کو اس چیز پر قربان کر دیا جسے میں اپنے عقیدے میں، چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو، قومی خدمت سمجھتا ہوں ۔ مجھے پورا اطمینان ہے کہ میں نے ان کی سیرت کی تربیت میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا اور میرے نزدیک ہر بچے کے ماں باپ کا فرض ہے کہ اس کا کافی اہتمام کرے ۔ اگر میرے بچوں میں باوجود میری انتہائی کوشش کے خامیاں رہ گئی ہیں تو مجھے دل سے یقین ہے کہ یہ میری تربیت کو کوتاہی کی علامت نہیں بلکہ میرے اور میری بیوی کے نقائص کی جھلک ہے ۔

Marfat.com

بچوں کو ماں باپ سے صرف صورت شکل ہی نہیں بلکہ ذہنی اور اخلاقی صفات بھی وراثت میں ملتی ہیں ۔ ماحول کا بھی ایک حد تک اثر ہوتا ہے مگر اصل سرمایہ جسے لے کر بچہ زندگی میں قدم رکھتا ہے اسے اپنے آباؤ اجداد ہی سے حاصل ہوتا ہے ۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض بچے موروثی برائیوں پر غالب آجاتے ہیں ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نیکی روح کی خلقی صفت ہے ۔

مجھ سے اور پولک سے اکثر اس پر بحث ہوا کرتی تھی کہ بچوں کو انگریزی پڑھانا مناسب ہے یا نہیں ۔ میرا ہمیشہ سے یہ عقیدہ ہے کہ جو ہندوستانی ماں باپ کو بچپن سے انگریزی میں سوچنا اور انگریزی بولنا سکھاتے ہیں اور وہ اپنے بچوں اور اپنے ملک دونوں کے ساتھ بے وفائی کرتے ہیں ۔ وہ انہیں قوم کی روحانی اور سماجی آرٹ سے محروم کر دیتے ہیں اور اس حد تک انہیں ملک کی خدمت کے ناقابل بنا دیتے ہیں ۔ اس عقیدے کی وجہ سے میں اپنے بچوں سے خاص کر کے ہمیشہ گجراتی میں باتیں کرتا تھا ۔ پولک کو یہ بات ناپسند تھی وہ سمجھتے تھے کہ میں بچوں کی آئیندہ ترقی کی جڑ کاٹ رہا ہوں وہ انتہائی محبت اور اصرار سے کہتے تھے کہ اگر لڑکے بچپن سے انگریزی جیسی عالمگیر زبان سیکھ لیں تو وہ زندگی کی دوڑ میں دوسروں سے آگے رہیں گے ۔ ان کی دلیلوں سے میری تسکین نہیں ہوئی ۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے انہیں اپنے طرز کی صحت کا قائل کر دیا یا وہ مجھے خود سارے اور ضدی سمجھ کر چپ ہو رہے ۔ یہ بیس برس کی بات ہے اور اس عرصے میں تجربے نے میرے عقیدے کو اور بھی راسخ کر دیا ۔ گو میرے لڑکوں کو مکمل ادبی تعلیم نہ ملنے سے نقصان پہنچا ہے مگر اس کی بدولت انہوں نے مادری زبان میں اور زیادہ ترقی کر لی ہے جس میں ان کا اور ان کے ملک کا سراسر فائدہ ہے کیونکہ اب وہ اپنے دیس میں پردیسی نہیں ۔ انگریز دوستوں کے وسیع حلقے میں اٹھنے بیٹھنے اور ایسے ملک میں رہنے سے جہاں زیادہ تر انگریزی بولی جاتی ہے انہیں خود بخود انگریزی بولنے اور لکھنے کی خاصی مشق ہو گئی ہے ۔

Marfat.com

Marfat.com

چوبیسواں باب

زولو "بغاوت"

بظاہر میں جوہانسبرگ میں بس گیا تھا مگر ٹھکانے کی زندگی میرے نصیب میں نہ تھی۔ عین اس وقت میں یہ سمجھتا تھا کہ ذرا اطمینان سے بیٹھوں گا ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی بالکل توقع نہ تھی۔ اخباروں سے معلوم ہوا کہ نٹال میں زولو "بغاوت" شروع ہو گئی ہے۔ مجھے زولو قوم سے کوئی خلش نہیں تھی۔ انہوں نے کبھی ہندوستانیوں کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ مگر اس زمانے میں میرا یہ عقیدہ تھا کہ دولت برطانیہ دنیا کی بہبود کے لئے قائم ہے۔ میں برطانیہ کا اتنا سچا وفادار تھا کہ دل میں بھی اس دولت عظمیٰ کو ضرر پہنچنے کی خواہش نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے مجھے اس سے سروکار نہ تھا کہ بغاوت بجا ہے یا بے جا نٹال میں ایک والنٹیئر ڈیفنس فورس (1) تھی۔ اور اسے مزید رنگروٹوں کے بھرتی کرنے کا اختیار تھا۔ میں نے اخبار پڑھا کہ بغاوت کو فرد کرنے کے لئے اس دستے کو جمع ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

میں اپنے آپ کو نٹال کا شہری سمجھتا تھا۔ اس لئے میں نے گورنر کو خط لکھا کہ اگر ضرورت ہو تو میں ہندوستانیوں کی ایمبولینس کو قائم کرنے کو تیار ہوں۔ انہوں نے فوراً منظوری بھیج دی۔

مجھے اپنی درخواست اس قدر جلد قبول ہو جانے کی امید تھی۔ اچھا ہوا کہ میں نے یہ خط لکھنے سے پہلے ضروری انتظام کر لیا تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اگر میری درخواست قبول ہوئی تو جوہانسبرگ کے گھر کو چھوڑ دوں گا۔ پولک ایک چھوٹے سے مکان میں رہیں گے اور میری بیوی فنیکس چلی جائیں گی۔ وہ اس فیصلے سے بالکل میری ہم رائے تھیں مجھے یاد نہیں کہ اس قسم کے معاملوں میں انہوں نے کبھی میری راہ میں رکاوٹ ڈالی ہو۔ اس لئے جیسے ہی گورنر کا جواب آیا میں نے مالک مکان کو ایک مہینے کا معمولی کرایہ دیا اور اپنا سامان کچھ فنیکس بھجوا دیا اور کچھ پولک کے یہاں رکھوا دیا۔

Marfat.com

میں نے ڈربن جاکر رنگروٹوں کے لئے تحریک کی۔ بہت بڑے دستے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم کل چوبیس آدمی تھے۔ جن میں میرے علاوہ چار گجراتی تھے اور سب جنوبی ہند کے لوگ تھے جو ابتدا میں "پابند مزدوروں" کی حیثیت سے آئے تھے ایک پٹھان تھا جو کسی کا پابند نہیں تھا۔

چیف میڈیکل افسر نے دستور کے مطابق مجھے سرجنٹ میجر کا عارضی منصب دے دیا تاکہ میری ایک حیثیت بھی ہو جائے اور کام میں بھی آسانی ہو اور میری تجویز سے انہوں نے تین آدمیوں کو سرجنٹ اور ایک کو کارپورل بنا دیا۔ ہمیں حکومت کی طرف سے وردیاں بھی ملیں۔ ہماری کور چھ ہفتے تک لام پر رہی "بغاوت" کے مقام پر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ "بغاوت" کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے۔ کسی قسم کی مزاحمت نظر نہیں آتی تھی۔ یہ شورش محض اتنی بات پر "بغاوت" کہی جانے لگی کہ ایک زولو سردار نے ایک نئے ٹیکس کے ادا کرنے سے انکار کیا تھا اور جو سرجنٹ وصولی کے لئے گیا تھا اسے نیزہ مار کر ختم کر دیا تھا بہر حال مجھے زولو قوم سے دلی ہمدردی تھی اور جب صدر کیمپ پہنچ کر میں نے یہ سنا کہ ہم لوگوں کا کام زیادہ تر زولو زخمیوں کی تیمارداری کرنا ہے تو مجھے بڑی خوشی ہوئی میڈیکل افسر کو ہمارا آنا بہت غنیمت معلوم ہوا۔ انہوں نے کہا کہ گورے لوگ زولو زخمیوں کی تیمارداری دل سے نہیں کرتے۔ ان غریبوں کے زخموں میں کیڑے پڑ گئے ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ اس نے ہم لوگوں کے پہنچنے کو ان بے گناہوں کے لئے ایک نعمت سمجھا۔ ہمیں پٹیاں، زخم صاف کرنے کی دوائیں وغیرہ دے کر عارضی ہسپتال میں لے گئے زولو میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے

گورے سپاہی ہسپتال کے باہر کھڑے جنگلے کی سلاخوں سے جھانکا کرتے اور ہمیں سمجھاتے کہ ان زخمیوں کی دیکھ بھال نہ کرو۔ جب ہم ان کی باتوں پر توجہ نہ کرتے تو وہ جھلا کر زولو قیدیوں کو بری بری گالیاں دینے لگتے۔

رفتہ رفتہ ان گوروں سے مجھ سے میل جول بڑھ گیا اور انہوں نے میرے کام میں مداخلت ترک کر دی۔ کمانڈنگ افسروں میں کرنل اسپارکس اور کرنل وائلی بھی تھے جنہوں نے 1896ء میں بڑی سختی سے میری مخالفت کی تھی۔ انہیں میرے اس طرز عمل سے بڑی حیرت ہوئی اور انہوں نے خاص طور پر مجھے بلا کر میرا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے مجھے جنرل کمتری سے ملایا۔ یہ لوگ پیشہ ور سپاہی نہیں تھے۔ کرنل وائلی ڈربن کے ایک نامی وکیل تھے۔ کرنل اسپارکس ڈربن کے ایک مشہور گوشت کے کارخانے کے مالک تھے۔ جنرل کمتری کے نتال میں بہت اچھے فارم تھے۔ یہ حضرات والنٹیر تھے اور اس حیثیت سے انہوں نے فوجی تربیت اور تجربہ حاصل کیا تھا۔

Marfat.com

جو زخمی ہماری نگرانی میں تھے وہ لڑائی میں مجروح نہیں ہوئے تھے ۔ ان میں سے بعض شبہ سمجھ کر گرفتار کرلئے گئے تھے اور جنرل نے ان کو کوڑے لگوائے تھے ۔ کوڑوں نے ان کے بدن میں گہرے زخم ڈال دئے تھے اور مرہم پٹی نہ ہونے کے سبب سے زخموں میں کیڑے پڑ گے تھے سپاتی وفادار زولو تھے ۔ انہیں دشمن سے ممتاز کرنے کیلئے خاص بلے دلے دلنے گئے تھے ۔ پھر بھی گوروں نے غلطی سے ان پر بندوقیں چلادی تھیں ۔

اس کے علاوہ مجھے گوروں کے ہسپتال میں کمپونڈری بھی کرناپڑی تھی ۔

اس میں مجھے کوئی دقت نہ تھی ۔ کیونکہ میں ڈاکٹر بوتھ کے چھوٹے ہسپتال میں ایک سال تک کام کرچکا تھا ۔ اس سلسلے میں مجھ سے بہت سے فرنگیوں سے ملاقات ہوگئی ۔

ہم لوگ ایک تیز رو دستے کے ساتھ کردئے گئے ۔ اسے یہ حکم تھا کہ جس جگہ سے خطرے کی خبر آئی وہاں فوراً پہنچ جائے ۔ اس میں زیادہ تر پیدل سپاہی تھے جو جلدی کے خیال سے گھوڑوں پر سفر کرتے تھے ۔ جیسے ہی ہمارا کیمپ روانہ ہوتا تھا ۔ ہمیں بھی ڈولیاں گندھوں پر رکھ کر پیچھے پیچھے چلناپڑتا تھا ۔ دو تین بار تو ہمیں دن میں چالیس چالیس میل چلنے کا اتفاق ہوا ۔ مگر شکر ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی جاتے تھے خلق خدا کی خدمت ہی کرتے تھے ۔ ہمارا یہ کام تھا کہ جو وفادار زولو غلطی سے زخمی کردئے جائیں انہیں ڈولی میں اٹھا کرلے جائیں اور ان کی دیکھ بھال کریں ۔

حوالہ

1 - رضاکاروں کا دستہ ملک کی حفاظت کے لئے

Marfat.com

Marfat.com

پچیسواں باب

احتساب نفس

زولو بغاوت کے سلسلے میں ہمیں نئے نئے تجربے ہوئے۔ جنگ بوئر میں مجھے لڑائی کے خوفناک نتائج کا اتنا اندازہ نہیں ہوا تھا جتنا اس بغاوت میں ہوا، یہ نام کو لڑائی تھی مگر اصل میں آدمیوں کا شکار تھا۔ یہ صرف میری ہی رائے نہیں تھی بلکہ بہت سے انگریز جن سے مجھے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا، یہی کہتے تھے، روز صبح اٹھ کر بے گناہوں کی جھونپڑیوں پر رائفلوں کی باڑھ چلتے سنتا، جیسے شب برات میں پٹاخے چھوٹتے ہوں۔ ہمارے لئے ایک عذاب تھا۔ مگر میں مجبوراً یہ زہر کے گھونٹ پیتا تھا۔ اس خیال سے تسکین ہو جاتی تھی کہ ہماری کور کا کام صرف زولو زخمیوں کی خدمت کرنا ہے مجھے معلوم تھا کہ اگر ہم لوگ نہ ہوتے تو غریب زولو کس مپرسی میں پڑے رہتے۔

لیکن اور بہت سی چیزیں تھیں جن سے غور و فکر اور مشاہدہ نفس کی تحریک ہوئی تھی۔ ملک کا یہ حصہ کم کم آباد تھا۔ سیدھی سادی اور "وحشی" زولو قوم کی بستیاں پہاڑیوں اور وادیوں میں دور دور پر واقع تھیں۔ جب میں زخمیوں کو لے کر یا خالی ان سنسان رستوں سے جہاں ہنو کا عالم رہتا تھا گزرتا تو اکثر گہرے خیالات میں ڈوب جاتا۔

میں نے "برہمچاریہ" بن کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا اور میرا عقیدہ اور بھی گہرا ہو گیا۔ میں نے اپنے رفیقوں سے اس بارے میں گفتگو کی۔ مجھے اس وقت تک احساس نہ تھا کہ "برہمچاریہ" معرفت نفس کے لئے کس قدر ناگزیر چیز ہے۔ مگر اتنا جانتا تھا کہ جو شخص دل و جان سے اپنے بنی نوع کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔ اس کا کام بغیر اس کے کسی طرح نہیں چل سکتا۔ میں نے دیکھا کہ جس قسم کی خدمت میں کر رہا ہوں اس کے موقعے اکثر پیش آئیں گے۔ اور اگر میں گرہست کی زندگی میں مگن رہا تو اپنے فرض سے عہدہ برآ نہ ہو سکوں گا۔

Marfat.com

مختصر یہ ہے کہ میں جسم اور روح دونوں کی بندگی ساتھ ساتھ نہیں کر سکتا تھا۔ مثلاً اس زمانے میں اگر میری بیوی حاملہ ہوتیں تو میں اس معرکے میں شریک نہ ہو سکتا۔ "برہمچاریہ" کے خاندان کی خدمت کا قومی خدمت کے ساتھ جمع ہونا محال تھا۔ "برہمچاریہ" کے ہوتے ہوئے اس میں کوئی دشواری نہ تھی۔

اس خیالات نے مجھے قطعی عہد کرنے کے لئے بیتاب کر دیا۔ اس عہد کے تصور سے روح کو ایک طرح کی بالیدگی محسوس ہونے لگی۔ تخیل کی بلند پروازی خدمت کی نامحدود فضا کے منظر دکھانے لگی۔

ادھر میں اس جسمانی اور ذہنی شفقت میں مبتلا تھا ادھر یہ خبر آئی کہ بغاوت کے فرد کرنے کا کام قریب قریب ختم ہو لیا اور ہم لوگ بہت جلد سبک دوش کر دئے جائیں گے۔ اس کے دو تین دن بعد سبک دوشی کا حکم بھی پہنچ گیا اور ہم سب گھر واپس آ گئے۔

کچھ عرصے کے بعد میرے نام گورنر کا خط آیا جس میں انہوں نے ایمبولینس کور کی خدمات کا شکریہ ادا کیا تھا۔

فنیکس پہنچ کر میں نے بڑے شوق سے چھگن لال، مدن لال، ویسٹ اور دوسرے دوستوں سے برہمچاریہ کا ذکر چھیڑا۔ انہیں یہ بات پسند آئی اور انہوں نے تسلیم کر لیا کہ عہد کرنا ضروری ہے مگر اس کی مشکلات کا بھی ذکر کیا کچھ لوگوں نے ہمت کر کے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا جن میں بعض کو کامیابی ہوئی۔

میں نے ہر چہ بادا باد کہہ کر عمر بھر کے لئے "برہمچاریہ" کا عہد کر لیا مجھے اعتراف ہے کہ میں اس وقت تک اس راہ کی صوبتوں سے پوری طرح واقف نہ تھا۔ آج تک مجھے اس میں دشوار واریاں پیش آتی ہیں۔ مگر اس کی خوبیاں بھی مجھ پر روز بروز روشن ہوتی جاتی ہیں۔ میرے نزدیک بغیر "برہمچاریہ" کے زندگی بے لطف ہے۔ یہ نہ ہو تو انسان حیوان بن جاتا ہے۔ بہائم اپنی فطرت کے تقاضے سے ضبط نفس پر قادر نہیں ہوتے۔ انسان کا جوہر اور انسانیت کا معیار یہی ضبطنفس ہے۔ ہماری مذہبی کتابوں میں ضبط نفس کی جتنی تعریف کی گئی ہے وہ مجھے پہلے مبالغہ آمیز معلوم ہوتی تھی مگر اب روز بروز یہ حقیقت کھلتی جاتی ہے کہ یہ تعلیم حرف بحرف صحیح اور تجربے پر مبنی ہے۔

میں نے دیکھا کہ "برہمچاریہ" جس میں عجیب و غریب قوتیں پنہاں ہیں، کچھ کھیل نہیں ہے اسے محض جسم تک محدود سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ اس کی ابتدا بے شک جسمانی خواہشات کے ضبط سے ہوتی ہے مگر انتہا یہ نہیں ہے۔ اس کا کمال یہ ہے کہ ناپاک خواہش دل میں نہ آنے پائے سچے "برہمچاری" کو

Marfat.com

خواب میں بھی جسمانی لذت کا خیال نہیں آتا جب تک انسان اس درجے پر نہ پہنچ جائے وہ منزل سے بہت دور ہے۔

مجھے تو جسمانی "برہمچاریہ" میں بھی بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ آج میں کہہ سکتا ہوں کہ اس معاملے میں مجھے ایک حد تک اپنے اوپر بھروسا ہے۔ مگر خیال پر پورا قابو، جو "برہمچاریہ" کی جان ہے اب تک حاصل نہیں ہوا۔ میری طرف سے اس ارادے یا کوشش کی کمی نہیں مگر یہ بات اب تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ناپاک خواہشیں کس رخ سے دبے پاؤں آکر ٹوٹ پڑتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انسان کے پاس وہ چیز موجود ہے جس سے بری خواہشوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ مگر اس کی تلاش ہر شخص کو اپنے طور پر کرنا ہے۔ رشیوں اور عارفوں نے اپنی واردات قلب کے تذکرے ہماری ہدایت کے لئے چھوڑے ہیں لیکن کوئی ایسی تدبیر نہیں بتائی جو ہر موقعے پر کام دے۔ اور ہر شخص کے کام آئے۔ روحانی کمال یا عصمت بغیر توفیق ایزدی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے طالبان حق ہمیں "رام نام" جیسے منتر بتا گئے ہیں جن میں ان کی پاک نفسی اور پاک بازی کا رنگ جھلکتا ہے۔ کامل تسلیم و رضا کے بغیر خیال پر پورا قابو حاصل ہونا محال ہے۔ ہر مذہبی صحیفہ یہی تعلیم دیتا ہے اور مجھے کامل "برہمچاریہ" کی کوشش میں ہر لحظ اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اس جدوجہد اور کشمکش کا ذکر آئندہ بابوں میں آئے گا۔ یہاں میں صرف یہ کہے دیتا ہوں کہ میں نے "برہمچاریہ" کی ابتدا کیونکر کی پہلے پہل کے جوش میں مجھے اس کی پابندی بالکل سہل معلوم ہوئی۔ سب سے پہلی تبدیلی میں نے اپنے طرز زندگی میں یہ کی کہ جس پلنگ پر میری بیوی سوتی تھیں اس پر سونا اور ان سے تنہائی میں ملنا جلنا ترک کر دیا۔

غرض جو "برہمچاریہ" میں 1900ء سے جبراً قہراً برت رہا تھا۔ اس پر 1906ء کے وسط میں دائمی عہد کی مہر لگ گئی۔

Marfat.com

Marfat.com

چھبیسواں باب

ستیاگرہ کا آغاز

جوہانسبرگ میں حالات کچھ ایسی صورت اختیار کر رہے تھے کہ میرا یہ تزکیہ نفس گویا ستیاگرہ کا دیباچہ تھا۔ مجھے اب یہ احساس ہوتا ہے کہ میری زندگی کے خاص خاص واقعات جن میں سب سے اہم "برہمچاریہ" کا عہد تھا مجھے درپردہ اس چیز کے لئے تیار کر رہے تھے۔

ستیاگرہ کی تحریک پہلے شروع ہوئی اور یہ نام بعد میں رکھا گیا۔ جب یہ اصول دریافت ہوا تو مجھے اس کے لئے کوئی نام نہیں ملتا تھا۔ ہم لوگ گجراتی میں بھی اس کے لئے انگریزی لفظ Passive resistance (مقاومت مجہول) استعمال کرتے تھے۔ جب مجھے یوروپیوں کے ایک جلسے میں یہ معلوم ہوا کہ passive resistance کے معنی بہت محدود ہیں، یہ کمزوروں کی تلوار سمجھی جاتی ہے، اس میں نفرت کا مفہوم بھی آسکتا ہے اور تشدد کی شکل میں بھی ظاہر ہو سکتی ہے تو مجھے یہ ظاہر کرنے کی ضرورت پڑی کہ ہندوستانی تحریک ان سب چیزوں سے بڑی ہے اور اس کی ماہیت بالکل دوسری ہے ہمیں یہ محسوس ہوا کہ اس جدوجہد کا صحیح مفہوم ادا کرنے کے لئے کوئی نیا لفظ تلاش کرنا ضروری ہے۔

میں نے لاکھ کوشش کی مگر مجھے کوئی نیا نام نہیں سوجھا۔ اس لئے میں نے "انڈین اوپینین" میں اعلان کیا کہ اس کے پڑھنے والوں میں جو شخص سب سے اچھا نام تجویز کرے گا اسے ایک چھوٹا سا انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ مگن لال گاندھی نے "ست ارادہ (ست حق۔ آگرہ۔ ثبات کا لفظ وضع کیا مگر میں نے سہولت کے خیال سے اسے بدل کر "ستیاگرہ" کر دیا۔ اس وقت سے گجراتی میں اس تحریک کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

Marfat.com

اس معرکے کی تاریخ اصل میں سرگزشت ہے میری بقیہ زندگی کی جو میں نے جنوبی افریقہ میں گزاری خصوصاً ان تجربوں کی جو میں نے اس عرصے میں تلاش حق میں کئے اس تاریخ کا بہت بڑا حصہ میں نے یراودا کی جیل میں لکھا اور جو کچھ باقی رہ گیا اسے رہا ہونے کے بعد پورا کر دیا۔ پہلے یہ نوجیون میں نکلتی رہی پھر کتاب کی شکل میں شائع ہو گئی۔ والجی دیسائی اس کا ترجمہ Current (1) میں چھاپنے کے لئے کر رہے ہیں۔ مگر میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ انگریزی ترجمہ بہت brought جلد کتاب کی شکل میں شائع ہو جائے تاکہ جن لوگوں کو شوق ہو وہ میرے اہم ترین تجربوں سے، جو میں نے جنوبی افریقہ میں کئے تھے پوری طرح واقف ہو جائیں۔ جن ناظرین کی نظر سے یہ کتاب نہ گزری ہو انہیں میں مشورہ دیتا ہوں کہ یہ کتاب ضرور پڑھیں۔ میں جن واقعات کا ذکر اس میں کر چکا ہوں انہیں یہاں نہیں دہراؤں گا۔ مگر آئندہ بیس 20 اکیس 21 بابوں میں اپنی جنوبی افریقہ کی زندگی کے چند ذاتی واقعات بیان کروں گا جو اس تاریخ میں ترک کر دئے گئے ہیں اور اس کے بعد اپنے ہندوستان کے تجربے لکھوں گا۔ اس لئے جو لوگ ان تجربوں کا مطالعہ صحیح تاریخی ترتیب کے ساتھ کرنا چاہیں انہیں مناسب ہے کہ جنوبی افریقہ کی ستیاگرہ کی تاریخ کو پیش نظر رکھیں۔

حوالہ

1 - اس عرصے میں یہ ترجمہ آئیس گنیش نے "اٹر پلیکین" مدراس سے History of satyagraha in south Africa کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

Marfat.com

ستائیسواں باب

غذائیات کے مزید تجربے

میری دلی خواہش تھی کہ خیال، قول اور عمل میں "برہمچاریہ" برتوں میں یہ بھی چاہتا تھا کہ اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ "ستیاگرہ" کی جدوجہد میں صرف کروں اور اس تیاری کے لئے ضبط نفس بہت ضروری تھا۔ اس لئے مجھے غذا کے معاملے میں اور تبدیلیاں کرنا پڑیں اور مزید احتیاط سے کام لینا پڑا۔ اس سے پہلے جتنی تبدیلیاں ہوئیں وہ زیادہ تر صحت کے خیال سے ہوئی تھیں مگر اب جو تجربے کئے جانے والے تھے ان میں مذہبی مقصد مد نظر تھا۔

اب میری زندگی میں فاقہ اور غذا کی احتیاط نے خاص اہمیت حاصل کر لی۔ انسان کے دل میں اکثر ہوائے نفس اور زبان کی چاٹ کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ یہی صورت میرے ساتھ بھی تھی مجھے اپنی شہوانی خواہش اور اپنے ذائقے پر قابو پانے میں بڑی بڑی دشواریاں پیش آئیں اور اب بھی میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے ان دونوں چیزوں کو بالکل مغلوب کر لیا ہے۔ میں اپنے نزدیک بہت زیادہ کھاتا ہوں۔ میرے دوست سمجھتے ہیں کہ میں ضبط نفس سے کام لیتا ہوں لیکن میرا خیال نہیں ہے۔ اگر میں اتنی احتیاط بھی نہ کرتا تو میری زندگی جانوروں سے بدتر ہوتی اور اب تک ٹھکانے لگ چکا ہوتا۔ بہر حال چونکہ مجھے اپنے نقائص اچھی طرح معلوم ہیں میں نے ان سے نجات پانے کی کوشش کی اور اسی کی برکت ہے کہ میں جسم کو اتنے دن گھسیٹتا رہا اور تھوڑا بہت کام بھی کرے گیا۔

مجھے اپنی کمزوری کا احساس تو تھا ہی اتفاق سے کچھ ہم خیال بھی مل گئے اور میں نے یہ معمول کر لیا کہ اکادشی کا دن صرف پھل یا خشک میوہ کھاتا تھا یا بالکل فاقہ کرتا تھا۔ جنم اشٹمی اور دوسری تعطیلوں میں بھی یہی التزام تھا۔

میں نے میوے پر بسر کرنے کی عادت ڈالنا شروع کی مگر ضبط نفس کے اعتبار سے مجھے غلے اور میوے میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوا۔ میوہ خوری میں غذا کی مقدار تو کم ہو گئی مگر ذائقے کی لذت اتنی ہی

Marfat.com

رہی بلکہ عادت پڑنے کے بعد اور بڑھ گئی۔ تہوار کے دن فاقہ کرنا یا صرف ایک وقت کھانا زیادہ مفید معلوم ہوا۔ اس لئے میں نے اسی کو اختیار کیا۔ اور اگر کفارے وغیرہ کا موقع آتا تھا تو بھی میں فاقہ ہی کرتا تھا۔

مگر اس میں بھی میں نے دیکھا کہ جسم کی رطوبت کم ہو جانے کے سبب سے کھانے میں زیادہ مزا آنے لگا اور بھوک بڑھ گئی۔ مجھ پر یہ راز کھل گیا کہ فاقے سے ضبط نفس اور لذت نفس دونوں کا کام لیا جاسکتا ہے۔ خود میرے اور دوسرے لوگوں کے تجربے اس حیرت انگیز کی شہادت دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ میں اپنا جسم بھی بنانا چاہتا تھا۔ مگر اس وقت تو مجھے زیادہ تر ذائقے کو قابو میں لانے کی فکر تھی۔ اس لئے میں برابر غذائیں بدلتا رہا اور اس کے ساتھ ساتھ مقدار میں بھی کمی کرتا رہا۔ مگر ذائقہ بلا بنکر میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔ جب میں ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری کو اختیار کرتا تھا تو اس میں اور زیادہ مزا آتا تھا۔

ان تجربوں میں میرے کئی ساتھی تھے جن میں ہرمان کیلن باخ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ میں نے "جنوبی افریقہ کی ستیاگرہ کی تاریخ" میں ان کا مفصل ذکر کیا ہے اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں، مسٹر کیلن باغ فاقوں میں اور غذا کے تجربوں میں ہمیشہ میرا ساتھ دیتے تھے۔ ستیاگرہ کے شباب کے زمانے میں میں انہیں کے گھر پر رہتا تھا۔ ہم دونوں اپنی غذا کی تبدیلیوں کے بارے میں گفتگو کیا کرتے اور نئی غذاؤں کے تصور سے زیادہ خوش ہوتے تھے۔ ان دنوں یہ باتیں دل کو بھلی لگتی تھیں اور ان میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی تھی مگر تجربے سے معلوم ہوا کہ غذا کے معاملے میں ذائقہ پر زور دینا بڑی غلطی ہے۔ غذا کا مقصد کام و دہن کی لذت نہیں بلکہ جسم کی بقا ہے۔ اگر ہمارے کلی حواس ہمیشہ جسم کی اور جسم کے واسطے سے روح کی خدمت میں مصروف رہیں تو ان کی مخصوص لذت باقی نہیں رہتی اور وہ منشا جس کے لئے فطرت نے انہیں خلق کیا ہے پورا ہو جاتا ہے۔

فطرت سے ہم آہنگی حاصل کرنے کے لئے جتنے تجربے اور قربانیاں کی جائیں کم ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل الٹی گنگا بہتی ہے ہمیں ذرا شرم نہیں آتی کہ ہم جسم فانی کو سنوارنے اور اس کی زندگی چند لمحہ بڑھانے کے لئے ہزاروں جانوں کا خون کرتے ہیں جس کا نتیجہ ہماری جسمانی اور روحانی ہلاکت ہے۔ ایک بیماری کو دور کرنے کے لئے ہم سیکڑوں نئی بیماریاں مول لیتے ہیں۔ حسی لذت کا لطف اٹھانے کی فکر میں ایک دن لطف اٹھانے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ تماشے روزمرہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں لیکن جو دیکھنا نہ چاہے اس سے بڑھ کر اندھا کوئی نہیں۔ غذائیاتی تجربوں کا مقصد اور اصول بتانے کے بعد اب میں ان تجربوں کو کسی قدر تفصیل سے بیان کروں گا۔

Marfat.com

اٹھائیسواں باب

کستوری بائی کی ہمت

میری بیوی اپنی زندگی میں تین بار اتنی سخت بیمار ہوئیں کہ مرتے مرتے بچیں ہر بار انہیں گھریلو دواؤں سے فائدہ ہوا۔ پہلا موقع وہ تھا جب ستیاگرہ شروع ہو چکا تھا یا ہونے والا تھا۔ان پر مرض کا سخت حملہ ہوا۔ خون نکلنے سے بہت سے کمزور ہو گئیں۔ایک ڈاکٹر دوست نے اپریشن کی رائے دی جس پر وہ کچھ تامل کے بعد راضی ہو گئیں۔ وہ بہت کمزور ہو گی تھیں اس لئے ڈاکٹر کو بے کلوروفارم سنگھائے اپریشن کرنا پڑا۔ اپریشن تو کامیاب ہوا مگر انہیں بڑی سخت اذیت ہوئی۔انہوں نے ان تکلیفوں کو جس استقلال سے برداشت کیا اسے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ ڈاکٹر اور اس کی بیوی نے، جو تیمار دار تھیں،ان کی بڑی خدمت کی۔یہ ڈربن کا ذکر ہے۔ڈاکٹر نے مجھے جوہانسبرگ جانے کی اجازت دے دی اور کہا کہ آپ مریضہ کی طرف سے بالکل اندیشہ نہ کیجئے۔

مگر چند روز میں میرے پاس یہ خط پہنچا کہ کستوری بائی کی حالت اور خراب ہو گئی ہے وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ نہیں سکیں اور ایک بار بے ہوش بھی ہو گئی تھیں۔ ڈاکٹر کو یہ بتا دیا تھا کہ وہ مریضہ کو بغیر میری اجازت کے شراب یا گوشت نہیں دے سکتا۔اس لئے اس نے مجھے جوہانسبرگ میں ٹیلیفون کیا اور گائے کے گوشت کی یخنی دینے کی اجازت مانگی۔میں نے جواب دیا کہ "میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔اگر میری بیوی اس قابل ہوں کہ اپنی رائے ظاہر کر سکیں تو ان سے پوچھئے انہیں اختیار ہے جیسے چاہیں کریں" ڈاکٹر نے جواب دیا "میں اس معاملہ میں مریضہ سے ہرگز رائے نہیں لوں گا۔ آپ کو خود یہاں آنا چاہیئے۔اگر آپ مجھے یہ آزادی نہیں دیتے کہ جو غذا چاہوں تجویز کروں تو میں آپ کی بیوی کی زندگی کا ذمہ دار نہیں"

Marfat.com

میں اسی دن ڈربن پہنچا اور ڈاکٹر سے ملا۔ انہوں نے سہولت سے مجھے یہ افسوسناک خبر سنائی "میں تمہیں ٹیلیفون کرنے سے پہلے ہی مسز گاندھی کو یخنی دے چکا ہوں"۔

میں نے کہا "ڈاکٹر صاحب میرے نزدیک تو یہ دغابازی ہوئی"۔

اس نے بہت استقلال سے جواب دیا "مریض کے لئے دوا یا غذا تجویز کرنے میں دغابازی کا کوئی سوال ہی نہیں بلکہ ہمیں تو اگر مریضوں کی جان بچانے کے لئے انہیں یا ان کے رشتے داروں کو دھوکا دینا پڑے تو ہم اسے نیکی سمجھتے ہیں"۔

مجھے بہت دکھ ہوا مگر میں نے ضبط سے کام لیا ڈاکٹر بڑا اچھا آدمی تھا اور میرا دوست تھا۔ اس نے اور اس کی بیوی نے مجھ پر بڑا احسان کیا تھا لیکن مجھ میں اس کے طبی اخلاق کو برداشت کرنے کی تاب نہ تھی۔

"ڈاکٹر صاحب اب یہ بتائیے کہ آئندہ آپ کیا صورت اختیار کریں گے۔ مجھے اپنی بیوی کی موت گوارا ہے مگر انہیں گوشت دینا گوارا نہیں۔ ہاں اگر وہ خود چاہیں تو اور بات ہے۔"

آپ کو اپنا فلسفہ مبارک، میں نے تو آپ سے کہہ دیا کہ جب تک آپ کی بیوی میرے علاج میں ہیں مجھے یہ اختیار ہونا چاہیئے کہ انہیں جو جی چاہے دوں۔ اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑے گا کہ آپ انہیں یہاں سے لے جائیے۔ میں انہیں اپنے گھر میں دم توڑتے نہیں دیکھ سکتا"۔

"کیا آپ کا یہ منشا ہے کہ میں انہیں فوراً لے جاؤں؟"

میں یہ کب کہتا ہوں کہ آپ انہیں لے جائیے، میں تو علاج میں پوری آزادی چاہتا ہوں۔ آپ اس پر راضی ہیں تو میں اور میری بیوی دونوں ان کی خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں گے۔ آپ اطمینان سے اپنے کام پر جائیے مطلق اندیشہ نہ کیجئے لیکن اگر یہ سیدھی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی تو گویا آپ خود مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ آپ کی بیوی کے علاج سے دست بردار ہو جاؤں"۔

مجھے خیال ہے کہ میرا لڑکا میرے ساتھ تھا۔ وہ میری رائے سے بالکل متفق تھا۔ کہ اس کی ماں کو یخنی نہ دی جائے۔ اس کے بعد میں نے خود کستوری بائی سے گفتگو کی۔ سچ پوچھئے تو وہ اتنی کمزور تھیں کہ انہیں اس معاملے میں زحمت دینا مناسب نہ تھا۔ لیکن میں نے اسے اپنا ناگوار فرض سمجھا اور دل کڑا کر کے انہیں اپنی اور ڈاکٹر کی گفتگو سنائی۔ انہوں نے عزم اور استقلال کے ساتھ جواب دیا "میں یخنی نہیں پیوں گی دنیا میں انسان کا جنم بار بار نصیب نہیں ہوتا، مجھے آپ کی گود میں مر جانا قبول ہے مگر

Marfat.com

اپنے جسم کو ان ناپاک چیزوں سے آلودہ کرنا قبول نہیں ۔"

میں نے انہیں بہت سمجھایا کہ اس معاملے میں میری تقلید آپ پر لازم نہیں اور بہت سے ہندو دوستوں کی مثالیں دیں جو گوشت اور شراب دوا کے طور پر استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے ۔ مگر ان کے قدم کو لغزش نہ ہوئی ۔ انہوں نے کہا۔

"نہیں صاحب ۔ خدا کے لئے مجھے اسی دم یہاں سے لے چلئے ۔"

مجھے بے حد خوش ہوئی ۔ کچھ دیر پس و پیش کرنے کے بعد میں نے انہیں لے جانے کا فیصلہ کر لیا ۔ میں نے ڈاکٹر کو اپنی بیوی کے ارادے سے مطلع کیا ۔ وہ غصے میں چلا اٹھے "اس بے دردی کی کوئی انتہا ہے؟ اس بے چاری کی تو یہ حالت ہے اور آپ نے ان سے اس معاملے کا ذکر کر دیا ۔ آپ کو شرم بھی نہیں آئی ۔ میں آپ سے کہے دیتا ہوں آپ کی بیوی میں ہرگز یہ طاقت نہیں کہ سفر کر سکیں ۔ وہ ذرا سی حرکت بھی برداشت نہیں کر سکتیں ۔ کوئی تعجب نہیں کہ رستے ہی میں ان کا خاتمہ ہو جائے ۔ آپ اب بھی اس پر مصر ہیں تو آپ کو اختیار ہے ۔ اگر آپ انہیں یخنی دینے پر راضی نہیں ہوتے تو ایک دن بھی انہیں اپنے یہاں نہیں رکھ سکتا ۔ میں اس خطرے کی ذمہ داری اپنے سر کیسے لے لوں؟"

اس لئے ہم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مریضہ کو لے کر فوراً روانہ ہو جائیں ۔ اس وقت بوندیں پڑ رہی تھیں اور اسٹیشن کسی قدر دور تھا ۔ ہمیں ڈربن سے فنیکس اسٹیشن تک ریل میں جانا تھا اور وہاں سے ہماری بستی سڑک کے رستے سے ڈھائی میل تھی ۔ اس میں شک نہیں کہ میں بڑے خطرے کا کام کر رہا تھا مگر میں خدا کے بھروسے پر چل کھڑا ہوا میں نے ایک شخص کو پہلے سے فنیکس روانہ کر دیا اور ویسٹ کو کہلا بھیجا کہ ایک گرم دودھ کی بوتل، ایک پانی کی بوتل، ایک بیمار ڈولی اور چھ آدمی اسے اٹھانے کے لئے لے کر اسٹیشن پہنچ جائیں ۔ پھر ہم لوگ مریضہ کو اس خطرناک حالت میں ایک رکشا میں بٹھا کر لے چلے کہ سب سے پہلی گاڑی سے فنیکس روانہ ہو جائیں ۔

مجھے کستوری بائی کی دلدہی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں پڑی بلکہ الٹی وہ مجھے تسکین دیتی رہیں "میں اچھی طرح پہنچ جاؤں گی ۔ آپ بالکل نہ گھبرائیے ۔

انہیں مدت سے غذا نہیں ملی تھی اس لئے ان میں ہڈی چمڑے کے سوا کچھ نہیں رہا تھا ۔ اسٹیشن کا پلیٹ فارم بہت بڑا تھا اور رکشا اندر لے جانے کی اجازت نہ تھی ۔ اس لئے گاڑی تک پہنچنے کے لئے کچھ دور پیدل چلنا تھا ۔ میں نے مریضہ کو گود میں اٹھا کر ریل کے ڈبے میں پہنچایا ۔ فنیکس کے اسٹیشن سے ہم انہیں بیمار ڈولی میں لے گئے اور گھر پہنچ کر پانی کا علاج شروع ہوا ۔ جب سے ان کے بدن میں رفتہ

Marfat.com

رفتہ تھوڑی بہت طاقت آئی۔

فنیکس پہنچنے کے دوسرے دن ہمارے یہاں ایک سوامی جی آئے انہوں نے سنا تھا کہ ہم نے کس عزم و استقلال سے ڈاکٹر کا مشورہ رد کر دیا اور وہ بزرگانہ شفقت سے ہمیں سمجھانے کے لئے آئے تھے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اس وقت میرا منجھلا لڑکا منی لال اور سمنجھلا رام داس بھی موجود تھا۔ سوامی جی نے اپدیش دیا کہ دھرم کی رو سے گوشت کھانے میں کوئی ہرج نہیں اور منو کے اقوال سند میں پیش کئے مجھے ان کا میری بیوی کے سامنے یہ بحث چھیڑنا ناگوار ہوا لیکن میں اخلاقاً خاموش رہا۔ میں منو سمرتی کے ان مقامات سے واقف تھا لیکن میرے عقیدے پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا اول تو مجھے معلوم تھا کہ بعض لوگ ان عبارتوں کو الحاقی سمجھتے ہیں دوسرے جو میرے خیالات نباتاتی مشرب کے متعلق تھے۔ وہ مذہبی کتابوں کے پابند نہ تھے۔ کستوری بائی کا عقیدہ بھی بڑا راسخ تھا، وہ مذہبی کتابوں کے سمجھنے سے معذور تھیں مگر ان کے لئے وہ دھرم جو باپ دادا کے وقت سے چلا آتا تھا، کافی تھا۔ بچے بھی اپنے باپ کا کلمہ پڑھتے تھے۔ اس لئے ان میں سامی جی کے اپدیش کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ کستوری بائی نے یہ کہہ کر بحث کا خاتمہ کر دیا "سوامی جی آپ کچھ بھی کہیں مجھے تو یخنی پی کر اچھا ہونا قبول نہیں۔ خدا کے لئے آپ مجھے دق نہ کیجئے۔ آپ کا جی چاہے تو میرے شوہر اور بچوں سے بحث کیجئے۔ مجھے جو فیصلہ کرنا تھا میں کر چکی"۔

Marfat.com

انیتسواں باب

گھر کے اندر ستیا گرہ

مجھے جیل جانے کا اتفاق پہلے پہل 1908ء میں ہوا۔ میں نے دیکھا کہ قیدیوں کے لئے جو ضابطے بنائے گئے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ہر "برہمچاری" یعنی ضبط نفس کے طالب کو اپنی خوشی سے اختیار کرنا چاہیں مثلاً یہ کہ شام کا کھانا غروب آفتاب سے پہلے کھالیا جائے۔ ہندوستانی اور افریقی قیدیوں کو چائے اور کافی کی ممانعت تھی۔ کھانے میں وہ چاہیں تو اوپر سے نمک ڈال سکتے تھے۔ مگر محض ذائقے کی خاطر انہیں کوئی چیز نہیں دی جاتی تھی۔ میں نے جیل کے میڈیکل افسر سے درخواست کی کہ ہمیں گرم مسالہ وغیرہ دیا جائے اور نمک کھانا پکتے میں پڑ جایا کرے۔ اس نے جواب دیا "آپ لوگ یہاں ذائقے کا لطف اٹھانے کے لئے نہیں آئے ہیں، صحت کے اعتبار سے گرم مسالے کی کوئی ضرورت نہیں اور نمک چاہے پکتے میں ڈالا جائے یا اوپر سے ایک ہی بات ہے"۔

آگے چل کر بڑی مشکلوں سے یہ بندشیں کچھ کم ہوئیں مگر اصل میں یہ دونوں قاعدے صحت کے لئے بہت مفید تھے۔ جو سختیاں کسی بیرونی قوت کی طرف سے عائد کی جائیں ان کی پابندی میں بہت کم کامیابی ہوتی ہے لیکن اگر انہیں کو انسان اپنے اوپر خود عائد کرے تو ان دونوں قاعدوں کی پابندی اپنے اوپر لازم کرلی۔ جہاں تک ممکن تھا میں چائے کے استعمال سے پرہیز کرتا تھا اور شام کا کھانا سورج ڈوبنے سے پہلے کھالیتا تھا۔ اب ان دونوں باتوں کی پابندی میں مطلق دقت نہیں ہوتی۔

مگر ایک وقت ایسا آیا کہ مجھے نمک بالکل ترک کردینا پڑا اور یہ صورت متواتر دس سال تک باقی رہی۔ میں نے نباتاتی مشرب کی بعض کتابوں میں پڑھا تھا کہ نمک غذا کا کوئی جز نہیں ہے بلکہ بے نمک کی غذا صحت کے لئے بہتر ہے۔ میں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ برہمچاری کے لئے بھی بے نمک کی غذا مفید ہے۔ میں نے یہ بھی پڑھا تھا کہ جو لوگ کمزور ہیں انہیں ہر قسم کی دال سے پرہیز کرنا چاہئے اور یہ

Marfat.com

بات سمجھ میں بھی آتی تھی۔ مجھے دال کا بہت شوق تھا۔

اتفاق سے کستوری بائی کچھ دن کے افاقے کے بعد پھر گر گئیں اور خون پھر آنے لگا۔ محض پانی کے علاج سے کام چلتا نظر نہیں آتا تھا۔ انہیں میری تدبیروں پر عقیدہ نہیں تھا مگر انہوں نے اس پر عمل کرنے میں کبھی عذر نہیں کیا اور بیرونی علاج کی خواہش ظاہر نہیں کی۔ جب میری کوئی تدبیر نہیں چلی تو میں نے ان سے بڑی منت سے کہا کہ نمک اور دال کھانا چھوڑ دیجئے۔ میں نے انہیں بہت کچھ سمجھایا اور بڑی بڑی دلیلیں پیش کیں مگر وہ کسی طرح نہ مانیں آخر انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر آپ کو ان چیزوں کی ممانعت کی جاتی تو آپ سے بھی نہ چھوٹ سکتیں مجھے اس بات سے تکلیف ہوئی مگر اسی کے ساتھ یہ خوشی تھی کہ مجھے اپنی محبت کے اظہار کا موقع مل گیا میں نے ان سے کہا "آپ کا خیال غلط ہے۔ اگر ڈاکٹر مجھے مشورہ دیتا کہ ان چیزوں کو یا کسی اور چیز کو چھوڑ دو تو میں بے تامل چھوڑ دیتا۔ اچھا یوں سہی کہ میں بغیر طبی مشورے کے خود ہی نمک اور دال ایک سال کے لے چھوڑ تا ہوں چاہے آپ چھوڑیں یا نہ چھوڑیں"۔

ان کے دل پر بڑا دھچکا لگا اور وہ دکھ بھری آواز میں چلا اٹھیں "خدا کے لئے میری خطا معاف کیجئے، میں آپ کی طبیعت سے واقف ہوں اس لئے مجھے مناسب نہ تھا کہ آپ کو یوں غصہ دلاتی۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ ان چیزوں کو چھوڑ دوں گی مگر آپ اللہ اپنا عہد واپس لے لیجئے۔ یہ مجھ سے نہیں دیکھا جائے گا۔

"آپ کے لئے ان چیزوں کا ترک کرنا بہت مفید ہے مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کی صحت پر اس کا بہت اچھا اثر پڑے گا۔ رہا میں سو میں ایک ایسے عہد کو جو میں نے سمجھ بوجھ کر کیا ہے واپس نہیں لے سکتا اور اس میں میری بھلائی بھی ہے۔ کیونکہ ضبط نفس، خواہ کسی نیت سے کیا جائے انسان کے لئے ہمیشہ مفید ہوتا ہے۔ اس لئے آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے میرے لئے یہ عہد اخلاقی امتحان کا کام دے گا اور آپ کو بھی میرے سبب سے سہارا رہے گا۔

وہ میری طرف سے مایوس ہو گئیں۔ انہوں نے کہا "آپ بڑے ضدی ہیں کوئی سر ٹیک کر مر جائے مگر آپ نہ مانیں گے" اور رو رو کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

میں اس واقعے کو ستیارہ کی ایک مثال سمجھتا ہوں اور یہ ان باتوں میں سے ہے جنہیں یاد کر کے مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔

اس کے بعد کستوری بائی کی طبیعت روز بروز سنبھلنے لگی۔ اب خدا جانے یہ دال اور مسالے کی ترک اور غذا اور تبدیلیوں کا کرشمہ تھا۔ یا دوسری چیزوں میں زیادہ احتیاط کرنے کا اثر تھا یا اس بالیدگی کی

Marfat.com

برکت تھی جو مریضہ کی طبیعت کو اس عہد سے حاصل ہوئی مگر یہ واقعہ ہے کہ انہیں بہت جلد صحت ہونے لگی۔ خون بالکل بند ہوگیا اور میری شہرت عطائی کی حیثیت سے بہت بڑھ گئی۔

مجھے بھی اس نئے ترک لذات سے فائدہ ہوا۔ میں نے جو چیزیں چھوڑی تھیں ان کی کبھی خواہش نہیں ہوئی۔ ایک سال بات کی بات میں گزر گیا اور مجھے اپنے حواس پر پہلے سے زیادہ قابو حاصل ہوگیا۔ اس تجربے سے ضبط نفس کا رجحان اور بڑھ گیا اور میں نے ان چیزوں کو ہندوستان آنے کے بہت دن بعد تک استعمال نہیں کیا۔ اس عرصے میں صرف ایک بار 1914 ء میں لندن کے قیام کے زمانے میں ان دونوں چیزوں کے استعمال کا اتفاق ہوا۔ یہ میں آگے چل کر بیان کروں گا کہ یہ کون سا موقع تھا اور ہندوستان پہنچنے کے بعد میں نے ان دونوں کا استعمال کیوں شروع کر دیا؟

میں نے جنوبی افریقہ میں بے نمک اور بے دال کی غذا کا تجربہ اپنے بہت سے رفیقوں پر کیا اور اس میں بڑی کامیابی ہوئی۔ طبی نقطہ نظر سے ممکن ہے اس غذا کے متعلق اختلاف ہو مگر اخلاقی اعتبار سے مجھے پورا یقین ہے کہ ہر طرح کے ضبط نفس سے روح کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جس طرح ضبط نفس کرنے والے کی زندگی عیش پرست کی زندگی سے مختلف ہوتی ہے اسی طرح ان دونوں کی غذا بھی مختلف ہونا چاہئے۔ "برہمچاریہ" کے طالب اکثر وہ عادتیں اختیار کر کے جو عیش پرستوں کے لئے موزوں ہیں اپنا کام بگاڑ لیتے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

تیسواں باب

ضبط نفس کی کوشش

میں پچھلے باب میں کہہ چکا ہوں کہ کستوری بائی کی بیماری کے سلسلے میں مجھے اپنی غذا میں کچھ تبدیلیاں کرنا پڑیں۔ اس کے بعد "برہمچاریہ" کی خاطر مزید تبدیلیاں ہوئیں۔

سب سے پہلے میں نے دودھ کا استعمال چھوڑا یہ نکتہ مجھے رائے چندر بھائی نے بتایا تھا کہ وہ دودھ سے شہوانی جذبے کو تسکین ہوتی ہے نباتاتی مشرب کی کتابیں پڑھنے سے اس خیال کو اور تقویت ہوئی لیکن جب تک میں نے "برہمچاریہ" کا عہد نہیں کیا تھا دودھ ترک کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ مجھ پر بہت دن سے یہ بات روشن ہو گئی تھی کہ دودھ جسم کی پرورش کے لئے ضروری نہیں لیکن اس کا ترک کرنا سہل نہ تھا۔ اب مجھے ضبط نفس کی خاطر دودھ ترک کرنے کی ضرورت روز بروز زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ اس زمانے میں کچھ رسالے کلکتے کے چھپے ہوئے میری نظر سے گزرے جن میں یہ دکھایا گیا تھا کہ گائے بھینس پالنے والے ان بے زبان جانوروں پر کتنا ظلم کرتے ہیں ان کے مطالعہ کا مجھ پر بہت اثر ہوا میں نے مسٹر کیلن باخ سے اس معاملے کی متعلق گفتگو کی۔

اگرچہ میں نے مسٹر کیلن باخ کا حال "جنوبی افریقہ کے ستیاگرہ کی تاریخ" میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اس کتاب میں بھی جا بجا ان کا نام لیا ہے پھر بھی یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کا تھوڑا سا ذکر کروں ان سے میری ملاقات محض اتفاق سے ہو گئی۔ وہ خان صاحب کے دوست تھے۔ خان صاحب کو ان کے دل کی گہرائی میں فکر آخرت کی جھلک نظر آئی۔ اس لئے انہوں نے ان کا تعارف مجھ سے کرا دیا۔

جب میں ان سے ملا تو ان کی عشرت پسندی اور پر تکلف زندگی دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی لیکن پہلی ہی ملاقات میں انہوں نے مجھ سے کرید کرید کر مذہب کے متعلق بہت سی باتیں پوچھیں۔ اسی ضمن

Marfat.com

میں گوتم بدھ کے ترک تعلق کا بھی ذکر آیا۔ رفتہ رفتہ ہم دونوں میں بڑی گہری دوستی ہو گئی۔ یہاں تک کہ ہمارے خیالات بالکل ایک سے ہو گئے اور ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ انہیں بھی اپنی زندگی میں وہی تبدیلیاں کرنا چاہئے جو میں نے کی تھیں۔

اس وقت تک ان کی شادی نہیں ہوئی تھی اس پر بھی وہ مکان کے کرائے کے علاوہ اپنی ذات پر بارہ سو روپے خرچ کرتے تھے۔ اب انہوں نے اتنی سادگی اختیار کر لی کہ ان کا خرچ صرف ایک سو بیس روپیہ رہ گیا۔ میں جوہانسبرگ سے اپنا گھر بار تو اٹھا ہی چکا تھا۔ اس لئے جیل سے رہا ہو کر آیا تو انہیں کے ساتھ رہنے لگا ہم دونوں خاصی جفا کشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔

اسی زمانے میں مجھ سے ان سے دودھ کے بارے میں گفتگو ہوا کرتی تھی۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا "ہم آپ ہمیشہ دودھ کے مضر اثرات کا ذکر کیا کرتے ہیں آخر اسے چھوڑ ہی کیوں نہ دیں؟ یقیناً یہ ایسی ضروری چیز نہیں ہے کہ اس کے بغیر کام نہ چلے ان کے منہ سے یہ بات سن کر مجھے تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی ہوئی۔ میں نے بڑی گرمجوشی سے یہ تجویز قبول کی اور ہم دونوں نے اسی وقت دودھ ترک کر دینے کا عہد کر لیا یہ واقعہ 1912ء میں ٹالسٹائی فارم میں پیش آیا۔

مگر مجھے محض دودھ ترک کر دینے سے تسکین نہیں ہوئی۔ اس کے تھوڑے ہی دن کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ صرف پھل اور خشک میوے کھایا کروں گا۔ اور وہ بھی ایسے تھے جو سب میں سستے ہوں۔ ہماری آرزو تھی کہ غریب سے غریب لوگ جیسی زندگی بسر کرتے ہیں ویسی ہم بھی کریں۔

اس غذا میں آسانی بھی بہت تھی پکانے کا جھگڑا ہی نہیں رہا کچھ مونگ پھلی کیلے کھجوریں، لیمو، زیتون کا تیل یہ ہماری معمولی غذا تھی۔

یہاں میں "برہمچاریہ" کے طالبوں کو ایک ضروری بات سے آگاہ کر دینا چاہتا ہوں۔ اگرچہ میرے نزدیک غذا کا "برہمچاریہ" سے بہت گہرا تعلق ہے لیکن اصل چیز دل ہے جو شخص جان بوجھ کر ناپاک خیالات دل میں رکھتا ہے اس کا تزکیہ نفس فاقے سے نہیں ہو سکتا۔ غذا کی تبدیلیوں کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دل کی عیاشی کا علاج سوائے اس کے کچھ نہیں کہ انسان سختی سے اپنے نفس کا احتساب کرے اور خدا کے سامنے عاجزی سے سر جھکا دے۔ اگر اس کی توفیق شامل حال ہوئی تو نجات ممکن ہے مگر دل و دماغ میں اور جسم میں بڑا گہرا تعلق ہے اور لذت پرستوں کا دل ہمیشہ عیش و عشرت کی ہوس میں مبتلا رہتا ہے۔ اس لذت کو کم کرنے کے لئے غذا کی احتیاط اور فاقہ ضروری ہے۔ لذت پرست دل حواس پر حکومت کرنے کی جگہ ان کا محکوم بن جاتا ہے۔ اس لئے جسم کو ہمیشہ پاک صاف متحرک غذا کی

Marfat.com

اور کبھی کبھی فاقے کی ضرورت ہوتی ہے۔

وہ لوگ بھی غلطی پر ہیں جو غذا کی پابندیوں اور فاقے کو بالکل بیکار جانتے ہیں اور وہ بھی جو اسی کو سب کچھ سمجھے ہیں۔ مجھے تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ جن لوگوں کے دل میں ضبط نفس کی لگن ہوتی ہے انہیں غذا کی پابندیوں اور فاقے سے بڑی مدد ملتی ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بغیر ان چیزوں کے دل سے شہوانی خیالات کسی طرح دور نہیں ہوتے۔

Marfat.com

Marfat.com

اکتیسواں باب

فاقہ

جن دنوں میں نے دودھ اور دال کو ترک کر کے خشک و تر میوہ کھانے کا تجربہ شروع کیا اسی زمانے میں ضبط نفس کے لئے فاقے بھی کرنے لگا۔ اس میں بھی مسٹر کیلن باخ میرے ساتھ شریک تھے میں اس سے پہلے بھی کبھی کبھی فاقہ کرتا تھا مگر محض صحت کے خیال سے یہ بات مجھے ایک دوست سے معلوم ہوئی کہ فاقہ ضبط نفس کے لئے بھی ضروری ہے۔

چونکہ میں ویشنو خاندان میں پیدا ہوا تھا اور میری ماں کو طرح طرح کے کٹھن عہد کرنے کی عادت تھی اس لئے میں جب تک ہندوستان میں رہا۔ اکادشی اور دوسرے تہواروں میں برت رکھتا تھا۔ مگر یہ محض والدین کی تقلید اور انہیں خوش کرنے کی کوشش تھی۔

اس زمانے میں نہ مجھے فاقے کی خوبیاں معلوم تھیں اور نہ اس پر عقیدہ تھا لیکن جن دوست کا میں نے ذکر کیا ہے انہیں فاقے سے فائدہ پہنچتے دیکھا تو میں نے بھی اکوکشی کے دن برت رکھنا شروع کر دیا کہ اس سے "برہمچاریہ" کا عہد نبھانے میں مدد ملے گی۔ عموماً ہندو لوگ برت میں پھل اور دودھ کا استعمال جائز سمجھتے ہیں مگر ایسے برت (1) تو میں روز ہی رکھتا تھا اس لئے اب میں پورا فاقہ کرنے لگا یعنی صرف پانی پیتا تھا کچھ کھاتا نہ تھا۔

جب میں نے یہ تجربہ شروع کیا تو اتفاق سے ہندوؤں کے ساون اور مسلمانوں کے رمضان کے ساتھ ہو گیا۔ گاندھی خاندان، ویشنو سماج اور شو سماج دونوں کے تہوار مناتا تھا اور ویشنو مندر اور شوالے دونوں میں پوجا کرتا تھا۔ خاندان کے بعض افراد ساون کے پورے مہینے میں "پرادشہ" رکھتے تھے۔ میں نے یہ طے کیا کہ میں بھی یہی کروں گا۔

یہ تجربے اس زمانے میں کئے گئے جب میں اور مسٹر کیلن باخ اور چند ستیاگرہی خاندان اپنے

Marfat.com

بچوں سمیت ٹالسٹائی فارم میں رہتے تھے ۔ان بچوں کے لئے ہم نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ان میں چار پانچ مسلمان لڑکے بھی تھے ۔میں انہیں اس کا شوق دلاتا تھا کہ اپنے مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں اور اس طرح میں ان کی ہر طرح مدد کرتا تھا۔ خصوصاً نماز کے لئے میری بڑی تاکید کی تھی۔ چند پارسی اور عیسائی لڑکے بھی تھے ۔انہیں بھی میں ان کے مذہبی رسوم کی پابندی پر راغب کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

اس لئے میں نے رمضان میں مسلمان لڑکوں سے روزے رکھوائے ۔میں تو خود "پرادوشہ" کا ارادہ ہی کر چکا تھا۔ ہندو، پارسی، عیسائی لڑکوں کو بھی میں نے ساتھ دینے پر آمادہ کر لیا۔میں نے انہیں سمجھایا کہ ایسے عمل میں جو ضبط نفس کی خاطر کیا جائے دوسرے کے ساتھ شرکت کرنا ہمیشہ اچھا ہوتا ہے ۔ فارم کے رہنے والوں میں سے .بہتوں کو میری تجویز پسند آئی ۔ ہندو اور پارسی لڑکے ہر ذرا ذرا سی بات میں مسلمان لڑکوں کی تقلید نہیں کرتے تھے اور نہ اس کی ضرورت تھی مسلمان لڑکے روزہ افطار کرنے کے لئے غروب آفتاب کے منتظر رہتے تھے مگر دوسرے کچھ پہلے سے کھا پی لیتے تھے تاکہ اپنے مسلمان دوستوں کو اچھے اچھے کھانے پکا کر کھلا سکیں سحری میں بھی اور لڑکے مسلمان لڑکوں کے ساتھ شریک نہیں ہوتے تھے اور ان کی طرح پانی ترک کرتے تھے ۔

ان تجربوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکوں کو روزے کی خوبیوں کا احساس ہو گیا اور ان میں فتہ رفتہ برادرانہ خلوص اور محبت کی روح سرایت کر گئی۔

ہم سب لوگ جو ٹالسٹائی کے فارم میں رہتے تھے اس کی وجہ سچ پوچھئے تو یہ تھی کہ سب لوگوں کو میرے احساسات کی رعایت منظور تھی جس کا میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں مسلمان لڑکوں کو رمضان میں گوشت نہ ملنے سے یقیناً تکلیف ہوتی ہوگی مگر انہوں نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا وہ بڑے شوق سے دال ترکاری کھاتے تھے اور ہندو لڑکے انہیں اکثر مزے مزے کی چیزیں جو فارم کی سادہ زندگی کے مناسب حال ہوتی تھیں ۔پکا کر کھلایا کرتے تھے ۔

میں نے بیچ میں یہ ذکر خاص کر کے چھیڑا ہے ۔ کیونکہ ان واقعات کو جن کی یاد میرے لئے بڑی خوش گوار ہے کہیں اور بیان کرنے کا موقع نہ تھا۔اس ضمن میں میری یہ خصوصیت بھی ظاہر ہو گئی ہے کہ مجھے جو بات اچھی معلوم ہوتی ہے اس میں اپنے رفیقوں کو بھی شریک کر لیتا ہوں ۔ ان لوگوں کو فاقے کی عادت نہ تھی مگر "پرادوشہ" اور رمضان کے روزوں کی بدولت انہیں یہ محسوس ہو گیا کہ فاقہ ضبط نفس کے لے کس قدر مفید ہے ۔

اس طرح فارم میں خود بخود ضبط نفس کی فضا پیدا ہو گئی ۔ رفتہ رفتہ فارم کے اور رہنے والے بھی

Marfat.com

ہمارے ساتھ ادھورے پورپورے فاقے کرنے لگے جو ان کے لئے یقیناً سراسر مفید تھے۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اس طرح کے ترک لذات سے ان کے دل پر کہاں تک اثر ہوا اور انہیں جو اس پر قابو پانے میں کس حد تک کامیابی ہوئی۔ البتہ اپنی نسبت مجھے یقین ہے کہ اس سے بے حد جسمانی اور اخلاقی فائدہ پہنچا۔ اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ فاقہ اور اس قسم کی اور ریاضتوں کا اثر سب پر یکساں ہوتا ہے۔

فاقہ حیوانی جذبات کو دبانے میں صرف اسی صورت میں مفید ہے جب یہ ضبط نفس کی خاطر کیا جائے۔ میرے بعض دوستوں کا تو یہ تجربہ ہے کہ فاقے کے بعد حیوانی جذبات اور بھڑک اٹھے اور ذائقے کی قوت اور تیز ہوگئی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر فاقے کے ساتھ ضبط نفس کا خیال نہ رکھا جائے تو اس سے بالکل کام نہیں چلتا۔ یہ محض خام خیالی ہے کہ اکیلا فاقہ ضبط نفس میں مدد دیتا ہے۔ یہ مضمون جگودگیتا کے دوسرے باب کے مشہور اشلوک میں بہت خوبی سے ادا کیا گیا ہے۔

جو شخص صرف ظاہری لذتوں کو ترک کرتا ہے۔
اس کے دل سے مخصوص چیزوں کا خیال دور ہوجاتا ہے۔
آرزو کی خلش نہیں جاتی تو یہ کھٹک بھی نہیں رہتی

غرض فاقہ اور اس قسم کی دوسری ریاضتیں محض ضبط نفس کا ذریعہ ہیں اور بجائے خود کافی نہیں۔ اگر جسمانی فاقے کے ساتھ ساتھ ضبط نفس کا فاقہ نہ ہو تو اس کا انجام ریاکاری اور ہلاکت ہے۔

حوالہ

1- صبح سے شام تک کا برت۔

Marfat.com

Marfat.com

بتیسواں باب

معلم کی حیثیت سے

یہ ملحوظ خاطر رہے کہ میں ان بابوں میں ان باتوں کو بیان کر رہا ہوں جن کا ذکر "جنوبی افریقہ کے ستیاگرہ کی تاریخ میں نہیں آیا یا آیا ہے تو محض سرسری طور پر اس سے پچھلے بابوں کا سلسلہ سمجھ میں آجائے گا۔

جب ہمارے فارم کے رہنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی تو اس کی ضرورت پڑی کہ ان کے لڑکے لڑکیوں کی تعلیم کا کوئی انتظام کیا جائے ۔ ان میں ہندوستانی پارسی، عیسائی لڑکے تھے ۔ اور چند ہندو لڑکیاں تھیں ۔ ان کے لئے خاص معلم رکھنا ممکن بھی نہ تھا اور میں نے اسے ضروری بھی نہیں سمجھا۔ مشکل یہ تھی کہ قابل ہندوستانی معلم بہت کم تھے اور ان میں سے کسی کو کم تنخواہ پر جوہانسبرگ سے اکیس میل دور جا کر رہنا منظور نہیں تھا۔ ادھر ہم لوگوں کے یہاں روپے کا توڑا تھا۔ میرے خیال میں باہر سے معلم بلانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں مروجہ طریقہ تعلیم کا قائل نہیں تھا اور چاہتا تھا کہ تجربے اور مشاہدے سے صحیح معلوم کروں یہ مجھے یقین تھا کہ کامل نظام معاشرت میں بچوں کو سچی تعلیم والدین ہی سے مل سکتی ہے اور اس صورت میں بیرونی امداد جتنی کم لی جائے اچھا ہے ٹالسٹائی فارم ایک خاندان کی حیثیت رکھتا تھا جس میں میں بمنزلہ باپ کے تھا۔ اس لئے یہ مناسب معلوم ہوا کہ جہاں تک ہو سکے بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تجویز بھی نقائص سے خالی نہیں تھی ۔ میرا اور ان سب لڑکے لڑکیوں کا بچپن سے ساتھ نہیں رہا تھا۔ ان کی تربیت جداگانہ حالات اور مختلف ماحول میں ہوئی تھی اور ان کے مذہبی عقائد بھی مختلف تھے سوال یہ تھا کہ ایسی صورت میں افسر خاندان بن کر ان بچوں کی تعلیم کا فرض کماحقہ

Marfat.com

کیو نکر ادا کر سکتا ہوں۔

مگر میں تعلیم میں تہذیب نفس اور تعمیر سیرت کو سب سے مقدم سمجھتا تھا اور مجھے یہ اطمینان تھا کہ اخلاقی تربیت سب بچوں کو خواہ وہ کسی عمر اور کسی خاندان کے ہوں یکساں دی جا سکتی ہے۔ اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں دن رات ان بچوں کے ساتھ رہوں گا اور پدرانہ شفقت سے ان کی تربیت کی نگرانی کروں گا۔ میرے نزدیک تعمیر سیرت تعلیم کی بنیاد ہے اس لئے مجھے یقین تھا کہ اگر بنیاد اچھی پڑ گئی تو اور سب باتیں یہ بچے خود بخود یا دوستوں کی مدد سے سیکھ لیں گے۔

پھر بھی مجھے یہ احساس تھا کہ اس کے علاوہ کتابی تعلیم بھی ضروری ہے اس لئے میں نے مسٹر کیلن باخ اور پراگ جی دیسائی کی مدد سے درس کا سلسلہ شروع کر دیا جسمانی تربیت کی طرف سے بھی میں غافل نہیں تھا۔ ان بچوں کی روزمرہ کے کام میں کافی ورزش ہو جاتی تھی ہمارے فارم میں نوکر تو تھے نہیں اس لئے باورچی سے لے کر مہتر تک کا کام بھی کافی تھا۔ مسٹر کیلن باخ کو باغبانی کا بہت شوق تھا اور انہوں نے ایک سرکاری ماڈل گارڈن میں اس کا تجربہ حاصل کیا تھا۔ سوائے ان لوگوں کے جو باورچی خانے میں کام کرتے تھے اور سب چھوٹے بڑوں کے لئے کچھ دیر باغبانی کا کام کرنا لازمی تھا۔ اس کا بہت بڑا حصہ بچے انجام دیتے تھے۔ وہی گڑھے کھودتے، لکڑی کاٹتے، بوجھ اٹھاتے ان میں انہیں اچھی خاصی ورزش ہو جاتی۔ یہ کام انہیں دل سے پسند تھا اس لئے عموماً کسی اور ورزش یا کھیل کی ضرورت نہیں پڑتی تھی ان میں سے بعض اور کبھی کبھی سب بیماری کے بہانے سے کبھی کبھی کام سے جی بھی چراتے تھے بعض اوقات میں ان کی حرکتوں سے چشم پوشی کرتا تھا مگر اکثر سختی سے پیش آتا تھا وہ اس سختی کو پسند نہیں کرتے ہوں گے مگر مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے کبھی مزاحمت کی ہو۔ جب ایسی ضرورت پیش آتی تو میں انہیں دلیلوں سے سمجھاتا کہ کام کو ٹالنا اچھا نہیں۔ وہ قائل ہو جاتے مگر تھوڑی دیر کے لئے دم بھر میں پھر کام چھوڑ کر بھاگ جاتے اور کھیلنے لگتے۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح کام چلتا رہا اور ان کے جسم ایسے بن گئے کہ دیکھنے کے قابل تھے فارم میں بیماری کا نام تک نہ تھا۔ مگر اس میں سچ پوچھئے تو آب و ہوا کی خوبی اور کھانے پینے کے اوقات کی پابندی کو بھی بہت دخل تھا۔

اسی سلسلے میں پیشے کی تعلیم کا بھی ذکر کر دوں۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ہر لڑکے کو کوئی نہ کوئی مفید دستکاری سکھائیں۔ اسی غرض سے مسٹر کیلن باخ ایک ٹریپسٹ خانقاہ میں جا کر جوتا بنانا سیکھ آئے میں نے ان سے یہ ہنر سیکھا اور جو لوگ سیکھنا چاہتے تھے انہیں سکھایا مسٹر کیلن باخ تھوڑی بہت بخاری بھی جانتے تھے اور ہماری ایک اور رفیق اس کے ماہر تھے۔ اس لئے ایک چھوٹا بخاری کا کلاس بھی

Marfat.com

کھول دیا گیا۔ کھانا پکانا قریب قریب سب لڑکوں کو آتا تھا۔

یہ سب چیزیں ان کے لئے نئی تھیں انہیں سان گمان بھی نہ تھا کہ ایک دن انہیں یہ سیکھنا پڑیں گی۔ کیونکہ جنوبی افریقہ میں بچوں کو صرف لکھنا پڑھنا اور حساب کتاب سکھایا جاتا تھا۔

ٹالسٹائے فارم میں ہم نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا تھا کہ معلم جو کام خود نہ کرتے ہوں لڑکوں سے نہ کرائیں۔ جب کبھی لڑکوں کو کوئی کام دیا جاتا تھا تو ہمیشہ کوئی معلم ان کے ساتھ رہتا اور ان کا ہاتھ بٹاتا۔ اس لئے انہیں جو کچھ سکھایا جاتا خوشی سے سیکھتے

کتابی تعلیم اور تعمیر سیرت کا ذکر آئیندہ بابوں میں آئے گا۔

Marfat.com

Marfat.com

تینتیسواں باب

ادبی تعلیم

پچھلے باب میں یہ دکھایا جاچکا ہے کہ ہم نے ٹالسٹائی فارم میں جسمانی تربیت کا اور اسی ضمن میں پیشے کی تعلیم کا کیا انتظام کیا تھا۔ اگرچہ میں اس انتظام سے پوری طرح مطمئن نہ تھا مگر پھر بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس میں کم و بیش کامیابی ہوئی۔

مگر ادبی تعلیم کا معاملہ اس سے مشکل تھا۔ نہ تو میرے پاس ضروری سامان تھا نہ مجھے زبانیں اچھی طرح آتی تھیں اور نہ اتنی فرصت تھی کہ ان کا حسب دلخواہ مطالعہ کر سکوں۔ دن بھر جسمانی مشقت کرنے کے بعد میں شام کو تھک کر چور ہو جاتا تھا اور مجھے آرام کی ضرورت ہوتی تھی۔ عین اس وقت لڑکے میرے پاس پڑھنے کے لئے آتے تھے پڑھانے کے لئے انسان کو تازہ دم ہونا چاہیئے۔ یہاں اسی کے لئے بڑی کوشش کرنا پڑتی تھی کہ آنکھیں کھلی رہیں نیند نہ آجائے۔ صبح کا وقت فارم کے اور گھر کے کام میں صرف ہوتا تھا اور اسکول کی پڑھائی دوپہر کے کھانے کے بعد شروع ہوتی تھی اور کوئی مناسب وقت تھا ہی نہیں۔

اس تعلیم کے لئے تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ ہندی، تامل، گجراتی، اردو، یہ سب زبانیں پڑھائی جاتی تھیں اور ہر لڑکے کو کل تعلیم اس کی مادری زبان کے ذریعے سے دی جاتی تھی۔ انگریزی تھوڑی سی تاریخ، جغرافیہ اور حساب بھی سب کے لئے لازمی تھا۔ گجراتی ہندو لڑکوں کو کسی قدر سنسکرت سیکھنا پڑتی تھی۔

میں تامل اور اردو پڑھاتا تھا تامل میں نے جو کچھ سیکھی سفر اور جیل میں سیکھی تھی۔ میری ساری کائنات پوپ کی مشہور کتاب "معلم تامل" تھی اور اردو رسم الخط میں نے ایک سفر میں تھوڑا بہت سیکھا تھا اور زبان میں میری معلومات ان عربی فارسی الفاظ تک محدود تھی جو مسلمان دوستوں کی صحبت

Marfat.com

میں سنے تھے ۔ سنسکرت میں اس سے زیادہ نہیں جانتا تھا جتنی ہائی اسکول میں پڑھی تھی بلکہ گجراتی کا بھی یہی حال تھا۔

میری ساری پونجی یہ تھی اور اسی سے مجھے کام چلانا تھا۔ میرے رفیق مجھ سے بھی زیادہ ۔ مایہ تھے ۔ لیکن مجھے اپنے ملک کی زبانوں سے محبت تھی اور اپنی معلمانہ صلاحیت پر اعتماد تھا۔ پھر میرے شاگردوں کی جہالت اور اس سے بھی بڑھ کر ان کی خطاپوشی میرے کام آئی۔

جو تامل لڑکے ہمارے اسکول میں تھے ان سب کی پیدائش جنوبی افریقہ کی تھی اس لئے وہ اپنی زبان بہت کم جانتے تھے اور رسم الخط سے تو بالکل واقف نہ تھے ۔ اس لئے میں انہیں تامل رسم الخط اور صرف ونحو کی ابتدائی باتیں سکھاتا تھا۔ اس میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی میرے شاگرد یہ جانتے تھے کہ تامل بولنے میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور جب کبھی ایسے تامل لوگ جو انگریزی نہیں جانتے تھے مجھ سے ملنے آتے تو لڑکے ترجمانی کرتے تھے مگر میرا کام بڑے مزے میں چلتا تھا کیونکہ میں نے ان سے کبھی اپنی جہالت چھپانے کی کوشش نہیں کی اور ہر چیز میں بھی جیسے تھا ویسا ہی میں اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کرتا تھا۔ اس لئے باوجود اس کے کہ میں تامل زبان میں بالکل کورا تھا وہ ہمیشہ مجھ سے محبت اور ادب سے پیش آتے رہے ۔ مسلمان لڑکوں کو اردو پڑھانا اس سے زیادہ سہل تھا وہ اردو رسم الخط جانتے تھے ۔ میرا کام بس اتنا تھا کہ انہیں پڑھنے کا ذوق دلاتا رہوں اور ان کا خط درست کردیا کروں۔

ان میں سے اکثر لڑکے اسکول میں داخل ہونے سے پہلے بالکل ان پڑھ تھے ۔ مگر مجھے تجربے سے معلوم ہوا کہ انہیں بیٹھ کر پڑھانے کی کچھ ایسی ضرورت نہیں ۔ صرف ان کی کاہلی کی عادت چھڑانا اور ان کے کام کی نگرانی رکھنا کافی ہے ۔ میں اسی پر قناعت کرتا تھا اس لئے مختلف عمر کے لڑکے ایک ہی درجے میں بیٹھ کر اپنا اپنا سبق پڑھتے تھے اور بغیر کسی دقت کے کام چلتا تھا۔

آج کل تعلیم میں درسی کتابوں پر اتنا زور دیا جاتا ہے مگر مجھے تو ان کی کبھی ضرورت نہیں پڑی ۔ جو تھوڑی بہت کتابیں موجود تھیں ان سے بھی میں نے بہت کام لیا مجھے لڑکوں پر کتابوں کا انبار لادنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوئی ۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ طالب علم کے لئے بہترین درسی کتاب اس کا استاد ہے ۔ میرے استادوں نے مجھے کتابوں سے جو کچھ پڑھایا اس میں سے مجھے بہت کم یاد ہے ہر کتاب کے باہر جو باتیں بتائیں وہ آج تک دل پر نقش ہیں۔

بچے کانوں سے سن کر جتنا سیکھتے ہیں اور جتنی آسانی سے سیکھتے ہیں، پڑھ کر نہیں سیکھ سکتے ۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے ان لڑکوں کو کوئی کتاب اول سے آخر تک پڑھائی ہو ۔ مگر مختلف کتابوں کے مطالعے

Marfat.com

سے جو باتیں میرے دل میں بیٹھ گئی تھیں وہ میں انہیں اپنی زبان میں سمجھا دیتا تھا اور مجھے یقین ہے کہ وہ انہیں اب تک یاد ہوں گی ۔ کتابوں کو پڑھ کر یاد رکھنا ان کے لئے مشکل تھا لیکن جو کچھ میں انہیں زبانی بتاتا تھا وہ آسانی سے ان کے ذہن نشین ہو جاتا تھا اور جب پوچھو فرفر سنا دیتے تھے ۔ پڑھنا ان کے لئے بڑا کٹھن کام تھا مگر میری گفتگو سننے میں انہیں لطف آتا تھا بشرطیکہ میرا انداز بیان دلچسپ ہو اور وہ میری گفتگو کی تحریک سے جو سوالات کرتے تھے اس سے مجھے اندازہ ہوتا تھا کہ ان میں کہاں تک سمجھنے کی قوت ہے ۔

Marfat.com

Marfat.com

چونتیسواں باب

روحانی تربیت

ان بچوں کی روحانی تربیت کا مسئلہ ان کی جسمانی اور ذہنی تربیت سے کہیں زیادہ دشوار تھا میں نے اس معاملے میں مذہبی کتابوں سے بہت کم مدد لی۔ میں اس کا ضرور قائل تھا کہ ہر طالب علم کو اپنے مذہب کے بنیادی اصول جاننا چاہیئے اور اپنی مقدس کتابوں سے واقف ہونا چاہیئے اور جہاں تک ممکن تھا میں نے اس تعلیم کا انتظام بھی کر دیا تھا۔ مگر یہ تعلیم میرے نزدیک ذہنی تربیت میں داخل تھی ٹالسٹائی فارم کے لڑکوں کی تعلیم کا بار اپنے سر لینے سے پہلے مجھے اس حقیقت کا احساس ہو گیا تھا کہ روحانی تربیت ایک جداگانہ چیز ہے۔ روح کی تربیت کے معنی ہیں انسان کی سیرت کی تعمیر اور اسے اس قابل بنا دینا کہ خدا کی معرفت اور اپنے نفس کی معرفت حاصل کر سکے۔ میرا خیال تھا کہ یہ روحانی تربیت تعلیم کا اہم عنصر ہے اور بغیر اس کے بیکار بلکہ مضر ہے۔

میں نے اکثر یہ بے بنیاد عقیدہ سنا ہے کہ معرفت نفس صرف زندگی کی چھوتھی منزل یعنی "سنیاس" میں قدم رکھنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے مگر ہر شخص جانتا ہے کہ جو لوگ اس بے بہا تجربے کی تلاش زندگی کے آخری دور پر انحصار رکھتے ہیں انہیں معرفت نفس نصیب نہیں ہوتی بلکہ انکے بڑھاپا بچپن کی بگڑی ہوئی تصویر بن جاتا ہے اور ان کا وجود زمین پر بار ہو جاتا ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اپنی مفلسی کے زمانے یعنی 12-1911ء میں بھی یہی خیالات رکھتا تھا اگرچہ شاید میں اس وقت انہیں ان الفاظ میں ظاہر کرتا۔

اب سوال یہ تھا کہ یہ روحانی تربیت کس طریقے سے کی جائے۔ میں بچوں کو بھجن اور مناجات یاد کراتا تھا اور انہیں اخلاق آموز کتابیں پڑھ کر سناتا تا۔ مگر اس سے میری تسکین نہیں ہوئی تھی جب میں بچوں میں گھل مل گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ روحانی تربیت کتابوں سے نہیں ہو سکتی۔ جیسے جسمانی تربیت

Marfat.com

کے لئے جسم کی ورزش اور ذہنی تربیت کے لئے ذہن کی ورزش ضروری ہے اسی طرح روحانی تربیت کے لئے روح کی ورزش ناگزیر ہے اور روح کی پرورش کا دارومدار معلم کی زندگی اور سیرت پر ہے معلم کو بچوں کے سامنے اور ان کے پیچھے ہر وقت اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ کوئی نامناسب فعل اس سے سرزد نہ ہو۔

چاہے معلم شاگردوں سے کتنے ہی فاصلے پر ہو مگر اس کے طرز زندگی کا اثر ان کی روحانی نشو نما پر پڑتا ہے۔ اگر میں خود جھوٹ بولوں اور اپنے شاگردوں کو سچ بولنے کی تلقین کروں تو ظاہر ہے کوئی اثر نہ ہو گا۔ بزدل معلم کبھی اپنے شاگردوں کو بہادر نہیں بنا سکتا نفس پرست استاد انہیں ہرگز ضبط نفس نہیں سکھا سکتا۔ اس لئے میں نے یہ سوچا کہ مجھے ان لڑکوں اور لڑکیوں کے سامنے جو میری تربیت میں ہیں اپنی زندگی کو اسوہ حسنہ بنا کر پیش کرنا چاہیئے۔ گویا یہ بچے میرے استاد تھے اور میں ان کی خاطر نیکی اور عفت کی زندگی بسر کرتا تھا سچ پوچھئے تو میں ٹالسٹائی فارم میں ضبط نفس میں جو اہتمام کرتا تھا وہ زیادہ تر انہیں کے سبب سے تھا۔

ان میں سے ایک وحشی سرکش جھوٹا اور جھگڑالو تھا۔ ایک بار اس نے بڑا فساد برپا کیا۔ میں آپے سے باہر ہو گیا۔ میں اپنے شاگردوں کو کبھی سزا نہیں دیتا تھا مگر اس مرتبہ مجھے غصہ آ گیا میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ مجھے خاطر میں نہ لایا۔ آخر میں نے رول اٹھایا اور اس کے بازو پر مارا میں اس وقت سارے بدن سے کانپ رہا تھا اور میرے خیال میں اسے بھی اس کا احساس تھا وہ رونے لگا اور اس نے اپنے قصور کی معافی چاہی اس کے رونے کا سبب چوٹ کی تکلیف نہیں تھی وہ سترہ برس کا مضبوط لڑکا تھا اگر چاہتا تو مجھ پر ہاتھ اٹھاتا مگر اس نے دیکھا کہ مجھے بالکل مجبور ہو کر ایسی سخت سزا دینی پڑی اور اس سے مجھے خود سخت اذیت ہوئی۔ اس نے اس کے دل پر اثر کیا۔ اس واقعے کے بعد اس نے کبھی میری نافرمانی نہیں کی۔ مگر مجھے اس تشدد پر آج تک ندامت ہے میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اس روز اس لڑکے کے سامنے اپنی روحانیت کا نہیں بلکہ اپنی بہمیت کا اظہار کیا۔

میں جسمانی سزا کا ہمیشہ سے مخالف ہوں جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے اپنے لڑکوں میں سے ایک کو صرف ایک بار مارا ہے۔ اس لئے میں آج تک فیصلہ نہ کر سکا کہ اس کا محرک غصہ اور سزا دینے کی خواہش تھی۔ اگر یہ محض میری بے بسی کا اظہار ہوتا تو میں اسے جائز سمجھتا لیکن میری نیت خالص نہیں تھی۔

اس واقعے سے مجھے عبرت ہوئی اور میں نے طالب علموں کی تادیب کا اس سے بہتر طریقہ اختیار

Marfat.com

کیا میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ طریقہ اس موقع پر جس کا میں نے ذکر کیا ہے ہے کہاں تک کامیاب ہوتا۔ وہ لڑکا اس واقعے کو بھول بھال گیا اور اس کی سبب میں کوئی خاص اصلاح نہیں ہوئی مگر میرے دل میں معلمی کے فرائض کا احساس بڑھ گیا۔

اس کے بعد بھی لڑکوں نے شرارتیں کیں لیکن میں نے کبھی حیوانی سزا سے کام نہیں لیا غرض ان لڑکوں اور لڑکیوں کی روحانی تربیت کی کوشش میں مجھ پر روز بروز یہ حقیقت روشن ہوتی گئی کہ روح میں بڑی قوت ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

پینتیسواں باب

پھولوں میں کانٹے

ٹالسٹائے فارم کے قیام کے زمانے میں مسٹر کیلن باخ نے مجھے ایک مسئلے کی طرف توجہ دلائی جو اس سے پہلے کبھی میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ فارم میں چند لڑکے بد اور سرکش تھے ان میں سے بعض آوارہ بھی تھے۔ میرے تینوں لڑکے اور دوسرے بچے جن کی تربیت انہیں کی طرح ہوئی تھی ان برے لڑکوں کی صحبت میں رہتے تھے۔ مسٹر کیلن باخ کو یہ بات ناگوار تھی مگر انہیں جو کچھ فکر تھی میرے لڑکوں کی تھی۔

ایک دن انہوں نے صاف صاف مجھ سے کہہ دیا "مجھے یہ بات پسند نہیں کہ آپ اپنے بچوں کو برے لڑکوں سے ملنے دیتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بری صحبت میں پڑ کر وہ بھی بگڑ جائیں گے۔"

مجھے یاد نہیں اس سوال پر مجھے کچھ غور کرنے کی ضرورت ہوئی یا نہیں مگر اپنا جواب یاد ہے۔

"مجھے اپنے لڑکوں اور ان آوارہ لڑکوں میں تمیز کرنے کا کیا حق ہے۔ میں دونوں کی تربیت کا ذمہ دار ہوں۔ یہ لڑکے بھی میرے بلانے سے آئے ہیں۔ اگر میں انہیں کچھ دے کر رخصت کر دوں تو وہ فوراً جوہانسبرگ پہنچ کر اپنی پرانی حرکتیں شروع کر دیں گے۔ وہ خود اور ان کے والدین یہ سمجھتے ہوں گے ان کا یہاں رہنا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ اور یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے کم سے کم اتنا تو آپ بھی مانیں گے کہ انہیں یہاں بہت تکلیف اٹھانا پڑتی ہے میرا اس معاملے میں جو فرض ہے وہ ظاہر ہے میں انہیں یہاں رکھنے پر مجبور ہوں۔ اور میرے لڑکوں کو ان کی صحبت میں رہنا پڑے گا۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنے لڑکوں کے دل میں بھی سے یہ خیال پیدا کر دوں کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں۔ یہ برتری کا زعم انہیں گمراہ کر دے گا۔ دوسرے لڑکوں کے ساتھ مل جل کر رہنا ان کے لئے بڑی اچھی تربیت ہے وہ خود بخود نیکی

Marfat.com

اور بدی میں تمیز کرنے لگیں گے ہم یہ کیوں نہ سمجھیں کہ اگر واقعی ان میں نیکی کی صلاحیت ہے تو اس کا اثر ان کے ساتھیوں پر بھی پڑے گا؟ بہرحال میں تو انہیں یہیں رکھوں گا۔ اگر اس میں کوئی خطرہ ہے تو ہمیں اس کے لئے تیار رہنا چاہیئے"۔

مسز کیلن باخ اس سے مطمئن نہیں ہوئے مگر چپ ہو گئے۔

میرے خیال میں نتیجہ برا نہیں ہوا میرے بچوں کو اس تجربے سے کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ کچھ فائدہ ہی ہوا۔ اگر ان کے دل میں برتری کے احساس کا کچھ شائبہ تھا تو وہ دور ہو گیا اور انہیں ہر قسم کے لڑکوں میں مل جل کر رہنے کی عادت ہو گئی۔ وہ آگ میں تپ کر اور مضبوط ہو گئے۔

اس طرح کے متعدد تجربوں سے مجھ پر یہ بات ثابت ہو گئی اگر اچھے لڑکے برے لڑکوں کے ساتھ تعلیم پائیں اور ان کی صحبت میں رہیں تو انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بشرطیکہ یہ تجربہ بہت احتیاط سے ان کے والدین اور ان کے سرپرستوں کی نگرانی میں کیا جائے۔

یہ کوئی ضروری بات نہیں کہ جو بچے بسم اللہ کے گنبد میں پرورش پاتے ہیں وہ ہر قسم کی ترغیبوں اور برے اثروں سے محفوظ رہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جب مختلف قسم کی تربیت پائے ہوئے بچے ساتھ رکھے جائیں تو والدین اور معلموں کے لئے بڑے امتحان کا وقت ہوتا ہے۔ انہیں ہر وقت چوکس رہنا پڑتا ہے۔

Marfat.com

چھتیسواں باب

فاقہ کفارے کی حیثیت سے

مجھے روز بروز یہ احساس ہوتا گیا کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی تربیت کس قدر مشکل چیز ہے میں نے دیکھا کہ اگر میں صحیح معنوں میں ان کا معلم اور سرپرست بننا چاہتا ہوں تو مجھ پر لازم ہے کہ ان کے دل میں جگہ کروں ان کے دکھ سکھ میں شریک رہوں، ان کی مشکلوں کو حل کروں اور ان کے اٹھتے جوش اور آرزوؤں کو راہ پر لگاؤں۔

جس زمانے میں بعض ستیاگری جیل سے رہا ہوئے ہیں ٹالسٹائے فارم قریب قریب ویران تھا۔ چند لوگ جو رہ گئے تھے وہ فنیکس کے تھے اس لئے میں انہیں لے کر فنیکس چلا گیا۔ یہاں مجھے بڑی سخت آزمائش کا سامنا ہوا۔

ان دنوں میں کبھی جوہانسبرگ میں رہتا تھا اور کبھی فنیکس میں۔ ایک بار مجھے جوہانسبرگ میں یہ اطلاع ملی کہ فنیکس آشرم کے دو شخص فعل شنیع کے مرتکب ہوئے۔ اگر میں یہ سنتا کہ یہ ستیاگرہ کی تحریک بیٹھ گئی تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا مگر اس خبر سے مجھ پر بجلی سی گر گئی۔ میں اسی دن ریل سے فنیکس روانہ ہو گیا۔ مسٹر کیلن باخ باصرار میرے ساتھ ہو گئے۔ انہوں نے میری حالت دیکھ لی تھی انہیں کسی طرح گوارہ نہ ہوا کہ مجھے تنہا جانے دیں خصوصاً اس لئے کہ اتفاق سے یہ خبر جس نے میرا دل ہلا دیا وہی لائے تھے۔

رستے میں میں نے یہ طے کر لیا کہ میرا کیا فرض ہے مجھے یہ احساس تھا کہ سرپرست یا معلم ایک حد تک ان لوگوں کی لغزشوں کا ذمہ دار ہے جو اس کی زیر نگرانی یا زیر تربیت ہیں اس لئے اس واقعہ کی ذمہ داری صریحاً مجھ پر عائد ہوتی تھی۔ میری بیوی نے مجھے پہلے سے اس خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ لیکن میں نے اپنی سادہ دلی سے ان کی باتوں پر توجہ نہیں کی۔

Marfat.com

میں نے سوچا کہ جن لوگوں سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہے انہیں اپنے قصور اور میرے صدمہ کا پورا اندازہ اسی وقت ہو گا جب میں ان کے گناہ کا کفارہ ادا کروں اس لئے میں نے عہد کر لیا کہ سات دن فاقہ کروں گا اور اس کے بعد ساڑھے چار مہینے تک صرف ایک وقت کھانا کھاؤں گا۔ مسٹر کیلن باخ نے لاکھ کوشش کی کہ مجھے اس ارادہ سے باز رکھیں مگر ان کی ایک نہ چلی آخر انہوں نے مان لیا کہ یہ کفارہ بجا ہے اور اس پر اصرار کرنے لگے کہ میں بھی اس میں شریک ہوں گا۔ میں ان کی اس سچی محبت کو کیوں کر روکتا؟

اس فیصلے پر میرا دل ہلکا ہو گیا اس خطا کا ارتکاب کرنے والوں کی طرف سے جو غصہ میرے دل میں تھا وہ دور ہو گیا اور مجھے ان کی حالت پر ترس آنے لگا۔ غرض جب میں فنکس پہنچا تو میری طبیعت کو بہت کچھ سکون ہو گیا تھا۔ میں نے اس معاملے کی مزید تحقیقات کی اور جو تفصیلی باتیں معلوم کرنا چاہتا تھا وہ معلوم کر لیں۔

میرے فاقے سے سب کو دکھ ہوا مگر آشرم کی فضا پاک صاف ہو گئی ہر شخص کو محسوس ہو گیا کہ گناہ کس قدر ہولناک چیز ہے۔ مجھ میں اور بچوں میں جو رشتہ محبت تھا وہ اور استوار ہو گیا۔

کچھ دن کے بعد اسی واقعے کے سلسلے میں ایک اور شاخ پھوٹی جس کے سبب سے مجھے چودہ دن کا فاقہ کرنا پڑا۔ اس کا اثر میری توقع سے بھی زیادہ ہوا۔

ان واقعات کے بیان کرنے سے میرا یہ مطلب نہیں کہ جب کبھی شاگرد سے کوئی لغزش ہو جائے تو استاد کا فرض ہے کہ فاقہ کرے۔ مگر میرے خیال میں بعض موقعوں پر اس انتہائی تدبیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ البتہ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ خلوص نیت اور روحانی صلاحیت موجود ہو۔ اگر استاد اور شاگرد میں سچی محبت نہیں ہے۔ اگر استاد کی لغزش سے روحانی اذیت نہیں پہنچی ہے، اگر شاگرد کے دل میں استاد کا احترام نہیں تو فاقہ بے جا ہے بلکہ اس سے ضرر کا اندیشہ ہے۔ غرض ایسی صورتوں میں خواہ فاقہ مناسب ہو یا نہ ہو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ استاد اپنے شاگردوں کی خطاؤں کا ذمہ دار ہے۔

پہلا کفارہ ہم لوگوں کے لئے دشوار نہ تھا۔ میں بدستور اپنا سارا کام کرتا رہا۔ حالانکہ فاقہ توڑنے کے بعد جتنے دن میں صرف ایک وقت کھانا کھاتا رہا۔ میری غذا پھلوں کے سوا کچھ نہ تھی۔ البتہ دوسرے فاقے کے آخری دن مجھ پر سخت گزرے مجھے اس وقت تک "رام نام" کی برکت کا پورا اندازہ نہ تھا اس لئے میں تکلیفیں سہنے میں کسی قدر کچا تھا۔ اس کے علاوہ میں فاقے کے گروں سے خصوصاً اس صول سے ناواقف تھا کہ پانی خوب پینا چاہئے چاہے اس سے کتنی ہی متلی کیوں نہ ہو کچھ یہ بھی تھا کہ

Marfat.com

پہلا فاقہ آسانی سے گزرنے کی وجہ سے میں بے پرواہ سا ہو گیا تھا۔ چنانچہ پہلے فاقے میں میں روزانہ کوہنے کی ہدایت کے مطابق غسل کرتا تھا۔ چنانچہ پہلے فاقے میں میں نے دو تین دن کے بعد یہ معمول ترک کردیا اور پانی بھی بہت کم پیا۔ کیونکہ اس سے منہ کا مزا میٹھا ہو جاتا تھا۔ اور متلی ہونے لگتی تھی۔ میرے حلق میں کانٹے پڑ گئے اور آخر میں میری آواز بہت نحیف ہو گئی۔ اس پر بھی میں نے اپنے لکھنے کا کام اس طرح کرتا رہا کہ میں بولتا جاتا تھا اور کوئی دوسرا لکھتا جاتا تھا اس کے علاوہ روز رامائن اور دوسری کتابیں پڑھوا کر سنتا تھا اور ضروری معاملوں کے متعلق گفتگو کرنے اور مشورے دینے سے معذور نہ تھا۔

Marfat.com

Marfat.com

سینتیسواں باب

گوکھلے سے ملنے کے لئے سفر

جنوبی افریقہ کی اور بہت سی باتیں مجھے یاد ہیں اگر مجبوراً ان کا ذکر چھوڑتا ہوں۔

1914ء میں جب ستیاگرہ کی جدوجہد ختم ہوگئی تو گوکھلے کا حکم پہنچا کہ لندن ہوتے ہوئے ہندوستان آجاؤ اس لئے میں کستور بائی اور کیلن باخ کو ساتھ لے کر انگلستان روانہ ہوگیا۔

ستیاگرہ کے زمانے میں میں نے تیسرے درجے میں سفر کرنا شروع کردیا تھا، اس لئے اس سفر میں بھی میں نے میرے ہی درجہ کا ٹکٹ لیا لیکن اس لائن کے جہازوں کا تیسرا درجہ ہندوستان کے ساحلی (1) جہازوں اور ریلوں کے تھرڈ کلاس سے کہیں بہتر تھا۔ ہندوستان کے جہازوں میں سونا تو الگ رہا بیٹھنے ہی کے لئے کافی جگہ نہیں ملتی۔ اور صفائی کا تو نام بھی نہیں ہوتا۔ بہ خلاف اس کے لندن کے سفر میں تیسرے درجے میں بہت کافی جگہ تھی اور صفائی کا معقول انتظام تھا۔ کمپنی نے ہمارے لئے خاص طور پر آرائش کا سامان مہیا کردیا تھا۔ اور چونکہ ہم لوگ سوائے میوے کے کچھ نہیں کھاتے تھے اس لئے اسٹیوارڈ کو ہدایت کردی گئی تھی کہ ہمیں پھل اور اخروٹ وغیرہ دیا کرے۔ تیسرے درجے کے مسافروں کو یہ چیزوں عموماً نہیں ملتی تھیں ان رعایتوں کی بدولت ہم نے جہاز پر اٹھارہ دن بڑے آرام سے گزارے۔

سفر کے دوران میں بعض ایسے واقعات پیش آئے جو قابل ذکر ہیں مسٹر کیلن باخ کو دوربین کا بہت شوق تھا۔ اور ان کے پاس دو ایک قیمتی دوربینیں تھیں۔ ہم دونوں میں ان کے متعلق پر زور بحث رہتی تھی۔ میں انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کرتا تھا کہ ایسی چیز رکھنا سادگی کے نصب العین کے خلاف ہے۔ ایک دن ہم اپنے کیبن کے روشن دان کے قریب کھڑے یہی بحث کر رہے تھے کہ بات بڑھ گئی اور میں نے کہا "ان دوربینوں کے سبب سے ہم دونوں میں روز نزاع رہتی ہے۔ اس سے تو

Marfat.com

بہتر ہے کہ انہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں۔ کہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے۔

کیلن باخ بولے "ضرور پھینک دیجئے یہی کمبخت فساد کی جڑ ہیں"۔

میں نے کہا "دیکھو پھر میں پھینکتا ہوں۔"

انہوں نے بے تامل جواب دیا "میں سچ مچ کہتا ہوں پھینک دیجئے"۔

ان کا یہ کہنا تھا میں نے دوربین اٹھا کر سمندر کے حوالے کیں۔ یہ سات پونڈ میں خریدی گئی تھیں مگر ان کی اصل قدر و قیمت یہ تھی کہ مسٹر کیلن باخ ان پر جان دیتے تھے۔ مگر ان کے تلف ہونے کا انہیں مطلق رنج نہیں ہوا۔

میرے اور مسٹر کیلن باخ کے مابین جو محبت کے معاملے پیش آتے تھے یہ ان کی ایک ادئی سی مثال ہے ہم دونوں ہر روز اس مکتب میں نئے سبق سیکھتے تھے۔ کیونکہ دونوں حق کی راہ پر چلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس سفر میں غصہ خود غرضی، نفرت وغیرہ خود بخود رخصت ہو جاتی ہے۔ ورنہ حق کی منزل تک پہنچنا ناممکن ہے۔

جو شخص جذبات سے متاثر ہو جاتا ہے وہ چاہے کتنا ہی نیک نیت اور سچا ہو حق کا جلوہ نہیں دیکھ سکتا۔ تلاش حق کی سعی بھی مشکور ہوتی ہے کہ محبت اور نفرت، رنج و راحت کی دوئی سے چھٹکارا مل جائے۔

میرے فاقے کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ مجھے یہ سفر کرنا پڑا۔ میری قوت ابھی اچھی طرح عود نہیں کر پائی تھی۔ میں جہاز کے عرشے پر ٹہلا کرتا تھا کہ تھوڑی سی ورزش ہو جائے۔ اور جو کچھ کھاتا ہوں اسے ہضم کرلوں۔ مگر یہ ورزش بھی میرے لئے زیادہ تھی۔ اور اس سے میری پنڈلیوں میں درد ہونے لگتا تھا۔ لندن پہنچتے پہنچتے میری حالت اور ابتر ہو گئی وہاں ڈاکٹر جیوراج مہتا سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے اپنے فاقے کا حال اور اس کے بعد کی کیفیت بیان کی۔ انہوں نے کہا "اگر آپ کچھ دن کامل آرام نہیں کریں گے تو اندیشہ ہے کہ آپ کے پیر ہمیشہ کے لئے بیکار ہو جائیں گے۔"

اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ جو شخص طویل فاقہ کر چکا ہو اسے کھوئی ہوتی طاقت حاصل کرنے میں جلدی نہیں کرنا چاہئے۔ اور کھانے کی حرص کو روکنا چاہئے۔ فاقہ توڑنے میں فاقہ کرنے سے بھی زیادہ احتیاط اور ضبط نفس کی ضرورت ہے۔

مدیرا میں ہم نے سنا کہ کوئی دن میں بہت بڑی جنگ چھڑنے والی ہے۔ بحیرہ انگلستان میں داخل ہوئے تو خبر ملی کہ لڑائی سچ مچ شروع ہو گئی۔ وہاں ہمارے جہاز کو کچھ دیر ٹھہرنا پڑا۔ جہاد کو تحت بحری بم

Marfat.com

کے جال میں سے جو سارے بحیرے میں پھیلا ہوا تھا، نکال کر لے جانا سہل نہ تھا۔ ستھمپٹن پہنچتے پہنچتے ہمیں دو دن لگ گئے۔ لڑائی کا اعلان 4 اگست کو ہوا تھا۔ ہم 6 اگست کو لندن میں داخل ہوئے۔

حوالہ

1- Coastal boats

Marfat.com

Marfat.com

اڑتیسواں باب

جنگ عظیم میں میرا حصہ

انگلستان پہنچ کر معلوم ہوا کہ گوکھلے، جو علاج کے لئے پیرس گئے تھے۔ آمد و رفت کا سلسلہ بند ہو جانے کے سبب وہیں رہ گئے ہیں اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کب تک لوٹیں گے۔ میں بھی ان سے ملنے ہندوستان نہیں جانا چاہتا تھا مگر ان کی واپسی کا کچھ ٹھیک معلوم نہیں تھا۔

مجھے یہ فکر تھی کہ اتنے دن تک کیا کروں؟ جنگ کے سلسلے میں میرا کیا فرض ہے؟ سہراب جی ادا جانیا جو ستیاگرہ میں شریک رہے تھے اور میرے ساتھ جیل گئے تھے اس زمانے میں لندن میں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ وہ بڑے پکے ستیاگرہی تھے اس لئے لوگوں نے انہیں قانون پڑھنے بھیجا تھا کہ جب لوٹ کر آئیں تو میری جگہ کام کریں۔ ان کے ساتھ اور ان ہی کے توسط سے میں ڈاکٹر جیوراج جی مہتا اور دوسرے حضرات سے جو لندن میں تعلیم پا رہے تھے ملا اور میں نے ان سے اس معاملے میں مشورہ لیا۔ ان کی رائے سے ایک جلسہ ان سب ہندوستانیوں کا جو برطانیہ عظمیٰ اور آئرستان میں مقیم تھے، منعقد کیا گیا میں نے اس جلسے کے سامنے اپنے خیالات پیش کئے۔

میری رائے تھی کہ جتنے ہندوستانی انگلستان میں مقیم ہیں سب کو اپنی بساط کے مطابق جنگ میں حصہ لینا چاہئے جس طرح انگریز طالب علموں نے اپنی خدمات فوج کے لئے پیش کی ہیں ہندوستانیوں کو بھی کرنا چاہئے۔ اس پر بہت سے اعتراض کئے گئے بعض لوگوں نے کہا کہ ہندوستانیوں اور انگریزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم غلام ہیں وہ آقا ہیں جب آقا پر برا وقت پڑے تو غلام کیوں ساتھ دے؟ اسے تو اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر اپنی آزادی کی فکر کرنا چاہئے۔ اس وقت اس دلیل سے میری تسکین نہیں ہوئی۔ میں جانتا تھا کہ ہندوستانیوں اور انگریزوں میں فرق ہے مگر میری نظر میں ہندوستانیوں

Marfat.com

کی حالت اتنی بری نہیں تھی کہ غلامی کہی جائے۔ ان دنوں میرا یہ خیال تھا کہ قصور جو کچھ ہے وہ انگریز حکام کا انفرادی حیثیت سے ہے۔ برطانوی نظام حکومت کا قصور نہیں ہے۔ اگر ہم انگریزوں کی مدد اور ان کے اتحاد عمل سے اپنی حالت سدھارنا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ضرورت کے وقت ان کے کام آئیں۔ ان کی حکومت میں خرابیاں ضرور ہیں مگر اتنی ہیں کہ ناقابل برداشت ہوں۔ اب مجھے برطانوی نظام پر اعتماد نہیں رہا اس لئے میں حکومت کے ساتھ اتحاد عمل نہیں کرنا چاہتا۔ مگر یہ حضرات اسی زمانے سے نظام حکومت اور حکام دونوں سے بدظن تھے۔ بظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ ان کا ساتھ کیونکر دے سکتے تھے۔

جو لوگ میری رائے کے مخالف تھے ان کا قول تھا کہ ہندوستانیوں کے مطالبات پر زور دینے کا یہی وقت ہے۔

میں یہ کہتا تھا کہ ہمیں انگلستان کی مصیبت سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہیئے بلکہ شرافت اور دوراندیشی کا تقاضا ہے کہ جنگ کے اختتام تک ہم اپنے مطالبات ملتوی رکھیں۔ فرض میں اپنی رائے پر قائم رہا۔ اور میں نے کہا کہ جس کا جی چاہے وہ اپنا نام رضاکاروں میں لکھوادے۔ مجھے اچھی خاصی کامیابی ہوئی اور تقریباً ہر صوبے اور مذہب کے نمائندے رضاکار بن گئے۔

میں نے لارڈ کریو کو خط لکھا جس میں ان سب واقعات کا ذکر کیا اور کہا کہ اگر ہماری خدمات کا قبول کیا جانا اس شرط پر منحصر ہو کہ پہلے ہم ایمبولینس (1) کا کام سیکھیں تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں۔

لارڈ کریو نے کچھ تامل کے بعد ہماری خدمات قبول کرلیں اور ہمارا شکریہ ادا کیا کہ ہم ایسے نازک وقت میں سلطنت کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔

رضاکاروں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام مشہور و معروف ڈاکٹر کنٹیلی کی نگرانی میں سیکھنا شروع کردیا۔ صرف چھ ہفتے کی تعلیم تھی۔ مگر اس میں فرسٹ ایڈ کا پورا کورس آجاتا تھا۔

ہماری جماعت میں اسی (80) آدمی تھے۔ چھ ہفتے کے بعد ہمارا امتحان ہوا جس میں ایک شخص کے سوا سب کے سب کامیاب ہوئے۔ اب حکومت نے ہمیں فوجی قواعد وغیرہ سکھانے کا انتظام کیا۔ کرنل بیکر ہمارے نگراں مقرر ہوئے۔

لندن کی حالت اس زمانے میں دیکھنے کے لائق تھی۔ شہر میں ذرا بھی انتشار نہ تھا۔ سب لوگ اپنی اپنی بساط کے مطابق مدد کرنے میں مصروف تھے۔ جتنے مضبوط جوان تھے وہ تو فوجی قواعد سیکھ ہی رہے تھے مگر ضعیف اور بیمار لوگ یہاں تک کہ عورتیں بھی بیکار نہ تھیں۔ انہوں نے سپاہیوں کی وردیاں

Marfat.com

اور زخمیوں کی پٹیاں تیار کرنے کا کام اپنے ذمے لے لیا تھا۔

ایک خواتین کے کلب نے جو نسیم کہلاتا ہے فوجی وردیاں بہت بڑی تعداد میں سلوانے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ مسز سروجنی نائڈو اس کلب کی ممبر تھیں اور بڑے خلوص اور جوش سے کام کر رہی تھی۔ اسی زمانے میں مجھے ان سے پہلی مرتبہ ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے میرے سامنے بونتے ہوئے کپڑوں کا ڈھیر لگا دیا اور کہا کہ انہیں سلوا کر لاؤ میں نے بڑی خوشی سے یہ خدمت قبول کی۔ اور فرسٹ ایڈ کی تعلیم کے زمانے میں دوستوں کی مدد سے جتنے کپڑے سل سکے سلوا کر انہیں دئے۔

حوالہ

1 - Ambulance مقتولوں کو اٹھا کر لانے اور زخمیوں کی خدمت کا کام۔

Marfat.com

Marfat.com

انتالیسواں باب

روحانی کشمکش

جیسے ہی یہ خبر جنوبی افریقہ پہنچی کہ میں نے چند اور ہندوستانیوں نے اپنی خدمات جنگ کے لئے پیش کی ہیں میرے پاس دو تار آئے ان میں سے ایک مسٹر پولک کا تھا انہوں نے پوچھا تھا کہ کیا آپ کا یہ فعل "اہمسا" کے عقیدے کے منافی نہیں ہے؟

مجھے پہلے سے خیال تھا کہ یہ اعتراض ہو گا کیونکہ میں نے اپنی کتاب "ہند سوراج" میں جنگ کے مسئلے پر بحث کی تھی اور جنوبی افریقہ میں بارہا اپنے دوستوں سے اس کے متعلق گفتگو کر چکا تھا۔ ہم سب کا خیال تھا کہ جنگ اخلاقاً ناجائز ہے جب میں نے ان لوگوں پر جنہوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا مقدمہ نہیں چلایا تو میرے دوستوں کو یہ توقع کیونکر ہو سکتی تھی کہ میں جنگ میں شریک ہو جاؤں گا خصوصاً ایسی حالت میں کہ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے۔ میرے دوستوں کو معلوم تھا کہ میں جنگ بوئر میں شریک رہ چکا ہوں مگر وہ سمجھتے تھے کہ اس کے بعد میرے خیالات بدل گئے ہیں۔

بات یہ ہے کہ جن وجوہ سے میں جنگ بوئر میں شامل ہوا تھا انہیں کی بنا پر میں نے اس بار بھی فیصلہ کیا۔ اس میں مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ جنگ میں شریک ہونا "اہمسا" کے منافی ہے مگر انسان کو ہر موقع پر اپنا صحیح فرض نہیں سوجھتا۔ حق کے طالب کو اکثر اندھیرے میں ٹٹول کر چلنا پڑتا ہے۔

"اہمسا" ایک عالمگیر اصول ہے جس میں تشدد کی صورت میں جائز نہیں ہم بے بس خاک کے پتلے ہر طرف سے "اہمسا" کے شعلوں میں گھرے ہوئے ہیں یہ قول کہ جاندار جانداروں ہی کو کھا کر جیتے ہیں گہری حقیقت پر مبنی ہے۔ انسان جان بوجھ کر یا بے جانے بوجھے "اہمسا" کے بغیر ایک لحظ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، ہر وقت اس کے ہاتھ سے کوئی نہ کوئی جان چاہے وہ کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو (ضرور تلف ہوتی ہے۔ اس لئے "اہمسا" کا طالب اگر اتنا کر سکے کہ اپنے ہر فعل

Marfat.com

میں خدا ترسی کو مد نظر رکھے جہاں تک ممکن ہو چھوٹے سے چھوٹے جاندار کی جان لینے سے پرہیز کرے بلکہ اسے دوسروں کے ہاتھ سے بچائے، غرض ہمیشہ "اہمسا" کی زنجیروں کو توڑنے کے لئے ہاتھ پیر مارتا رہے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنے عقیدے میں پکا ہے۔ اس کے دل میں روز بروز ضبط نفس اور خدا ترسی بڑھتی جائے گی۔ مگر ظاہری "اہمسا" سے کامل نجات سے کبھی نہیں ہو سکتی۔

اس کے علاوہ "اہمسا" کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ سب جاندار کامل روحانی اتحاد رکھتے ہیں اور اس کی خطا کا اثر سب پر پڑتا ہے۔ اس لئے کوئی شخص "اہمسا" سے پالک نہیں ہو سکتا جب تک وہ انسانی سماج کا رکن ہے۔ وہ اس "اہمسا" میں شریک ہونے پر مجبور ہے جس پر سماج کی زندگی کا دارومدار ہے۔ جب دو قوموں میں لڑائی ہو تو "اہمسا" کے طالب کا فرض ہے کہ وہ لڑائی کو روکے۔ مگر جو شخص یہ فرض ادا نہیں کر سکتا جو لڑائی کو روکنے کی قوت نہیں رکھتا۔ جس میں لڑائی روکنے کی قابلیت نہیں ہے۔ وہ لڑائی میں شریک ہو کر بھی دل و جان سے یہ کوشش کر سکتا ہے کہ اپنی قوم کو بلکہ ساری دنیا کو لڑائی سے نجات دے۔

مجھے یہ امید تھی کہ میں برطانوی سلطنت کے ذریعہ سے اپنی اور اپنی قوم کی حیثیت بڑھا سکوں گا۔ میں سوچتا تھا کہ جب تک میں انگلستان میں ہوں برطانوی بیڑے کی حفاظت سے فائدہ اٹھا رہا ہوں اور اس مسلح قوت سے فائدہ اٹھانا گویا اس تشدد میں شریک ہونا ہے جو اس کے ہاتھ سے عمل میں آسکتا ہے۔ اس لئے اگر میں سلطنت برطانیہ سے تعلق قائم رکھنا۔ اور اس کے زیر سایہ رہنا چاہتا ہوں۔ تو مجھے ان تین طریقوں میں سے ایک اختیار کرنا چاہئے۔ یا تو میں کھلم کھلا لڑائی کی مخالفت کروں اور ستیاگرہ کے اصول کے مطابق سلطنت برطانیہ سے اس وقت تک ترک موالات کروں جب تک وہ اپنی فوجی پالیسی نہ بدل دے، اس کے قابل اعتراض قوانین کی خلاف ورزی کر کے جیل چلا جاؤں، یا لڑائی میں سلطنت کا ساتھ دے کر لڑائی کو روکنے کی قابلیت اور قوت حاصل کروں۔ میں جانتا تھا کہ ابھی تک مجھ میں یہ قابلیت اور قوت نہیں ہے۔ اس لئے مجھے سوائے لڑائی میں شامل ہونے کے اور کوئی صورت نظر نہیں آئی۔

میرے نزدیک "اہمسا" کے نقطہ نظر سے سپاہیوں میں جو لڑتے ہیں۔ اور ان لوگوں میں جو فوج کے ساتھ رہ کر دوسری خدمات انجام دیتے ہیں کوئی فرق نہیں جو شخص ڈاکوؤں کے جتھے کے ساتھ شریک ہو کر بار برداری میں مدد دیتا ہے یا جب وہ لڑنے جاتے ہیں تو ان کے گھروں پر پہرہ دیتا ہے یا جب وہ زخمی ہوتے ہیں تو ان کی مرہم پٹی کرتا ہے تو وہ بھی ان ڈاکوؤں کی طرح ڈکیتی کا مجرم ہے اسی طرح وہ لوگ بھی جو لڑائی میں محض زخمیوں کی خدمت کرتے ہیں لڑائی کے جرم سے بری نہیں ہو سکتے۔

Marfat.com

پولک کا خط پہنچنے سے پہلے میں یہ سب باتیں سوچ چکا تھا۔ جب یہ تار آیا تو میں نے کئی دوستوں سے اس مسئلے پر گفتگو کی اور آخر میں یہی طے کیا کہ میرا فرض ہے کہ اپنی خدمات جنگ کے لئے پیش کروں۔ آج بھی مجھے ان دلیلوں میں کوئی کمزوری نظر نہیں آتی اور اس کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ اس زمانے میں میری رائے سلطنت برطانیہ کے متعلق اچھی تھی مجھے اپنے اس فعل پر افسوس نہیں ہے۔

مگر میں اس وقت بھی اپنے دوستوں کو اس کا قائل نہ کر سکا کہ میرا طرز عمل صحیح ہے۔ یہ مسئلہ بڑا نازک ہے اور اس میں اختلاف رائے کی بہت کچھ گنجائش ہے۔ اسی لئے میں نے اپنے خیالات کو جہاں تک ممکن ہے وضاحت کے ساتھ ان لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے جو "اہمسا" پر عقیدہ رکھتے ہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں اسے برتنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حق کے طالب کو کوئی کام رسمی خیالات سے متاثر نہیں ہو کر نا نہیں چاہئے۔ مگر اسی کے ساتھ اس کا فرض ہے کہ اپنی بات کی پچ نہ کرے اور جب اسے اپنی غلطی محسوس ہو تو بے تامل سب کے سامنے اس کا اعتراف کرے اور اس کی تلافی کی کوشش کرے۔

Marfat.com

Marfat.com

چالیسواں باب

چھوٹی سی ستیا گرہ

گو میں اپنا فرض سمجھ کر لڑائی میں شریک ہوا تھا مگر کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ میں اس میں ذاتی طور پر حصہ نہ لے سکا بلکہ مجھے اس نازک موقعے پر ایک چھوٹی سی ستیا گرہ کرنا پڑی۔

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ جب ہم لوگ امتحان پاس کر چکے اور ہمارے نام رضا کاروں میں درج ہو گئے تو ایک افسر ہماری تعلیم کے لئے مقرر کیا گیا۔ ہم سب یہ سمجھتے تھے کہ ہم صرف قواعد وغیرہ میں اس کے ماتحت رہیں گے اور سب معاملات کی نگرانی میرے سپرد ہو گی اور کمانیر کو جو کچھ کور سے کہنا ہو گا میرے توسط سے کہے گا۔ مگر اس نے پہلے ہی دن ہمارے اس خیال خام کو دور کر دیا۔

مسٹر سہراب جی ادا جانیا بڑے ہوشیار آدمی تھے۔ انہوں نے مجھ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ "اس شخص سے خبردار رہئے گا۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم پر حکومت جتانا چاہتا ہے ہم سے اس کی تابعداری ہرگز نہ ہو گی۔ ہم اسے اپنا معلم ضرور سمجھتے ہیں مگر یہ کل کے چھوکرے تک جنہیں اس نے ہمارے سکھانے کے لئے رکھا ہے ہمارے افسر بنتے ہیں"۔

یہ نوجوان جنہوں کا اس نے ذکر کیا آکسفورڈ کے طالب علم تھے جو ہمیں قواعد سکھانے آئے تھے۔ انہیں ہمارے کمانیر نے سیکشن افسر مقرر کیا تھا۔

میں نے بھی کمانیر کے محکمانہ انداز کو محسوس کیا تھا۔ مگر میں نے سہراب جی کو مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر بھلا وہ کب مانتے تھے۔

انہوں نے مسکرا کر کہا کہ "آپ تو ہر شخص پر اعتبار کر لیتے ہیں یہ لوگ باتیں بنا کر آپ کو دھوکا دیتے رہیں گے اور جب آپ خدا خدا کر کے ان کی چالوں کو سمجھیں گے تو ستیا گرہ پر کمر باندھ لیں گے

Marfat.com

نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ بھی برباد ہوں گے اور ہم کو بھی برباد کریں گے۔"

میں نے جواب دیا "آپ لوگ میرا ساتھ دے کر سوائے بربادی کے اور کیا توقع کر سکتے ہیں۔ ستیاگرہی تو دھوکا کھانے کے لئے ہی پیدا ہوا ہے۔ کمانیر ہمیں شوق سے دھوکا دے میں آپ سے بارہا کہہ چکا ہوں کہ جو شخص دوسروں کو دھوکا دیتا ہے وہ ایک دن خود دھوکا کھاتا ہے"۔

سہراب جی نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگے "اچھا تو پھر آپ دھوکا کھاتے رہیئے کسی دن ستیاگرہ میں آپ کا خاتمہ ہو جائے گا اور آپ کے ساتھ ہم جیسے غریبوں کی بھی جان جائے گی"۔

یہاں مجھے مس ایمیلی ہاب ہاوس آنجہانی کے وہ الفاظ یاد آ گئے جو انہوں نے مجھے ترک موالات کے متعلق لکھے تھے "کوئی تعجب نہیں کہ ایک دن آپ کو حق کے لئے سولی پر چڑھنا پڑے۔ خدا آپ کو راہ راست پر رکھے اور آپ کا حامی اور مددگار رہے"

مجھ سے اور سہراب جی سے یہ باتیں کمانیر کے تقرر کے بعد ہی ہوئی تھیں چند روز میں ہمارے اور اس کے تعلقات بہت کشیدہ ہو گئے۔ میرے جسم میں چودہ دن کے فاقے کے بعد ابھی اچھی طرح طاقت نہیں آنے پائی تھی کہ میں قواعد میں شریک ہونے لگا۔ جس کے لئے مجھے اکثر گھر سے دو میل پیدل جانا پڑتا تھا۔ اس سے میری پسلی میں ورم ہو آیا اور میں چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا۔ اسی حالت میں مجھے ہفتے کے آخر میں کیمپ میں جانا پڑتا تھا۔ اور لوگ تو وہیں رہ جاتے تھے لیکن میں گھر لوٹ آتا تھا اسی کیمپ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ ستیاگرہ کی ضرورت پڑی۔

کمانیر کا حکم حد سے بڑھنے لگا۔ اس نے ہم سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں کل معاملات میں چاہے وہ فوجی ہوں یا غیر فوجی افسر ہوں۔ اور اس زعم میں اس نے بیجا سختی شروع کر دی۔ سہراب جی میرے پاس دوڑے ہوئے آئے انہیں اس سخت گیری کی برداشت نہ تھی۔ انہوں نے کہا ہمارے پاس جو حکم آئے وہ آپ کے توسط سے آنا چاہیئے ابھی تو ہم ٹریننگ کیمپ ہی میں ہیں جب ہمیں ابھی سے ایسے مہمل حکم دئے جاتے ہیں تو آگے چل کر نہ جانے کیا ہو جو چھوکرے ہمیں قواعد سکھانے آئے ہیں ان کو ہم پر ہر بات میں ترجیح دی جاتی ہے۔ کمانیر سے دو دو باتیں ہو جانا چاہیئیں اس طرح سے ہرگز کام نہیں چلے گا۔ ہندوستانی طالب علم وغیرہ جو ہماری کور میں ہیں ایسے مہمل احکام کی پابندی نہیں کر سکتے ہم یہ کام اپنی خودداری قائم رکھنے کے لئے کر رہے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ رہی سہی عزت بھی کھو دیں۔"

میں نے کمانیر کو ان شکایتوں کی طرف توجہ دلائی اس نے لکھا کہ یہ شکایتیں باضابطہ تحریر کے ذریعے سے پیش ہونا چاہیئیں۔ آپ شکایت کرنے والوں کو ہدایت کر دیجئے کہ وہ ایک درخواست لکھ کر

Marfat.com

اپنے نئے سیکشن افسروں کو دے دی۔ وہ معلموں کے توسط سے میرے پاس بھیجدیں گے۔

میں نے جواب دیا کہ مجھے افسری کا دعویٰ نہیں فوجی ضابطے کے لحاظ سے میں ایک معمولی سپاہی ہوں۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ والنٹیر کور کے صدر کی حیثیت سے مجھے غیر سرکاری طور پر اس کی نمائندگی کا حق دیا جائے اسی کے ساتھ میں نے کل شکایتیں تفصیل سے لکھ دیں میں نے کور کی طرف سے اس بات پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ نئے سیکشن افسر بغیر اس کی رائے کے مقرر کردئے گئے ہیں۔ اور یہ درخواست کی کہیہ افسر معزول کر دئے جائیں اور نئے افسر کور کے انتخاب اور کمانیر کی منظوری سے مقرر ہوں۔

کمانیر کو یہ تجویز پسند نہیں آئی۔ اس نے لکھا کور کو سکشن افسروں کے انتخاب کا حق دینا فوجی ضابطے کے خلاف ہے اور جو افسر مقرر ہو چکے ہیں۔ ان کے معزول کرنے سے بڑی بدرعی ہو گی۔

اس پر ہم لوگوں نے ایک کمیٹی کی جس میں یہ طے ہوا کہ ہمیں کیمپ سے واپس آجانا چاہیئے۔ میں نے سب کو جتا دیا کہ اس ستیاگرہ کا نتیجہ بہت خطرناک ہو گا۔ مگر اکثر ممبروں کی یہی رائے ہوئی کہ جب تک موجودہ سیکشن افسر معزول نہ کئے جائیں اور کور کو اپنے افسر خود منتخب کرنے کا موقعہ نہ دیا جائے ہم لوگوں کو نہ قواعد میں شریک ہونا چاہیئے اور نہ کیمپ میں جانا چاہیئے۔

جب یہ فیصلہ ہوا تو میں نے کمانیر کو خط لکھا کہ مجھے آپ کے جواب سے جس میں آپ نے میری تجویز کی مخالفت کی ہے سخت مایوسی ہوئی۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ مجھے افسری کا شوق نہیں ہے۔ بلکہ میں خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ مثال کے طور پر میں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ جنگ بوئر کے زمانے میں میں نے جنوبی افریقہ کی ہندوستانی ایمبولینس کور میں کوئی عہدہ قبول نہیں کیا تھا۔ مگر کور کے کمانیر کرنل گیلوے ہر کام میں مجھ سے مشورہ لیتے تھے تاکہ کور کا منشاء معلوم ہو جائے۔ اس لئے ان کے اور ہماری کور کے تعلقات میں کبھی کشیدگی پیدا نہیں ہوئی اس خط کے ساتھ میں نے کمیٹی کے رزولیوشن کی ایک نقل بھی بھیج دی۔

کمانیر پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا اس کے خیال میں یہ کمیٹی اور یہ تجویز بالکل بے ضابطہ تھی۔

اس پر میں نے وزیر ہند کو ان سب واقعات کی اطلاع دی۔ اور رزولیوشن کی نقل بھیجی انہوں نے جواب دیا کہ جنوبی افریقہ کا معاملہ اور تھا یہاں قواعد کی رو سے سکشن افسروں کا تقرر کمانیر کے اختیار میں ہے۔ مگر آپ اطمینان رکھیئے کہ آئندہ جب کبھی ان افسروں کے تقرر کا موقعہ آئے گا تو کمانیر آپ کی تجویز کا لحاظ رکھے گا۔

Marfat.com

اس کے بعد مجھ سے اور ان سے عرصے تک خط و کتابت ہوتی رہی۔ مگر میں اس افسوسناک قصے کو طول نہیں دینا چاہتا۔ مختصر یہ ہے کہ مجھے اس معاملے میں وہی تجربہ ہوا جو ہمیں ہندوستان میں روزمرہ ہوتا رہتا ہے۔ کمانیر نے کچھ ڈرا دھمکا کر اور کچھ حکمت عملی سے کام لے کر ہماری کور میں پھوٹ ڈال دی۔ رزولیوشن کی تائید کرنے والوں میں سے کچھ لوگ کمانیر کی باتوں میں آکر اپنے قول سے پھر گئے۔

اسی زمانے میں نیٹلے کے اسپتال میں یکا یک بہت سے زخمی آگئے۔ اور ہماری کور ان کی خدمت کے لئے مقرر ہوئی کچھ لوگوں کو کمانیر نے سمجھا بجھا کر وہاں بھیج دیا۔ مگر اکثر نے صاف انکار کر دیا۔ میں نقل و حرکت سے معذور تھا مگر مجھ میں اور کور کے لوگوں میں نامہ و پیام جاری تھا۔ ان دنوں مسٹر رابرٹس نائب وزیر ہند اکثر مجھے دیکھنے آیا کرتے تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ اپنے دوستوں کو راضی کرکے نیٹلے بھیجدو۔ انہوں نے یہ صورت تجویز کی کہ یہ لوگ اپنی علیحدہ کور بنالیں۔ نیٹلے میں یہ لوگ وہیں کے کمانیر کے ماتحت ہوں گے۔ اس میں ان کی بھی سبکی نہیں حکومت بھی خوش ہوگی اور بہت سے زخمیوں کی خدمت بھی ہو جائے گی۔ یہ تجویز مجھے اور میرے رفیقوں کو پسند آئی اور وہ سب نیٹلے چلے گئے۔ صرف میں دل پر پتھر رکھے اپنے بستر پر پڑا رہا۔

Marfat.com

اکتالیسواں باب

گوکھلے کی رواداری

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ انگلستان پہنچ کر میں پسلی کے درد (ذات الجنب) میں مبتلا ہو گیا تھا میرے پہنچنے کے تھوڑے دن بعد گوکھلے لندن واپس آ گئے۔ ہم دونوں میں زیادہ تر لڑائی کے متعلق گفتگو ہوا کرتی تھی۔ کیلن باخ کو جرمنی کا جغرافیہ از بر تھا اور انہوں نے یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی بہت سفر کیا تھا۔ اس لئے وہ ہمیں نقشہ میں وہ مقامات دکھایا کرتے تھے جو لڑائی کے سلسلے میں اہمیت رکھتے تھے۔

جب میرے مرض نے شدت پکڑی تو یہ بھی روز مرہ کی گفتگو کا موضع بن گیا میرے غذائیاتی تجربے اس زمانے میں بھی جاری تھے۔ میری غذا مونگ پھلی کچے اور پکے کیلے میٹھے لیمو، زیتون کے تیل ولیتی پینگن اور انگور وغیرہ پر مشتمل تھی دودھ، اناج اور دال کو میں نے بالکل ترک کر دیا تھا۔

ڈاکٹر جیوجی مہتا میرے معالج تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ اناج اور دودھ استعمال کرو مگر میں کسی طرح راضی نہیں ہوتا تھا۔ یہ بات کہیں گوکھلے نے سن پائی۔ وہ میرے میوہ خوری کے اصول کے قائل نہیں تھے۔ انہوں نے اس پر زور دیا کہ جو کچھ ڈاکٹر تجویز کرے وہ استعمال کرو۔

گوکھلے کی بات ٹالنا میرے لئے سہل نہ تھا۔ جب وہ کسی طرح نہ مانے تو میں نے ان سے غور رنے کے لئے چوبیں گھنٹے کی مہلت مانگی جب میں اور کیلن باخ رات کو گھر لوٹے تو ہم دونوں میں اس مسئلے پر بحث ہوئی۔ وہ اس تجربے میں میرا ساتھ دے رہے تھے۔

وہ خود اسے پسند کرتے تھے۔ مگر مجھے انہوں نے یہی رائے دی کہ اگر یہ تجربہ آپ ی صحت کے لئے مضر ہے اسے ترک کر دینا چاہئے اب مجھے خود اپنے ضمیر سے مشورہ کر کے فیصلہ کرنا تھا۔

Marfat.com

میں رات بھر جاگ کر اس مسئلے پر غور کرتا رہا۔ تجربے کے ترک کرنے کے یہ معنی تھے کہ میں غذا کے متعلق اپنے اصول بدل دوں حالانکہ مجھے ان میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی تھی اصل میں سوال یہ تھا کہ مجھے گوکھلے کے محبت بھرے اصرار سے کہاں تک متاثر ہونا چاہیئے۔ اور اپنی صحت کی خاطر اپنے تجربے میں تبدیلی کرنا چاہیئے۔ آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میرے تجربے کا جو پہلو خالص مذہبی ہے اس پر مجھے بہر حال قائم رہنا چاہیئے البتہ جہاں دوسری مصلحتیں شامل ہیں وہاں ڈاکٹر کی رائے پر عمل کر سکتا ہوں۔ دودھ میں نے زیادہ تر مذہبی جذبات کی بنا پر ترک کیا تھا۔ یہ عہد کرتے وقت میری آنکھوں میں اس ظلم کی تصویر پھر رہی تھی جو کلکتے کے گوالے ایک ایک قطرہ دودھ نچوڑنے کے لئے گائے بھینسوں پر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ میرا یہ خیال تھا کہ جس طرح گوشت انسان کی قدرتی غذا نہیں ہے اسی طرح دودھ بھی نہیں ہے۔ اس لئے صبح کو میں یہ طے کر کے اٹھا کہ دودھ ترک کرنے کے عہد پر قائم رہوں گا۔ اس فیصلے سے میری طبیعت کو یکسوئی ہو گئی میں گوکھلے کے پاس جاتے ہوئے ڈرتا تھا۔ مگر مجھے یہ امید تھی کہ وہ میرے فیصلے کی دقعت کریں گے۔

شام کو میں اور کیلن باخ گوکھلے سے ملنے نیشنل لبرل کلب گئے مجھے دیکھتے ہیں انہوں نے پوچھا۔ "کہو تم نے کیا فیصلہ کیا۔ ڈاکٹر کی رائے پر عمل کرو گے؟"

میں نے استقلال کے انداز سے مگر نرم لہجے میں کہا۔ "میں اور سب باتیں ماننے کو تیار ہوں مگر ایک چیز کے متعلق اپنی رائے نہیں بدل سکتا۔ واللہ آپ اس بارے میں مجھ سے اصرار نہ کیجئے۔ میں گوشت، دودھ اور وہ کوئی چیز جو دودھ سے بنتی ہے استعمال نہیں کروں گا۔ مگر ان چیزوں کو ترک کرنے سے میری جن بھی جاتی ہے تو مجھے منظور ہے"۔

گوکھلے نے کہا۔ "کیا یہ تمہارا قطعی فیصلہ ہے؟"

میں نے جواب دیا "جی ہاں میں اس معاملے میں بالکل مجبور ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو میرے اس فیصلے سے رنج ہوگا مگر امید ہے کہ آپ درگزر کریں گے۔"

گوکھلے کو کسی قدر ملال ضرور ہوا۔ مگر انہوں نے انتہائی محبت سے کہا مجھے تمہارا فیصلہ پسند نہیں آیا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں مذہب کی بات ہے؟ مگر اب میں تم سے اصرار نہیں کروں گا۔" پھر ڈاکٹر جیوراج مہتا سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"مہربانی کر کے اب انہیں نہ ستایئے۔ انہوں نے اپنے اوپر جو قیدیں عائد کر لی ہیں ان کا لحاظ رکھ کر غذا تجویز کر دیجئے"

Marfat.com

ڈاکٹر صاحب میرے فیصلے سے بہت جز بز ہوئے مگر بیچارے مجبور تھے کیا کرتے انہوں نے پتلی مونگ پھلی کی دل تجویز کی اور کہا کہ اس میں ہینگ ڈال لیا کرو۔ اس پر میں راضی ہو گیا۔ دو تین دن میں نے اسے استعمال کیا۔ مگر میرا درد بڑھ گیا۔ اس لئے میں نے پھر اپنی پرانی غذا شروع کر دی۔

ڈاکٹر صاحب خارجی تدابیر سے کام لیتے رہے جن سے درد میں کچھ تخفیف ہو جاتی تھی مگر میں نے جو قیدیں لگا رکھی تھیں ان کی وجہ سے ان کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔

اس عرصے میں گو کھلے وطن چلے گئے۔ لندن کے اکتوبر کے کہرے سے ان کی طبیعت اکتا گئی تھی۔

Marfat.com

Marfat.com

بیالیسواں باب

پسلی کے ورم کا علاج

پسلی کا ورم کسی طرح دور نہیں ہوتا تھا اس لئے مجھے کسی قدر اندیشہ پیدا ہو گیا۔ مگر میں جانتا تھا کہ داخلی تدبیروں سے فائدہ نہیں ہو سکتا بلکہ غذا میں تبدیلی اور اس کے ساتھ خارجی علاج ہونا چاہیئے۔

میں نے نباتاتی مشرب کے مشہور و معروف حامی ڈاکٹر ایلنسن سے رجوع کیا جو محض غذا کی تبدیلی سے علاج کیا کرتے تھے۔ ان کے علاج سے میں بالکل اچھا ہو گیا میں نے ان سے کہا کہ میں دودھ کے ترک کا عہد کر چکا ہوں۔ انہوں نے مجھے دلاسا دیا اور کہا "آپ کو دودھ کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کچھ دن تک آپ کسی قسم کی چکنائی استعمال نہ کریں۔" انہوں نے میرے لئے جو غذا تجویز کی وہ روکھی روٹی کچے چقندر مولی، پیاز وغیرہ مختلف قسم کے ساگ اور تازہ پھل خصوصاً نارنگی پر مشتمل تھی۔ ترکاریوں کو پکانے کی اجازت نہیں تھی لیکن اگر چبانے میں دقت ہو تو پیس کر کھا سکتا تھا۔

میں نے تین دن تک یہ غذا استعمال کی لیکن کچی ترکاریاں مجھے موافق نہیں آئیں میرا جسم اتنا کمزور تھا کہ یہ تجربہ جیسا چاہیئے تھا نہیں کر سکا۔ کچی ترکاریاں کھاتے میں ڈرتا تھا۔

ڈاکٹر ایلنسن نے یہ بھی کہا کہ اپنے کمرے کی کھڑکیاں ہر وقت کھلی رکھو نیم گرم پانی میں نہایا کرو جسم کے جس حصے میں ورم ہے وہاں تیل کی مالش کیا کرو اور پندرہ منٹ سے لے کر تیس منٹ تک کھلی ہوا میں ٹہلا کرو۔ مجھے یہ سب تجویزیں پسند آئیں۔

میرے کمرے میں فرانسیسی طرز کی کھڑکیاں تھیں اگر پانی برستے وقت یہ پوری کھلی رہیں تو کمرے میں بوچھار آتی تھی۔ ان کے اوپر جو روشندان تھے وہ کھل نہیں سکتے تھے۔ اس لئے میں نے روشندانوں کے شیشے تڑوا دیئے تاکہ تازہ ہوا آ سکے اور کھڑکیاں اتنی کھول دیں کہ بوچھار نہ آئے۔

ان تدبیروں سے میری طبیعت کسی قدر سنبھل گئی مگر پوری صحت نہیں ہوئی۔

Marfat.com

لیڈی سیسیلیا رابرٹس کبھی کبھی مجھے دیکھنے آیا کرتی تھیں۔ ہم دونوں میں دوستی ہو گئی انہوں نے مجھے بہت سمجھایا کہ دودھ کا استعمال شروع کر دو مگر میں جب کسی طرح نہ مانا تو انہیں یہ فکر ہوئی کہ دودھ کا کوئی بدل تلاش کریں۔ کسی نے انہیں "مالٹڈ ملک" (1) بتادیا اور ناواقفیت کی بنا پر کہہ دیا کہ اس میں دودھ بالکل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ایک کیمیاوی مرکب ہے جس میں دودھ کی کل خاصیتیں موجود ہیں۔ لیڈی سیسیلیا میرے مذہبی جذبات کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اس لئے مجھے ان کی بات پر پورا اعتبار تھا۔ میں نے اس سفوف کو پانی میں گھول کر پیا تو اس میں بالکل دودھ کا مزا تھا۔ اب مجھے شیشی کا لیبل پڑھنے کا خیال آیا۔ معلوم ہوا کہ یہ دودھ ہی کا مرکب ہے۔ اس لئے میں نے پھر کبھی نہیں پیا۔

میں نے لیڈی سیسیلیا کو اس کی خبر کی اور کہلا بھیجا کہ جو ہوا سو ہوا آپ اس کا کچھ خیال نہ کیجئے۔ وہ بیچاری معذرت کرنے دوڑی آئیں اور کہنے لگیں کہ میرے دوست نے لیبل نہیں پڑھا تھا۔ میں نے کہا آپ بالکل تشویش نہ کیجیئے۔ مجھے اس کا مطلق ملال نہیں بلکہ آپ سے ندامت ہے کہ آپ اتنی زحمت اٹھا کر یہ شیشی لائیں اور میں اسے کام میں نہیں لا سکتا۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ ناواقفیت کی بنا پر دودھ استعمال کر لینے میں میرے نزدیک کوئی گناہ نہیں۔

لیڈی سیسیلیا رابرٹس کی ہمدردی اور محبت کے بہت سے واقعات ہیں جن کی یاد میرے دل کو عزیز ہے مگر میں مجبوراً ان کا ذکر چھوڑتا ہوں۔ مجھے اور بہت سے دوست یاد آرہے ہیں جنہوں نے مصیبت اور مایوسی میں میری دستگیری کی جو دل نور ایمان سے منور ہے۔ اسے ان کے پردے میں رحمت ایزدی کا جلوہ نظر آتا ہے جن کی بدولت رنج والم کی تلخی میں حلاوت پیدا ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر ایلنسن مجھے دوسری بار دیکھنے آئے تو انہوں نے پرہیز کی سختیاں کم کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ تم مونگ پھلی اور زیتون کا تیل استعمال کر سکتے ہو اور کچی پا جی چاہے تو پکے ہوئے ساگ ترکاری چاول کے ساتھ کھا سکتے ہو۔ یہ تبدیلیاں خوشگوار تھیں مگر ان سے بھی مرض کا ازالہ نہیں ہوا۔ ابھی تیمار داری میں بڑی احتیاط کی ضرورت تھی اور زیادہ تر وقت بستر پر لیٹے لیٹے گزارنا پڑتا تھا۔

ڈاکٹر مہتا کبھی کبھی میری عیادت کو آتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ آپ اب بھی میری بات مان لیجئے تو میں ذمہ لیتا ہوں کہ آپ کو اچھا کر دوں گا۔

اس اثنا میں ایک دن مسٹر رابرٹس مجھے دیکھنے آئے اور انہوں نے بڑے اصرار سے کہا کہ "آپ وطن چلے جائیے۔" اس حالت میں آپ نیٹلے جانا ناممکن ہے ادھر سردی چمکنے کے دن آرہے ہیں۔ میری تو یہی صلاح ہے کہ آپ ہندوستان چلے جائیے۔ پوری صحت آپ کو وہیں جا کر ہو سکتی ہے۔ اگر

Marfat.com

س وقت تک لڑائی جاری رہی تو وہاں بھی آپ کو سلطنت کی مدد کے بہت سے موقعے ملیں گے اور اب بھی آپ نے جو کچھ کیا ہے اسے میں کم نہیں سمجھتا۔

میں نے ان کا مشورہ قبول کر لیا اور ہندوستان جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔

حوالہ

1- Malted Milk دودھ اور آب جو کا مرکب

Marfat.com

Marfat.com

تینتالیسواں باب

وطن کو واپسی

مسٹر کیلن باخ میرے ساتھ ہندوستان جانے کے ارادے سے آئے تھے۔ لندن میں وہ میرے ساتھ ہی رہتے تھے اور ہم دونوں ایک ہی جہاز میں روانہ ہونے والے تھے مگر جرمن نسل کو لوگوں کی نگرانی اس قدر سختی سے کی جا رہی تھی کہ انہیں پاسپورٹ (پروانہ راہداری) ملنا بہت مشکل نظر آتا تھا۔ میں نے اس معاملہ میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ مسٹر رابرٹس انہیں پاسپورٹ دلائے جانے کے حامی تھے اور انہوں نے اس کے متعلق وائسرائے کو تار دیا مگر لارڈ ہارڈنگ نے صاف جواب دے دیا "مجھے افسوس ہے حکومت ہند ایسے خطرے میں پڑنے کے لئے تیار نہیں۔" ہم سب لوگوں نے سمجھ لیا کہ اب کوشش کرنا بیکار ہے۔

مجھ پر کیلن باخ کی جدائی بہت شاق گزری اور انہیں مجھ سے بھی زیادہ صدمہ ہوا۔ اگر وہ ہندوستان آتے تو آج میرے ساتھ کسان اور جولاہے کی سیدھی سادی زندگی کا لطف اٹھا رہے ہوتے۔ وہ آج کل جنوبی افریقہ میں پہلے کی طرح ماہر تعمیرات کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان کا کام خوب چل رہا ہے۔

ہم تیسرے درجے کا ٹکٹ لینا چاہتے تھے مگر پی اینڈ او کے جہازوں میں تیسرا درجہ تھا ہی نہیں۔ اس لئے مجبوراً دوسرے درجے میں سفر کرنا پڑا۔

ہم جنوبی افریقہ سے جو خشک میوہ لائے تھے وہ ہم نے ساتھ رکھ لیا کیونکہ جہاز پر تازے پھل تو ملتے تھے مگر خشک میوہ نہیں ملتا تھا۔

ڈاکٹر جیوراج مہتا نے میری پسلیوں پر "میڈس پلاسٹر" کی پٹی باندھ دی تھی اور یہ تاکید کر دی تھی کہ بحر قلزم پہنچنے سے پہلے اسے نہ کھولنا۔ ڈدن تک تو میں نے یہ تکلیف سہی مگر اس کے بعد برداشت نہ ہو سکی۔ بڑی مشکل سے میں نے پٹی چھڑائی اور اچھی طرح نہانا دھونا شروع کیا۔

Marfat.com

زیادہ تر میں تازے پھل اور خشک میوہ خصوصاً اخروٹ، مونگ پھلی وغیرہ کھاتا تھا۔ میری طبیعت روز بروز سنبھلتی جاتی تھی اور نہر سویز پہنچتے پہنچتے تقریباً پوری صحت ہوگئی۔ اب کمزوری کے سوا اور کوئی شکایت نہیں تھی۔ اس لئے میں رفتہ رفتہ ورزش بڑھاتا گیا۔ میرے خیال میں اس افاقہ کا سبب زیادہ تر منطقہ معتدلہ کی صحت بخش ہوا تھی۔ خدا جانے پرانے تجربے کی بنا پر جو خیال جم گیا تھا اس کا اثر تھا یا کوئی اور وجہ تھی کہ مجھے جہاز کے انگریز اور ہندوستانی مسافروں میں اس سے بھی زیادہ مفصل نظر آیا جو میں نے جنوبی افریقہ سے آتے ہوئے دیکھا تھا۔ میری چند انگریزوں سے بات چیت ہوئی مگر محض سرسری اور رسمی۔ جس بے تکلفی سے جنوبی افریقہ کے جہازوں پر گفتگو ہوتی تھی اس کا یہاں نام بھی نہ تھا۔ میرے خیال میں اس کا سبب یہ تھا کہ انگریز کو شعوری یا غیر شعوری طور پر ہمیشہ یہ احساس رہتا ہے کہ میں حاکم قوم کا فرد ہوں اور ہندوستانی کے دل میں یہ کھٹک رہتی ہے کہ میں محکوم قوم سے تعلق رکھتا ہوں۔

میری طبیعت اس فضا میں الجھتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ کسی طرح جلدی گھر پہنچوں۔ عدن میں آکر تھوڑا بہت وطن کا لطف آنے لگا۔ عدن والوں سے ہم سے اچھی طرح راہ و رسم تھی۔ کیونکہ ڈربن میں مسٹر کیقباد کاؤس جی ڈشتا اور ان کی بیوی سے ہمارا میل جول رہ چکا تھا۔

چند روز میں ہم بمبئی پہنچ گئے۔ دس سال کی جلاوطنی کے بعد وطن کی صورت دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ دل ہی جانتا ہے۔

گوکھلے باوجود اپنی صحت کی خرابی کے مجھ سے ملنے بمبئی آئے تھے۔ ان کی تحریک سے یہاں میرا استقبال کیا گیا۔ میں دل میں یہ امید لئے ہوئے آیا تھا کہ ان کا دامن تھام لوں گا تو میرا بوجھ ہلکا ہو جائے گا مگر تقدیر کو کچھ اور منظور تھا۔

Marfat.com

چوالیسواں باب

وکالت کے زمانے کی چند قابل ذکر باتیں

ہندوستان آنے کے بعد مجھ پر جو کچھ گزری اس کا ذکر کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی افریقہ کے چند تجربے جنہیں میں نے خاص کر کے چھوڑ دیا تھا بیان کر دوں۔

میرے بعض وکیل دوستوں نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ اپنی وکالت کے زمانے کی قابل ذکر باتیں لکھوں۔ ان کی تعداد اتنی ہے کہ اگر میں لکھنے پر آؤں تو ایک مستقل کتاب بن جائے اور میں کہیں سے کہیں پہنچ جاؤں۔ اس لئے میں چند ایسے واقعات کے ذکر پر اکتفار کرتا ہوں جو تلاش حق سے متعلق ہیں۔

غالباً میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں نے اپنے پیشے میں کبھی جھوٹ بولنا گوارا نہیں کیا اور میری وکالت زیادہ تر قومی معاملات کے لئے وقف تھی۔ جس کا معاوضہ میں صرف اتنا لیتا تھا کہ جو کچھ مجھے اپنے پاس سے خرچ کرنا پڑا ہے وہ نکل آئے اور کبھی کبھی اسے بھی چھوڑ دیتا تھا۔ میرے خیال میں تو میری وکالت کے متعلق اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں مگر دوستوں کا اصرار ہے کہ کچھ اور لکھو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر میں ان موقعوں کا کچھ تھوڑا سا ذکر بھی کر دوں جہاں میں نے حق کی راہ میں استقلال دکھایا ہے تو وکیلوں کے لئے فائدے سے خالی نہ ہو گا۔

بچپن میں میں نے سنا تھا کہ وکالت میں بے جھوٹ بولے کام نہیں چل سکتا۔ مگر میں نے اس کی کوئی پروا نہیں کی کیونکہ مجھے کچھ جھوٹ بول کر دولت یا عزت کمانا تو تھا ہی نہیں۔

جنوبی افریقہ میں میرے لئے امتحان کے بہت سے موقعے آئے اکثر مجھے یہ علم ہوتا تھا کہ فریق مخالف کے وکیلوں نے گواہوں کو سکھایا پڑھایا ہے اور اگر میں بھی اپنے موکل یا اس کے گواہوں کو جھوٹ بولنے دوں تو مقدمہ جیت جاؤں گا مگر میں نے اسے کبھی جائز نہیں رکھا۔ صرف ایک بار ایک

Marfat.com

مقدمہ جیتنے کے بعد مجھے یہ شبہ ہوا کہ میرے موکل نے مجھے دھوکہ دیا۔ میں اپنے دل میں ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتا تھا کہ اگر میرا موکل حق پر نہ ہو تو میں مقدمہ ہار جاؤں۔ فیس مقرر کرتے وقت میں نے کبھی یہ شرط نہیں کی کہ اگر مقدمے میں کامیابی ہوئی تو زیادہ لوں گا۔ میرے موکل چاہے ہاریں یا جیتیں میں اپنی مقررہ فیس سے کم یا زیادہ نہیں لیتا تھا۔

میں ہر نئے موکل کو پہلے ہی جتادیتا تھا کہ مجھ سے جھوٹے مقدمے میں پیروی کرنے کی یا گواہوں کو سکھانے کی توقع نہ رکھو۔ جب اس بات کی شہرت ہو گئی تو میرے پاس جھوٹے مقدمے ہی آنا بند ہو گئے۔ بعض موکل یہ کرتے تھے کہ سچے مقدمے میرے پاس لاتے تھے اور جھوٹے مقدمے دوسروں کے پاس لے جاتے تھے۔

ایک موقع میرے لئے بڑی سخت آزمائش کا تھا۔ ایک موکل جس سے مجھے بہت سا کام ملا کرتا تھا میرے پاس ایک مقدمہ لایا جو بہت دن سے چل رہا تھا۔ یہ بہی کھاتے کا معاملہ تھا اور اس میں بڑی پیچیدگیاں تھیں۔ عدالت نے چند قابل محاسبوں کو پنچ مقرر کیا۔ انہوں نے میرے موکل کے حق میں فیصلہ کیا۔ لیکن ان کے حساب میں ایک غلطی رہ گئی یعنی ایک رقم جو خرچ کے خانے میں لکھی جانا چاہیئے تھی آمدنی کے خانے میں لکھ دی گئی۔ رقم تو چھوٹی سی تھی مگر یہ غلطی بڑی فاش تھی فریق مخالف نے محاسبوں کے فیصلے کی اپیل دوسری وجوہ کی بنا پر کیا تھا۔ اس غلطی کا اسے علم نہ تھا۔ اس مقدمے کی اصل پیروی ایک دوسرے وکیل کر رہے تھے میں ان کا مددگار تھا۔ جب انہیں اس غلطی کا علم ہوا تو انہوں نے کہا ہمیں کیا پڑی ہے کہ اس کو ظاہر کرتے پھریں وہ اس خیال کے آدمی تھے کہ وکیل کو کسی ایسی بات کا اعتراف نہ کرنا چاہیئے جو اس کے موکل کے خلاف پڑتی ہو۔ میں نے کہا کہ ہمیں یہ غلطی ظاہر کر دینا چاہیئے۔

وکیل صاحب کہنے لگے "اس صورت میں بڑا اندیشہ ہے کہیں عدالت پنچوں کے فیصلے کو منسوخ نہ کر دے۔ کوئی وکیل جس کا دماغ صحیح ہے اپنے موکل کے مقدمے کو ایسے خطرے میں نہ ڈالے گا۔ مجھ سے تو یہ ہرگز نہیں ہو گا۔ اگر پھر نئے سرے سے کارروائی شروع ہوئی تو نہ جانے ہمارے موکل کو کتنی زیر باری ہو اور مقدمے کا کیا نتیجہ ہو؟"

یہ باتیں موکل کی موجودگی میں ہو رہی تھیں۔

میں نے کہا "میرے خیال میں تو ہمیں اور ہمارے موکل کو یہ خطرہ برداشت کرنا چاہیئے۔ یہ کونسی یقینی بات ہے کہ اگر ہم اس غلطی کو ظاہر نہ کریں تو عدالت پنچوں کے فیصلے کو بحال رکھے گی اور فرض

Marfat.com

کیجئے کہ ہمارے موکل کو نقصان بھی پہنچے تو کیا ہرج ہے؟"

وکیل صاحب بولے "مگر آخر اس کی ضرورت کیا ہے کہ ہم خواہ مخواہ اس غلطی کو ظاہر کر کے مقدمہ کمزور کر دیں؟"

میں نے عرض کیا آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ عدالت کی نظر اس غلطی پر نہ پڑے گی یا فریق مخالف کو اس کا پتہ نہ چلے گا؟"

انہوں نے اس قیل و قال کو ختم کرنے کے لئے کہا "تو پھر آپ ہی جا کر مقدمے میں بحث کیجئے۔ میں آپ کی شرط ہرگز منظور نہیں کر سکتا۔"

میں نے عاجزی سے کہا "اگر موکل کی خواہش ہو تو میں بحث کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اسی شرط پر کہ غلطی کا اظہار کر دیا جائے۔ ورنہ مجھ سے اس مقدمے سے کوئی سروکار نہیں۔"

یہ کہہ کر میں نے موکل کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ دیر شش و پنج میں رہا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ مقدمہ میرا سمجھا ہوا ہے۔ اسے مجھ پر پورا اعتبار تھا اور میری طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا۔ آخر اس نے کہا۔ "اچھی بات ہے آپ بحث کیجئے اور غلطی کا اظہار کر دیجئے۔ اگر تقدیر میں ہارنا لکھا ہے تو یہ ہی سہی۔ سچ کا ساتھی خدا ہے۔"

مجھے بڑی خوشی ہوئی وکیل صاحب نے مجھے پھر سمجھایا اور میری ضد پر افسوس کیا۔ مگر اسی کے ساتھ انہوں نے مجھے مبارکباد بھی دی۔

عدالت میں جو کچھ گزری اس کا حال آئندہ باب میں ہو گا۔

Marfat.com

Marfat.com

پینتالیسواں باب

چالبازی؟

مجھے پورا یقین تھا کہ میری رائے صحیح ہے۔ البتہ اس کا بڑا کھٹکا تھا کہ مقدمے کی پیروی جیسی چاہیئے مجھ سے نہ ہو سکے گی۔ عدالت عالیہ کے سامنے ایسے پیچیدہ مقدمے میں بحث کرتے میرا دل ڈرتا تھا۔ جب میں ججوں کے سامنے گیا تو خوف سے کانپ رہا تھا۔

جیسے ہی میں نے حساب کی غلطی کا ذکر کیا ایک جج بول اٹھے۔ "کیوں مسٹر گاندھی کیا یہ چالبازی نہیں ہے؟"

یہ سن کر مجھے ایک آگ لگ گئی۔ ایسے بے بنیاد الزام کو برداشت کرنا میری طاقت سے باہر تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ جب جج پہلے ہی سے بدظن ہے تو ایسے پیچیدہ مقدمے میں کامیابی کی کیا امید ہو سکتی ہے مگر میں نے ضبط سے کام لے کر کہا۔ "مجھے تعجب ہے کہ حضور والا نے پوری بات سنے بغیر مجھ پر چالبازی کا الزام لگا دیا۔"

جج نے کہا "الزام کیسا میں نے تو ایک سوال پوچھا ہے۔"

"میرے نزدیک تو یہ سوال الزام سے کم نہیں۔ میں حضور والا سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اپنی تقریر پوری کر لینے دیجئے اس کے بعد اگر میرا قصور ثابت ہو تو مجھے ملامت کیجئے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کا قطع کلام کیا۔ آج جو کہہ رہے تھے کہئے۔"

میرے پاس صفائی کا پورا ثبوت تھا۔ اچھا ہوا کہ جج نے بحث چھیڑ دی اس کی وجہ سے عدالت شروع ہی سے میری تقریر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ میں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر معاملے کو بہت تفصیل سے سمجھایا سب ججوں نے میری بات کو غور سے سنا اور انہیں یقین آ گیا کہ پنچوں سے نادانستہ غلطی ہو گئی۔ اس لئے انہوں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ فیصلے کو سرے سے منسوخ کر کے پنچوں کی

Marfat.com

ساری محنت پر پانی پھیر دیں۔

فریق مخالف کے وکیل یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ غلطی کے ظاہر ہو جانے کے بعد زیادہ ضرورت نہ بحث کی رہے گی۔ مگر ججوں کو تو یقین ہو گیا تھا کہ غلطی محض اتفاقی ہے اور آسانی سے صحیح کی جاسکتی ہے۔ اس لئے انہوں نے ان کی تقریر پر توجہ نہ کی۔ وکیل نے بہت زور لگایا کہ فیصلے کو غلط ٹھہرائیں مگر جس جج نے ابتدا میں شبہے کا اظہار کیا تھا۔ وہ اب کھلم کھلا میری طرفداری کرنے لگا۔

اس نے پوچھا۔ "اگر مسٹر گاندھی خود غلطی کا اعتراف نہ کر لیتے تو آپ کیا کرتے؟ آپ کی نظر اس غلطی پر کیوں نہیں پڑی؟"

وکیل نے جواب دیا "ہم نے اپنی طرف سے جو محاسب مقرر کیا تھا اس سے بڑھ کر ایماندار اور قابل آدمی ہمیں نہیں مل سکتا تھا۔ جب وہ اس غلطی کو نہ پکڑ سکا تو ہم کیا کر سکتے تھے؟"

جج نے کہا "عدالت کے نزدیک آپ اپنے مقدمے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اگر آپ سوائے اس غلطی کے جو بڑے سے بڑے محاسب سے بھی ممکن ہے اور کوئی پہلو اپنے موافق نہیں نکال سکتے تو کیا عدالت کے لئے یہ مناسب ہے کہ ایک ذرا سی غلطی کے لئے فریقین کو مزید مقدمہ بازی کی زیر باری برداشت کرنے دے؟ جب اس غلطی کی تصحیح آسانی سے ہو سکتی ہے تو دوبارہ تحقیقات کا حکم کیوں دیا جائے؟"

غرض عدالت نے وکیل کا اعتراض تسلیم نہیں کیا اور یا تو خود غلطی کی تصحیح کر کے پنچوں کا فیصلہ برقرار رکھا یا انہیں ہدایت کی کہ اسے درست کر دیں مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ کیا صورت ہوئی۔

مجھے اس سے بیحد مسرت ہوئی میرا موکل اور اس کے دوسرے وکیل بھی بہت خوش ہوئے میرا یہ عقیدہ اور پختہ ہو گیا کہ دیانتداری کے ساتھ وکالت کرنا ناممکن نہیں ہے۔

مگر یہ یاد رہے کہ وکالت کے پیشے میں سچائی برتتے سے بھی اس کی بنیادی خرابیاں دور نہیں ہو سکتیں۔

Marfat.com

چھیالیسواں باب

موکل رفیق بن گئے

نٹال اور ٹرانسوال کی وکالت میں یہ فرق تھا کہ نٹال میں وکیل اور بیرسٹر مقدمے کو ترتیب بھی دے سکتے تھے اور پیروی بھی کر سکتے تھے۔ مگر ٹرانسوال میں بمبئی کی طرح یہ دونوں پیشے الگ کر دیئے گئے تھے۔ مقدمہ کی ترتیب کا کام اٹرنی (1) کرتے تھے۔ اور پیروی ایڈوکیٹ (2) بیرسٹر کو اختیار تھا کہ چاہے اٹرنی کا پیشہ اختیار کرے چاہے ایڈوکیٹ کا۔ میں نٹال کی مجلس وکلا میں ایڈوکیٹ کی حیثیت سے داخل ہوا تھا۔ مگر ٹرانسوال آ کر میں نے اٹرنی کا کام شروع کیا۔ کیونکہ ایڈوکیٹ کی حیثیت سے مجھے ہندوستانیوں سے براہ راست ملنے کا موقع نہ ملتا اور جنوبی افریقہ کے یورپی اٹرنی مجھے مقدمے بھی نہ دیتے۔

مگر ٹرانسوال میں بھی اٹرنی مجسٹریٹوں کی عدالت میں پیروی کرنے کے مجاز تھے۔ ایک بار جوہانسبرگ میں ایک مجسٹریٹ کی عدالت میں پیروی کرتے ہوئے مجھے یہ پتہ چل گیا کہ میرے موکل نے مجھے دھوکا دیا جرح میں وہ بالکل اکھڑ گیا۔ اس لئے میں نے بغیر کسی بحث کے مجسٹریٹ سے درخواست کی کہ میرے موکل کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے۔ فریق مخالف کا وکیل حیرت میں رہ گیا اور مجسٹریٹ بہت خوش ہوا۔ میں نے اپنے موکل کو بہت ملامت کی کہ تم جھوٹا مقدمہ میرے پاس کیوں لائے؟ اس نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور میرے خیال میں وہ مجھ سے اس بات پر ناراض نہیں ہوا کہ میں نے اس کے خلاف فیصلہ کرا دیا۔ بہرحال میرے اس طرز عمل سے میری وکالت کو نقصان نہیں پہنچا بلکہ میرے کام میں بڑی آسانی ہو گئی۔ ہم پیشہ لوگوں میں میری ساکھ قائم ہو گئی اور باوجود نسل کے تعصب کے ان میں سے بعض میرے دوست بن گئے۔

Marfat.com

میرا یہ بھی معمول تھا کہ اپنی جہالت کو اپنے موکلوں یا اپنے ہم چشموں سے کبھی نہیں چھپاتا تھا۔ جب کبھی کوئی مقدمہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا تو میں موکل کو یہ مشورہ دیتا تھا کہ کسی دوسرے وکیل کے پاس جائے اگر وہ مجھی کو وکیل کرنے پر مصر ہوتا تھا۔ تو میں اس کی اجازت سے کسی بڑے وکیل کو شریک کر لیتا تھا۔ اس طرز عمل کی بدولت میرے موکلوں کو مجھ سے بڑی محبت ہو گئی اور وہ مجھ پر بے حد اعتبار کرنے لگے۔ جب کسی بڑے وکیل سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ خوشی سے اس کی فیس ادا کرتے تھے۔

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ جنوبی افریقہ میں وکالت کرنے میں میرا اصل مقصد قومی خدمت کرنا تھا اس کے لئے بھی لوگوں کی نظر میں اپنا اعتبار قائم کرنا بہت ضروری تھا۔ ہندوستانیوں کی کریم النفسی کی انتہا ہے کہ میں جو کام فیس لے کر کرتا تھا اسے بھی وہ قومی خدمت سمجھتے تھے اور جب میں نے انہیں یہ رائے دی کہ اپنے حقوق کی خاطر جیل جاؤ تو وہ زیادہ تر میری محبت میں اور میرے اعتبار پر خوشی سے راضی ہو گئے۔

ان سطروں کو لکھتے وقت میرا دل ایسے بہت سے واقعات کی یاد کے مزے لے رہا ہے۔ میرے سینکڑوں موکل قومی خدمت میں میرے دست و بازو بن گئے اور ان کی بدولت وہ کانٹے جو میری راہ میں تھے پھول ہو گئے۔

Marfat.com

سینتالیسواں باب

میں نے ایک موکل کو کیونکر بچایا

اس کتاب کے پڑھنے والے پارسی رستم جی کے نام سے واقف ہو گئے ہوں گے وہ ان لوگوں میں سے تھے جو میرے موکل بھی تھے اور رفیق بھی بلکہ رفیق پہلے تھے اور موکل بعد میں بنے انہیں مجھ پر اتنا اعتبار ہو گیا کہ خانگی معاملات میں بھی میرے مشورے پر عمل کرنے لگے یہاں تک کہ دوا علاج میں بھی مجھ سے مدد لینے لگے۔ گو ہم دونوں کی طرز زندگی میں بہت فرق تھا مگر وہ بے تامل میری عطائی تدبیروں پر عمل کرتے تھے۔

ایک بار بیچارے بڑی مصیبت میں پھنس گئے۔ عموماً وہ اپنے معاملات کا ذکر مجھ سے کر دیتے تھے مگر ایک بات انہوں نے چھپا رکھی تھی۔ وہ بمبئی اور کلکتے سے بہت سامال منگواتے تھے اور اکثر چنگی سے بچا کر نکال لاتے تھے۔ چنگی کے بہت سے افسران کے دوست تھے۔ اس لئے کسی کو ان پر شبہ نہیں ہوتا تھا۔

مگر بقول گجراتی شاعر آکھو کے "کاچو پارو کھادو آن تیو دن چھے چوری نو دھن" یعنی پارہ کی طرح چوری بھی نہیں دبتی۔ ایک دن رستم جی پھنس گئے وہ دوڑے ہوئے میرے پاس آئے اور رو کر کہنے لگے۔ "بھائی، میں نے تمہیں بڑا دھوکا دیا۔ آج میری چوری پکڑی گئی۔ میں مال چنگی سے بچا کر لایا کرتا تھا۔ اب بھید کھل گیا۔ مجھ جیل جانا پڑے گا۔ ہائے میں تباہ ہو گیا۔ میرے بھائی، مجھے بچائیے۔ میں نے آپ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔ مگر ان بیوپار کے ہتھکنڈوں کا کیا ذکر کرتا۔ کاش! میں نے آپ سے کہہ دیا ہوتا۔"

میں نے انہیں دلاسا دیا اور کہا "آپ کا بچنا یا نہ بچنا خدا کے ہاتھ ہے رہا میرا اصول آپ جانتے ہیں میں آپ کو بچانے کی کوشش اسی صورت میں کر سکتا ہوں۔ کہ آپ حکام کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کر

Marfat.com

لیں۔"

یہ سن کر ان کا رنگ فق ہو گیا۔ انہوں نے پوچھا۔ "مگر میں نے آپ کے سامنے تو اقرار کر لیا، کیا یہ کافی نہیں ہے؟"

میں نے نرمی سے جواب دیا "آپ نے سرکار کی چوری کی ہے میری نہیں کی۔ پھر میرے سامنے اقرار کرنے سے کیا فائدہ؟"

رستم جی بولے:۔ "آپ جو کچھ کہیں گے وہی کروں گا۔ مگر میرے پرانے وکیل مسٹر۔۔۔۔ سے بھی تو پوچھ لیجئے۔ وہ بھی تو اپنے دوست ہیں۔"

دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ عرصے سے جاری تھا مگر جو مال پکڑا گیا وہ تھوڑا ہی سا ہے۔ ہم دونوں وکیل کے پاس گئے۔ انہوں نے کاغذات کو دیکھ کر کہا "مقدمہ جوری کے سامنے پیش ہو گا اور نٹال کی جوری سے یہ توقع نہیں کہ کسی ہندوستانی کو بری کر دے مگر پھر بھی اپنی سی کرنی چاہیئے۔"

میں ان وکیل صاحب سے اچھی طرح واقف نہیں تھا۔ پارسی رستم جی نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔ "میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مگر میں اس مقدمے کو مسٹر گاندھی کے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ یہ میرے معاملات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ جب ضرورت ہو گی یہ آپ سے مشورہ لے لیں گے۔"

وہاں سے اٹھ کر ہم دونوں رستم جی کی دوکان پر پہنچے۔ اب میں نے انہی اپنی رائے بتائی۔ "میرے خیال میں مقدمے کو عدالت تک نہیں جانے دینا چاہیئے۔ مقدمہ چلانا یا نہ چلانا چنگی کے افسر کے اختیار میں ہے اور وہ اٹرنی جنرل سے رائے لے گا۔ میں ان دونوں کے پاس چلتا ہوں۔ میری رائے میں وہ جو کچھ جرمانہ کریں۔ آپ دے دیجئے۔ غالباً وہ اس پر راضی ہو جائیں گے اگر نہ ہوئے تو آپ جیل جانے کو تیار رہیئے میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ جیل جانے میں اس قدر شرم اور ذلت نہیں جتنی جرم کے ارتکاب میں ہے۔ شرم کی جو بات تھی وہ تو ہو چکی۔ اب جیل جانے کو آپ ایک طرح کا کفارہ سمجھئے۔ مگر اصلی کفارہ یہ ہے کہ آپ آئندہ کے لئے اس حرکت سے توبہ کیجئے۔"

پارسی رستم جی کو یہ باتیں ناگوار ہوئی ہوں گی۔ وہ بڑے بہادر آدمی تھے مگر اس وقت ان کی ہمت نے جواب دے دیا تھا۔ ان کی عزت، آبرو خطرے میں تھی۔ وہ دل میں کہتے ہوں گے۔ "یہ عمارت جو میں نے بڑی محنت سے کھڑی کی ہے مسمار ہو کر بیٹھ گئی تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔"

انہوں نے کہا۔ "میں نے تو سب کچھ آپ پر ہی چھوڑ دیا ہے۔ آپ جو مناسب سمجھئے کیجئے۔"

Marfat.com

میں نے اپنی ساری شیوا زبانی اس معاملے میں صرف کر دی۔ چنگی کے افسر کے پاس جا کر میں نے اس سے سارا واقعہ صاف صاف بیان کر دیا۔ میں نے کہا کہ آپ سارے بہی کھاتے دیکھ لیجئے اور جو جرمانہ مناسب سمجھئے لے لیجئے۔ رستم جی کی حالت رحم کے قابل ہے۔ بیچارے اپنے قصور پر بے حد نادم ہیں۔"

اس نے کہا۔ "مجھے یہ بوڑھا پارسی بہت پسند ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس نے ایسی حماقت کی۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ میرا فرض اس معاملے میں کیا ہے۔ میں اٹرنی جنرل سے رائے لینے پر مجبور ہوں۔ آپ ان کو سمجھانے کی کوشش کیجئے۔"

میں نے کہا "اگر آپ معاملے کو عدالت تک نہ جانے دیں تو بڑا احسان ہو گا۔"

ان سے یہ وعدہ لے کر میں اٹرنی جنرل سے ملا۔ انہیں میری صاف گوئی پسند آئی اور یہ یقین ہو گیا کہ میں نے ان سے کوئی بات نہیں چھپائی۔

مجھے یاد نہیں کہ یہی معاملہ تھا یا کوئی اور تھا۔ جس میں انہوں نے میری صاف گوئی اور اصرار سے مجبور ہو کر کہا تھا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ آپ کبھی اپنی بات منوائے بغیر نہیں رہتے۔"

رستم جی والے مقدمے میں سمجھوتا ہو گیا۔ انہوں نے جتنے محصول کی چوری کا اقرار کیا تھا اس کا دو چند جرمانہ انہیں ادا کرنا پڑا۔

رستم جی نے سارا واقعہ لکھ کر ایک چوکھٹے میں لگایا اور اپنے دفتر میں لٹکا دیا کہ ان کے وارثوں اور دوسرے تاجروں کو عبرت ہو۔

رستم جی کے دوستوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ان کی اس عارضی ندامت سے دھوکا نہ کھائیے۔ میں نے ان سے ذکر کیا تو کہنے لگے۔ "آپ کو دھوکا دے کر میں جاؤں گا کہاں؟"

Marfat.com

Marfat.com

حصہ پنجم

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب

پہلا تجربہ

ہم وطن پہنچے تو فینکس والے وہاں پہلے سے موجود تھے۔ میرا قصد ان سے پہلے پہنچنے کا تھا مگر جب میں انگلستان میں لڑائی کے بکھیڑے میں پڑ گیا۔ اور میری واپسی کا کچھ ٹھیک نہ رہا تو مجھے یہ فکر پیدا ہوئی کہ ہندوستان میں ان لوگوں کے قیام کا کیا انتظام ہو گا۔ میں چاہتا تھا کہ جہاں تک ہو سکے یہ سب رہیں اور وہی پرانی زندگی بسر کریں۔ میری نظر میں کوئی ایسا آشرم نہیں تھا جہاں یہ رہ سکیں اس لئے میں نے انہیں تار دے دیا کہ مسٹر اینڈریوز سے مل کر ان کی رائے پر عمل کریں۔

چنانچہ پہلے یہ لوگ کانگڑی کے گرد کل میں گئے۔ جہاں سوامی شردھانند نے انہیں اپنے بچوں کی طرح رکھا اس کے بعد شانتی نکتین کے آشرم میں نگور اور ان کے رفیقوں کے سایہ عاطفت میں رہے۔

دونوں جگہ رہ کر انہوں نے جو تجربہ حاصل کیا وہ میرے لئے اور ان کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔

میں اینڈریوز سے کہا کرتا تھا کہ آپ کی تثلیث مہا کوی نگور پرنسپل سوشیل ردرا اور شردھانند جی پر مشتمل ہے۔ جنوبی افریقہ میں ہمیشہ ان تینوں کی تعریف کیا کرتے تھے۔ ان کی باتیں اب تک میرے دل پر نقش ہیں اور ان کی یاد بہت خوشگوار ہے۔

شانتی نکتین میں اینڈریوز نے فنیکس والوں کو سوشیل ردرا کے سپرد کر دیا۔ پرنسپل ردرا کا کوئی آشرم نہیں تھا ایک گھر تھا جو انہوں نے فنیکسن کے خاندان کو دے دیا۔

شانتی نکتین والے ان سے اس طرح گھل مل گئے کہ ان کے دل سے فنیکسن کی یاد جاتی رہی۔

مجھے بمبئی پہنچ کر معلوم ہوا کہ فنیکس والے شانتی نکتین میں ہیں، مجھے یہ بے تابی تھی کہ گوکھلے کی زیارت کرنے کے بعد جتنی جلدی ہو سکے ان سے جا ملوں۔ بمبئی میں میرے استقبال میں اس قدر اہتمام ہوا کہ مجھے چھوٹی سی ستیہ گرہ کرنا پڑی۔

Marfat.com

مسٹر جہانگیر پیٹٹ کے گھر پر جو پارٹی مجھے دی گئی اس میں میری ہمت نہ پڑی کہ گجراتی میں تقریر کروں۔ اس عالیشان محل میں میرا جیسا شخص، جس کی زندگی کا اکثر حصہ پابند مزدوروں کی صحبت میں گزرا تھا بالکل گنوار معلوم ہوتا تھا۔ میں ان دنوں کاٹھیاواڑی انگرکھا پہنتا تھا، اور پگڑی اور دھوتی باندھتا تھا۔ اس وضع میں میں آج کل کے مقابلے میں زیادہ مہذب نظر آتا تھا لیکن مسٹر پیٹٹ کے محل کی شان و شوکت میں کیسے کھپ سکتا تھا۔ بہرحال میں نے سر فیروز شاہ مہتا کا سہارا لے کر کسی طرح کام چلایا۔

اس کے بعد گجراتیوں کے جلسے میں جانا پڑا۔ یہ جلسہ آنا تل ترویدی آنجہانی کے اہتمام میں کیا گیا تھا۔ میں نے اس کا پروگرام پہلے سے معلوم کر لیا تھا۔ مسٹر جناح جو گجراتی ہیں وہاں موجود تھے۔ مگر یہ یاد نہیں کہ وہ جلسے کے صدر تھے یا اس کے ترجمان، انہوں نے انگریزی میں ایک اعلیٰ درجے کی چھوٹی سی تقریر کی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اکثر تقریریں انگریزی میں ہوئیں۔ جب میری باری آئی تو میں نے گجراتی میں حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ میں نے کہا کہ میں گجراتی اور ہندوستانی کو انگریزی پر ترجیح دیتا ہوں اور عاجزی کے ساتھ اس بات کی شکایت کرتا ہوں کہ گجراتیوں کے مجمعے میں تقریریں انگریزی میں کی گئیں۔ یہ بات میں نے ڈرتے ڈرتے کہی تھی کہ کہیں ایک نئے آدمی کا جو مدت تک جلاوطن رہنے کے بعد گھر لوٹا ہے۔ عام رواج پر اعتراض کرنا خلاف تہذیب نہ سمجھا جائے۔ مگر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ لوگوں نے میرے اعتراض کو چپ چاپ سن لیا۔

اس سے میری ہمت بندھ گئی اور میرے دل میں یہ امید پیدا ہو گئی کہ مجھے اپنے انوکھے خیالات اپنے ہموطنوں کے سامنے پیش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔

چند دن بمبئی ٹھہر کر، میں ان پہلے تجربوں کے نشے میں سرشار، گوکھلے سے ملنے پونا روانہ ہو گیا۔

Marfat.com

گوکھلے کے ساتھ پونا میں

جیسے ہی میں بمبئی میں داخل ہوا گوکھلے کا پیغام پہنچا کہ گورنر تم سے ملنا چاہتے ہیں پونا آنے سے پہلے ان سے مل لو چنانچہ میں بزاکسی لینسی کی خدمت میں حاضر ہوا پہلے ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد انہوں نے فرمایا۔

"میں آپ سے ایک بات کا وعدہ لینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ جب کبھی کوئی ایسی تجویز سوچیں جس کا تعلق گورنمنٹ سے ہو تو مجھ سے ضرور مل لیا کریں۔"

میں نے جواب دیا۔ "مجھے یہ وعدہ کرنے میں کوئی تامل نہیں۔ میں ستیاگرہی ہوں۔ میرا تو یہ اصول ہی ہے کہ اپنے مخالفوں کے خیالات کو سمجھنے کی کوشش کروں اور ان میں جو باتیں مجھے معقول نظر آئیں مان لوں جنوبی افریقہ میں میں نے ہمیشہ اس کی پابندی کی اور یہاں بھی کروں گا۔"

لارڈ ولنگڈن نے میرا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ "آپ کا جب جی چاہے میرے پاس چلے آیا کیجئے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ میری گورنمنٹ جان بوجھ کر برائی نہیں کرنا چاہتی۔"

میں نے اس کے جواب میں عرض کیا۔ "اسی عقیدے کی بدولت میری ہمت بندھی ہوئی ہے۔"

اس کے بعد میں پونا گیا۔ ان مبارک دنوں کے بہت سے واقعات مجھے یاد ہیں۔ مگر ان سب کو یہاں بیان نہیں کر سکتا۔ گوکھلے اور انجمن خدام ہند کے ممبروں نے مجھے محبت کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے گوکھلے نے کل ممبروں کو مجھ سے ملانے کے لئے بلایا تھا میں نے ان سے ہر قسم کے موضوع پر آزادی سے گفتگو کی۔

گوکھلے دل سے چاہتے تھے کہ میں انجمن کا ممبر بن جاؤں اور میری بھی یہی آرزو تھی مگر ممبروں کا یہ خیال تھا کہ میرے اور ان کے نصب العین اور طریق کار میں بہت فرق ہے۔ اس لئے میرا انجمن میں شامل ہونا مناسب نہیں۔

Marfat.com

گوکھلے کو میرے متعلق یقین تھا کہ گو میں اپنے اصول کا سختی سے پابند ہوں مگر ان لوگوں سے، جن کا عقیدہ میرے عقیدے سے مختلف ہو، رواداری برت سکتا ہوں۔

انہوں نے مجھ سے کہا۔ "مشکل یہ ہے کہ انجمن کے ممبروں کو ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہوا کہ تمہاری طبیعت میں سازگاری کی کتنی صلاحیت ہے۔ یہ لوگ اپنے اصول کے پکے ہیں اور اپنی رائے میں آزاد ہیں مجھے امید ہے کہ یہ تمہیں ممبر بنانے پر راضی ہو جائیں گے۔ لیکن اگر نہ بھی ہوں تو تم یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ ان کے دل میں تمہاری وقعت اور محبت نہیں۔ انہیں زیادہ تامل اسی لئے ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اختلاف رائے کی وجہ سے تمہارا احترام ان کی نظر میں کم ہو جائے مگر چاہے تم باضابطہ ممبر بنائے جاؤ یا نہ بنائے جاؤ میں تو تمہیں ممبر سمجھوں گا۔"

میں نے ان سے کہا کہ میرا ارادہ ہے خواہ میں انجمن میں داخل کیا جاؤں یا نہ کیا جاؤں دونوں صورتوں میں اپنا ایک الگ آشرم گجرات کے کسی حصے میں قائم کروں۔ کیونکہ میں گجراتی ہوں اور مجھے اسی میں آسانی ہے کہ گجرات کی خدمت کے ذریعے سے ہندوستان کی خدمت کروں۔

گوکھلے کو یہ تجویز پسند آئی۔ انہوں نے کہا "تم آشرم ضرور قائم کرو۔ انجمن کے ممبروں سے تم سے کوئی سمجھوتہ ہو یا نہ ہو، میں تمہارے آشرم کو اپنا آشرم سمجھوں گا اور اس کا کل خرچ دوں گا۔"

میں خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا تھا کہ چندہ جمع کرنے کی ذمہ داری سے آزاد رہوں اور مجھے یہ اطمینان رہے کہ سب کچھ مجھی کو نہیں کرنا ہے بلکہ ایک رہنما موجود ہے جو مشکلوں میں میری مدد کرے گا۔ گوکھلے کے اس وعدے سے میرے دل سے بڑا بوجھ ہٹ گیا۔

انہوں نے ڈاکٹر دیو آنجہانی کو بلا کر حکم دیا کہ انجمن کے کھاتے میں ان کا حساب کھول دیا جائے اور انہیں آشرم کے اور قومی کاموں کے لئے جتنے روپے کی ضرورہو دے دیا جائے۔"

اب میں نے شانتی نکیتن جانے کی تیاری کی۔ میری روانگی سے ایک دن پہلے گوکھلے نے اپنے خاص دوستوں کی چائے کی دعوت کی۔ میرے خیال سے انہوں نے میری پسند کی چیز یعنی خشک اور تر میوہ منگوایا۔ یہ پارٹی ان کے کمرے سے چند ہی قدم کے فاصلے پر ہوئی مگر ان میں وہاں تک جانے کی طاقت نہیں تھی پھر بھی میری محبت انہیں وہاں تک کھینچ لائی۔ آنے کو تو وہ آگئے مگر اتنی تکان ہوئی کہ انہیں غش آگیا اور لوگ انہیں اٹھا کر لے گئے۔ یہ غشی کے دورے انہیں اکثر ہوا کرتے تھے۔ اس لئے جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ پارٹی میں دیر نہ کی جائے۔

یہ پارٹی چند دوستوں کا مجمع تھا جو انجمن کے مہمان خانے کے سامنے زیر آسمان بیٹھے گپ شپ کر

Marfat.com

رہے تھے اور بیچ بیچ میں مونگ پھلی کھجوریں اور موسمی پھل کھاتے جاتے تھے۔

مگر یہ غشی کا دورہ میری زندگی میں ایک بڑے انقلاب کا پیش خیمہ تھا۔

حوالہ

1- Servants of India Society

Marfat.com

Marfat.com

تیسرا باب

کیا یہ دھمکی تھی؟

پونا سے میں راجکوٹ اور پور بندر گیا جہاں مجھے اپنی بھاوج اور دوسرے عزیزوں سے ملنا تھا۔ جنوبی افریقہ کے ستیاگرہ کے زمانے میں میں نے اپنی وضع "پابند مزدوروں" کی سی بنالی تھی اور انگلستان میں بھی گھر کے اندر یہی کپڑے پہنتا تھا۔ بمبئی میں جہاز سے اترنے سے پہلے میں نے کاٹھیاواری لباس پہن لیا تھا۔ یعنی کرتا، انگرکھا، دھوتی، پگڑی اور گلے میں آزاد دوپٹہ۔ یہ سب چیزیں سودیشی تھیں مگر چونکہ مجھے بمبئی سے تیسرے درجے میں سفر کرنا تھا اس لئے میں نے انگرکھے اور دوپٹے کو خیرباد کہی اور پگڑی کی جگہ ایک آٹھ، دس آنے کی کشمیری ٹوپی سر پر رکھ لی۔ اس وضع میں جو شخص مجھے دیکھتا وہ غریب آدمی سمجھتا۔

اس زمانے میں طاعون پھیلا ہوا تھا اور ویرام گام یا ودھوان میں تیسرے درجے کے مسافروں کا ڈاکٹر معائنہ کیا جاتا تھا مجھے خفیف سی حرارت تھی۔ انسپکٹر نے یہ دیکھ کر میرا نام لکھ لیا اور مجھ سے کہا کہ تم راجکوٹ کے میڈیکل افسر کے پاس حاضر ہو جانا۔

شاید کسی شخص نے یہ اطلاع دے دی تھی کہ میں ودھوان اسٹیشن سے گزروں گا کیونکہ موتی لال درزی جو وہاں کے مشہور قومی کارکن تھے مجھ سے ملنے اسٹیشن پہنچے۔ انہوں نے ویرام گام کے حالات سنائے کہ وہاں ریل کے مسافروں کو کیسی کیسی تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں، میری طبیعت بخار کے سبب سے باتیں کرنے کو نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے میں نے گفتگو کو مختصر کرنے کے خیال سے پوچھا۔ "تم لوگ جیل جانے کو تیار ہو؟" میں سمجھتا تھا کہ موتی لال ان جلد باز نوجوانوں میں سے ہیں جو بے سمجھے بوجھے جو جی میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہیں مگر یہ بات نہیں تھی انہوں نے استقلال کے لہجے میں جواب دیا۔

"بیشک ہم تیار ہیں بشرطیکہ آپ ہماری رہنمائی کریں۔ ہم کاٹھیاواڑیوں کا آپ پر جتنا حق ہے کسی کا نہیں اس وقت ہم آپ کو روکنا نہیں چاہتے۔ مگر آپ یہ وعدہ کر لیجئے کہ واپسی میں یہاں ضرور

Marfat.com

ٹھہریں گے۔ آپ ہمارے یہاں کے نوجوانوں کا جوش اور ان کا کام دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور آپ جو حکم دیں گے اس کی فوراً تعمیل ہوگی۔"

موتی لال نے میرے دل میں جگہ کر لی۔ ان کے ساتھی نے ان کی تعریف میں کہا۔ "میرے دوست ہیں تو درزی مگر اپنے فن میں اس قدر ماہر ہیں کہ ایک گھنٹہ روز کام کر کے پندرہ روپیہ مہینہ کما لیتے ہیں جو ان کے خرچ کے لئے کافی ہے اور باقی وقت قومی خدمت میں صرف کرتے ہیں۔ ہم پڑھے لکھے لوگ انہیں اپنار ہنما سمجھتے ہیں۔ ان کا خلوص اور ایثار دیکھ کر ہمیں اپنے اوپر شرم آتی ہے۔"

آگے چل کر میرا موتی لال سے بہت سابقہ رہا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ اس تعریف میں ذرا بھی مبالغہ نہیں تھا۔ انہوں نے یہ معمول کر لیا کہ ہمارے نئے آشرم میں ہر مہینے چند روز کے لئے آتے تھے۔ ہم لوگوں کے کپڑے سیتے تھے اور ہمیں درزی کا کام سکھاتے تھے۔

وہ ہمیشہ ویرام گام کے حالات سنایا کرتے تھے اور مسافروں کی تکلیفوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ یہ صدمہ ان سے کسی طرح برداشت نہیں ہوتا تھا۔ کچھ دن کے بعد وہ دفعتاً بیمار پڑے اور عین جوانی میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ودھوان کی قومی زندگی کو ان کی وفات سے بڑا نقصان پہنچا۔

غرض میں راجکوٹ پہنچ گیا اور دوسرے دن صبح کو میڈیکل افسر کے پاس حاضر ہوا وہاں لوگ مجھ سے واقف نہیں تھے۔ ڈاکٹر صاحب بہت شرمندہ ہوئے اور انہی انسپکٹر پر بڑا غصہ آیا ان کی یہ خفگی بیجا تھی کیونکہ انسپکٹر نے تو اپنا فرض ادا کیا تھا۔ وہ مجھے نہیں جانتا تھا اور اگر جانتا بھی ہوتا تو اسے یہی کرنا چاہیئے تھا۔ میڈیکل افسر نے بڑے اصرار سے مجھے دوبارہ اس کے پاس جانے سے روکا اور ایک دوسرے انسپکٹر کو میرے گھر پر بھیج دیا۔

ایسے موقعوں پر تیسرے درجے کے مسافروں کا طبی معائنہ حفظان صحت کے لحاظ سے ضروری ہے۔ اگر بڑے آدمی تیسرے درجے میں سفر کریں تو انہیں خود بخود ان تمام ضابطوں کی پابندی کرنا چاہیئے جو غریبوں کے لئے مقرر ہیں اور سرکاری ملازموں کو غریب اور امیر میں فرق نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر میرا تجربہ یہ ہے کہ سرکاری ملازم تیسرے درجے کے مسافروں کو اپنا ہم جنس نہیں بلکہ بھیڑ، بکری سمجھتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ حقارت سے گفتگو کرتے ہیں اور انہیں یہ برداشت نہیں کہ کوئی ان کی بات کا جواب دے یا ان سے بحث کرے بیچارے مسافر نوکروں کی طرح ان کی اطاعت کرتے ہیں اور یہ بے تکلف انہیں مار پیٹتے ہیں ان سے ڈرا دھمکا کر روپیہ اینٹھتے ہیں اور انہیں ٹکٹ تک رلا رلا کر دیتے ہیں۔ چاہے ان کی گاڑی کیوں نہ چھوٹ جائے۔ یہ سب باتیں میں نے اپنی آنکھ سے دیکھی ہیں۔ ان کی اصلاح کی

Marfat.com

صرف یہی صورت ہے کہ چند تعلیم یافتہ اور دولت مند لوگ غریبوں کی وضع اختیار کر کے تیسرے درجے میں سفر کیا کریں اگر ان کے ساتھ غریبوں کے مقابلے میں کوئی رعایت کی جائے تو قبول نہ کریں اور جس تکلیف، بدسلوکی، بے انصافی کا دور کرنا ممکن ہو اسے چپ چاپ سہنے کے بجائے اس کے خلاف احتجاج کریں۔

میں کاٹھیاوار میں جہاں کہیں گیا میں نے یہی شکایت سنی کہ ویرام گام میں چنگی والے مسافروں کو بہت دق کرتے ہیں اس لئے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ لارڈ ولنگڈن کی فرمائش سے فائدہ اٹھاؤں۔ اس مسئلے کے متعلق جتنا مواد مل سکا میں نے جمع کیا اور اس کو غور سے پڑھا جب مجھے یقین ہو گیا کہ لوگوں کی شکایتیں بجا ہیں تو میں نے حکومت بمبئی سے خط و کتابت شروع کی۔ میں لارڈ ولنگڈن کے پرائیویٹ سیکرٹری سے ملا اور خود ہزا کسلینسی کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ موصوف نے ہمدردی کا اظہار کیا۔ لیکن اس معاملے میں اپنی مجبوری ظاہر کر کے دہلی کے حکام کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ انہوں نے کہا۔ "اگر ہمارے اختیار کی بات ہوتی تو ہم کب کے اس چوکی کو اٹھا چکے ہوتے آپ حکومت ہند سے درخواست کیجئے۔"

میں نے حکومت ہند کو لکھا لیکن سوائے خط کی رسید کے کوئی جواب نہیں ملا۔ بہت دنوں بعد جب مجھے لارڈ چیمفورڈ سے ملنے کا اتفاق ہوا تب جا کر شنوائی ہوئی میں نے ان سے سارے واقعات بیان کئے تو انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ انہیں اس معاملے کی خبر تک نہیں کی گئی تھی انہوں نے میری گفتگو بہت غور سے سنی فوراً ٹیلیفون کر کے ویرام گام کے کاغذات منگوائے اور مجھ سے وعدہ کیا کہ اگر چنگی کا محکمہ کوئی معقول وجوہ پیش نہ کر سکا تو اس چنگی کو منسوخ کر دیں گے چند روز کے بعد میں نے اخباروں میں پڑھا کہ ویرام گام کی چنگی کی چوکی اٹھا دی گئی۔

اس واقعے کو میں نے ہندوستان میں ستیاگرہ کا آغاز سمجھا۔ کیونکہ جب میں گورنر بمبئی کے سیکرٹری سے ملا تھا تو انہوں نے اس بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا کہ میں نے اپنی بگیسرا (1) کی تقریر میں ستیاگرہ کا ذکر کیا۔

انہوں نے پوچھا تھا "کیا یہ دھمکی نہیں ہے؟ کیا آپ کے خیال میں ایک با اقتدار حکومت ان دھمکیوں سے دب جائے گی؟"

میں نے اس کے جواب میں کہا تھا یہ دھمکی نہیں ہے یہ عوام کو سیاسی تعلیم دینے کا ایک طریقہ ہے۔ میرا فرض ہے کہ ملک کے سامنے وہ تمام جائز تدبیریں پیش کر دوں جن سے رعایا اپنی شکایتوں کو دور کرا سکتی ہے جو قوم اپنے حقوق حاصل کرنا چاہتی ہے اسے آزادی کے کل طریقے معلوم ہونا چاہئیں

Marfat.com

عموماً ایسی صورتوں میں مجبور ہو کر تشدد سے کام لینا پڑتا ہے۔ مگر ستیاگرہ ایسا حربہ ہے جسے تشدد سے کوئی سروکار نہیں میں لوگوں کو یہ بتانا اپنا دھرم سمجھتا ہوں کہ اس حربے کو کیسے اور کس حد تک استعمال کرنا چاہیئے۔ میں جانتا ہوں کہ برطانوی حکومت بڑا اختیار رکھتی ہے مگر مجھے یہ بھی یقین ہے کہ ستیاگرہ میں بہت بڑی قوت ہے۔

اس پر مدبر سیکرٹری نے شبہہ کے انداز میں سر ہلا کر کہا تھا۔ "خیر، یہ بھی دیکھ لیں گے۔"

حوالہ

1 - کاٹھیاواڑ کا ایک مقام

Marfat.com

چوتھا باب

شانتی نکیتن

راجکوٹ سے میں شانتی نکیتن گیا وہاں کے استاد اور طالب علم مجھ سے بڑی محبت سے پیش آئے۔ میرے استقبال میں جو سامان کیا گیا۔ وہ آرائش، سادگی اور خلوص کا خوشنما مجموعہ تھا یہاں مجھے اپنی عمر میں پہلی بار کاکا صاحب کلیلکر سے ملنے کا اتفاق ہوا۔

میں اس وقت یہ نہیں جانتا تھا کہ کلیلکر کا لقب کاکا صاحب کیوں ہے، آگے چل کر معلوم ہوا کہ میرے دوست کیشوراد جی دیشپانڈے نے جو انگلستان میں میرے ساتھ تھے بڑودے میں گنگاناتھ دویالا کے نام سے ایک اسکول قائم کیا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ سب استاد، شاگرد ایک خاندان کے لوگوں کی طرح مل جل کر رہیں۔ اس لئے انہوں نے استادوں کے لقب رشتوں کے نام پر رکھے تھے۔ کلیلکر اس اسکول میں پڑھایا کرتے تھے۔ اس لئے یہ کاکا صاحب (چچا جان) کہلانے لگے۔ پھڈکے کا لقب "ماما" (ماموں جان) اور ہری شرما کا "انا" (بھائی جان) تھا اور استاد بھی اسی طرح کے ناموں سے پکارے جاتے تھے۔ مثلاً انند انند جو کاکا صاحب کے دوست تھے "سوامی" اور پٹوردھن جو "ماما" کے دوست تھے "آپا" کہلاتے تھے۔ یہ سب لوگ آگے چل کر یکے بعد دیگرے میرے رفیق بن گئے۔ خود دیشپانڈے جی "صاحب" کہے جاتے تھے۔ جب یہ اسکول ٹوٹ گیا تو خاندان کے لوگ منتشر ہو گئے۔ مگر انہوں نے اپنے لقب اور آپس کے روحانی رشتے بدستور قائم رکھے۔

کاکا صاحب مختلف تعلیمی اداروں کا تجربہ حاصل کرنے کے لئے سفر کر رہے تھے۔ جس زمانے میں میں شانتی نکیتن گیا۔ اتفاق سے وہیں موجود تھے اور ان کے ساتھ ان کی برادری کے اور شخص چنتامن شاستری بھی تھے۔ یہ دونوں وہاں سنسکرت پڑھاتے تھے۔

Marfat.com

فینکس والے شانتی نکیتن میں ایک علیحدہ مکان میں رکھے گئے تھے۔ ان کے سرگردہ گمن لال گاندھی یہاں بھی سختی کے ساتھ فینکس آشرم کے ضابطوں کی پابندی کراتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنی محبت، قابلیت اور متعدی کا سکہ سارے شانتی نکیتن پر بٹھادیا ہے۔

وہاں اینڈریوز بھی تھے اور پیرسن بھی۔ بنگالی استادوں میں سے ہمارا زیادہ میل جول جگدانند بابو، نیپال بابو، سنتوش بابو، کھتی موہن بابو، ناگن بابو، شاردا بابو اور کالی بابو سے تھا۔

میں حسب معمول بہت جلد یہاں کے استادوں اور طالب علموں میں گھل مل گیا اور میں نے ان سے اپنا کام آپ کرنے کے مسئلے پر بحث چھیڑ دی۔ میں نے استادوں سے کہا کہ اگر آپ اور آپ کے شاگرد اپنا کھانا تنخواہ دار باورچیوں سے نہ پکوائیں بلکہ خود پکائیں تو آپ لڑکوں کی جسمانی اور اخلاقی صحت کے نقطہ نظر سے باورچی خانے کی نگرانی کر سکیں گے اور لڑکوں کو اپنی مدد آپ کرنے کی تربیت ملے گی۔ ان میں سے دو ایک نے شبہہ کے انداز میں سر ہلایا۔ بعض نے اس تجویز کو بہت پسند کیا۔ لڑکوں نے بڑے جوش و خروش سے اس کی تائید کی کیونکہ ان کو تو نئی باتوں کا شوق ہوتا ہی ہے۔ غرض ہم نے یہ تجربہ شروع کر دیا۔ میں نے مہاکوی ٹگور سے درخواست کی کہ آپ بھی اس معاملے میں رائے دیجئے۔ تو انہوں نے فرمایا اگر استاد راضی ہوں تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ لڑکوں سے انہوں نے کہا۔ "یہی چیز سوراج کی کنجی ہے۔"

پیرسن سے اس تجربے کو کامیاب بنانے کے لئے بڑی محنت کی انہیں اس میں بیحد جوش اور انہماک تھا۔ استادوں اور شاگردوں کے چھوٹے چھوٹے حلقے بنائے گئے اور ان میں سارا کام تقسیم کر دیا گیا۔ کچھ لوگ ترکاری چھیلتے تھے۔ کچھ غلہ بینتے اور پھٹکتے تھے۔ ناگن بابو اور ان کے ساتھیوں نے باورچی خانے وغیرہ کی صفائی کا ذمہ لیا۔ انہیں ہاتھ میں پھاوڑا لئے کام کرتے دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی تھی۔

لیکن ہوا سو لڑکوں اور ان کے استادوں کو جسمانی محنت کا عادی بنانا سہل نہ تھا۔ روز جھگڑے ہوا کرتے تھے۔ بعض لوگ تھوڑے ہی دن میں تھک گئے۔ مگر پیرسن ہمت ہارنے والے اسامی نہ تھے۔ جب دیکھئے کشادہ روی سے کوئی نہ کوئی کام کرتے نظر آتے تھے۔ بڑے برتنوں کا مانجنا انہوں نے اپنے ذمے رکھا تھا۔ جب برتن مانجے جاتے تو چند طالب علم بیٹھ کر ستار بجاتے کہ مانجنے والوں کو یہ کٹھن کام کھلنے نہ پائے غرض سب اپنے اپنے کام میں منہمک رہتے تھے اور شانتی نکیتن شہد کی مکھیوں کا چھتا بن گیا تھا۔

ایسے کاموں کا سلسلہ جب شروع ہوتا ہے تو اس میں نئی نئی شاخیں نکل آتی ہیں۔ فینکس والے

Marfat.com

بھی اپنا کھانا خود پکاتے تھے مگر ان کی غذا بالکل سادہ تھی۔ مسالہ نام کو بھی نہیں پڑتا تھا۔ چاول، دال، ترکاری، گیہوں کا آٹا سب چیزیں ملا جلا کر بھاپ کے چولہے میں پکائی جاتی تھیں۔ شانتی نکیتن کے بعض لڑکوں نے بھی بنگالی غذا میں اصلاح کرنے کے لئے اس قسم کا کھانا پکانا شروع کیا۔ وہ ایک استاد اور چند لڑکے مل کر یہ تجربہ کرتے تھے۔

یہ کارخانہ زیادہ دن نہ چل سکا۔ مگر میرے خیال میں اس تھوڑے عرصے میں شانتی نکیتن کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہی پہنچا۔ استادوں کو جو تجربے ہوئے وہ بیکار نہیں کہے جاسکتے۔

میرا ارادہ تھا کہ ابھی کچھ دن شانتی نکیتن میں ٹھہروں مگر تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مجھے یہاں آئے ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا کہ پونا سے تار آیا کہ گوکھلے کا انتقال ہوگیا۔ سارے شانتی نکیتن پر اداسی چھا گئی سب لوگ میرے پاس تعزیت کے لئے آئے۔ آشرم کے مندر میں ماتمی جلسہ کیا گیا۔ بڑا دلدوز منظر تھا۔ میں اسی دن اپنی بیوی اور مگن لال کو ساتھ لے کر پونا چلا گیا اور لوگ شانتی نکیتن میں رہے۔ اینڈریوز مجھے پہنچانے بردوان تک آئے۔ انہوں نے اثنائے گفتگو میں مجھ سے پوچھا۔ "کیا آپ کے خیال میں کبھی ہندوستان میں بھی ستیاگرہ کا وقت آئے گا؟ اور اگر آئے گا تو کب آئے گا؟" میں نے کہا۔ "اس کا جواب مشکل ہے۔ ایک سال تک میں کچھ نہیں کر سکتا۔ گوکھلے نے مجھ سے وعدہ لے لیا تھا۔ کہ ایک سال تک ہندوستان میں تجربہ حاصل کرنے کے لئے سفر کروں گا اور اس عرصے میں قومی معاملات پر کوئی رائے ظاہر نہیں کروں گا۔ بلکہ میں ایک سال گزرنے کے بعد ہی اپنی رائے کے اظہار میں جلدی نہیں کرنا چاہتا میرے خیال میں ابھی پانچ برس ستیاگرہ کا امکان نہیں۔"

اسی سلسلے میں یہ بھی کہہ دوں کہ گوکھلے میری کتاب "ہند سوراج" کے بعض خیالات پر ہنسا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے۔ "ایک سال ہندوستان میں رہنے کے بعد تمہارے خیالات خود بخود راہ پر آجائیں گے۔"

Marfat.com

Marfat.com

پانچواں باب

تیسرے درجے کے مسافروں کی مصیبت

بردوان میں ہمیں اس مصیبت کا سامنا ہوا جو تیسرے درجے کے مسافروں کو ٹکٹ لینے تک میں بھگتنا پڑتی ہے جب میں نے ٹکٹ مانگا تو جواب ملا۔ "تیسرے درجے کے ٹکٹ گاڑی آنے سے اتنے پہلے نہیں بٹتے" میں اسٹیشن ماسٹر کے پاس گیا۔ اول تو اسے ڈھونڈھنے ہی میں بڑی مشکل ہوئی خدا خدا کر کے ملا تو اس نے بھی وہی جواب دیا۔ ٹکٹ گھر کی کھڑکی کھلتے ہیں میں وہاں پہنچا۔ مگر مسافروں کی وہ ریل پیل تھی کہ ٹکٹ لینا سہل نہ تھا۔ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کا معاملہ تھا۔ ہٹے کٹے لوگ جنہیں دوسروں کا مطلق خیال نہ تھا مجھے دھکیل کر ٹکٹ لے لیتے تھے۔ پہلے گروہ میں جتنے لوگ تھے ان سب کے بعد مجھے ٹکٹ ملا۔

اب گاڑی آئی اس میں گھس پیٹھ کر بیٹھنا ٹکٹ لینے سے بھی زیادہ دشوار تھا اندر کے اور باہر کے مسافروں میں خوب گالی گلوچ، دھکم دھکا ہو رہی تھی۔ ہم کئی بار دوڑتے ہوئے اس سرے سے اس سرے تک گئے مگر سب کو یہی جواب ملا۔ "یہاں بالکل جگہ نہیں ہے" میں نے گارڈ سے کہا۔ اس نے جواب دیا جہاں جگہ ملے بیٹھ جاؤ ورنہ دوسری گاڑی سے چلے جانا۔"

میں نے ادب سے کہا مجھے بڑا ضروری کام ہے۔ مگر اسے میری بات سننے کی فرصت نہ تھی۔ میرے ہاتھ پیر پھول گئے۔ میں نے مگن لال سے کہا۔ جہاں ہو سکے بیٹھ جاؤ اور میں اپنی بیوی کو لے کر ڈیوڑھے درجے میں بیٹھ گیا۔ گارڈ نے ہمیں بیٹھتے دیکھ لیا تھا۔ اسنول کے اسٹیشن پر وہ زائد کرایہ وصول کرنے پہنچا۔ میں نے اس سے کہا۔

"آپ کا فرض تھا کہ ہمیں جگہ دیتے۔ ہمیں کہیں جگہ نہیں ملی۔ اس لئے اس درجے میں بیٹھ گئے۔ اگر آپ ہمیں تیسرے درجے میں بٹھا سکیں تو ہم خوشی سے چلنے کو تیار ہیں۔"

Marfat.com

اس نے جواب دیا۔ "بس زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں تیسرے درجے میں جگہ نہیں دے سکتا۔ کرایہ دینا ہے تو دو ورنہ گاڑی سے اتر جاؤ۔"

مجھے کسی نہ کسی طرح پونا پہنچنا تھا۔ اس لئے میں گارڈ سے لڑنے کے لئے تیار نہیں تھا میں نے چپ چاپ پونا تک کا زائد کرایہ دے دیا مگر یہ بے انصافی مجھے بہت ناگوار ہوئی۔

صبح کو ہم مغلسرائے پہنچے۔ مگن لال گھس پیٹھ کر تیسرے درجے میں بیٹھ گئے تھے۔ میں بھی اسی میں چلا گیا۔ میں نے ٹکٹ ایگزامنر سے اس بات کا سرٹیفکیٹ مانگا کہ میں مغلسرائے سے تیسرے درجے میں بیٹھا ہوں۔ اس نے انکار کر دیا۔ بعد میں میں نے ریل کے اعلیٰ افسر کو درخواست دی۔ وہاں سے جواب ملا۔ "ہم بغیر سرٹیفکیٹ کے زائد کرایہ واپس نہیں دیا کرتے مگر آپ کے ساتھ خاص رعایت کی جاتی ہے۔ تاہم بردوان سے مغلسرائے تک کا زائد کرایہ واپس نہیں ہو سکتا۔"

اس کے بعد مجھے تیسرے درجے کے سفر کے ایسے ایسے تجربے ہوئے کہ اگر لکھنے پر آؤں تو ایک مستقل کتاب ہو جائے مگر یہاں میں جا بجا سرسری طور پر ایک آدھ واقعہ بیان کرنے پر اکتفا کروں گا مجھے اس کا افسوس ہے اور ہمیشہ رہے گا کہ جسمانی کمزوری کے سبب سے مجھے تیسرے درجے میں سفر کرنا چھوڑنا پڑا۔

اس میں شک نہیں کہ تیسرے درجے کے مسافروں کی تکلیفوں کا بڑا سبب ریل کے ملازموں کی بیجا سختی ہے۔ مگر خود مسافروں کی بدتمیزی غلاظت، خود غرضی اور جہالت بھی کچھ کم قابل الزام نہیں۔ افسوس تو یہ ہے لہ اکثر انہیں اپنی برائیوں کا احساس تک نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں یہی کرنا چاہیئے۔ اس کی اصلی وجہ ہے کہ "تعلیم یافتہ لوگ ان کی اصلاح کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے۔

غرض ہم تھکے ماندے کلیان پہنچے۔ میں نے اور مگن لال نے اسٹیشن کے بمبے سے پانی لے کر اشنان کیا میں اپنی بیوی کے نہانے کا بندوبست کر رہا تھا کہ "انجمن خدام ہند" کے رکن کول جی نے ہمیں دیکھ لیا۔ انہوں نے کہا کہ ان خاتون کو دوسرے درجے کے غسل خانے میں نہا لینے دیجئے۔ میں جانتا تھا کہ میری بیوی کو اس غسل خانے کے استعمال کا کوئی حق نہیں۔ مگر میں نے اس وقت اس بے عنوانی سے چشم پوشی کی مجھے اعتراف ہے کہ یہ بات حق کے طالب کے لئے مناسب نہیں ہے۔ میری بیوی کو یہ خواہش نہیں تھی کہ اس غسل خانے میں نہائیں۔ مگر میرے دل میں بیوی کی محبت حق کی محبت پر غالب آ گئی۔ اپانشد میں لکھا ہے کہ حق کا رخ زیبا "مایا" کے سنہرے نقاب میں پوشیدہ ہے۔

Marfat.com

چھٹا باب

محبت کی کش مکش

پونا پہنچ کر "شرادھ" کی رسم سے فراغت کرنے کے بعد یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ انجمن کا مستقبل کیا ہو گا اور مجھے اس میں شریک ہونا چاہیئے یا نہیں میرے لئے یہ مسلہ بہت نازک تھا۔ جب تک گو کھلے زندہ تھے مجھے انجمن کا رکن بننے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میری رہنمائی کے لئے ان کی ذات کافی تھی۔ ہندوستانی سیاست کے تلاطم خیز سمندر میں سفر کرنے کے لئے مجھے ایک ناخدا کی ضرورت تھی اور گو کھلے کا دامن تھام لینے سے یہ مشکل حل ہو گئی تھی۔ ان کی وفات کے بعد میں بیکس و تنہارہ گیا اور اب میں نے اپنا فرض سمجھا کہ انجمن کا رکن بن جاؤں۔ میرا خیال تھا کہ گو کھلے کی روح اس بات سے خوش ہو گی۔ اس لئے میں نے بے تامل داخلے کی کوشش شروع کر دی۔

اس موقع پر انجمن کے اکثر ممبر پونا میں موجود تھے۔ میں نے ان سے مل کر اس مسئلے کو چھیڑا اور ان کے دل میں میری طرف سے جو شبہے تھے انہیں دور کرنے کی کوشش کی۔ مگر میں نے دیکھا کہ ان میں اختلاف رائے ہے۔ ایک فریق میرے داخلے کے موافق تھا اور دوسرا بہت سختی سے مخالفت کر رہا تھا مجھے معلوم تھا کہ دونوں کو مجھ سے مساوی محبت ہے مگر وہ انجمن کے مفاد کو مقدم سمجھتے تھے۔

اس لئے ہمارے مشوروں میں کبھی تلخ کلامی کی نوبت نہیں آتی تھی۔ بلکہ محض اصولی بحث ہوا کرتی تھی۔ جو لوگ میرے داخلے کے مخالف تھے ان کا یہ قول تھا کہ بہت سے اہم معاملات میں میری اور ان کی رائے میں زمین آسمان کا فرق ہے اس لئے میرے ممبر ہونے سے انجمن کے بنیادی مقاصد کو نقصان پہنچنے کا خوف ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اسے کیونکر برداشت کر سکتے تھے۔ بڑی طول طویل بحث کے بعد بھی کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ یہ طے پایا کہ اس مسئلے پر پھر کبھی غور کیا جائے گا۔

وہاں سے واپس آنے کے بعد میں عجب کشمکش میں پڑ گیا۔ میں دل میں سوچتا تھا کہ اگر میرا انتخاب

Marfat.com

کثرت رائے سے ہو تو مجھے ممبری قبول کرنا چاہیئے یا نہیں؟ کیا یہ گوکھلے سے بیوفائی نہ ہوگی؟ آخر مجھ پر یہ بات کھل گئی کہ جب میرے متعلق ممبروں میں اس قدر شدید اختلاف رائے ہے تو میرے لئے یہی مناسب ہے کہ داخلے کی درخواست واپس لے لوں اور فریق مخالف کو اس ناگوار صورت حال سے نجات دوں مجھے انجمن اور گوکھلے سے جو محبت تھی اس کا تقاضا یہی نظر آیا یہ بات دفعتاً میرے ذہن میں آئی اور میں نے فوراً شاستری جی کو لکھا کہ انجمن کا ملتوی شدہ جلسہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ میرے داخلے کے مخالف تھے انہوں نے میرے اس فیصلے کی بہت تعریف کی۔ اس کے سبب سے ان کی مشکل آسان ہو گئی اور ان میں اور مجھ میں دوستی کا رابطہ اور استوار ہو گیا۔ سچ پوچھئے تو اس درخواست کے واپس لینے سے میں انجمن کا ممبر بن گیا۔

تجربے سے ثابت ہو گیا کہ میرا انجمن کا باضابطہ ممبر نہ بننا بہت اچھا ہوا اور جو لوگ میرے داخلے کے مخالف تھے۔ ان کی رائے بالکل صحیح تھی۔ میرے اور ان کے خیالات میں جو اصولی اختلاف تھا وہ اب پوری طرح نمایاں ہو گیا ہے۔ مگر اس اختلاف کو تسلیم کر لینے سے ہماری باہمی دوستی پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ہم میں برادرانہ تعلقات بدستور قائم ہیں۔ اور میں اکثر جا کر پونا میں انجمن کے مستقر کی زیارت کرتا ہوں۔

یہ سچ ہے کہ میں انجمن کا باضابطہ ممبر نہیں بنا۔ مگر روحانی حیثیت سے میں اپنے آپ کو اس کا رکن سمجھتا ہوں۔ یہ باطنی رشتہ ظاہری رشتے سے بدرجہا زیادہ قابل قدر ہے۔ ظاہری رشتہ بغیر باطنی اتحاد کے جسد بے روح کی مانند ہے۔

Marfat.com

ساتواں باب

کمبھ کا میلا

میں ڈاکٹر مہتا سے ملنے رنگون جا رہا تھا۔ راہ میں کلکتے میں بابو بھوپندر ناتھ باسو کے گھر ٹھہرا۔ یہاں مجھے بنگالیوں کی مہمان نوازی کا پورا اندازہ ہوا۔ ان دنوں میں سوائے میوے کے کچھ نہیں کھاتا تھا۔ اس لئے کلکتے میں جتنے خشک اور تر میوے مل سکتے تھے سب میری خاطر مہیا کئے گئے۔ گھر کی عورتیں رات رات بھر جاگ کر میوہ چھیلتی تھیں۔ بڑے اہتمام سے سارے میوے ہندوستانی طریقے سے چھیل کر اور تراش کر میرے سامنے رکھے جاتے تھے۔ میرے ساتھیوں کے لئے جن میں میرا لڑکا رام داس بھی تھا۔ طرح طرح کے مزیدار کھانے پکتے تھے۔ میرے دل پر اس خاندان کی محبت اور مہمان نوازی کا بہت اثر ہوا۔ مجھے یہ گوارا نہ تھا کہ دو تین مہمانوں کی خاطر مدارات میں سارا گھر مصروف رہے۔ مگر ان تکلفات سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

رنگون جاتے وقت میں نے عرشے پر سفر کیا۔ باسو بابو کے یہاں تو ہم لوگوں کو یہ شکایت تھی کہ حد سے زیادہ خاطر ہوتی ہے مگر جہاز پر معاملہ بالکل برعکس تھا۔ بے توجہی کا یہ حال تھا کہ ہم لوگ روزمرہ کی ضروریات سے بھی محروم تھے۔ غسل خانہ اس قدر میلا تھا کہ قدم رکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا اور پاخانوں میں تو غلاظت کے انبار لگے تھے۔ وہاں جاتے ہوئے گویا موت کے دلدل میں سے گزرنا پڑتا تھا۔

اس کا برداشت کرنا انسان کی طاقت سے باہر تھا۔ میں نے چیف افسر سے شکایت کی مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ اس مکروہ منظر میں جو کچھ کمی تھی وہ مسافروں کی بدتمیزی نے پوری کر دی۔ یہ لوگ جہاں بیٹھتے تھے۔ وہیں تھوک دیتے اور بے تکلف بچا کھچا کھانا اور پان کا اگال پھینک دیا کرتے۔ شور اس قدر مچاتے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی ہر شخص کو فکر تھی کہ بہت سی جگہ پر قبضہ کرے۔ ان کے احباب

Marfat.com

نے ان سے بھی زیادہ جگہ گھیر رکھی تھی۔ دو دن اسی عذاب میں گزرے۔

رنگون پہنچ کر میں نے کمپنی کے ایجنٹ کو خط لکھا۔ اس کا اور ڈاکٹر مہتا کی کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ واپسی میں اتنی ناقابل برداشت تکلیف نہیں ہوئی۔

رنگون میں بھی میرے میزبان کو میری غذا کی پابندیوں کے سبب سے بڑی زحمت اٹھانا پڑی۔ میں ڈاکٹر مہتا کے گھر کو اپنا گھر سمجھتا تھا اس لئے میں نے انہیں زیادہ تکلف نہیں کرنے دیا۔ پھر بھی چونکہ میں نے اپنے کھانے کے لئے میووں کی قسمیں محدود نہیں کی تھیں۔ خود میرے ذائقے اور میری نظر کو ہوس تھی کہ طرح طرح کی چیزیں ہوں کھانے کے اوقات مقرر نہیں تھے میں چاہتا تھا کہ شام کا کھانا اندھیرا ہونے سے پہلے کھالیا کروں۔ مگر عموماً رات کے آٹھ نو بج جاتے تھے۔

اس سال یعنی 1915 میں ہردوار میں کمبھ کا میلا تھا جو بارہ سال کے بعد ہوا کرتا ہے مجھے میلا دیکھنے کا شوق نہیں تھا مگر میں گرد کل میں مہاتما منشی رام جی کے درشن کرنا چاہتا تھا۔ انجمن خدام ہند نے میلے کے انتظام کے لئے رضا کاروں کا ایک بڑا دستہ بھیجا تھا پنڈت ہردے ناتھ کنزرو اس اس دستے کے سردار تھے اور ڈاکٹر دیو آنجہانی اس کے طبی افسر تھے۔ مجھ سے فرمائش کی گئی تھی کہ ان کی مدد کے لئے فنیکس والوں کو بھیجوں اور مگن لال گاندھی انہیں لے کر وہاں پہنچ چکے تھے۔ رنگون سے لوٹ کر میں بھی ان سے آملا۔

کلکتے سے ہردوار تک ریل کے سفر میں بے حد تکلیف ہوئی۔ بعض جگہ ڈبوں میں روشنی تک نہ تھی نہار نپور سے ہم لوگ مال گاڑیوں میں اور مویشی کے ڈبوں میں بھر دیئے گئے ان میں چھت نہیں تھی دوپہر کو ایک تو سورج کی گرمی دوسرے لوہے کے فرش کی تپش نے ہمیں بھون ڈالا۔ لوگوں کا یہ حال تھا کہ اس مصیبت کے سفر میں پیاس سے تڑپتے تھے لیکن اگر کسی اسٹیشن پر "مسلمان" پانی ملتا تھا تو نہیں پیتے تھے اور "ہندو" پانی کے انتظار میں رہتے تھے۔ یہ یاد رہے کہ یہی ہندو جب بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹر کی تجویز سے بے تکلف اور بے پوچھے گچھے شراب یا گائے کے گوشت کی یخنی چڑھا جاتے ہیں اور مسلمان یا عیسائی کمپونڈر کے ہاتھ کا پانی پی لیتے ہیں۔

شانتی نکیتن کے قیام سے ہمیں اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ ہمیں ہندوستان میں زیادہ تر خاکروب کا کام کرنا پڑے گا۔ ہردوار میں رضا کاروں کے قیام کے لئے ایک دھرم شالے میں خیمے نصب کر دیئے گئے تھے اور ڈاکٹر دیو نے رفع حاجت کے لئے کچھ گڑھے کھدوا دیئے تھے۔ ان کی صفائی تنخواہ دار بھنگی کرتے تھے۔ یہ کام ہم فنیکس والوں کے کرنے کا تھا۔ ہم نے کہا کہ ہم غلاظت پر راکھ ڈال

Marfat.com

دیا کریں گے اور خود صفائی کی نگرانی کریں گے ڈاکٹر دیو نے بڑی خوشی سے منظور کر لیا۔ یہ بات کہی تو میں نے تھی مگر اسے پورا مگن لال گاندھی نے کیا میرا کام تو زیادہ تر یہی تھا کہ خیمے میں بیٹھا "درشن" دیا کروں اور ان جاتریوں سے جو سینکڑوں کی تعداد میں میرے پاس آتے تھے مذہبی بحثیں کیا کروں۔ یہ "درشن" کے بھوکے "گھاٹ" تک میرا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے یہاں تک کہ کھانے کے وقت بھی پہنچ جاتے تھے۔ غرض ہردوار میں مجھے معلوم ہوا کہ جنوبی افریقہ میں جو ناچیز خدمات میں نے انجام دی ہیں ان کا اثر سارے ہندوستان میں کس قدر گہرا ہے۔

مگر میری یہ حالت ایسی نہیں تھی کہ کسی کو اس پر رشک آئے۔ میری جان پر دو طرفہ عذاب تھا جہاں مجھے کوئی پہچانتا نہیں تھا مثلاً ریل کے سفر میں وہاں مجھے اپنے کروڑوں بھائیوں کی طرح سختیاں جھیلنی پڑتی تھیں اور جہاں ایسے لوگوں کا مجمع تھا جو میری شہرت سن چکے تھے وہاں "درشن" کی مصیبت تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان دونوں میں سے کون سی حالت زیادہ قابل افسوس تھی۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ درشن والوں کی اندھی محبت پر مجھے بارہا غصہ آ گیا ہے اور اکثر اس سے دلی صدمہ پہنچا ہے مگر سفر میں باوجود سخت تکلیفوں کے کبھی طیش نہیں آیا بلکہ روح کو اور تقویت ہوئی۔

ان دنوں میرے جسم میں طاقت تھی اور میں دور دور تک چکر لگایا کرتا تھا یہ بہت اچھا تھا کہ لوگ عام طور پر مجھے پہچانتے نہیں تھے۔ اس لئے سڑکوں پر اتنی ہلچل نہیں ہوتی تھی کہ گزرنا مشکل ہو جائے۔ اس طرح چل پھر کر میں نے جاتریوں کو اچھی طرح دیکھا بھالا۔ مجھے ان میں بے حسی ریاکاری اور بدتمیزی زیادہ نظر آئی اور دینداری بہت کم "سادھو" ٹڈی دل کی طرح چھائے ہوئے تھے اور ان کی حالت دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ عیش و عشرت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

یہاں میں نے ایک گائے دیکھی جس کے پانچ پیر تھے مجھے بڑی حیرت ہوئی مگر واقف کار لوگوں نے مجھے اس کا بھید بتا دیا۔ یہ بیچاری سنگدل انسانوں کی حرص و طمع کا شکار تھی۔ یہ پانچواں پیر اصل میں ایک زندہ بچھڑے کے جسم سے کاٹ کر اس غریب کے کندھے پر کھال چیر کر لگا دیا گیا تھا۔ اس دوہرے ظلم سے جاہلوں کو ٹھگنے کا یہ ذریعہ ہاتھ آیا تھا۔ یہ پاپی جانتے تھے کہ ہندو پانچ پیر کی گائے دیکھنے کے شوق میں دوڑ آئیں گے اور اس زندہ معجزے پر حسب حیثیت چڑھاوا چڑھائے گا۔

اب میلے کا دن قریب آ گیا۔ میں ہردوار جاترا کی نیت سے نہیں گیا تھا میرا یہ اصول نہیں کہ خدا کو زیارت گاہوں میں ڈھونڈھتا پھروں لیکن یہ سترہ لاکھ آدمی جو وہاں جمع تھے سب کے سب ریاکار یا محض تماشے کے شائق نہیں تھے۔ مجھے یقین تھا کہ ان میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو ثواب حاصل کرنے اور

Marfat.com

گناہوں سے پاک ہونے کی خاطر آئے ہیں اس کا اندازہ بہت مشکل ہے کہ اس طرح کی عقیدت سے کس حد تک روحانی فیض حاصل ہوتا ہے۔

میں رات بھر اسی ادھیڑ بن میں کروٹیں بدلتا رہا۔ میں سوچتا تھا کہ اس ریاکاری کی فضا میں بعض بچے دیندار بھی ہیں۔ یہ تو خدا کی عدالت میں بے گناہ ٹھہریں گے۔ اگر ہردوار کی جاترا بجائے خود گناہ ہے تو مجھے چاہیئے کہ کھلم کھلا اس کی مخالفت کروں اور کمبتھ کے دن ہردوار سے چلا جاؤں۔ اگر ایسا نہیں ہے تب بھی مجھے اس پاپ کے کنارے میں جو یہاں پھیلا ہوا ہے کسی قسم کی ریاضت کر کے تزکیہ نفس کر ڈالنا چاہیئے۔ میرے دل میں یہ خیال آنا قدرتی بات تھی۔ میری زندگی کی بنیاد ہی ضبط نفس اور ریاضت پر ہے مجھے یہ بھی یاد آگیا کہ میں نے کلکتے اور رنگون میں اپنے میزبانوں کو بے حد زحمت دی تھی۔ اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ جو پھل وغیرہ میں کھاتا ہوں اس کی قسمیں محدود کردوں اور شام کا کھانا سورج ڈوبنے سے پہلے ہی کھا لیا کروں۔ مجھے یقین تھا کہ اگر میں ایسا نہ کروں گا تو آئندہ بھی میرے میزبانوں کو اسی طرح زحمت ہوا کرے گی۔ اور میں بجائے ان کی خدمت کرنے کے ان سے خدمت لیا کروں گا۔ اس لئے میں نے عہد کر لیا کہ جب تک ہندوستان میں ہوں کبھی چوبیس گھنٹے کے اندر پانچ چیزوں سے زیادہ نہیں کھاؤں گا اور اندھیرا ہو جانے کے بعد کچھ نہ کھایا کروں گا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس میں بڑی مشکلیں پیش آئیں گی۔ مگر میں چاہتا تھا کہ یہ عہد ایسا ہو جس میں نفس لئیم کو بہانے ڈھونڈھنے کی گنجائش نہ رہے۔ میں نے اس پر غور کیا کہ اگر بیماری کے زمانے میں دوا پانچ چیزوں میں سے ایک شمار کی جائے اور ڈاکٹر جو خاص غذا تجویز کرے اسے بھی گن کیا جائے تو کیسے کام چلے گا۔ مگر آخر میں یہی فیصلہ کیا کہ چاہے جو کچھ بھی ہو کھانے پینے کی کل تعداد پانچ سے زیادہ نہ ہونے پائے۔

ان دونوں باتوں کا عہد کئے آج تیرہ سال ہو گئے۔ میرے لئے یہ بڑا سخت امتحان تھا مگر اس کی بدولت میری زندگی میں چند سال بڑھ گئے اور میں بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہا۔

Marfat.com

آٹھواں باب

لکشمن جھولا

گرد کل جا کر مہاتما منشی رام جیسے پلیتن کو دیکھنے سے طبیعت کو بڑا سکون ہوا۔ کہاں ہردوار کا شور و غل اور کہاں گرد کل کی خاموشی! مجھے فوراً یہ خوش گوار فرق محسوس ہوا۔

مہاتما مجھ سے بڑی محبت سے پیش آئے۔ برہمچاریوں نے دل کھول کر خاطر مدارات کی۔ یہاں مجھے پہلی بار اچاریہ رامدیو جی سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ مجھے پہلی ہی نظر میں اندازہ ہو گیا کہ ان کی شخصیت میں بڑی قوت ہے۔ ہم دونوں میں بہت سے معاملات میں اختلاف رائے تھا مگر بہت جلد آپس میں دوستی ہو گئی۔

مجھ سے اچاریہ رامدیو جی اور گرد کل کے دوسرے پروفیسروں سے بڑی بحث ہوا کرتی تھی کہ گرد کل میں دستکاری کی تعلیم کی ضرورت ہے یا نہیں جب جانے کا وقت آیا تو مجھے یہاں سے رخصت ہونے کا بہت قلق ہوا۔

میں نے "لکشمن جھولے" (1) کی بڑی تعریف سنی تھی۔ یہ ہرش کیش کے قریب ہے۔ بہت سے دوستوں نے اصرار کیا کہ ہردوار سے رخصت ہونے سے پہلے اس پل کو ضرور دیکھ لو۔ میں اس جاترا پر پیدل جانا چاہتا تھا اس لئے بیچ میں ایک منزل کر کے دوسرے دن وہاں پہنچا۔

ہرش کیش میں بہت سے سنیاسی مجھ سے ملنے آئے۔ ان میں سے ایک مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ فنیکس والوں کی جماعت وہاں موجود تھی انہیں دیکھ کر سوامی جی نے بہت سے سوالات کئے۔

میری ان سے کئی بار مذہب کے متعلق باتیں ہوئیں۔ انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ میرا مذہبی احساس بہت گہرا ہے۔ میں گنگا سے نہا کر ننگے سر صرف ایک دھوتی باندھے واپس آ رہا تھا انہوں نے دیکھا کہ میرے سر پر چوٹی اور گلے میں جنیئو نہیں ہے تو انہیں بہت رنج ہوا اور وہ کہنے لگے۔

"مجھے بڑا دکھ ہے کہ تم ایسے پکے ہندو ہو کر نہ چوٹی رکھتے ہو نہ جنیئو باندھتے ہو۔ یہی دونوں ہندو

Marfat.com

دھرم کی ظاہری علامتیں ہیں اور کسی ہندو کو ان سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔"

میں نے ان دونوں چیزوں کو ایک وجہ سے چھوڑا تھا۔ مناسب ہے کہ یہ قصہ بیان کر دوں۔ جب میں دس برس کا چھوکرا تھا تو برہمنوں کے لڑکوں کو گلے میں جنیئو ڈالے اور ان میں بندھی کنجیاں کھنکھناتے دیکھ کر مجھے بڑا رشک آتا تھا اور میرا جی چاہتا تھا کہ میں بھی ایسا ہی کروں۔ اس زمانے میں کاٹھیاوار کے ویش خاندانوں میں جنیئو پہننے کا رواج عام نہ تھا مگر یہ تحریک نئی نئی اٹھی تھی کہ ہر برہمن، چھتری اور ویش کے لئے اس کا پہننا لازمی کر دیا جائے۔ چنانچہ گاندھی خاندان کے کئی شخص گلے میں جنیئو ڈالتے تھے۔ کچھ دن بعد جو برہمن ہم دو تین لڑکوں کو رام رکشا سکھایا کرتا تھا، اس نے ہمیں جنیئو پہنائے اور اگرچہ مجھے کنجیوں کا کوئی کام نہیں پڑتا تھا مگر میں نے خواہ مخواہ ایک گچھا لے کر اپنے جنیئو میں باندھ ہی لیا۔ آگے چل کر یہ تاگا ٹوٹ گیا۔ یاد نہیں کہ مجھے اس کا کچھ زیادہ افسوس ہوا یا نہیں۔ مگر یہ یقینی ہے کہ میں نے دوبارہ جنیئو نہیں پہنا۔

جب میں بڑا ہو گیا تو ہندوستان میں اور جنوبی افریقہ میں بارہا یہ کوشش کی گئی کہ میں اس مقدس رشتے کو گلے میں ڈال لوں مگر میں نے قبول نہ کیا۔ میں دل میں کہتا تھا کہ اگر شودر لوگ اسے نہیں پہن سکتے تو دوسری ذاتوں کو اس کے پہننے کا کیا حق ہے؟ اور یوں بھی ایک فضول رسم کو اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوئی۔ میں اس میں کوئی عیب نہیں سمجھتا تھا مگر یہ کہتا تھا کہ آخر مجھے اس کے پہننے کی ضرورت کیا ہے؟

وشنو ہونے کی حیثیت سے میں گلے میں کنٹھی پہنتا تھا اور سر پر چوٹی رکھتا تھا کیونکہ میرے بزرگ اسے ضروری سمجھتے تھے۔ انگلستان جاتے وقت میں نے چوٹی کٹوا دی کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ مجھے ننگے سر دیکھ کر میرا مذاق اڑائیں اور انگریز مجھے وحشی سمجھیں اس زمانے میں اس سے ڈرتا تھا میری اس بزدلی کی انتہا یہ ہے کہ جنوبی افریقہ میں میں نے چھگن لال کو جو مذہبی فرض سمجھ کر چوٹی رکھتے تھے اس پر مجبور کیا کہ اسے کٹوا دیں۔ مجھے یہ خوف تھا کہ یہ ان کی قومی خدمت کی راہ میں حائل ہو گی اس لئے میں نے اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا کہ انہیں صدمہ ہو گا۔

غرض میں نے یہ سارا حال سوامی جی سے صاف صاف بیان کر دیا اور کہا کہ "میں جنیئو نہیں پہنوں گا" کیونکہ جب کروڑوں آدمی اس کے بغیر ہندو رہ سکتے ہیں تو مجھے اس کی کون سی ضرورت ہے؟ اس کے علاوہ یہ مقدس رشتہ روحانی تجدید اور اصلاح کی علامت ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ پہننے والا برتر اور پاکیزہ تر زندگی بسر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میرے خیال میں آج کل ہندوستان کی اور ہندو دھرم کی

Marfat.com

جو حالت ہے اس کے لحاظ سے ہندوؤں کو اس معنی خیز علامت کے استعمال کا کوئی حق نہیں یہ حق اس وقت حاصل ہو گا جب ہندو دھرم چھوت چھات کے عقیدے سے پاک ہو جائے۔ اس میں ادنیٰ اور اعلیٰ کا فرق نہ رہے اور دوسری برائیاں اور ریاکاریاں جو اس میں داخل ہو گئی ہیں دور ہو جائیں۔ اس لئے میری طبیعت جنیئو پہننے سے کراہت کرتی ہے۔ مگر آپ چوٹی کے متعلق جو فرماتے ہیں میں اس پر غور کروں گا۔ میں نے پہلے چوٹی رکھی تھی۔ مگر جھوٹی شرم کے سبب سے کٹوا دی اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ مجھے پھر سے رکھ لینا چاہیئے۔ میں اپنے رفیقوں سے اس بارے میں مشورہ کروں گا۔

سوامی جی کو میری رائے جنیئو کے بارے میں پسند نہیں آئی۔ میں نے جو دلیلیں اس کے ترک کرنے کی بتائیں سوامی جی کے نزدیک انہیں سے اس کے پہننے کی تائید ہوتی تھی مگر میں آج تک اسی خیال پر قائم ہوں جو میں نے ہرش کیش میں ظاہر کیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ جب تک دنیا میں مختلف مذہب موجود ہیں ان میں سے ہر ایک کو کسی ظاہری علامت کی ضرورت ہے جو اسے دوسرے مذہبوں سے ممتاز کرے لیکن جب لوگ اس کی پرستش کرنے لگیں اور اس کے ذریعہ سے اپنے مذہب کی فوقیت جتائیں تو اس کا ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ میرے نزدیک آج کل جنیئو سے ہندو دھرم کی روحانی ترقی نہیں ہو سکتی اس لئے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔

البتہ چوٹی میں نے بزدلی سے کٹوائی تھی اس لئے دوستوں سے مشورہ کرنے کے بعد میں نے اسے رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

مگر میں تو لکشمن جھولے کا ذکر کر رہا تھا۔ ہرش کیش اور لکشمن جھولے کے آس پاس کے قدرتی مناظر نے میرے دل کو موہ لیا۔ میں نے دیکھا کہ ہمارے بزرگ حسن فطرت کا کیسا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے اور کتنے عاقبت اندیش تھے کہ انہوں نے فطرت کے خوشنما مظاہر کو مذہبی حیثیت بخشی اور میرا دل ان بزرگوں کی عقیدت سے معمور ہو گیا۔

لیکن لوگوں نے ان حسین مناظر کی جو گت بنا رکھی ہے انہیں دیکھ کر مجھے بڑا رنج ہوا۔ ہردوار کی طرح ہرش کیش میں بھی لوگوں نے سڑکوں پر اور گنگا کے خوشنما کناروں پر گندگی پھیلا رکھی تھی۔ لوگوں کو عام شاہراہوں پر اور دریا کے کنارے رفع حاجت کرتے دیکھنا میرے لئے بڑا دل خراش منظر تھا۔

خود لکشمن جھولے کو جا کر دیکھا تو لوہے کا معمولی آدا زاں پل تھا۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ پہلے یہاں رسیوں کا خوب صورت پل بندھا ہوا تھا۔ ایک مخیر مارواڑی کے جی میں یہ سما گئی کہ رسیوں کے پل کو توڑ کر لوہے کا پل بنانا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے بہت کچھ خرچ کر کے یہ پل بنوا دیا اور اس کی

Marfat.com

کنجیاں حکومت کے حوالے کر دیں۔ میں نے رسیوں کا پل تو دیکھا نہیں اس لئے اس کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں کر سکتا البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ لوہے کا پل یہاں بالکل بے تکا معلوم ہوتا ہے اور اس لئے اس خوش نما منظر کی خوب صورتی کو غارت کر دیا ہے اور جاتریوں کے پل کی کنجیاں حکومت کو دے دینا مجھے اس وقت بھی جب میں سرکار کا وفادار تھا بہت برا معلوم ہوا۔

پل کو عبور کر کے سور گاشرم پہنچا۔ یہ ایک چھوٹی سی بدنما بستی ہے۔ جس میں لوہے کی چادروں کے چند سائبان بنے ہوئے ہیں۔ مجھ سے کہا گیا کہ یہ سادھکوں (طالبان معرفت) کی کٹیاں ہیں۔ اس وقت تو یہ خالی نظر آتی تھیں بڑی عمارت میں چند لوگ تھے جنہیں دیکھ کر میرے دل پر کچھ اچھا اثر نہیں پڑا۔

مگر ہردوار کے تجربے میرے لئے بڑے قیمتی ثابت ہوئے۔ ان سے مجھے یہ فیصلہ کرنے میں بڑی مدد ملی کہ مجھے کہاں رہنا چاہیئے۔

حوالہ

1 - گنگا کے پل کا نام

Marfat.com

نواں باب

آشرم کی بنا

یہ میرا ڈیرہ دون کا دوسرا سفر تھا۔

ستیاگرہ آشرم 25 مئی 1915 ء کو قائم ہوا۔ شردھانند جی چاہتے تھے کہ میں ہردوار میں سکونت اختیار کر لوں کلکتے کے بعض احباب نے میرے لئے دویا ناتھ دھام تجویز کیا تھا اور دوستوں کا اصرار تھا کہ راجکوٹ میں رہو۔ مگر احمد آباد سے گزرتے وقت وہاں کے لوگ پیچھے پڑ گئے کہ یہیں بس جاؤ اور انہوں نے ہم لوگوں کے لئے ایک مکان اور آشرم کے کل مصارف دینے کا وعدہ کیا۔

میں احمد آباد ہی کو ترجیح دیتا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ گجرات میرا وطن ہے یہاں رہ کر گجراتی زبان کے ذریعہ سے میں ملک کی بڑی خدمت کر سکتا ہوں۔ پھر یہ بھی خیال تھا کہ احمد آباد پارچہ بافی کا قدیم مرکز ہے یہاں چرخہ کا کام بہت اچھا چلے گا اور گجرات کا صدر مقام ہونے کے سبب سے یہاں مالی امداد بھی دوسری جگہ سے زیادہ ملے گی۔

احمد آباد کے دوستوں سے منجملہ اور باتوں کے اچھوتوں کے مسئلے پر بھی گفتگو ہوئی۔ میں نے کہا کہ اگر مجھے کوئی ایسا اچھوت ملے گا جو ہر لحاظ سے بھلا آدمی ہو تو میں سے فوراً آشرم میں داخل کر لوں گا۔

ایک ویشنو دوست نے خود پسندی کے انداز میں کہا "ایسے اچھوت آپ کو مل چکے۔"

آخر میں میں نے یہی فیصلہ کیا کہ آشرم احمد آباد میں قائم کروں۔ مکان کے معاملے میں احمد آباد کے ایک بیرسٹر جیون لال جی ڈیسائی سے بڑی مدد ملی۔ انہوں نے ہمیں کوچرب میں اپنا بنگلہ کرائے پر دے دیا۔

سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ آشرم کا نام کیا ہو۔ میں نے اپنے دوستوں سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ کئی نام تجویز کئے گئے جن میں "سیوا شرم" (دارالخدمت) ار پتودن (دارالریاضت) بھی تھے۔

Marfat.com

مجھے "سیوا شرم" پسند آیا لیکن اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ خدمت کا طریقہ کیا ہوگا۔ پتودن کے لفظ میں دعوت اور اوں کی جھلک تھی۔ ہمیں ریاضت دل سے پسند تھی مگر مرتاض ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے سوچا کہ ہم حق کے پرستار ہیں اور ہمارا کام حق کی تلاش اور حق کی پیروی ہے۔ ہمارے پیش نظریہ ہے کہ ستیاگرہ کی تحریک کو جو جنوبی افریقہ میں آزمائی جا چکی ہے ہندوستان میں چلا کر دیکھیں اس لئے ہمیں اپنے آشرم کا نام ستیاگرہ آشرم رکھنا چاہیئے۔ جس سے ہمارے مقصد اور طرز عمل دونوں کا اظہار ہوتا ہے۔ میرے دوستوں کی بھی یہی رائے ہوئی اس لئے یہی نام رکھا گیا۔

اب آشرم کے لئے ایک دستور العمل کی ضرورت تھی۔ اس کا مسودہ تیار ہوا اور دوستوں کے پاس اظہار رائے کے لئے بھیجا گیا۔ جتنی رائیں آئیں ان میں سے مجھے سر گرو داس بنرجی کی رائے اب تک یاد ہے۔ انہوں نے سب قواعد ضوابط کو پسند کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ آشرم والوں سے علاوہ اور باتوں کے کسر نفس کا عہد لیا جائے۔ کیونکہ آج کل کے نوجوانوں میں اس کی بڑی کمی ہے مجھے بھی اس کمی کا احساس تھا۔ لیکن میرا خیال تھا کہ کسر نفس کا عہد کر لیا جائے تو وہ کسر نفس نہیں رہتا۔ کسر نفس ترک خودی کا نام ہے اور ترک خودی دراصل موکشا (نجات) ہے۔ یہ کوئی عمل نہیں ہے بلکہ وہ مقدر ہے جس کے لئے اور اعمال لئے جاتے ہیں۔ اگر خدمت یا نجات کا طالب کسر نفس سے محروم ہے تو اس کی طلب جھوٹی ہے۔ بغیر کسر نفس کی خدمت خود غرضی بن جاتی ہے۔

ان دنوں ہماری جماعت میں تیرہ تاملی تھے۔ پانچ نوجوان تاملی جنوبی افریقہ سے ہمارے ساتھ آئے تھے اور باقی آٹھ ہندوستان کے مختلف حصوں سے آکر شامل ہو گئے تھے۔ سب ملا کر ہم پچیس نفوس تھے جن میں چند عورتیں بھی تھیں۔

یہ تھی آشرم کی ابتداء۔ ہم سب اکٹھا کھانا کھاتے تھے اور عزیزوں کی طرح مل جل کر رہتے تھے۔

Marfat.com

دسواں باب

مشکلے نیست کہ آساں نہ شودی

ابھی آشرم کو قائم ہوئے چند مہینے ہوئے تھے کہ ہمیں ایک بڑا سخت امتحان پیش آیا۔ میرے پاس امرت لال ٹھکر کا خط آیا جس کا مضمون یہ تھا "اچھوتوں کا ایک غریب اور دیانت دار خاندان آپ کے آشرم میں آنا چاہتا ہے۔ کیا آپ اسے آشرم میں داخل کرنے کو تیار ہیں؟"

مجھے ذرا تردد ہوا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اتنی جلدی اچھوتوں کا خاندان ٹھکر باپا جیسے شخص کی سفارش لے کر آشرم میں داخل ہونے کے لئے آئے گا۔ میں نے اپنے رفیقوں کو یہ خط پڑھ کر سنایا۔ انہوں نے اس تجویز کو دل سے پسند کیا۔

میں نے امرت لال جی کو لکھا کہ ہم ان لوگوں کو داخل کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ انہیں آشرم کے ضابطوں کی پابندی میں کوئی عذر نہ ہو۔

یہ خاندان تین نفوس پر مشتمل تھا۔ دودا بھائی۔ ان کی بیوی دانی بین اور ان کی بچی لکشمی جو ان دنوں گھٹنیوں چلتی تھی۔ دودا بھائی بمبئی میں معلم تھے۔ ان تینوں نے ضابطوں کی پابندی منظور کر لی اور یہ آشرم میں داخل کر لئے گئے۔

ان کے داخلے سے آشرم کے سرپرستوں میں کھلبلی پڑ گئی پہلی مشکل پیش آئی کہ بنگلے کا کنواں مالک کی نگرانی میں تھا۔ ان کے نوکر نے ہمیں پانی بھرنے سے روکا۔ ہمارے ڈول کے چھینٹوں سے اسے اپنے چرس کے ناپاک ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے وہ ہمیں گالیاں دیتا تھا اور دودا بھائی کو دق کرتا تھا۔ میں نے سب لوگوں سے کہا کہ گالیاں سنو۔ سب کچھ سہو مگر پانی ضرور بھرو۔ اس شخص نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ چپ چاپ سن لیتے ہیں تو اسے شرم آئی اور اس نے ہمیں ستانا چھوڑ دیا۔

مگر ہمیں جو مالی امداد ملتی تھی بند ہو گئی۔ جس دوست نے کہا تھا کہ اچھوتوں میں کوئی شخص آشرم

Marfat.com

میں داخل ہونے کے قابل نہیں مل سکتا اسے کیا معلوم تھا کہ ایسے لوگ نکل آئیں گے۔

ادھر امداد بند ہوئی اور ادھر یہ افواہیں سننے میں آئیں کہ ہم لوگ ذات باہر کر دیئے جائیں گے۔ میں نے اپنے رفیقوں سے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو ہم احمد آباد چھوڑ کر نہیں جائیں گے بلکہ اچھوتوں کے محلے میں اٹھ جائیں گے اور محنت مزدوری کر کے پیٹ پالیں گے۔

یہاں تک نوبت پہنچی کہ ایک دن مگن لال گاندھی نے مجھے اطلاع دی "ہمارا سرمایہ ختم ہو گیا اگلے مہینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔"

میں نے اطمینان سے جواب دیا "تو ہم اچھوتوں کے محلہ میں اٹھ چلیں گے۔"

اس معاملہ میں یہ میرا پہلا امتحان نہیں تھا جب کبھی ایسا موقع آیا خدا نے عین وقت پر میری مدد کی۔ میری اور مگن لال کی گفتگو کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ایک روز صبح کو ایک بچے نے آکر کہا کہ ایک سیٹھ موٹر میں بیٹھ کر آئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں ان کو لینے کے لئے گیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ "میں آشرم کی مدد کروں تو آپ قبول کریں گے؟"

میں نے کہا "بڑی خوشی سے، سچ پوچھئے تو میں آج کل بالکل خالی ہاتھ ہوں۔"

سیٹھ بولے "میں کل اسی وقت یہاں آؤں۔ کیا آپ یہاں ہوں گے؟"

میں نے کہا "جی ہاں۔" سیٹھ چلے گئے۔

دوسرے دن ٹھیک اسی وقت موٹر ہمارے گھر کے سامنے رکی۔ بچوں نے مجھے آکر خبر کر دی۔ سیٹھ اندر نہیں آئے بلکہ انہوں نے مجھے باہر بلا لیا۔ انہوں نے تیرہ ہزار روپے کے نوٹ میرے ہاتھ میں دیئے اور رخصت ہو گئے۔

یہ مدد بالکل خلاف توقع تھی اور اس کے ملنے کا طریقہ بھی نیا تھا۔ یہ سیٹھ اس سے پہلے کبھی آشرم میں نہیں آئے تھے اور جہاں تک مجھے یاد ہے ان سے صرف ایک بار ملا تھا۔ انہوں نے کچھ نہ دیکھا بھالا نہ پوچھا گچھا۔ بس روپیہ دیا اور چل دیئے۔ ایسا تجربہ مجھے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس مدد کے مل جانے سے ہم نے اچھوتوں کے محلہ میں اٹھ جانے کا خیال ترک کر دیا۔ اب ہمیں ایک سال کے لئے اطمینان ہو گیا۔

مگر اچھوتوں کے آنے سے خود آشرم کے اندر خلفشار برپا تھا۔ گو جنوبی افریقہ میں اچھوت میرے گھر آکر رہا کرتے تھے اور میرے ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ مگر میری بیوی کو اور دوسری عورتوں کو اچھوتوں کا آشرم میں رکھا جانا پسند نہیں آیا۔ میں نے بھانپ لیا کہ یہ لوگ دانی بہن کے ساتھ مخالفت یا کم سے کم بے رخی کا برتاؤ کرتی ہیں۔ مالی مشکلات سے مجھے ذرا بھی پریشانی نہیں ہوئی تھی مگر گھر کے اندر یہ

Marfat.com

حالت دیکھنا مجھ پر بہت شاق تھا۔ دانی بین ایک معمولی عورت تھی۔ دوادا بھائی کی تعلیم کچھ زیادہ نہ تھی مگر سمجھ اچھی تھی مجھے ان کا صبر بہت پسند آیا۔ کبھی کبھی انہیں غصہ آجاتا تھا مگر عموماً تحمل سے کام لیتے تھے۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں حقارت اور دل آزاری کا برتاؤ ہو تو چپ چاپ سہہ لینا چاہیئے انہوں نے اسے مان لیا اور اپنی بیوی کو بھی اس پر آمادہ کر لیا۔

اس خاندان کا داخلہ آشرم والوں کے لئے بڑا مفید سبق تھا۔ ہم نے شروع ہی سے اس بات کا اعلان کر دیا کہ آشرم میں چھوت چھات کا جھگڑا نہیں رہے گا۔ اس لئے ہمارے سرپرستوں کو کوئی غلط فہمی نہیں رہی اور ہمیں اس معاملے میں بڑی آسانی ہو گئی۔ اس کے بعد بھی آشرم کی مدد زیادہ تر راسخ الاعتقاد ہندوؤں نے کی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھوت کے عقیدے کی بنیادیں تک ہل گئی ہیں۔ اس کے اور بھی بہت سے ثبوت ہیں مگر یہی کیا کم ہے کہ پکے ہندوؤں کو ایک ایسے آشرم کی مدد کرنے میں جہاں ہم لوگ اچھوتوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں ذرا بھی باک نہیں۔

اس سلسلہ میں اور بہت سی باتیں ہیں جو تلاش حق کی داستان سے تعلق رکھتی ہیں مگر افسوس ہے کہ میں انہیں نظر انداز کرنے پر مجبور ہوں۔ آئندہ بابوں میں بھی یہی کوتاہ قلمی نظر آئے گی مجھے بہت سی اہم تفصیلات ترک کرنا پڑیں گی کیونکہ اس ڈرامے کے اکثر اشخاص ابھی زندہ ہیں اور ایسے معاملوں میں جو ان کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں بغیر اجازت کے ان کا نام لینا مناسب نہیں معلوم ہوتا اور ان سے اجازت لینا یا وہ حصے جن میں ان کا ذکر ہے ان کے پاس نظر ثانی کے لئے بھیجنا بڑا بکھیڑا ہے۔ پھر یہ طریقہ اس آپ بیتی کے لئے مناسب بھی نہیں۔ اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ بقیہ داستان میں جو میرے خیال میں طالبان حق کے لئے بے حد اہمیت رکھتی ہے۔ بہت کچھ کتر بیونت کرنا پڑے گی۔ پھر بھی انشاء اللہ میں ترک سوالات کے زمانے تک کے خاص خاص واقعات بیان کروں گا۔

Marfat.com

Marfat.com

گیارھواں باب

"پابند مزدوری" کی موقوفی

ہم تھوڑی دیر کے لئے آشرم سے جسے ابتدا ہی میں اندرونی اور بیرونی طوفان کا مقابلہ کرنا پڑا رخصت ہوتے ہیں اور ایک معاملے کا ذکر کرتے ہیں جس کی طرف مجھے توجہ کرنا پڑی۔

"پابند مزدور" وہ کہلاتے تھے جو ہندوستان سے ترک وطن کر کے پانچ سال کی مزدوری کے معاہدے پر جنوبی افریقہ جاتے تھے۔ 1914ء کے اسمٹس، گاندھی معاہدے کی رو سے نٹال میں داخل ہونے والے "پابند مزدوروں" کو تین پونڈ کا ٹیکس معاف کر دیا تھا۔ لیکن ہندوستان سے مزدوروں کے جانے کے مسئلہ پر ابھی غور کرنا باقی تھا۔

مارچ 1916ء میں پنڈت مدن موہن مالوی جی نے مرکزی مجلس وضع قوانین میں پابند مزدوری کو منسوخ کرنے کی تحریک پیش کی۔ اس تحریک کو قبول کرتے ہوئے لارڈ ہارڈنگ نے اعلان کیا کہ گورنمنٹ برطانیہ نے وعدہ کیا ہے کہ یہ طریقہ کچھ عرصہ کے بعد موقوف کر دیا جائے گا۔ مگر میرا یہ خیال تھا کہ ہندوستان کو ایسے غیر معین وعدے سے مطمئن نہ ہونا چاہیئے بلکہ فوری منسوخی کے لئے جدوجہد کرنا چاہیئے۔ یہ محض ہمارے ملک کی غفلت تھی کہ وہ اس جبر کو برداشت کرتا رہا۔ میں سمجھتا تھا کہ اگر اب بھی سارے ملک میں اس کے خلاف احتجاج کا شور بلند ہو تو کامیابی یقینی ہے۔ میں نے چند لیڈروں سے ملاقات کی۔ اخبارات میں مضمون لکھے اور یہ اندازہ کر لیا کہ عام رائے سختی کے ساتھ اس کی فوری منسوخی کی حمایت میں ہے۔ اب یہ سوال تھا کہ کیا یہ ایسی چیز ہے جس کے لئے ستیاگرہ کی جائے۔ مجھے ستیاگرہ کے ضروری ہونے میں کوئی شبہہ نہیں تھا۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کا طریقہ کیا ہو۔

اس اثناء میں وائسرائے نے صاف صاف کہہ دیا کہ "کچھ عرصہ کے بعد منسوخی" کے معنی ہیں

Marfat.com

"اتنے دن کے بعد کہ آجروں کو کوئی دوسرا انتظام کرنے کی مہلت مل جائے۔"

فروری 1917ء میں پنڈت مالوی جی نے پابند مزدوری کی فوری منسوخی کے لئے ایک مسودہ پیش کرنے کی اجازت مانگی۔ لارڈ چمسفورڈ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اب وہ وقت آ گیا کہ میں سارے ہندوستان میں احتجاج کا شور برپا کرانے کے لئے دورہ کروں۔

مگر میں نے مناسب سمجھا کہ پہلے وائسرائے سے مل لوں۔ میں نے ان سے ملاقات کی درخواست کی جو فوراً منظور ہو گئی۔ مسٹر میفی (جو اب سر جان سیفی کہلاتے ہیں ان کے) پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ مجھے ان سے اکثر ملنے جلنے کا اتفاق ہوا ہے۔ لارڈ چمسفورڈ سے جو گفتگو ہوئی وہ قابل اطمینان تھی۔ انہوں نے کوئی صریحی بات تو نہیں کہی مگر یہ کہا کہ میں مدد کروں گا۔

میں نے اپنا دورہ بمبئی سے شروع کیا۔ مسٹر جہانگیر پٹیٹ نے امپیریل سٹیزنشپ ایسوسی ایشن (انجمن شہریان سلطنت برطانیہ) کی طرف سے جلسہ کرانے کا وعدہ کیا۔ پہلے انجمن کی مجلس انتظامیہ کا جلسہ ہوا کہ جلسہ عام میں پیش کرنے کے لئے ریزولیوشن ترتیب دے۔ اجلاس میں ڈاکٹر اسٹینلے ریڈ، للو بھائی سامل داس (جو اب سر ہو گئے ہیں) نترنجن جی اور سٹر پیٹیٹ موجود تھے۔ بحث اس بات پر تھی کہ حکومت کو منسوخی کے لئے کتنا وقت دیا جائے۔ تین تجویزیں پیش تھی۔ ایک میں "جلد سے جلد" دوسری میں "31 جولائی تک" اور تیسری میں "فوری" منسوخی کا مطالبہ تھا۔ میں چاہتا تھا کوئی تاریخ مقرر کر دی جائے تاکہ اگر حکومت اس وقت تک ہماری درخواست پوری نہ کرے تو ہم اپنے آئندہ طرز عمل کے متعلق فیصلہ کر سکیں۔ للو بھائی "فوری منسوخی" کے حامی تھے۔ ان کے نزدیک اکتیس جولائی تک کی مہلت زیادہ تھی۔ میں نے کہا کہ لوگ فوری کا مفہوم نہیں سمجھیں گے اگر ہم ان سے کچھ عملی کام کرانا چاہتے ہیں تو تاریخ کی صراحت کر دینا چاہیئے "فوری کی تاویل ہر فریق اپنے طور پر کر سکتا ہے مگر 31 جولائی" میں کسی طرح کے شبہے کی گنجائش نہیں اگر اس وقت تک کوئی کارروائی نہ ہوئی تو ہم اور تدبیریں اختیار کر سکیں گے۔ ڈاکٹر ریڈ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور آخر میں للو بھائی نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ ہم نے یہی طے کیا کہ حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ 31 جولائی تک منسوخی کا اعلان کر دے۔ جلسہ عام میں اس مضمون کا ریزولیشن پاس ہو گیا اور سارے ہندوستان میں اس کی تائید میں جلسے کئے گئے۔

مسز جے جی پیٹیٹ نے انتہائی سرگرمی اور مستعدی سے کام لے کر خواتین کا ایک وفد ترتیب دیا اور اسے وائسرائے کی خدمت میں لے گئیں۔ بمبئی سے جو خواتین گئی تھیں ان میں سے مجھے لیڈی ٹاٹا اور دلشاد بیگم صاحبہ کے نام یاد ہیں۔ یہ وفد بہت کامیاب رہا۔ وائسرائے نے ہمت افزا جواب دیا۔

Marfat.com

میں نے کراچی، کلکتہ اور بہت سے اور شہروں کا دورہ کیا۔ ہر مقام پر شاندار جلسے ہوئے اور بے انتہا جوش کا اظہار کیا گیا۔ مجھے اس تحریک کو شروع کرتے وقت اتنی کامیابی کی توقع نہ تھی۔

ان دنوں میں تنہا سفر کرتا تھا اس لئے مجھے بڑے دل چسپ تجربے ہوا کرتے تھے۔ خفیہ پولیس والے ہمیشہ میرے پیچھے لگے رہتے تھے۔ مگر میری بات چھپی ہوئی نہیں تھی اس لئے نہ وہ مجھے ستاتے تھے اور نہ میں ان سے تعرض کرتا تھا خوش قسمتی سے اس وقت تک میرے نام کے ساتھ "مہاتما" کا دم چھلا نہیں لگا تھا۔ اگر بعض مقامات پر جہاں لوگ مجھ سے واقف تھے اس لقب کے نعرے لگائے جاتے تھے۔

ایک بار خفیہ پولیس والوں نے مجھے کئی اسٹیشنوں پر آکر پریشان کیا۔ میرا نام پوچھتے اور ٹکٹ کا نمبر لکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ میں بڑی خوشی سے ان کے سوالوں کا جواب دیتا رہا میرے ہمسفر مجھے یہ سمجھتے تھے کہ یہ کوئی سادھو یا فقیر ہے۔ انہیں یہ دیکھ کر کہ خفیہ پولیس والے مجھے ہر اسٹیشن پر دق کرتے ہیں، غصہ آگیا اور انہوں نے ان لوگوں کو خوب ڈانٹا۔ انہوں نے کہا "اس غریب سادھو کو ناحق کیوں ستاتے ہو" اور مجھ سے کہنے لگے "تم ہرگز ان بدمعاشوں کو ٹکٹ نہ دکھاؤ۔"

میں نے نرمی سے کہا "ٹکٹ دکھانے میں میرا کیا حرج ہے؟ یہ بیچارے اپنا فرض ادا کر رہے ہیں، مسافروں کو اس سے اطمینان نہیں ہوا۔" انہوں نے مجھ سے اور زیادہ ہمدردی کا اظہار کیا اور آپس میں کہنے لگے کہ کیسا اندھیر ہے کہ لوگ بے گناہوں کو خواہ مخواہ پریشان کرتے ہیں۔

مجھے خفیہ پولیس والوں کے سبب سے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ البتہ تیسرے درجے کے سفر میں بڑی مصیبتیں اٹھانا پڑتی تھیں۔ سب سے زیادہ تلخ تجربہ مجھے لاہور سے دہلی تک کے سفر میں ہوا۔ میں کراچی سے کلکتے جا رہا تھا اور لاہور میں گاڑی بدلنا تھی۔ دہلی کی گاڑی میں مجھے کسی طرح جگہ نہیں ملتی تھی۔ گاڑی کھچاکھچ بھری ہوئی تھی اور جو لوگ اندر گھسنا چاہتے تھے انہیں دھینگا مشتی کرنا پڑتی تھی۔ جن ڈبوں کے دروازے بند تھے ان میں لوگ کھڑکیوں سے چڑھ جاتے تھے۔ مجھے جلسے کی تاریخ پر کلکتے پہنچنا تھا اور اس گاڑی سے نہ جاؤں تو وقت پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ میں جگہ ملنے سے قریب قریب مایوس ہو گیا تھا لوگ مجھے کہیں دھنسنے نہیں دیتے تھے۔ ایک قلی نے میری یہ حالت دیکھ کر مجھ سے کہا "مجھے بارہ آنہ دو تو میں جگہ دلوا دوں۔" میں نے کہا "اچھا اگر مجھے بٹھا دو تو میں بارہ آنے دے دوں گا" نوجوان قلی گاڑی گاڑی پھر کر مسافروں کی خاشامد کرنے لگا مگر وہاں کون سنتا تھا۔ گاڑی چھوٹنے والی تھی کہ ایک ڈبے کے مسافروں نے کہا جگہ تو یہاں بالکل نہیں مگر تم سے ہو سکے تو اسے اندر ڈھکیل دو۔ کھڑے

Marfat.com

کھڑے چلا جائے گا، قلی نے مجھ سے پوچھامیں فوراً راضی ہو گیااور اس نے مجھے اٹھا کر کھڑکی سے ڈھکیل دیا۔اس طرح قلی نے مجھے جگہ دلوائی اور اپنے بارہ آنے کھرے کر لئے۔

یہ رات میرے لئے بڑی مصیبت کی رات تھی۔ دوسرے مسافروں نے گھس پیٹھ کر بیٹھنے کی جگہ نکال لی۔ میں دو گھنٹے تک اوپر کی بنچ کی زنجیر تھامے کھڑارہا۔اس پر بھی چند مسافر مجھے چین نہیں لینے دیتے تھے وہ کہتے تھے "بیٹھ کیوں نہیں جاتا؟"میں نے عذر کیا کہ بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے مگر انہیں اس سے اطمینان نہیں ہوا۔وہ اوپر کی بنچ پر مزے میں پیر پھیلائے لیٹے تھے مگر میرا کھڑارہنا بھی انہیں ناگوار تھا۔ وہ مجھے برابر ڈانٹتے رہے اور میں نرمی سے جواب دیتارہا۔ آخر وہ بھی نرم پڑ گئے۔چند لوگوں نے میرا نام پوچھا۔ جب میں نے نام بتایا تو وہ بہت شرمندہ ہوئے۔انہوں نے مجھ سے معذرت کی اور سمٹ سمٹا کر میرے لئے بیٹھنے کی جگہ نکالی اس طرح مجھے صبر کا پھل ملا۔میں تھک کر چور ہو گیا تھااور مجھے چکر آرہے تھے۔خدانے عین وقت پر میری مدد کی۔

غرض کسی نہ کسی طرح میں دہلی اور وہاں سے کلکتے پہنچا۔وہاں میں مہاراجہ قاسم بازار کا مہمان تھا جو جلسے کی صدارت کرنے والے تھے۔ کراچی کی طرح یہاں بھی بیحد جوش کا اظہار کیا گیا۔ جلسے میں کئی انگریز بھی شریک تھے۔

31 جولائی سے پہلے حکومت نے اعلان کر دیا کہ ہندوستان سے پابند مزدوروں کا بھیجنا بند کیا جاتا ہے۔

1894ء میں میں نے پابند مزدوری کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے پہلی درخواست لکھی تھی اور مجھے اسی زمانے میں پوری امید تھی۔یہ طلسم جسے سرو۔ وہنٹر "نیم غلامی" کہتے تھے کسی نہ کسی دن ٹوٹ کر رہے گا۔

اس تحریک میں جو 1894ء میں شروع ہوئی تھی بہت سے لوگوں نے مدد دی۔لیکن میں تو یہی کہوں گا کہ ستیاگرہ کاامکان نہ ہوتا تو اس طلسم کا خاتمہ اتنی جلدی ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔

جو لوگ اس تحریک کی مزید تفصیلات معلوم کرنا چاہتے ہوں وہ میری کتاب "جنوبی افریقہ کی ستیاگرہ کی تاریخ" کامطالعہ کریں۔

Marfat.com

بارھواں باب

نیل کا دھبا

چمپارن راجہ جنک کا ملک ہے۔ جس طرح وہاں آم کے باغوں کی کثرت ہے اسی طرح 1917ء تک نیل کی کاشت پھیلی ہوئی تھی، چمپارن کے کاشتکار اس کے پابند تھے کہ اپنی زمین کے بیس حصوں میں سے تین میں زمیندار کے لئے نیل کی کاشت کریں۔ یہ نظام "تن گھتیا" کہلاتا تھا۔ "گتھ" ایک ایکڑ کے بیسویں حصے کو کہتے ہیں۔

سچ پوچھئے تو مجھے اس وقت تک یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ چمپارن کہاں ہے بلکہ میں نے اس کا نام تک نہیں سنا تھا مجھے مطلق خبر نہ تھی کہ نیل کے کھیت کیسے ہوتے ہیں میں نے نیل کے بورے ضرور دیکھے تھے مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ چمپارن میں ہزاروں کاشتکاروں پر ظلم کر کے تیار کئے گئے ہیں۔

راجکمار شکل ایک کاشتکار تھے جنہوں نے خود اس شکنجے کی اذیت سہی تھی اور ان کے دل میں یہ جوش تھا کہ اپنے ہزاروں بھائیوں کے دامن سے، جو ان کی طرح تکلیفیں اٹھا رہے ہیں، یہ نیل کا دھبا چھڑائیں۔

میں 1916ء کی کانگریس میں لکھنؤ گیا تھا وہاں راجکمار شکل نے مجھے آن پکڑا اور مجھ سے اصرار کرنے لگے کہ چمپارن چلو۔ انہوں نے کہا "وکیل بابو آپ کو ہمارے دکھ درد کا سارا حال بتائیں گے" یہ وکیل بابو برجکشور پرشاد جی تھے جو بہار میں قومی کاموں کے روح رواں ہیں اور جن کی رفاقت کا فخر مجھے چمپارن میں ہوا۔ راجکمار شکل انہیں میرے خیمے میں لے آئے۔ وہ سیاہ الپکے کی اچکن اور پتلون پہنے تھے پہلی ملاقات میں مجھ پر بابو صاحب کا کچھ اچھا اثر نہیں پڑا۔ میں سمجھا کہ یہ کوئی وکیل ہیں جو بھولے بھالے

Marfat.com

کاشتکاروں کو پھانس کر اپنا کام نکالنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے چمپارن کے حالات سنائے اور میں نے حسب معمول یہ جواب دیا۔ "میں جب تک سارے حالات خود نہ دیکھ لوں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ آپ کانگریس میں ریزولیوشن ضرور پیش کیجئے مگر مجھے تو مہربانی کر کے ابھی چھوڑ ہی دیجئے، ظاہر ہے کہ راجکمار شکل کانگریس سے بھی مدد چاہتے تھے۔ بابو رجکشور پرشاد نے اہل چمپارن سے ہمدردی کا ریزولیوشن پیش کیا اور وہ اتفاق رائے سے پاس کیا گیا۔

راجکمار شکل کو اس سے خوشی ہوئی مگر ان کا پورا اطمینان نہیں ہوا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں خود چمپارن جاؤں اور کسانوں کی مصیبت دیکھوں۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ میں اپنے دورے کے سلسلے میں دو ایک دن چمپارن میں بھی آکر ٹھہروں گا۔ انہوں نے کہا۔ ایک ہی دن کافی ہے آپ اپنی آنکھ سے دیکھ لیں گے کہ کیا حال ہے۔

لکھنؤ سے میں کانپور گیا۔ راجکمار شکل میرے ساتھ ساتھ وہاں بھی پہنچے۔ انہوں نے بڑے اصرار سے کہا "چمپارن یہاں سے نزدیک ہے۔ مہربانی کر کے ایک دن کے لئے چلے چلئے۔"

میں نے کہا "اس وقت تو معاف کیجئے مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ ضرور آؤں گا" وہاں سے میں آشرم آیا۔ دھن کے پکے راجکمار وہاں بھی پہنچے۔ انہوں نے کہا "مہربانی کر کے آپ کوئی تاریخ مقرر کر دیجئے،" میں نے جواب دیا "مجھے فلاں تاریخ کو کلکتے جانا ہے آپ وہاں مجھ سے ملئے گا اور مجھے ساتھ لے چلئے گا، مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ کہاں جانا ہے، کیا دیکھنا ہے اور کیا کرنا ہے۔

میں کلکتے میں بپن بابو کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ راجکمار پہلے سے براج رہے ہیں۔ غرض اس بے پڑھے لکھے، بھولے بھالے مگر دھن کے پکے کسان نے مجھے گرفتار کر ہی لیا۔

1917ء کے شروع میں ہم کلکتے سے چمپارن روانہ ہوئے ہم دونوں کی وضع ایک سی تھی، دونوں دیہاتی معلوم ہوتے تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کونسی گاڑی میں جانا ہے۔ انہوں نے مجھے لے جا کر ایک گاڑی میں اپنے ساتھ بٹھالیا اور صبح کو ہم دونوں پٹنہ پہنچ گئے۔ مجھے پٹنہ جانے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ میرا کوئی دوست یا ملاقاتی وہاں نہیں تھا جس کے یہاں جا کر ٹھہر سکتا۔ میں سمجھتا تھا کہ راجکمار شکل معمولی کسان ہیں تو کیا ہوا پٹنہ میں کچھ لوگوں سے ان کی جان پہچان ضرور ہوگی۔ راہ میں مجھے ان کی طبیعت کا کچھ تھوڑا بہت اندازہ ہوا اور پٹنہ پہنچ کر جو کچھ غلط فہمی تھی دور ہوگئی۔ بیچارے بالکل سادہ لوح تھے۔ جن وکیلوں کو وہ اپنا دوست سمجھتے تھے وہ ان غریب سے نوکروں کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ کہاں وکیل صاحب اور کسان موکل کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگا تیلی۔

Marfat.com

راجکمار مجھے راجندر بابو کے گھر لے گئے وہ پوری یا کسی اور جگہ گئے ہوئے تھے بنگلے میں دو تین نوکر تھے جنہوں نے ہماری بات تک نہیں پوچھی۔ میرے پاس تھوڑا بہت کھانے کا سامان موجود تھا۔ مجھے کھجوروں کی ضرورت تھی جو میرے دوست نے بازار سے لادیں۔

بہار میں چھوت چھات کا بڑا زور تھا۔ راجندر بابو کے نوکر اس کے روادار نہیں تھے کہ جس وقت وہ کنوئیں کے پاس موجود ہوں میں پانی بھروں۔ انہیں میری ذات معلوم نہیں تھی اس لئے احتیاط کرتے تھے کہ کہیں میرے ڈول کے چھینٹے ان کے جسم کو ناپاک نہ کر دیں مجھے قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی، راجکمار نے مجھے اندر کا پاخانہ بتایا مگر ایک نوکر نے فوراً باہر کے پاخانے کی طرف اشارہ کیا میں ان باتوں کا عادی تھا اس لئے مجھے نہ تعجب ہوا اور نہ برا معلوم ہوا یہ لوگ اپنے خیال میں اپنا فرض ادا کر رہے تھے اور راجندر بابو کی منشار کے مطابق عمل کر رہے تھے۔

ان دلچسپ تجربوں سے جہاں مجھے راجکمار شکل کی سادہ لوحی کا اندازہ ہوا وہاں میرے دل میں ان کی عزت بڑھ گئی مگر یہ میں نے سمجھ لیا کہ ان کی رہنمائی سے کام نہیں چلے گا اب مجھے معاملہ اپنے ہاتھ میں لینا چاہیئے۔

Marfat.com

Marfat.com

تیرھواں باب

بہاریوں کی شرافت اور نیک دلی۔

مجھ سے اور مولانا مظہرالحق سے اس زمانے کی ملاقات تھی جب وہ لندن میں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے اس کے بعد 1915 ء میں جس سال وہ مسلم لیگ کے صدر تھے، بمبئی کی کانگریس میں انہوں نے اس ملاقات کی تجدید کی اور مجھے دعوت دی کہ جب پٹنہ آؤ تو میرے گھر ٹھہرنا۔ اس وقت مجھے وہ دعوت یاد آئی اور میں نے انہیں ایک رقعہ بھیجا جس میں یہ بھی لکھ دیا کہ میں چمپارن جانے کی غرض سے یہاں آیا ہوں وہ فوراً اپنی موٹر کار میں پہنچے اور بڑا اصرار کرنے لگے کہ میرے یہاں چل کر ٹھہرو۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان سے یہ درخواست کی کہ مجھے سب سے پہلی گاڑی میں جو چمپارن جاتی ہو بٹھا دیں کیونکہ میرے جیسے اجنبی کو ریل کے ٹائم ٹیبل سے کچھ پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ انہوں نے راجکمار شکل سے گفتگو کرنے کے بعد یہ تجویز کی کہ پہلے مظفر پور جاؤ۔ شام کو انہوں نے مجھے مظفر پور کی گاڑی سے روانہ کر دیا۔

پرنسپل کرپلانی اس زمانے میں مظفر پور میں تھے۔ میں جب حیدر آباد (سندھ) گیا تھا اس وقت سے ان سے ملاقات تھی۔ ڈاکٹر چھونت رام نے مجھ سے ان کے ایثار اور ان کی سادگی کی تعریف کی تھی اور اپنے آشرم کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس کے مصارف کا انتظام پروفیسر کرپلانی ہی نے کیا ہے وہ پہلے مظفر پور کے گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھے مگر میرے پہنچنے سے کچھ دن پہلے اس عہدے سے استعفیٰ دے چکے تھے میں نے انہیں تار کے ذریعہ سے اپنے آنے کی اطلاع دے دی تھی اور باوجودیکہ گاڑی آدھی رات کو پہنچی وہ طالب علموں کی فوج ساتھ لئے اسٹیشن پر موجود تھے۔ ان کا خود کوئی مکان نہیں تھا بلکہ وہ پروفیسر ملکانی کے یہاں رہتے تھے اس لئے مجھے بھی اصل میں انہیں کا مہمان ہونا پڑا۔ اس زمانے میں ایک گورنمنٹ کالج کے پروفیسر کا میرے جیسے شخص کو اپنے یہاں ٹھہرانا غیر معمولی

Marfat.com

بات تھی۔

پروفیسر کرپلانی نے مجھے بہار کی خصوصاً ترہٹ کی کمشنری کی حالت زار بتائی جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ میرا کام کس قدر مشکل ہے ان سے بہار کے لوگوں سے بہت میل جول تھا انہوں نے ان لوگوں پر میرے آنے کی غرض ظاہر کی۔ صبح کو چند وکیل مجھ سے ملنے آئے۔ ان میں سے رام نرمی پرشاد جی کا نام مجھے اب تک یاد ہے کیونکہ ان کے جوش اور خلوص کا میرے دل پر بہت اثر ہوا انہوں نے کہا "آپ جو کام کرنے کے لئے آئے ہیں وہ یہاں (یعنی پروفیسر تلکانی کے گھر) رہ کر نہیں کر سکتے۔ آپ ہم لوگوں میں کسی کے یہاں اٹھ چلئے۔ گیا بابو یہاں کے مشہور وکیل ہیں۔ میں آپ کو ان کی طرف سے دعوت دینے آیا ہوں کہ ان کے یہاں قیام کیجئے۔ سچ پوچھئے تو ہم گورنمنٹ سے ڈرتے ہیں مگر ہم سے جو کچھ مدد ہو سکے گی کریں گے۔ راجکمار شکل نے آپ سے جو باتیں بیان کی ہیں ان میں سے اکثر صحیح ہیں، افسوس ہے کہ ہمارے لیڈر بابو برج کشور اور بابو راجندر پرشاد یہاں موجود نہیں میں نے ان دونوں کو تار دے دیئے ہیں مجھے امید ہے کہ وہ جلد یہاں پہنچ جائیں گے اور ان سے آپ کو یقیناً ہر طرح کی معلومات بہم پہنچی گی اور بہت کچھ مدد ملے گی۔ آپ تو اب گیا بابو کے یہاں تشریف لے چلئے۔

یہ ایسی درخواست تھی جسے میں رد نہیں کر سکتا تھا۔ پھر بھی مجھے تھوڑا سا تامل تھا کہ کہیں گیا بابو کو میری وجہ سے نقصان نہ پہنچ جائے مگر انہوں نے مجھے اطمینان دلایا اور میں ان کے یہاں اٹھ گیا۔ وہ ان کے خاندان والے میرے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے۔

اس عرصے میں برجکشور بابو دربھنگا سے اور راجندر بابو پوری سے آ گئے۔ اب کی برجکشور بابو مجھے اور ہی رنگ میں نظر آئے یہ وہ بابو برجکشور پرشاد نہیں تھے جو مجھے لکھنؤ میں ملے تھے ان کی منکسر مزاجی، سادگی، نیکی اور حسن عقیدت نے جو بہاریوں کے حصے کی چیزیں ہیں، میرے دل کو روحانی مسرت سے مالا مال کر دیا مجھے یہ دیکھ کر حیرت اور خوشی ہوئی کہ بہار کے وکیل ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

تھوڑے ہی دن میں میرے اور اس حلقہ احباب کے درمیان محبت اور دوستی کا رشتہ استوار ہو گیا۔ بابو برجکشور نے مجھے سارے واقعات سمجھائے ان کے پاس غریب کسانوں کے مقدمے رہا کرتے تھے۔ اس وقت بھی دو مقدموں کی کارروائی جاری تھی جب وہ ان مقدموں میں کامیاب ہوتے تو اپنے دل میں یہ سمجھتے کہ میں غریبوں کی مدد کر رہا ہوں حالانکہ وہ ان بیچاروں سے فیس برابر وصول کرتے تھے۔ وکیلوں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ اگر ہم فیس نہ لیں تو ہمارا خرچ نہیں چلے گا اور ہم غریبوں کی مدد نہیں کر سکیں گے بنگال اور بہار کے وکیلوں کی فیس کی شرح سن کر میرے ہوش اڑ گئے مجھ سے لوگوں

Marfat.com

نے کہا "ہم نے فلاں شخص سے اپنے مقدمے میں رائے لی تھی، اسے دس ہزار روپے دیئے" ہزاروں سے کم کی بات چیت نہ تھی۔

میں نے ان لوگوں کو دوستانہ ملامت کی۔ یہ جھڑکیاں انہیں ناگوار نہیں ہوئیں میں نے کہا "ان سب واقعات کو سننے کے بعد میری یہ رائے ہے کہ ہمیں مقدمے بازی نہیں کرنی چاہیئے اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ جب کسانوں پر یہ ظلم ہوتے ہیں اور ان کے دلوں میں خوف بیٹھا ہوا ہے تو عدالتیں بیکار ہیں۔ ان کی مدد کا صرف یہی طریقہ ہے کہ ان کے دل سے خوف دور کر دیا جائے۔ جب تک بہار میں تنگتھیا کا خاتمہ نہ ہو جائے ہمیں چین نہ لینا چاہیئے میرا قصد یہاں دو دن ٹھہرنے کا تھا مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ عجب نہیں اس کام میں دو سال لگ جائیں۔ میں تیار ہوں کہ جب تک ضرورت ہو یہاں ٹھہروں۔ میں نے سمجھ لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے مگر آپ لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے۔

میں نے دیکھا کہ برجکشور بابو بڑی سمجھ بوجھ کے آدمی ہیں انہوں نے سنجیدگی سے کہا "ہم سے جہاں تک بنے گا مدد کریں گے مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ کو کس قسم کی مدد کی ضرورت ہو گی۔"

یہ باتیں آدھی رات تک ہوتی رہیں۔

میں نے کہا "مجھے آپ کی قانونی معلومات کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ مجھے صرف محرر اور ترجمان چاہیئں۔ ممکن ہے کہ جیل خانے جانے کی نوبت آئے۔ خوشی تو مجھے جب ہو گی کہ آپ اس میں بھی میرا ساتھ دیں مگر میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔ آپ کا یہی ایثار کیا کم ہے کہ آپ محرری کا کام کریں اور غیر معین مدت کے لئے اپنے پیشے کو ترک کر دیں۔ مجھے یہاں کی ہندی سمجھنے میں دقت ہوتی ہے اور گیتھی یا اردو کے کاغذات تو پڑھ ہی نہیں سکتا آپ کو ان کا ترجمہ میرے لئے کرنا ہو گا ہم میں اتنی استطاعت نہیں کہ اس کا معاوضہ دیں۔ یہ سارا کام خدمت اور ایثار کی نیت سے مفت ہونا چاہیئے۔

برجکشور بابو میرا مطالب سمجھ گئے انہوں نے باری باری سے مجھ سے اور اپنے رفیقوں سے جرح شروع کی۔ مجھ سے انہوں نے اس قسم کے سوالات کئے۔ آپ کو کتنے دن تک ہماری خدمات کی ضرورت ہے اور کتنے آدمی چاہیئں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم لوگ باری باری سے کام کریں؟" وکیلوں سے انہوں نے پوچھا "آپ لوگوں میں سے کون کون کام کرنے کے لئے تیار ہیں اور کتنے دن کر سکتے ہیں؟"

اس ساری بحث کے بعد ان لوگوں نے مجھ سے کہا۔ "ہم میں سے فلاں فلاں شخص آپ کی مدد کے لئے تیار ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جب تک ضرورت ہو حاضر رہیں گے جیل جانے پر آمادہ ہونا ہمارے لئے بالکل نئی چیز ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ ہم میں اتنی ہمت پیدا ہو جائے۔"

Marfat.com

Marfat.com

چودھواں باب

"اہمسا" کا نظارہ

میرا مقصد یہ تھا کہ چمپارن کے کسانوں کی حالت کا مطالعہ کروں اور یہ معلوم کروں کہ انہیں نیل کی کوٹھی والوں سے کیا کیا شکایتیں ہیں۔ اس کے لئے ہزاروں کاشتکاروں سے ملنے کی ضرورت تھی مگر یہ تحقیقات شروع کرنے سے پہلے میں نے کوٹھی والوں کے خیالات سے واقف ہونا اور اس قسمت کے کمشنر سے ملنا ضروری سمجھا چنانچہ میں نے کوٹھی والوں کی انجمن کے سیکرٹری اور ترہٹ کمشنر سے ملاقات کی درخواست کی جسے دونوں نے منظور کر لیا۔

انجمن کے سیکرٹری نے مجھ سے صاف صاف کہا کہ تم باہر کے آدمی ہو تمہیں کوٹھی والوں اور ان کے کاشتکاروں کے باہمی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں پھر بھی اگر تم کچھ شکایتیں پیش کرنا چاہتے ہو تو تحریر کے ذریعے سے پیش کرو میں نے نرمی سے جواب دیا کہ میں اپنے آپ کو باہر کا آدمی نہیں سمجھتا اور جب کسان خود چاہتے ہیں کہ میں ان کے حالات کی تحقیقات کروں تو مجھے اس کا پورا حق ہے۔

کمشنر صاحب سے ملا تو وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار تھے۔ انہوں نے مجھے بہت دھمکایا اور کہا تم فوراً ترہٹ سے چلے جاؤ۔

میں نے اپنے رفیقوں سے یہ سب واقعات بیان کئے۔ میں نے کہا کہ غالباً گورنمنٹ مجھے آگے جانے سے روک دے گی اور ممکن ہے کہ مجھے خلاف توقع ابھی سے جیل جانا پڑے جب مجھے گرفتار ہی ہونا ہے تو مناسب یہ ہے کہ میری گرفتاری موتیہاری میں بلکہ اگر ممکن ہو تو بیتیا میں ہو۔ اس لئے مجھے جلد سے جلد ان میں سے کسی مقام پر پہنچ جانا چاہیئے۔

Marfat.com

چمپارن ترہٹ کی قسمت کا ایک ضلع ہے اور اس کا صدر مقام موتیہاری ہے۔ راجکمار شکل کا گھر بیتیا کے قریب تھا اور اس نواح میں نیل کے کاشتکاروں کی حالت اور مقامات سے بھی بدتر تھی۔ راجکمار شکل چاہتے تھے کہ میں ان لوگوں سے ملوں اور مجھے بھی اس کی بہت خواہش تھی۔

چنانچہ میں اپنے رفیقوں کے ساتھ موتیہاری روانہ ہو گیا۔ وہاں ہم بابو گورکھ پرشاد کے مہمان ہوئے اور ان کا گھر سرائے بن گیا۔ اس میں اتنے آدمیوں کی گنجائش بڑی مشکل سے نکلی۔ اسی دن ہم نے یہ سنا کہ موتیہاری سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں کسی کاشتکار سے بدسلوکی کی گئی ہے۔ یہ طے ہوا کہ میں دوسرے دن صبح کو بابو دھرنی دھر پرشاد کے ساتھ جا کر اس کاشتکار سے ملوں، چنانچہ ہم دونوں ہاتھی پر بیٹھ کر چلے۔ چمپارن میں ہاتھیوں کی وہی کثرت ہے جو گجرات میں بیل گاڑیوں کی۔ ابھی ہم آدھی دور بھی نہیں گئے تھے کہ ایک شخص سپرنٹنڈنٹ پولیس کا پیام لایا کہ "صاحب نے آپ کو سلام بولا ہے۔" میں ان کا مطلب سمجھ گیا۔ دھرندر بابو کو تو میں نے اس گاؤں کی طرف بھیج دیا اور میں کرائے کی گاڑی میں بیٹھ گیا جو سپرنٹنڈنٹ کا آدمی لایا تھا۔ اس نے مجھے مجسٹریٹ کا حکم دکھایا کہ چمپارن سے فوراً چلے جاؤ اور مجھے میری قیام گاہ پر پہنچا دیا۔ اس نے مجھ سے اطلاعیابی کے تصدیق چاہی میں نے لکھ دیا کہ میں اس حکم کی تعمیل نہیں کروں گا اور جب تک میری تحقیقات ختم نہ ہو جائے گی میں چمپارن سے نہیں جاؤں گا۔ اس پر میرے پاس سمن پہنچا کہ کل تمہیں عدالت میں خلاف ورزی کی جواب دہی کرنا ہوگی۔

میں نے رات بھر جاگ کر خطوط لکھے اور برجکشور بابو کو ضروری ہدایتیں دیں۔ اس حکم اور سمن کے آنے کی خبر شہر بھر میں پھیل گئی اور لوگوں نے مجھ سے کہا کہ موتیہاری میں اس روز ایسے منظر دیکھنے میں آئے جو پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے گورکھ بابو کے مکان پر اور عدالت میں لوگوں کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ یہ بڑا اچھا ہوا کہ میں نے اپنا کام رات ہی کو ختم کر لیا تھا ورنہ یہ مجمع کچھ نہ کرنے دیتا۔ میرے رفیقوں نے اس موقعے پر بڑا کام کیا۔ انہوں نے اس مجمع کو جو میرے پیچھے پیچھے سب کہیں پہنچتا تھا قابو میں رکھا اور اس کی تنظیم اور ترتیب کرتے رہے۔

یہاں کے حکام یعنی کلکٹر اور سپرنٹنڈنٹ سے مجھ سے ایک طرح کی دوستی ہو گئی۔ میں قانوناً ان کے احکام کی اطلاعیابی سے انکار کرنے کا مجاز تھا مگر میں نے خوشی سے اطلاعیابی کر دی اور ان لوگوں کے ساتھ انتہائی تہذیب کا برتاؤ کیا۔ ان پر یہ ثابت ہو گیا کہ مجھے ان سے ذاتی مخالفت نہیں بلکہ میں صرف ان کے احکام کے خلاف سول نافرمانی کر رہا ہوں۔ اس سے انہیں بہت اطمینان ہو گیا اور انہوں نے مجھ پر

Marfat.com

سختی کرنے کی بجائے مجمع کی تنظیم میں میرا اور میرے ساتھیوں کا ہاتھ بٹایا۔ مگر یہ اس بات کا چشم دید ثبوت تھا کہ اس وقت ان کا رعب اٹھ گیا ہے۔ لوگوں نے کچھ دیر کے لئے سزا کا خوف دل سے نکال کر اپنے نئے دوست کی محبت کے آگے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

یہ یاد رہے کہ چمپارن میں کوئی شخص مجھے نہیں جانتا تھا۔ کسانوں نے میرا نام تک نہیں سنا تھا۔ چمپارن گنگا کے شمالی کنارے سے دور ہمالیہ کے دامن میں نیپال کی سرحد کے قریب واقع ہے۔ اس وقت تک یہاں کے لوگ ہندوستان کے بقیہ حصوں کے حالات سے بالکل بے خبر تھے۔ کانگریس کا نام ان کے کانوں تک ضرور پہنچا تھا مگر ہمیں شریک ہونا تو درکنار وہ اس کا ذکر کرتے ڈرتے تھے۔ مگر اب کانگریس کا ہاتھ ان کے دیس تک پہنچ گیا تھا اور اس کے ممبر وہاں جا پہنچے تھے اگرچہ اس معاملے میں کانگریس کا نام نہ تھا مگر کام اسی کا تھا۔

میں نے اپنے دوستوں کے مشورے سے یہ طے کیا تھا کہ ہم جو کچھ کریں اپنی طرف سے کریں کانگریس کا نام نہ آئے۔ ہمیں نام سے غرض نہ تھی، بلکہ کام سے تھی۔ جوہر سے زیادہ واسطہ تھا عرض سے نہ تھا۔ بات یہ تھی کانگریس کے نام سے گورنمنٹ اور اس کے دلی نعمت نیل کی کوٹھی والے بھڑکتے تھے۔ ان کے ذہن میں کانگریس کا مفہوم تھا وکیلوں کی کج بحثیاں، قانونی داؤ پیچ سے قانون کو پچھاڑنا، بم کے گولے، انارکسٹوں کے جرائم، حکمت عملی اور ریاکاری۔ ہم ان کے دل سے اس خیال کو دور کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کانگریس کو بیچ میں نہ لائیں اور کسانوں سے اس کا ذکر تک نہ کریں۔ ہم سمجھتے تھے کہ اگر ان لوگوں میں کانگریس کی اصلی روح پیدا ہو جائے تو یہی بہت کافی ہے۔

اس لئے ہمارے آنے سے پہلے کانگریس کی طرف سے، خفیہ یا اعلانیہ طور پر، کوئی سفیر لوگوں کو تیار کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا تھا۔ بیچارے راجکمار شکل ہزاروں کسانوں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس نواح میں اب تک کسی طرح کا سیاسی کام نہیں کیا گیا تھا۔ بیچارے کسانوں کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ چمپارن کے باہر بھی دنیا آباد ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا گویا میں ان کا برسوں کا دوست تھا۔ اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہو کہ ان کسانوں کے سابقہ میں مجھے خدا کا نور، اہمسا اور حق کا جلوہ نظر آ گیا۔

جب میں دل میں سوچتا ہوں کہ مجھے کس استحقاق کی بنا پر یہ دولت نصیب ہوئی تو سوائے اس محبت کے جو مجھے اپنے ہم جنسوں سے ہے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی اور یہ محبت خود "اہمسا" کے

Marfat.com

عقیدے کا نتیجہ ہے جو میرے دل پر اس طرح نقش ہے کہ مٹ نہیں سکتا۔

وہ دن میری زندگی میں یاد رہے گا۔ میرے لئے اور چمپارن کے کسانوں کے لئے وہ دن عید سے کم نہیں تھا۔

قانون کے مطابق میرے مقدمے کی تحقیقات درپیش تھی مگر سچ پوچھئے تو حکومت کا امتحان ہو رہا تھا۔ کمشنر نے جو جال میرے لئے پھیلایا تھا اس میں خود حکومت پھنس گئی۔

Marfat.com

پندرھواں باب

مقدمہ واپس لے لیا گیا

مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی۔ سرکاری وکیل، مجسٹریٹ اور دوسرے عہدیدار بڑی مشکل میں پڑ گئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں۔ سرکاری وکیل مجسٹریٹ پر زور ڈال رہا تھا کہ مقدمے کی پیشی بڑھا دی جائے مگر میں نے کہا اس کی کوئی ضرورت نہیں میں خود اپنے جرم کا اقرار کرتا ہوں کہ میں نے چمپارن سے چلے جانے کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ اس کے بعد میں نے حسب ذیل بیان پڑھ کر سنایا۔

"میں عدالت کی اجازت سے بہت اختصار کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اس حکم کی، جو دفعہ 144 تعزیرات ہند کے مطابق جاری کیا گیا تھا ظاہری خلاف ورزی کیوں کی۔ میری ناقص رائے میں بات صرف اتنی ہے کہ میرے اور مقامی حکام کے نقطہ نظر میں فرق ہے میں اس علاقے میں انسانی اور قومی خدمت کی نیت سے داخل ہوا تھا۔ مجھ سے اصرار کیا گیا تھا کہ یہاں آکر کسانوں کی مدد کروں جن کے ساتھ نیل کی کوٹھی والے ناانصافی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ میں بغیر واقعات کی تحقیقات کئے کوئی مدد نہیں کر سکتا اس لئے یہ چاہتا ہوں کہ، اگر ہو سکے تو حکام اور کوٹھی والوں کی مدد سے، صورت حال کا مطالعہ کروں۔ میری کوئی اور غرض نہیں ہے اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ میرے آنے سے نقص امن یا کشت و خون کا اندیشہ ہے مجھے یہ دعویٰ ہے کہ میں ان معاملات میں بہت کافی تجربہ رکھتا ہوں۔ مگر حکام کا خیال کچھ اور ہے مجھے خوب معلوم ہے کہ ان کے فرائض بہت نازک ہیں اور انہیں اس کے سوا چارہ نہیں کہ جو اطلاع ملے اس کی بنا پر کارروائی کریں۔ ایک پابند قانون شہری کی حیثیت سے میری طبیعت کا تقاضا یہی تھا کہ ان کے حکم کی تعمیل کروں۔ لیکن اگر ایسا کرتا تو ان کسانوں سے بے وفائی ہوتی جن کے بلانے سے میں آیا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی خدمت کے لئے میرا یہاں رہنا ضروری ہے اس لئے مجھے

Marfat.com

اپنے فعل سے چمپارن سے جانا گوارا نہیں ہوا۔ فرائض کی اس کشمکش میں میرے لئے سوائے اس کے کوئی صورت نہیں تھی کہ اپنے اخراج کی ذمہ داری حکام پر ڈالوں۔ میں اس بات کو پوری طرح محسوس کرتا ہوں کہ میری جیسی حیثیت کے آدمی کو بہت سمجھ بوجھ کر کوئی مثال قائم کرنا چاہیئے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اس پیچیدہ دستور اساسی کے ماتحت جو آج کل ہندوستان میں رائج ہے، ایسی صورت میں جو درپیش ہے۔ ہر خود دار اور محتاط آدمی کے لئے یہی مناسب ہے کہ میری طرح سول نافرمانی کرے اور چپ چاپ اس کی سزا بھگتے۔

میں یہ بیان اس غرض سے نہیں دے رہا ہوں کہ مجھے جو سزا دی جانے والی ہے اس میں تخفیف ہو جائے بلکہ مجھے صرف یہ دکھانا ہے کہ میں نے مجسٹریٹ کے حکم کی خلاف ورزی سوءادب کی بنا پر نہیں کی بلکہ فطرت انسانی کے بلند و برتر قانون یعنی ضمیر کے حکم کی تعمیل میں۔"

اس کے بعد پیشی بڑھانے کی کوئی وجہ نہ تھی لیکن چونکہ مجسٹریٹ اور سرکاری وکیل میری اس تقریر کے لئے تیار نہ تھے اس لئے مقدمہ ملتوی کر دیا گیا۔ اس عرصے میں میں نے وائسرائے پٹنہ کے احباب، پنڈت مدن موہن مالوی اور دوسرے لیڈروں کو تار کے ذریعے سارے واقعات کی اطلاع دے دی تھی۔

دوسری پیشی سے پہلے مجسٹریٹ کی تحریر پہنچی کہ لفٹننٹ گورنر نے مقدمہ واپس لینے کا حکم دیا ہے اور کلکٹر نے لکھا کہ آپ جو تحقیقات کرنا چاہتے ہیں شوق سے کیجئے اگر آپ کو حکام سے کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہوگی تو وہ خوشی سے دیں گے۔

میں مسٹر ہیکاک، کلکٹر سے ملا۔ وہ بڑے اچھے اور انصاف پسند آدمی معلوم ہوتے تھے انہوں نے کہا کہ آپ کو جن کاغذات کی ضرورت ہو بے تکلف طلب کیجئے اور جب جی چاہے مجھ سے ملئے۔

اس طرح سے ہندوستان نے سول نافرمانی کا پہلا عملی سبق سیکھا۔ اس مسئلے پر مقامی حلقوں میں اور اخباروں میں خوب بحثیں ہوئیں اور خلاف توقع میری تحقیقات کی بڑی اشاعت ہوئی۔ میری تحقیقات کے لئے حکومت کا غیر جانبدار رہنا ضروری تھا مگر اخباروں کے نامہ نگاروں کی تائید اور ان کے افتتاحی مقالوں سے مجھے کوئی فائدہ نہ تھا بلکہ سچ پوچھئے تو صورت حال اس قدر نازک تھی کہ زیادہ سخت تنقید یا مبالغہ آمیز اطلاعوں سے میرے مقصد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے میں نے بڑے بڑے اخباروں کے اڈیٹروں کو لکھا کہ آپ نامہ نگار بھیجنے کی زحمت نہ کیجئے جس چیز کی اشاعت کی ضرورت ہوگی میں خود آپ کو لکھ بھیجوں گا اور واقعات کی اطلاع برابر دیتا رہوں گا۔

Marfat.com

میں جانتا تھا کہ حکومت کا ہمدردانہ رویہ چمپارن کے کوٹھی والوں کو سخت ناگوار ہے اور حکام بھی چاہے زبان سے کچھ نہ کہیں مگر دل میں خوش نہیں ہیں اس لئے اگر بے سروپایا غلط فہمی پیدا کرنے والی اطلاعیں شائع ہوں گی تو یہ لوگ اور زیادہ جھلائیں گے اور اپنا غصہ مجھ پر اتارنے کے بجائے غریب، خوف زدہ کسانوں پر اتاریں گے جس کی وجہ سے مجھے صحیح حالات معلوم کرنے میں بڑی دشواری ہو گی۔

اس احتیاط کے باوجود کوٹھی والے میرے خلاف زہر اگلنے سے باز نہ رہے اخباروں میں میرے اور میرے رفیقوں کے متعلق طرح طرح کی جھوٹی خبریں شائع ہوتی رہیں مگر میں اس قدر پھونک پھونک کر قدم رکھتا تھا اور چھوٹی سے چھوٹی بات میں سچائی کا اتنا خیال رکھتا تھا کہ حریفوں کی تلواریں کند ہو گئیں۔

کوٹھی والوں نے برجکشور بابو کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لیکن وہ اس معاملے میں جتنا اہتمام کرتے تھے اتنی ہی بابو صاحب کی عزت لوگوں کی نظروں میں بڑھتی جاتی تھی۔

ایسی نازک حالت میں مجھے یہ مناسب نہیں معلوم ہوا کہ دوسرے صوبوں کے لیڈروں کو چمپارن بلاؤں۔ پنڈت مالوی جی نے کہلا بھیجا تھا کہ تمہیں جب میری ضرورت ہو مجھے بلا بھیجو۔ مگر میں نے انہیں زحمت نہیں دی۔ میرا یہ تجربہ ہے کہ غیر سیاسی معاملات کو خواہ ان کی غرض سیاسی ہی کیوں نہ ہو، سیاست کا رنگ دینا مضر ہے اور سیاست سے بچائے رکھنا مفید ہے۔ چمپارن کے معرکے سے یہ ثابت ہو گیا کہ لوگوں کی بے غرض خدمت سے خواہ وہ کسی شعبے میں کی جائے ملک کو ایک نہ ایک دن سیاسی فائدہ بھی ضرور پہنچتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

سولھواں باب

کام کے طریقے

اگر میں اس تحقیقات کے تفصیلی حالات بیان کروں تو گویا مجھے چمپارن کے کسانوں کی اتنے دن کی پوری تاریخ لکھنا پڑے گی۔ ظاہر ہے کہ یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ چمپارن کی تحقیقات اہمسا اور حق کی تلاش کی ایک دلیرانہ سعی تھی اور میں ان ہفتہ وار مضامین میں صرف انہی باتوں کا ذکر کروں گا جو اس نقطہ نظر سے اہمیت رکھتی ہیں جن حضرات کو تفصیلی حالات معلوم کرنا ہوں وہ بابو راجندر پرشاد کی چمپارن کی ستیاگرہ کی تاریخ پڑھیں یہ کتاب ہندی میں ہے اور اس کا انگریزی ترجمہ (1) بھی چھپ رہا ہے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد میں اصل واقعے کی طرف رجوع کرتا ہوں مجھے یہ دقت تھی کہ تحقیقات کہاں کی جائے گورکھ بابو کے گھر میں یہ بکھیڑا ہوتا تو اس بیچارے کو گھر خالی کرنا پڑتا۔ دوسرے مکان کی تلاش تھی مگر ابھی تک موتیہاری کے لوگ ہمیں اپنا مکان کرائے پر دیتے ڈرتے تھے تاہم برجکشور بابو نے تالیف قلوب سے کام لے کر ہمیں ایک مکان دلوا دیا جس کے احاطے میں ایک کشادہ میدان بھی تھا۔

اس کام کے لئے کچھ نہ کچھ روپے کی ضرورت تھی۔ اب تک کبھی اس قسم کے کام کے لئے چندہ نہیں ہوا تھا۔ برجکشور بابو خود اور ان کے دوست زیادہ تر وکیل تھے جو ضرورت کے وقت یا تو خود چندہ دیتے تھے یا اپنے احباب سے دلواتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جب ہم خود دے سکتے ہیں تو دوسروں سے کس منہ سے مانگیں۔ یہ میں نے بالکل طے کر لیا تھا کہ چمپارن کے کسانوں سے ایک پیسہ بھی نہیں لوں گا۔ ایسا کرتا تو لوگوں کو شبہہ کرنے کا موقع ملتا۔ ملک میں عام چندہ کرنا بھی مجھے منظور نہیں تھا

Marfat.com

کیونکہ اس سے تحقیقات میں سیاسی رنگ آ جانے کا اندیشہ تھا۔ بمبئی کے چند دوستوں نے پندرہ ہزار روپیہ دینا چاہا مگر میں نے شکریئے کے ساتھ انکار کر دیا۔ آخر میں میں نے یہ فیصلہ کیا بر جکشور بابو کی مدد سے بہار کے دوسرے مقامات میں آسودہ حال لوگوں سے چندہ کروں اور اگر یہ کافی نہ ہو تو اپنے رنگون کے دوست ڈاکٹر جے۔ پی۔ مہتا کو تکلیف دوں انہوں نے میرے لکھنے پر بڑی خوشی سے وعدہ کر لیا کہ مجھے جتنے روپے کی ضرورت ہو گی بھیجیں گے۔ غرض ادھر سے ہمیں پورا اطمینان ہو گیا۔ ہمیں کوئی بہت بڑی رقم درکار نہیں تھی کیونکہ چمپارن والوں کی غربت کا لحاظ کرتے ہوئے ہم بہت کفایت سے کام لیتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ہم نے سب ملا کر تین ہزار روپے سے زیادہ خرچ نہیں کیا اور جہاں تک مجھے یاد ہے جو چندہ جمع ہوا تھا اس میں سے دو چار سو روپے بچ رہے۔

شروع شروع میں میرے رفیق جس ٹھاٹ سے رہتے تھے اس کی خوب ہنسی اڑتی تھی۔ ہر وکیل کے ساتھ ایک خدمت گار اور ایک باورچی تھا۔ ہر ایک کا باورچی خانہ الگ تھا اور یہ لوگ بارہ بجے رات کو کھانا کھاتے تھے۔ یہ اپنے مصارف خود برداشت کرتے تھے پھر بھی مجھے ان کے لاابالی پن سے تکلیف ہوتی تھی۔ میں ان کا مضحکہ اڑاتا تھا مگر ہمارے آپس میں اس قدر گہرے تعلقات ہو گئے تھے کہ وہ کبھی برا نہیں مانتے تھے۔ آخر یہ طے ہوا کہ نوکر رخصت کر دیئے جائیں سب کا کھانا ایک جگہ پکے اور کھانے کے اوقات کی پابندی کی جائے۔ سب لوگ نباتاتی نہیں تھے مگر چونکہ دو جگہ کھانا پکنے میں خرچ زیادہ تھا اس لئے سب نے نباتاتی غذا پر بسر کرنا منظور کر لیا۔ کھانے میں سادگی بھی اختیار کی گئی۔

اس انتظام کی بدولت خرچ بہت کم ہو گیا اور بہت سا وقت جو فضول ضائع ہوتا تھا بچ گیا۔ ان دونوں چیزوں میں کفایت ہمارے لئے بہت ضروری تھی۔ کسانوں کے گروہ کے گروہ بیان دینے کے لئے آتے تھے اور اپنے ساتھ اوروں کو بھی لاتے تھے۔ سارے احاطے اور بازار میں تل رکھنے کی گنجائش نہیں تھی۔ میرے دوستوں نے بہت کوشش کی کہ مجھے درشن کی مصیبت سے بچائیں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا مقررہ اوقات پر میری نمائش درشن کے لئے ہوتی تھی۔ پانچ سات رضا کار بیانات لکھتے پھر بھی کچھ لوگ رہ جاتے اور انہیں بغیر بیان لکھائے واپس جانا پڑتا ان میں سے سب بیان ضروری نہیں تھے۔ اکثر لوگ انہیں باتوں کو دھراتے جو دوسرے ان سے پہلے کہہ چکے تھے مگر کسانوں کو بغیر اپنی اپنی بپتا سنائے چین نہیں آتا تھا اور مجھے ان کے اس جذبے سے ہمدردی تھی۔

بیان لکھنے والوں کو مقررہ قواعد کی پابندی کرنی پڑتی تھی۔ ہر کسان سے خوب جرح کی جاتی اور جو لوگ جرح میں ٹوٹ جاتے ان کی شہادت رد ہو جاتی۔ اس میں بہت وقت صرف ہو جاتا تھا۔ مگر اس سے یہ

Marfat.com

فائدہ ہوا کہ جتنے بیانات لکھے گئے ان میں سے اکثر پوری طور پر قابل اعتماد تھے۔

ان بیانات کے لکھتے وقت ایک خفیہ پولیس کا عہدہ دار موجود رہتا تھا۔ اگر ہم چاہتے تو اسے نہ رہنے دیتے مگر ہم نے شروع سے یہ طے کر لیا تھا کہ خفیہ پولیس والوں کی مزاحمت نہیں کریں گے بلکہ ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آئیں گے اور حتی الامکان انہیں ہر طرح کی معلومات فراہم کرنے میں مدد دیں گے۔ اس سے ہمارا کوئی ہرج نہیں ہوا بلکہ خفیہ پولیس کے عہدہ داروں کے سامنے بیان ہونے سے کسانوں کی ہمت اور بڑھ گئی۔ ایک طرف تو یہ فائدہ ہوا کہ ان کے دل میں خفیہ پولیس والوں کا رعب کم ہو گیا اور دوسری طرف ان عہدہ داروں کی موجودگی کے سبب سے انہیں اپنے بیان میں مبالغہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ جانتے تھے کہ خفیہ پولیس والے انہیں پھانسنے کی فکر میں رہتے ہیں اس لئے بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔

مجھے کوٹھی والوں کو اشتعال دلانا منظور نہیں تھا بلکہ میں نرمی اور ملاطفت سے انہیں پرچانا چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے یہ التزام کر لیا تھا کہ جن لوگوں کی سختی کی زیادہ شکایت کی جاتی ان سے خط وکتابت کرتا اور ان کے گھر جا کر ان سے ملتا۔ میں نے کوٹھی والوں کی انجمن کے کارکنوں سے بھی ملاقات کی، انہیں کسانوں کی شکایتیں سنائیں اور ان کے جواب سنے۔ ان میں سے بعض مجھ سے نفرت کرتے تھے، بعض بے توجہی برتتے تھے اور دو چار ایسے بھی تھے جو میرے ساتھ اخلاق سے پیش آتے تھے۔

حوالہ

1- یہ انگریزی ترجمہ اب دیس کیسن نے ترپلیکین مدراس سے شائع کر دیا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

سترھواں باب

میرے ساتھی

برج کشور بابو اور راجندر بابو جیسے دو آدمی مشکل سے ملیں گے۔ ان کے خلوص اور انہماک کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں کوئی کام ان کے بغیر نہیں کرتا تھا۔ ان کے چیلے یا رفیق شمبھو بابو، انوگرہ بابو، دھرنی بابو، رام نومی بابو اور دوسرے وکیل ہر وقت ہم لوگوں کے ساتھ رہتے تھے۔ وندھیا بابو اور جنکدھری بابو بھی کبھی کبھی آ کر ہماری مدد کرتے تھے۔ یہ سب بہاری تھے۔ ان کا کام زیادہ تر کسانوں کے بیانات لکھنا تھا۔

پروفیسر کرپلانی بھلا ہمارا ساتھ دیئے بغیر کیسے رہ سکتے تھے؟ ہونے کو تو وہ سندھی تھے۔ مگر اصل میں بہاریوں سے زیادہ بہاری تھے۔ میں نے بہت کم لوگ ایسے دیکھے ہیں جو ان کی طرح دل و جان سے اپنے مجازی وطن کے ہو رہیں کسی کو یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ کسی دوسرے صوبے کے ہیں۔ یہ میرے میر حاجب تھے ان دنوں انہوں نے اپنی زندگی اس کام کے لئے وقف کر دی تھی کہ مجھے "درشن" کے طالبوں سے بچائیں۔ وہ کبھی اپنی خلقی ظرافت سے اور کبھی پیالہ کی دھمکیوں سے کام لے کر غنیم کو پسپا کر دیتے تھے۔ رات کو وہ معلم بن جاتے تھے اور اپنے ساتھیوں کو اپنی تاریخی تحقیقات سے محظوظ کیا کرتے تھے اگر اتفاق سے کوئی کپد لا آ جائے تو ان کی باتیں سن کر بھیڑ سے شیر بن جاتا تھا۔

مولانا مظہر الحق نے اپنا نام امیدوار رضا کاروں کی فہرست میں لکھوا دیا تھا کہ جب مجھے ضرورت ہو ان سے مدد لوں اور مہینے میں دو ایک بار ضرور میرے پاس ہو جایا کرتے تھے۔ ان کی اس زمانے کی شان و شوکت اور آج کل کی سادگی میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہ ہم سے اس خلوص سے ملتے تھے کہ ہم انہیں اپنا رفیق سمجھتے تھے حالانکہ کوئی اجنبی ان کے ٹھاٹھ دیکھتا تو اسے یہ یقین نہ آتا۔

بہار سے زیادہ واقفیت حاصل نہ ہو جانے کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا کہ جب تک یہاں کے

Marfat.com

دیہات میں تعلیم نہ ہو کوئی مستقل کام نہیں کیا جا سکتا۔ کسانوں کی جہالت بہت افسوسناک تھی۔ ان کے بچے یا تو بیکار مارے مارے پھرتے تھے یا نیل کے کھیتوں میں صبح سے شام تک دو تین پیسے روز پر کام کرتے تھے۔ ان دنوں مزدوری کی شرح مردوں کے لئے ڈھائی آنے، عورتوں کے لئے ڈیڑھ آنے اور بچوں کے لئے تین پیسے سے زیادہ نہ تھی جو شخص چار آنے روز کما لے وہ بڑا خوش قسمت سمجھا جاتا تھا۔

اپنے رفیقوں کے مشورے سے میں نے یہ طے کیا کہ چھ گاؤں میں ابتدائی مدارس کھولے جائیں، گاؤں والوں کے ساتھ ایک شرط یہ تھی کہ تم مدرس کے کھانے اور رہنے کا انتظام کر دو باقی مصارت ہمارے سر رہیں گے۔ گاؤں والوں کے پاس نقد روپیہ تو تھا نہیں مگر وہ کھانے کی چیزیں فراہم کر سکتے تھے۔ انہوں نے غلہ اور دوسری خام اجناس دینے کا وعدہ کر لیا۔

اب یہ سوال تھا کہ مدرس کہاں سے آئیں؟ مقامی لوگوں میں ایسے مدرس ملنا مشکل تھا جو بلا معاوضہ یا کم معاوضے پر کام کریں۔ ایسے ویسے لوگوں کو میں رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ میری نظر میں علمی قابلیت کی اتنی اہمیت نہ تھی جتنی اخلاقی صفات کی تھی۔

اس لئے میں نے رضاکار مدرسوں کے لئے عام اپیل کیا۔ اس کا فوراً اثر ہوا۔ گنگا دھر راؤ جی دیشپانڈے نے بابا صاحب سومن اور پنڈارک کو بھیج دیا۔ بمبئی سے مسز اونتکائی گو کھلے اور پونا سے انندی بائی آ گئیں۔ آشرم سے میں نے چھوٹالال، سریندر ناتھ اور اپنے بیٹے دیوداس کو بلا لیا۔ اسی زمانے میں بہار دیو دیسائی اور نرہری پارکھ اپنی بیویوں کو لے کر ہم سے آ ملے۔ کستورا بائی کو بھی میں نے اس کام میں شریک کر لیا۔ کام کرنے والوں کی تعداد اچھی خاصی ہو گئی۔ اونتکا بائی اور آنندی بائی اچھی خاصی تعلیم یافتہ تھیں۔ مگر مسز درگا دیسائی اور مسز منی بین پارکھ صرف تھوڑی بہت گجراتی جانتی تھیں۔ کستورا بائی اس سے محروم تھیں۔ سوال یہ تھا کہ یہ خواتین بچوں کو ہندی کے ذریعے کیوں کر تعلیم دیں۔

میں نے انہیں سمجھایا کہ آپ بچوں کو لکھنا پڑھنا اور حساب سکھانے کی زیادہ فکر نہ کیجئے بلکہ انہیں صفائی اور شائستگی سکھائیے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ گجراتی، ہندی اور مرہٹی حروف میں اتنا فرق نہیں ہے جتنا آپ سمجھتی ہیں اور مکتب میں حروف تہجی اور ہندسے سکھانے میں آپ کو زیادہ دقت نہیں ہو گی۔ ان خواتین کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی جماعتیں سب سے زیادہ کامیاب ہوئیں۔ اس تجربے کی بدولت انہیں اپنے کام میں زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی اور ان کی ہمت بڑھ گئی۔ اونتکا بائی کا مدرسہ دوسرے مدرسوں کے لئے نمونہ بن گیا۔ انہیں اپنے کام میں بیحد انہماک تھا انہوں نے اپنی خداداد قابلیت کا پورا

Marfat.com

استعمال کیا۔ ان خواتین کے ذریعے سے ہم نے گاؤں کی عورتوں کی بھی تھوڑی بہت اصلاح کی۔

مگر میں صرف ابتدائی تعلیم پر اکتفار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ گاؤں بے حد گندے تھے گلیاں غلاظت سے پٹی ہوئیں تھیں، کنوؤں کے گرد کیچڑ اور سڑی گلی چیزوں کے دلدل تھے اور مکانوں کے صحن گھورے سے بدتر تھے۔ بالغوں کو صفائی کی تعلیم دینا بہت ضروری تھا۔ یہ سب کے سب جلدی امراض میں مبتلا تھے۔ اس لئے ہم نے یہ طے کیا کہ صفائی پر انتہائی زور دیا جائے اور ان کی زندگی کے ہر شعبے کی اصلاح کی جائے

اس کام کے لئے ڈاکٹروں کی ضرورت پڑی۔ ہم نے انجمن خدام ہند سے درخواست کی کہ ڈاکٹر دیو آنجہانی کو ہماری مدد کے لئے بھیجیے۔ وہ میرے بڑے دوست تھے اور میری درخواست پر چھ مہینے کے لئے چلے آئے۔ سب پڑھانے والوں اور پڑھانے والیوں کو ان کی ماتحتی میں کام کرنے کی ہدایت کر دی گئی۔

میں نے ان سب کو تاکید کر دی کہ نیل کے کاشتکاروں کی شکایتوں اور سیاسی معاملات سے مطلق سروکار نہ رکھیں۔ جو شخص شکایت کرے اسے میرے پاس بھیج دیں کوئی اپنے دائرہ عمل سے باہر قدم نہ رکھے۔ میرے دوستوں نے نہایت وفاداری سے ان ہدایتوں کی تعمیل کی مجھے یاد نہیں کہ کبھی ذرا سی خلاف ورزی بھی ہوئی ہو۔

Marfat.com

Marfat.com

اٹھارھواں باب

دیہات کی اصلاح

جہاں تک ہو سکا ہم نے ہر مدرسے کو ایک معلم اور ایک معلمہ کی نگرانی میں رکھا دوسرے رضا کار دواؤں کی تقسیم اور حفظان صحت کے انتظام کے لئے تعینات کئے گئے عورتوں کی امداد کے لئے عورتیں مقرر ہوئیں۔

طبی امداد کا طریقہ بالکل سہل اور سادہ تھا۔ رضا کاروں کے پاس صرف کونین ارنڈی کا تیل اور گندھک کا مرہم رہتا تھا۔ اگر مریض کی زبان میلی نظر آئے یا وہ قبض کی شکایت کرے تو اسے ارنڈی کا تیل پلایا جاتا تھا، اگر بخار ہو تو ارنڈی کے تیل کے ہلکے مسہل کے بعد کونین دی جاتی تھی اور خارشت یا پھنسیاں ہوں تو انہیں اچھی طرح دھو کر گندھک کا مرہم لگا دیا جاتا تھا۔ کسی مریض کو دوا گھر پر لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ جب کبھی مرض میں کوئی پیچیدگی نظر آتی تھی تو ڈاکٹر دیو بلا لئے جاتے تھے۔ یوں بھی وہ ہفتے میں چند بار ہر مرکز کے معائنے کے لئے جایا کرتے تھے۔

بہت سے لوگ اس سیدھے سادے علاج سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ یہ طریقہ بظاہر انوکھا معلوم ہوتا تھا لیکن بات یہ تھی کہ یہی دو چار بیماریاں قبض، بخار، خارش عام طور پر پھیلی ہوئی تھیں اور ان کا علاج آسانی سے بغیر ڈاکٹر کی مدد کے ہو سکتا تھا۔ مریضوں کو بھی اسی میں سہولت تھی۔

حفظان صحت کا معاملہ ذرا مشکل تھا۔ گاؤں کے لوگ خود ہاتھ پیر ہلانے پر تیار نہ تھے مزدوروں تک کو یہ گوارا نہ تھا کہ اپنا پاخانہ خود اٹھائیں اور اپنے گھر میں جھاڑو دیں۔ مگر ڈاکٹر دیو ہمت ہارنے والے آدمی نہیں تھے۔ انہوں نے اور رضا کاروں نے اپنی ساری محنت ایک گاؤں کی صفائی پر صرف کر دی تاکہ وہ دوسروں کے لئے معیار بن جائے۔ پہلے انہوں نے خود سڑکوں اور گھروں میں جھاڑو دی، کنوؤں کو صاف کیا قریب کے گڑھوں کو مٹی سے بھرا اس کے بعد نرمی اور محبت سے گاؤں والوں کو رضا کار

Marfat.com

بننے پر آمادہ کیا۔ بعض گاؤں میں انہوں نے لوگوں کو غیرت دلا کر ان سے کام لیا۔ یہاں تک کہ دو ایک جگہ کے لوگوں میں اتنا جوش پیدا ہو گیا کہ انہوں نے میری موٹر کے جانے کے لئے سڑک بھی تیار کر دی۔ ان خوشگوار تجربوں کے ساتھ لوگوں کی بے پروائی کے تلخ تجربے بھی ہوئے مجھے یاد ہے کہ بعض گاؤں میں لوگوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم اس کام کو پسند نہیں کرتے۔

مناسب ہو گا کہ میں یہاں ایک واقعہ کا ذکر کر دوں جسے میں اپنی تقریروں میں اکثر بیان کر چکا ہوں، بھٹی ہاروا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اور اس میں ہمارا ایک مدرسہ تھا۔ وہاں جاتے ہوئے میں ایک مزرعہ سے گزرا جہاں چند عورتیں بہت میلے کپڑے پہنے نظر آئیں۔ میں نے مسز گاندھی سے کہا ان سے پوچھئے کہ یہ اپنے کپڑے کیوں نہیں دھوتیں۔ انہوں نے ان عورتوں سے گفتگو شروع کی۔ ان میں سے ایک انہیں اپنی جھونپڑی میں لے گئی اور کہنے لگی "دیکھ لو یہاں نہ کوئی صندوق ہے نہ الماری جس میں اور کپڑے رکھے ہوں جو ساڑی میں پہنے ہوں اس کے سوا میرے پاس کوئی کپڑا نہیں۔ مہاتما جی سے کہو مجھے ایک ساڑی اور لے دیں پھر میں روز نہا کر کپڑے بدلا کروں گی۔"

ایسی جھونپڑیاں ہندوستان کے بہت سے گاؤں میں پائی جاتی ہیں نہ جانے کتنے غریب ایسے ہیں جن کے گھر ایک چٹائی تک نہیں اور جن کے پاس سوائے اس چیتھڑے کے جس سے وہ ستر پوشی کرتے ہیں اور کوئی کپڑا نہیں۔

میں ایک اور تجربہ بھی لکھوں گا۔ چمپارن میں تپاور اور بانس بہت کثرت سے ہیں۔ بھٹی ہاروہ میں مدرسے کے لئے انہیں چیزوں کا ایک جھونپڑا بنا دیا گیا تھا۔ ایک رات کسی شخص نے۔ ممکن ہے کہ نیل کی کوٹھی والوں کا آدمی ہو۔ اس میں آگ لگا دی اس کے بعد یہ مناسب نہیں معلوم ہوا کہ پھر تپاور اور بانس کا جھونپڑا بنایا جائے۔ اس مدرسے کی نگرانی سومن جی اور مسز گاندھی کے سپرد تھی سومن جی نے یہ طے کیا کہ پکا مکان بنانا چاہیئے وہ خود اس مستعدی سے کام کرنے لگے کہ بہت سے لوگ ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ چند ہی روز میں اینٹوں کا مکان تیار ہو گیا۔ اب آگ لگنے کا خوف نہیں رہا۔

غرض رضاکاروں کے اسکولوں حفظان صحت کے کام اور طبی امداد کی بدولت لوگ انہیں عزت کی نظر سے دیکھنے لگے اور ان پر بھروسا کرنے لگے ان کے اثر سے کسانوں کی زندگی میں بہت کچھ اصلاح ہو گئی۔

مگر مجھے افسوس کے ساتھ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں اس تعمیری کام کو مستقل بنانے میں کامیاب نہیں ہوا۔ یہ رضاکار عارضی طور پر آئے تھے، ان کے جانے کے بعد نہ باہر کے لوگ آئے اور نہ

Marfat.com

بہار کے مستقل اعزازی کارکن مل سکے مجھے خود چمپارن کا کام ختم کرنے کے بعد دوسری جگہ جہاں میری ضرورت تھی، چلا جانا پڑا۔ پھر بھی اس چند مہینے کے کام نے چمپارن والوں کی زندگی میں اتنی تبدیلی کر دی تھی کہ اس کا اثر کسی نہ کسی صورت میں آج تک نظر آتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

انیسواں باب

گورنر کی نیک دلی

ایک طرف تو یہ اصلاحی کام ہو رہا تھا اور دوسری طرف کسانوں کے بیانات لکھے جا رہے تھے۔ ان بیانوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی کوٹھی والوں نے جب یہ رنگ دیکھا تو ان کا غصہ اور بھڑکا اور انہوں نے میری تحقیقات کو روکنے میں کوئی کوشش نہیں اٹھا رکھی۔

ایک دن میرے پاس بہار کے گورنر کی طرف سے اس مضمون کا خط آیا "آپ کی تحقیقات کو بہت طول ہو گیا ہے۔ کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ آپ اسے جلد ختم کر دیں اور بہار سے رخصت ہو جائیں۔" خط بہت نرم اور مہذب الفاظ میں لکھا گیا تھا لیکن اس کا مطلب بالکل صاف تھا۔

میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ ایسی تحقیقات میں طول ہونا لازمی ہے اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ جب تک اس کے ذریعے سے کسانوں کی شکایتیں دور نہ ہو جائیں میں بہار سے نہیں جاؤں گا۔ اگر حکومت چاہتی ہے کہ یہ تحقیقات روک دی جائے تو اس کی تدبیر بہت سہل ہے یا تو وہ کسانوں کی شکایتوں کو تسلیم کرلے اور چارہ جوئی کرے یا کم سے کم ان کے بیانات کو قابل توجہ سمجھ کر فوراً ایک سرکاری تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر دے۔

لفٹنٹ گورنر، سر ایڈورڈ گیٹ نے مجھے بلا کر مجھ سے گفتگو شروع کی اور کہا "کہ میں تحقیقاتی کمیٹی مقرر کرنے کو تیار ہوں اور اگر آپ چاہیں تو آپ کو بھی اس کا ممبر بنا دوں گا۔ میں نے کمیٹی کے دوسرے ممبروں کے نام دریافت کئے اور اپنے رفیقوں سے مشورہ کرنے کے بعد کہا کہ میں تین شرطوں پر کمیٹی کی شرکت قبول کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ مجھے دوران تحقیقات میں اپنے رفیقوں سے مشورہ کرنے کی اجازت ہو۔ دوسرے گورنمنٹ یہ تسلیم کرلے کہ کمیٹی کا ممبر ہونے کے ساتھ ساتھ میں کسانوں کا پیروکار بھی رہوں۔ تیسرے اگر میں تحقیقات کے نتیجے سے مطمئن نہ ہوں تو مجھے یہ اختیار ہو

Marfat.com

کہ میں رعایا کو ان کے آئندہ طرز عمل کے متعلق مشورہ دوں۔

سر ایڈورڈ گیٹ نے ان شرطوں کو معقول سمجھ کر قبول کر لیا اور تحقیقات کا اعلان کر دیا۔ سر فرنیک سلائی آنجہانی کمیٹی کے صدر مقرر ہوئے۔

کمیٹی نے کسانوں کے موافق رپورٹ دی اور یہ تجویز کی جو رقمیں کوٹھی والوں نے کمیٹی کے نزدیک ناجائز طور پر وصول کی ہیں ان کا کچھ حصہ ان سے واپس دلایا جائے اور "تنکتھیا" کا طریقہ منسوخ کر دیا جائے۔

کمیٹی میں اتفاق رائے پیدا کرنے میں اس کی تجویز کے مطابق مسودہ قانون پاس کرانے میں سر ایڈورڈ گیٹ کی کوشش کو بہت کچھ دخل ہے۔ اگر وہ انتہائی استقلال اور موقع شناسی سے کام نہ لیتے تو نہ کمیٹی کی رپورٹ متفقہ ہوتی اور نہ قانون مزارعین پاس ہوتا۔ کوٹھی والوں کا بہار میں بے انتہا اثر تھا۔ باوجود اس کے کہ رپورٹ ان کے خلاف تھی انہوں نے مسودہ قانون کی مخالفت میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ لیکن سر ایڈورڈ گیٹ آخر تک ثابت قدم رہے اور انہوں نے کمیٹی کی تجاویز پر پوری طرح عمل کیا۔

اس طرح "تنکتھیا" کا طریقہ جو سو سال سے جاری تھا منسوخ ہو گیا اور کوٹھی والوں کے راج کا خاتمہ ہوا۔ رعایا کو جو ہمیشہ سے پامال ہوتی آئی تھی تھوڑے بہت حقوق مل گئے اور لوگوں کے دل سے یہ خیال خام دور ہو گیا کہ نیل کا دھبا کبھی نہیں مٹ سکتا۔

میں چاہتا تھا کہ چند سال تک چمپارن میں تعمیری کام جاری رکھوں اور مدرسے کھولوں اور دیہات کی زیادہ گہری اصلاح کروں اس کے لئے زمین بھی تیار ہو چکی تھی، مگر جیسا پہلے کئی بار ہو چکا تھا مشیت ایزدی سے میرا یہ ارادہ دل کا دل ہی میں رہ گیا۔ تقدیر کو کچھ اور منظور تھا۔ اس نے میرے لئے دوسرا کام تجویز کر رکھا تھا۔

Marfat.com

بیسواں باب

مزدوروں سے سابقہ

ابھی میں تحقیقاتی کمیٹی کا کام ختم نہیں کر پایا تھا کہ موہن لال جی پانڈے اور شنکر لال جی پارکھ کا خط پہنچا کہ کھیدا ضلع میں فصل ماری گئی لگان کا تقاضا ہے اور کسان اس کے ادا کرنے سے معذور ہیں آپ بتائیے کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے مجھ میں نہ اتنی قابلیت اور ہمت تھی اور نہ میرا جی چاہتا تھا کہ بغیر موقعے کا معائنہ کئے ہوئے کسی قسم کا مشورہ دوں۔

ادھر احمد آباد سے انسویا بائی نے وہاں کے مزدوروں کی حالت لکھی۔ ان لوگوں کو مزدوری بہت کم ملتی تھی۔ بیچارے بہت دن سے ہاتھ پیر مار رہے تھے کہ کچھ اضافہ ہو جائے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوتی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ اگر ہو سکے تو ان کی مدد کروں۔ مگر اس چھوٹے سے کام کو بھی میں دور بیٹھ کر چلانے کی جرات نہیں کر سکتا تھا اس لئے موقع ملتے ہی میں احمد آباد روانہ ہو گیا۔ مجھے یہ امید تھی کہ ان دونوں قصوں کو میں جلدی سے نبٹا کر چمپارن لوٹ آؤں گا اور یہاں کے تعمیری کام کی نگرانی کروں گا۔

مگر احمد آباد اور کھیدا میں مجھے بہت دن لگ گئے اور میں چمپارن نہ جا سکا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کے سارے مدرسے ایک ایک کر کے بند ہو گئے میرے اور میرے رفیقوں کے شیخ چلی کے سے منصوبے خاک میں مل گئے۔

ہماری تجویز یہ تھی کہ چمپارن میں تعلیم اور حفظان صحت کے علاوہ گئو رکشا کا انتظام بھی کر لیں۔ میں نے اپنے سفر کے سلسلے میں یہ دیکھا تھا کہ گئو رکشا اور ہندی کا پرچار مارواڑیوں کا حصہ ہو گیا ہے۔ بتیا میں مجھے ایک مارواڑی دوست کے دھرم شالے میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کے مارواڑیوں نے مجھے اپنا گئوشالہ دکھایا۔ میں گئو رکشا کے متعلق ایک خاص رائے رکھتا تھا اور اب تک اس پر قائم

Marfat.com

ہوں۔ میرے نزدیک اس میں مویشی کی افزائش نسل اصلاح نسل بیلوں سے رحمدلی کا برتاؤ اعلیٰ درجے کی ڈیری فارم قائم کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ مارواڑی بھائیوں نے اس کام میں پوری مدد دینے کا وعدہ کیا تھا مگر چونکہ میرا مستقل قیام بتیا میں نہ ہو سکا اس لئے یہ تجویز رہ گئی۔

بتیا کا گئو شالہ اب تک قائم ہے مگر اس نے اعلیٰ درجے کے ڈیری فارم کی حیثیت نہیں اختیار کی ہے۔ چمپارن میں ابھی تک بیلوں سے حد سے زیادہ کام لیا جاتا ہے نام کے ہندو ابھی تک ان بے زبان جانوروں کو بیدردی سے مارتے ہیں اور اپنے دھرم کو بدنام کرتے ہیں۔

مجھے آج تک افسوس ہے کہ یہ تجویز پوری نہ ہو سکی۔ جب کبھی میں چمپارن جاتا ہوں اور بہاری اور مارواڑی بھائیوں کی دوستانہ شکایتیں سنتا ہوں تو ان منصوبوں کا خیال کر کے آہ سرد بھرتا ہوں۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

تعلیمی کام کسی نہ کسی صورت میں بہت سے مقامات پر اب بھی جاری ہے مگر گئو رکشا کا کام اچھی طرح جمنے نہیں پایا تھا اس لئے اس میں حسب دلخواہ ترقی نہیں ہوئی۔

کھیڈا کے کسانوں کا مسئلہ ہنوز زیر بحث تھا کہ میں نے احمد آباد کے مزدوروں کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

یہ میرے لئے بڑا نازک موقع تھا۔ مزدوروں کی شکایتیں واجبی تھیں۔ اس جنگ میں کارخانوں کے مالکوں کے سپہ سالار امبالال جی سارا بھائی تھے۔ ان کی سگی بہن انسویا بائی مزدوروں کی طرف سے ان کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ میرے اور مالکوں کے دوستانہ تعلقات تھے اس لئے یہ لڑائی اور بھی دشوار ہو گئی تھی۔ میں نے ان سے کئی بار گفتگو کی اور انہیں سمجھایا کہ اس معاملے کو پنچوں کے سپرد کر دیجئے۔ مگر انہوں نے کہا کہ ہم مزدوروں کے مقابلے میں پنچائت کے اصول کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے مجھے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ مزدوروں کو ہڑتال کا مشورہ دوں۔ مگر اس سے قبل میں نے مزدوروں اور ان کے لیڈروں سے اچھی طرح میل جول پیدا کر لیا تھا اور انہیں سمجھا دیا تھا کہ ہڑتال کے کامیاب ہونے کی چار شرطیں۔

(1) کبھی بھول کر تشدد سے کام نہ لو۔

(2) جو لوگ تمہارا ساتھ چھوڑ کر کام پر جانا چاہیں انہیں نہ ستاؤ۔

(3) خیرات کا پیسہ ہرگز نہ لو۔

(4) چاہے ہڑتال کتنے ہی دن چلے استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دو اور کسی جائز طریقے سے روٹی

Marfat.com

کما کر کھاؤ۔

ہڑتال کے لیڈروں نے ان شرطوں کی اہمیت تسلیم کر لی اور انہیں قبول کر لیا۔ مزدوروں نے عام جلسے میں یہ عہد کیا کہ جب تک ان کے مطالبات پورے نہ ہوں گے یہ معاملہ پنچوں کے سپرد نہ کیا جائے گا ہرگز کام پر نہ جائیں گے۔

اسی ہڑتال کے سلسلے میں مجھ سے ولبھ بھائی پٹیل اور شنکر لال جی بنیکر سے ملاقات ہوئی۔ انسویا بائی سے میں پہلے سے اچھی طرح واقف تھا۔

ہم لوگ روز سابرمتی کے کنارے ایک درخت کے سائے میں ہڑتالیوں کے جلسے کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوتے تھے اور میں انہیں ان کا عہد یاد دلا کر امن و امان اور خود داری قائم رکھنے کی تاکید کرتا تھا۔ روزانہ ان کا پرامن جلوس شہر کی سڑکوں پر نکلتا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں جھنڈے ہوتے تھے جن پر یہ الفاظ لکھے تھے "ایک ٹیک (عہد پر قائم رہو)

یہ ہڑتال اکیس دن جاری رہی۔ اس کے دوران میں میں وقتاً فوقتاً مالکوں سے ملتا رہتا تھا اور ان سے انصاف کی درخواست کرتا رہتا تھا وہ کہا کرتے تھے "ہم کو بھی تو اپنا عہد پورا کرنا ہے۔ ہمارے اور مزدوروں کے تعلقات ایسے ہیں جیسے باپ بیٹوں کے ہوتے ہیں۔ ہم اس معاملے میں باہر والوں کی مداخلت کیسے گوارا کر لیں، باپ بیٹوں کے بیچ میں پنچ کا کیا کام۔"

Marfat.com

Marfat.com

اکیسواں باب

آشرم کی ایک جھلک

قبل اس کے کہ میں ہڑتال کے اور حالات بیان کروں کچھ تھوڑا سا ذکر آشرم کا کر دینا ضروری ہے۔ چمپارن کے قیام کے زمانے میں آشرم کے خیال سے غافل نہیں رہا۔ جب موقع ملتا تھا دو ایک دن کے لئے وہاں ہو آتا تھا۔

ان دنوں آشرم احمد آباد کے قریب کوچرب نام گاؤں میں تھا۔ اس گاؤں میں طاعون پھوٹا اور مجھے چھوٹے بچوں کی طرف سے بہت اندیشہ پیدا ہو گیا۔ آشرم کے اندر لاکھ صفائی سہی مگر آس پاس کی گندگی کے اثرات سے بچنا ناممکن تھا اس زمانے میں ہم اس قابل نہ تھے کہ کوچرب کے لوگوں سے حفظان صحت کے اصول کی پابندی کرائیں یا ان کی کوئی اور خدمت کر سکیں۔

ہم یہ چاہتے تھے کہ آشرم گاؤں اور شہر کے درمیان ایسی جگہ پر ہو کہ دونوں سے علیحدہ بھی رہے اور آمد و رفت میں زیادہ دشواری بھی نہ ہو ہم نے طے کر لیا تھا کہ کسی نہ کسی دن اپنی ذاتی زمین خرید لیں گے اور اس پر اپنی بستی بسائیں گے۔

طاعون کو میں اپنے قافلے کے لئے بانگ درا سمجھا۔ احمد آباد کے ایک تاجر سیٹھ پنجا بھائی ہیرا چند کو آشرم سے خاص تعلق تھا اور انہوں نے بارہا خلوص اور بے غرضی سے ہماری مدد کی تھی۔ وہ احمد آباد سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں آشرم کے لئے ایسی زمین جو ہر لحاظ سے مناسب ہو تلاش کر دوں گا۔ میں ان کے ساتھ کوچرب کے شمال اور جنوب میں زمین کی تلاش میں پھرتا رہا۔ آخر میں میری یہ رائے ہوئی کہ تین چار میل شمال کی طرف ہٹ کر کوئی قطعہ منتخب کیا جائے انہوں نے وہ جگہ تجویز کی جہاں آج آشرم قائم ہے۔ یہ مقام مجھے اس لئے اور پسند آیا کہ سابرمتی کے سنٹرل جیل سے قریب تھا۔ ستیا گرہیوں کے لئے جن کا کام ہی جیل جانا ہے، اس سے اچھی جگہ کون سی ہو سکتی تھی۔ پھر میں یہ بھی جانتا تھا کہ جو موقع جیل کے لئے منتخب کیا جاتا ہے وہ عموماً صاف ستھرا ہوتا ہے۔

Marfat.com

آٹھ روز کے اندر زمین خرید لی گئی۔ یہاں کسی عمارت یا درخت کا نام تک نہ تھا لیکن دو بڑی خوبیاں تھیں، دریا کا کنارہ اور تنہائی۔

ہم نے یہ طے کیا کہ جب تک مستقل عمارت بنے خیموں میں رہیں گے اور باورچی خانے کے لئے ٹین کا سائبان ڈال لیں گے۔

آشرم والوں کی تعداد میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوا تھا۔ اب ہم لوگ عورت، مرد بچے ملا کر چالیس سے زیادہ تھے اور سب ساتھ کھانا کھاتے تھے یہ ساری تجویز میری تھی مگر اسے عمل میں لانا حسب معمول مگن لال کا کام تھا۔

مستقل عمارت بننے سے پہلے ہمیں بڑی دقتیں اٹھانا پڑیں۔ برسات قریب تھی اور کھانے کا سامان چار میل جا کر شہر سے لانا پڑتا تھا۔ زمین بنجر پڑی تھی اس لئے وہاں سانپوں کی بڑی کثرت تھی اور چھوٹے بچوں کے ساتھ یہاں رہنا بڑے خطرے کا کام تھا۔ ہم سانپوں کو مارتے نہیں تھے۔ مگر ان کا ڈر ہم سب کو لگا رہتا تھا اور اب تک وہی حال ہے۔

زہریلے کیڑوں کو نہ مارنا ہمارا اصول تھا اور فنیکس، ٹالسٹائے فارم اور سابرمتی میں اس کی پابندی ہوتی رہی ہے تینوں جگہ ہمیں بنجر زمین پر بستی بسانا پڑی۔ مگر آج تک ہمارے یہاں کوئی سانپ کے کاٹنے سے نہیں مرا۔ میری چشم عقیدت کو اس میں اس رحمن رحیم کی کارسازی نظر آتی ہے۔ ممکن ہے کوئی عقل کل یہ کہے کہ خدا کو کیا پڑی ہے کہ کسی کو بچائے اور اسے اتنی فرصت کہاں کہ انسانوں کے معاملات میں دخل دیتا پھرے۔ مگر اس موشگافی کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ میرا برسوں کا تجربہ ہے اور اس کا جو اثر میرے دل پر ہے اس کے ظاہر کرنے کے لئے میرے پاس اور کوئی الفاظ نہیں، انسان کی زبان جب خدا کی کارسازیوں کو بیان کرتی ہے تو اسی ناقص طریقے سے کرتی ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ چیزیں فہم اور بیان سے باہر ہیں۔ لیکن جب انسان ان کے ذکر کی جرات کرے تو اسے انہیں بے معنی آوازوں سے جنہیں نطق کہتے ہیں کام لینا پڑتا ہے۔ اگر یہ میری ضعیف الاعتقادی ہے کہ میں پچیس سال تک سانپوں کو نہ مارنے کے باوجود ان کے شر سے محفوظ رہنا محض اتفاق نہیں بلکہ تائید غیبی سمجھتا ہوں تو یہی سہی۔ یہ ضعیف الاعتقادی میری جان کے ساتھ ہے۔

جن دنوں مزدوروں نے ہڑتال کی تھی اسی زمانے میں آشرم میں بنائی کے کام کے لئے ایک سائبان کی بنیاد ڈالی جا رہی تھی۔ ابھی آشرم والوں کا شغل زیادہ تر کپڑا بننا تھا۔ کتائی کا کام ہنوز جاری نہیں ہو سکا تھا۔

Marfat.com

بائیسواں باب

اپاس

پہلے دو ہفتوں میں مزدوروں نے بڑی بہادری اور ضبط نفس سے کام لیا اور روزانہ بڑے عظیم الشان جلسے کرتے رہے۔ میں ان جلسوں میں انہیں ان کا عہد یاد دلاتا تھا اور وہ بلند آواز سے کہا کرتے تھے کہ ہمارا قول جان کے ساتھ ہے۔

مگر آخر میں ان کے قدم ڈگمگانے لگے۔ جس طرح جسمانی کمزوری کی علامت یہ ہے کہ آدمی بات بات پر جھلانے لگتا ہے اسی طرح ہڑتال کی کمزوری اس سے ظاہر ہونے لگی کہ ہڑتالیوں کا رویہ ان لوگوں کے ساتھ جو کام پر جایا کرتے تھے روز بروز زیادہ تہدید آمیز ہوتا گیا اور مجھے یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ لوگ فساد نہ کر بیٹھیں۔ جلسوں کی حاضری بھی رفتہ رفتہ کم ہونے لگی۔ جو لوگ آتے بھی تھے ان کے چہروں پر مایوسی اور بے دلی برستی تھی۔ آخر ایک دن یہ اطلاع آئی کہ ہڑتالی کندھا ڈالے دیتے ہیں۔ میں بہت گھبرایا اور اس تردد میں پڑ گیا کہ اب میرا فرض کیا ہے۔ مجھے جنوبی افریقہ میں ایک بہت بڑی ہڑتال کا تجربہ تھا مگر یہاں بالکل نئی صورت تھی۔ مزدوروں نے میرے کہنے سے عہد کیا تھا اور اسے میری موجودگی میں بارہا دہرایا تھا۔ مجھے اس عہد کے توڑنے کا خیال بھی گوارا نہ تھا۔ اب خدا جانے اس کی تہہ میں میرا غرور تھا یا مزدوروں کی محبت یا حق کی لگن۔

ایک دن صبح کو مزدوروں کے جلسے میں یکایک مجھے اس تاریکی میں روشنی کی جھلک نظر آئی۔ خود بخود میری زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے۔ "جب تک ہڑتالی ہمت سے کام لے کر اس ہڑتال کا کوئی تصفیہ نہ کرا لیں یا کارخانوں سے ہمیشہ کے لئے قطع تعلق نہ کر لیں اس وقت تک میں اپاس کروں گا۔"

مزدور سناٹے میں آ گئے۔ انسویا بین کے رخساروں پر آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ ہڑتالیوں کے مجمعے سے آواز آئی "آپ نہیں، ہم اپاس کریں گے۔ غضب خدا کا ہم آپ کو اپنی خاطر اپاس کرنے دیں

Marfat.com

! ہماری خطا معاف کر دیجئے۔ اب ہم اپنے عہد سے ہرگز نہ ہٹیں گے۔"

میں نے کہا "تمہیں اپاس کرنے کی ضرورت نہیں تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ اپنے عہد پر قائم رہو۔ تم جانتے ہو کہ ہمارے پاس روپیہ ختم ہو گیا ہے اور ہمیں خیرات کے پیسے سے ہڑتال چلانا منظور نہیں اس لئے تمہیں چاہیئے کہ کسی قسم کی مزدوری کر کے پیٹ پالو۔ پھر ہڑتال چاہے جب تک چلے کوئی پرواہ نہیں۔ اب رہا میرا اپاس یہ تو تبھی ٹوٹے گا جب ہڑتال کا تصفیہ ہو۔"

اس عرصے میں ولبھ بھائی کوشش کر رہے تھے کہ میونسپلٹی میں ہڑتالیوں کے لئے کام نکالیں مگر اس کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ مگن لال گاندھی نے یہ بات سمجھائی کہ ہمیں آشرم میں بنائی کے مدرسے کی بنیادیں قائم کرنے کے لئے ریت کی ضرورت ہے۔ کچھ لوگ ریت اٹھانے کے کام میں کھپ سکتے ہیں۔ ہڑتالیوں نے بڑی خوشی سے منظور کر لیا۔ آگے آگے انسویا بہن سر پر ایک ٹوکری رکھ کر چلیں اور ان کے پیچھے مزدوروں کا تانتا لگ گیا، یہ لوگ ندی کنارے سے ریت کے ٹوکرے بھر بھر کے لانے لگے یہ منظر دیکھنے کے قابل تھا مزدوروں میں نئے سرے سے جان پڑ گئی اور انہیں مزدوری بانٹنے والے تھک گئے۔

میرے اپاس میں ایک بڑی خرابی تھی۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مجھ سے اور کارخانے کے مالکوں سے بڑے گہرے تعلقات تھے اور ان کے فیصلے پر میری فاقہ کشی کا اثر پڑنا لازمی تھا۔ میں جانتا تھا کہ ستیا گرہی کی حیثیت سے میرے لئے ان کی مخالفت میں اپاس کرنا جائز نہیں بلکہ مجھے چاہیئے کہ انہیں صرف مزدوروں کی ہڑتال سے متاثر ہونے دوں۔ اس لئے میں نے یہ اپاس مالکوں کے کسی قصور کی بنا پر نہیں کیا تھا بلکہ مزدوروں کی غلطی کی مکافات میں، جس میں میں بھی اپنے آپ کو شریک سمجھتا تھا۔ مالکوں کو سمجھانے بجھانے کا تو مجھے حق تھا مگر ان کی مخالفت میں اپاس کرنا گویا ان پر بے جا دباؤ ڈالنا تھا۔ غرض اس اپاس کو مالکوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ پھر بھی میں یہ جانتا تھا کہ اس کا اثر ان پر پڑے گا۔ مگر میں بالکل مجبور تھا۔ میرا صریحی فرض تھا کہ میں اپاس کروں۔

میں نے مالکوں کو اطمینان دلانے کے لئے ان سے کہا "آپ لوگوں کو میری خاطر اپنا طرز عمل بدلنے کی ضرورت نہیں" مگر انہوں نے میرے یہ الفاظ سرد مہری سے سنے بلکہ مجھ پر چھپے طعنوں کی بوچھار کر دی۔ سچ پوچھیئے تو انہیں اس کا حق بھی تھا۔

مالکوں کی ضد کے ذمہ دار اصل میں سیٹھ امبالال تھے۔ ان کے استقلال اور خلوص کا میرے دل پر بہت اثر ہوا۔ ایسے شخص کا مقابلہ کرنے میں مجھے لطف آتا تھا۔ اسی لئے مجھے اس کا اور قلق تھا کہ میرے

Marfat.com

اپاس سے مخالفوں کے گروہ پر جس کے وہ سردار تھے، دباؤ پڑ رہا تھا۔ ان کی بیوی سارلا دیوی مجھ سے بہنوں کی طرح محبت کرتی تھیں۔ میرے اس فعل سے انہیں جو صدمہ تھا وہ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔

پہلے دن انسویا بین اور چند اور دوستوں نے جن میں بعض مزدور بھی شامل تھے میرے ساتھ اپاس کیا۔ مگر میں نے سمجھا بجھا کر بڑی مشکل سے انہیں اس کے جاری رکھنے سے روکا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح و آشتی کی فضا پیدا ہو گئی۔ کارخانوں کے مالک پسیجے اور تصفیے کی صورتیں تلاش کرنے لگے۔ انسویا بین کا گھر ان کے مشوروں کا مرکز بن گیا۔ انند شنکر جی دھروا نے بیچ میں پڑ کر مصالحت کی گفتگو شروع کی اور آخر میں وہی سرپنچ مقرر کئے گئے۔ میرے اپاس کو تین ہی دن گزرے تھے کہ ہڑتال کا خاتمہ ہو گیا۔ مالکوں نے اس کی خوشی میں مزدوروں کو مٹھائی بانٹی اور اکیس دن کی ہڑتال کے بعد اس جھگڑے کا تصفیہ ہو گیا۔

تصفیے کی خوشی منانے کے لئے جو جلسہ ہوا اس میں کارخانوں کے مالک اور کمشنر صاحب بھی شریک تھے۔ صاحب نے اس موقعے پر مزدوروں کو نصیحت کی کہ "تمہیں ہمیشہ مسٹر گاندھی کے مشورے پر عمل کرنا چاہئے" اس کے بعد ہی مجھ سے اور ان حضرت سے مقابلہ پڑا۔ مگر اس عرصے میں صورت حال تبدیل ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ صاحب بھی بدل گئے تھے اب وہ کھیدا کے پٹی داروں کو سمجھانے لگے کہ خبردار گاندھی کی باتوں میں نہ آنا۔

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے میں ایک واقعہ بیان کروں گا جو مضحک بھی ہے اور افسوسناک بھی۔ اس کا تعلق شیرینی کی تقسیم سے ہے۔ مالکوں نے بہت سی مٹھائی منگوائی تھی۔ مگر اسے ہزاروں مزدوروں میں بانٹنا کچھ سہل نہ تھا۔ آخر یہ قرار پایا کہ مٹھائی کھلے میدان میں اسی درخت کے نیچے بانٹی جائے جس کے تلے مزدوروں نے ہڑتال کا عہد کیا تھا کیونکہ کسی اور جگہ ان سب کو جمع کرنا مشکل تھا۔

مجھے یقین تھا کہ جن لوگوں نے اکیس دن تک انتہائی انضباط سے کام لیا ہے وہ مٹھائی کی تقسیم کے وقت ترتیب سے کھڑے رہیں گے اور آپس میں دھکم دھکا نہیں کریں گے۔ مگر جب امتحان کا وقت آیا تو وہ طوفان بدتمیزی برپا ہوا کہ تقسیم کرنا ناممکن ہو گیا۔ ہر دو منٹ کے بعد ان کی صفوں میں ابتری پڑ جاتی تھی۔ مزدوروں کے لیڈروں نے کوشش کی کہ ترتیب قائم رکھیں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اس ریل پیل دھکم دھکا میں بہت سی مٹھائی گر کر پیروں سے کچلی گئی۔ آخر تقسیم موقوف کرنا پڑی اور بقیہ مٹھائی بڑی مشکلوں سے مرزاپور میں سیٹھ امبالال کے بنگلے پر پہنچائی گئی۔ دوسرے دن اس بنگلے کے احاطے میں بڑی آسانی سے مٹھائی بٹ گئی۔

Marfat.com

اس واقعے کا مضحک پہلو تو ظاہر ہے مگر اس کے افسوسناک پہلو کے متعلق دو ایک لفظ کہنے کی ضرورت ہے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ کہیں احمد آباد کے فقیروں نے یہ بات سن پائی تھی کہ "ایک ٹیک" درخت کے تلے مٹھائی تقسیم ہو گی اور ان کے گروہ کے گروہ وہاں آ پہنچے تھے۔ یہی لوگ بے صبری سے جھپٹے پڑتے تھے جس کی وجہ سے یہ ابتری پیدا ہوئی۔

ہمارا ملک افلاس کی چکی میں اس طرح پس رہا ہے کہ ہر سال فقیروں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور ان بے چاروں کو فاقوں کے مارے خود داری اور انسانیت کا احساس تک باقی نہیں رہتا اور ہمارے مخیر حضرات، بجائے اس کے کہ ان کے لئے کام مہیا کریں اور انہیں اپنے قوت بازو سے روٹی کمانے پر مجبور کریں۔ انہیں بھیک دے کر ٹال دیتے ہیں۔

Marfat.com

تیئیسواں باب

کھیدا کی ستیا گرہ

تقدیر نے مجھے دم لینے کی بھی مہلت نہیں دی۔ احمد آباد کے مزدوروں کی ہڑتال ختم ہوتے ہی مجھے کھیدا کی ستیاگرہ میں شریک ہونا پڑا۔

کھیدا ضلع میں فصل کے برباد ہو جانے سے قحط کی سی صورت پیدا ہو گئی تھی اور وہاں کے پٹی دار لگان کی وصولی ملتوی کرانے کے مسئلے پر غور کر رہے تھے۔ قبل اس کے کہ میں کاشتکاروں کو کوئی مشورہ دوں امرت لال جی ٹھکر واقعات کی تحقیق کرنے کے بعد کمشنر سے مل کر گفتگو کر چکے تھے۔ موہن لال جی پانڈیا اور شنکر لال جی پارکھ بھی اس تحریک میں شریک تھے اور انہوں نے ولبھ بھائی پٹیل اور سرگو کلداس کاہنداس پارکھ آنجہانی کے توسط سے بمبئی کی مجلس وضع قوانین میں یہ مسئلہ اٹھایا تھا۔ گورنر کے پاس بھی اس سلسلے میں کئی وفد جا چکے تھے۔

میں ان دنوں گجرات سبھا کا صدر تھا سبھا کی طرف سے حکومت کو درخواستیں بھیجی جا رہی تھیں اور تار دیئے جا رہے تھے۔ کمشنر کے اہانت آمیز برتاؤ اور ان کی دھمکیوں کو سبھا صبر سے برداشت کر رہی تھی۔ اس موقعے پر حکام کا طرز عمل اس قدر مہمل اور اوچھا تھا کہ آج اس کا ذکر کیا جائے تو لوگوں کو مشکل سے یقین آئے گا۔ کاشتکاروں کا مطالبہ بالکل صاف تھا اور اس قدر معقول کہ اس کے قبول کرنے میں مشکل سے عذر ہو سکتا تھا۔

مال گزاری کے قواعد کی رو سے جب فصل روپے میں چار آنے یا اس سے کم ہو تو کاشتکار سال رواں کا لگان ملتوی کرانے کا مطالبہ کر سکتے تھے۔ سرکاری اطلاع یہ تھی کہ فصل چار آنے سے زیادہ ہے اور کاشتکاروں کا دعویٰ تھا کہ چار آنے سے کم ہے۔ مگر حکومت ان کی فریاد کی شنوائی نہیں کرتی تھی اور اس کے خیال میں کاشتکاروں کا یہ مطالبہ کہ اس کا فیصلہ پنچایت کے ذریعے کیا جائے بغاوت سے کم نہ تھا۔ آخر جب ساری درخواستیں اور التجائیں بیکار گئیں تو میں نے اپنے دوستوں سے صلاح کرنے کے

Marfat.com

بعد پٹی داروں کو یہ مشورہ دیا کہ ستیاگرہ شروع کر دیں۔

کھیدا کے رضا کاروں کے علاوہ اس معرکے میں میرے ساتھ دلبھ بھائی پٹیل شنکر لال جی بینکر، انسویا بین، اندولال جی یا جنک، مہادیو دیسائی اور کچھ حضرات اور بھی شریک تھے۔ دلبھ بھائی پٹیل کو اس کام کی خاطر اپنی وکالت، جو بڑے زور و شور سے چل رہی تھی ملتوی کرنا پڑی، اور حقیقت یہ ہے کہ انہیں پھر کبھی اس کے دوبارہ شروع کرنے کا موقع نہیں ملا۔

ہم نے اپنا صدر مقام ندیاد کے اناتھ آشرم کو قرار دیا کیونکہ اور کوئی مکان نہیں مل سکا۔ جس میں اتنے آدمیوں کی گنجائش ہو۔

ستیاگرہیوں نے حسب ذیل حلف نامے پر دستخط کئے۔

اس علم کی بناء پر کہ ہمارے علاقے کی فصلیں روپے میں چار آنے سے کم ہیں ہم نے حکومت سے درخواست کی کہ لگان کی وصولی آئندہ سال تک ملتوی کر دی جائے۔ مگر حکومت نے ہماری التجا نہیں سنی۔ اس لئے ہم لوگ اس حلف کے ذریعے سے عہد کرتے ہیں کہ ہم اس سال حکومت کو پورا لگان یا اس کا جتنا حصہ باقی ہے نہ خود ادا کریں گے اور نہ اپنی رضامندی سے ادا ہونے دیں گے۔ حکومت جو قانونی کارروائی کرے ہم اس میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے اور اپنی عدم ادائیگی کے نتائج کو خوشی سے برداشت کریں گے۔ چاہے ہماری زمینیں ضبط ہو جائیں مگر ہم اپنی مرضی سے لگان ادا کر کے اپنے دعوے کو جھوٹا نہیں ہونے دیں گے اور اپنی عزت میں بٹہ نہیں لگنے دیں گے۔ البتہ اگر حکومت سارے ضلعے میں لگان کی دوسری قسط کی وصولی ملتوی کر دے تو ہم میں سے جتنے ادائیگی کی استطاعت رکھتے ہیں وہ پورا لگان یا اس کا جتنا حصہ باقی ہے ادا کر دیں گے۔ جو لوگ ادائیگی کا مقدور رکھتے ہیں ان کے ادا نہ کرنے میں یہ مصلحت ہے کہ کہیں ان کی دیکھا دیکھی ان کے غریب بھائی اپنے مویشی بیچ کر یا روپیہ قرض لے کر لگان نہ دے دیں اور اپنے ہاتھوں مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ایسی صورت میں ہمارے نزدیک مقدرت والوں کا بھی یہ فرض ہے کہ اپنے غریب بھائیوں کی خاطر لگان ادا کرنے سے انکار کر دیں۔"

یہاں اس لڑائی کا حال بیان کرنے کے لئے دو باب سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔ اس لئے بہت سی باتیں، جن کی یاد مجھے پیاری ہے چھوڑنا پڑیں گی۔ جو لوگ اس اہم معرکے کا زیادہ گہرا مطالعہ کرنا چاہیں، وہ کھیدا کی ستیاگرہ کی مفصل اور مستند تاریخ پڑھیں۔ جو شنکر لال جی پارکھ ساکن کٹھلال ضلع کھیدا نے لکھی ہے۔

Marfat.com

چوبیسواں باب

"پیاز کا چور"

چمپارن ہندوستان کے دور افتادہ حصے میں واقع تھا اور ہم نے وہاں کے معرکے کی مفصل کیفیت اخباروں میں چھپنے نہیں دی تھی۔ اس لئے وہاں باہر کے لوگ نہیں آتے تھے۔ مگر کھیدا کی حالت دوسری تھی۔ یہاں کے واقعات کی روز کی خبریں اخباروں میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔

گجراتیوں کے لئے یہ بالکل نیا تجربہ تھا اور انہیں اس سے بے حد دلچسپی تھی۔ لوگ اس کام کے لئے اپنا دھن دولت دینے کو تیار تھے ہم ان سے کہتے تھے کہ ستیاگرہ صرف روپے سے نہیں چل سکتی۔ اس میں روپے کی ضرورت اور چیزوں کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔ مگر یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ باوجود میرے سمجھانے کے بمبئی کے سوداگروں نے ضرورت سے زیادہ روپیہ بھیج دیا چنانچہ جب ستیاگرہ ختم ہوئی تو ہمارے پاس کچھ رقم بچ رہی۔

ستیاگرہی رضاکاروں نے اس معرکے میں سادگی کے نئے سبق سیکھے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے بالکل سادہ زندگی اختیار کر لی مگر اتنا ضرور ہوا کہ انہوں نے بہت سے تکلفات ترک کر دیئے۔

پٹی دار کاشتکاروں کے لئے بھی یہ لڑائی بالکل نئی چیز تھی۔ اس لئے ہمیں گاؤں گاؤں پھر کر انہیں اس کے اصول سمجھانے پڑتے تھے۔

اصل کام یہ تھا کہ کسانوں کے دل سے خوف دور کر دیا جائے اور یہ بات انکے ذہن نشین کر دی جائے کہ سرکاری ملازم ان کے آقا نہیں بلکہ خادم ہیں کیونکہ ان کو محصول ادا کرنے والوں کے روپے سے تنخواہ ملتی ہے۔ اس سے بھی زیادہ مشکل ان کے دل میں اس فرض کا احساس پیدا کرنا تھا کہ نڈر ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں حفظ مراتب کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ جہاں ان کے دل سے عہدہ داروں کا خوف دور ہوا وہ ان کی بد تمیزیوں کا ترکی بہ ترکی جواب دینے پر آمادہ ہو جاتے تھے اور ان کو روکنا ہمارے

Marfat.com

لئے قریب قریب ناممکن تھا۔ مگر ہم جانتے تھے کہ اگر انہوں نے ذرا سی بد تمیزی کی تو ستیاگرہ کی ساری خوبی جاتی رہے گی۔ جس طرح سنکھیا کے ایک قطرے سے سارا دودھ زہریلا ہو جاتا ہے۔

ہم نے انہیں یہ اصول سمجھانے کی پوری کوشش کی مگر آگے چل کر معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ سبق میری توقع سے کم سیکھا مجھے تجربے سے معلوم ہوا کہ حسن اخلاق ستیاگرہ کی جان ہے۔ یہاں حسن اخلاق سے مراد محض ظاہری شیریں کلامی نہیں بلکہ باطنی شیریں مزاجی اور اپنے مخالفوں کی دلی خیر خواہی ہے۔ سچے ستیاگرہی کے ہر فعل میں ان صفتوں کا رنگ جھلکتا ہے۔

ابتدا میں باوجود اس کے کہ لوگوں نے بڑی ہمت سے مقابلہ کیا، حکومت کی طرف سے کوئی سختی نہیں ہوئی۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ ان لوگوں کے قدم کو کسی طرح لغزش نہیں ہوتی تو تشدد شروع کر دیا۔ قرق امینوں نے لوگوں کے مویشی بیچ ڈالے اور جو چیز ہاتھ آئی قرق کر لی۔ جرمانے کے نوٹس جاری کئے گئے اور کہیں کہیں تیار فصلوں کی قرقی بھی ہوئی۔ اس سے کسان گھبرا گئے۔ بعض نے لگان ادا کر دیا اور بعض نے یہ کوشش کی کہ ان کی منقولہ جائیداد بیچ کر مطالبہ وصول کر لیا جائے مگر کچھ ایسے بھی تھے جو آخر تک لڑنے کے لئے تیار رہے۔

اسی اثنا میں شنکر لال جی پارکھ کے ایک اسامی نے لگان ادا کر دیا۔ اس سے بڑی بے چینی پھیل گئی۔ شنکر لال جی نے فوراً اس کی تلافی میں وہ زمین جس کا لگان ادا کیا گیا تھا مصارف خیر کے لئے وقف کر دی۔ اس طرح انہوں نے اپنی عزت رکھ لی اور دوسروں کے لئے عمدہ مثال قائم کر دی۔

سمجدلوں کے دل مضبوط کرنے کے لئے میں نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ موہن لال جی پانڈیا کی سرکردگی میں ایک پیاز کے کھیت سے جس کی فصل بے انصافی سے قرق کر لی گئی تھی، پیاز کاٹ لائیں۔ میں نے لوگوں سے کہا کہ میرے نزدیک یہ فعل سول نافرمانی میں داخل نہیں اور فرض کیجئے کہ ہو بھی تو بھی کوئی ہرج نہیں، پیاز کی فصلوں کی قرقی چاہے قانوناً درست ہو مگر اخلاقاً ناجائز ہے اور لوٹ سے کم نہیں اس لئے لوگوں کا فرض ہے کہ قرقی کے حکم کی خلاف ورزی کریں اور فصل کاٹ لائیں۔ یہ لوگوں کو اس کی تعلیم دینے کا بڑا اچھا موقع تھا کہ ستیاگرہ میں اپنی خواہش سے قید یا جرمانے کی سزا کیوں کر حاصل کی جاتی ہے۔ موہن لال جی پانڈیا کی تو یہ دلی آرزو تھی انہیں یہ پسند نہ تھا کہ یہ معرکہ یونہی ختم ہو جائے اور کوئی شخص ستیاگرہ کی راہ میں قید کی مصیبت نہ جھیل سکے۔ اس لئے وہ بڑی خوشی سے پیاز کی فصل کاٹنے پر راضی ہو گئے اور سات آٹھ منچلے بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔

حکومت انہیں گرفتار کرنے پر مجبور تھی۔ ان کی گرفتاری سے لوگوں کا جوش اور بڑھ گیا۔ جب

Marfat.com

جیل جانے کی جھجک جاتی رہے تو حکومت کی سختی لوگوں کی ہمتیں بڑھا دیتی ہے۔ مقدمے کی پیشی کے دن ہزاروں آدمیوں نے کچہری کو گھیر لیا۔ پانڈیا اور ان کے ساتھ مجرم قرار دیئے گئے اور انہیں تھوڑے دن کی قید ہو گئی۔ میرے خیال میں یہ سزا بیجا تھی کیونکہ تعزیرات ہند میں چوری کی جو تعریف کی گئی ہے وہ ان کے اس فعل پر عائد نہیں ہوتی تھی۔ مگر ہم لوگ عدالتوں سے دور رہنا چاہتے تھے اس لئے ہم نے اپیل دائر نہیں کیا۔

"مجرموں" کے ساتھ ایک بہت بڑا جلوس جیل خانے کے دروازے تک گیا اور اس دن سے موہن لال جی پانڈیا کو لوگ دنگلی چور (پیاز کا چور) کے معزز لقب سے پکارنے لگے۔

اس ستیاگرہ کا انجام میں دوسرے باب میں بیان کروں گا۔

Marfat.com

Marfat.com

پچیسواں باب

کھیدا کی ستیا گرہ کا انجام

یہ ستیاگرہ خلاف توقع بہت جلد ختم ہو گئی۔ لوگوں میں مقابلے کا دم نہیں رہا تھا اور میں اس خیال سے کہ کہیں یہ غریب بالکل تباہ نہ کر دیئے جائیں لڑائی کو جاری رکھنے سے ہچکچاتا تھا۔ مجھے یہ فکر تھی کہ اسے ختم کرنے کی کوئی ایسی معقول صورت نکل آئے جو ایک ستیاگرھی کے لئے قابل قبول ہو۔ بالکل خلاف توقع ایسی صورت پیدا ہو گئی۔ ندیاو تعلقے (1) کے معاملت دار نے مجھ سے کہلا بھیجا کہ اگر خوشحال پٹی دار لگان ادا کر دیں تو غریب لوگوں سے وصولی ملتوی کر دی جائے گی۔ میں نے اس مضمون کی تحریر مانگی۔ اس نے بھیج دی لیکن چونکہ معاملت دار صرف اپنے تعلقے کا ذمہ دار تھا اس لئے میں نے کلکٹر سے پوچھا کہ کیا آپ سارے ضلعے کے متعلق یہی وعدہ کرتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ اس التوا کے احکام پہلے ہی جاری ہو چکے ہیں۔ مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ سچ ہے تو کسانوں کا عہد پورا ہو گیا۔ یہ احکام بالکل ان کی خواہش کے مطابق تھے۔ اس لئے ہم ان کی تعمیل پر راضی ہو گئے۔

مگر اس تصفیے کے عملدرآمد میں وہ شفقت اور ملاطفت نہ تھی جو ستیاگرہ کے خاتمے پر ہونا چاہیئے اس لئے مجھے اس سے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ کلکٹر نے ایسا انداز اختیار کیا کہ گویا کوئی تصفیہ ہی نہیں ہوا۔ غریبوں سے التوا کا وعدہ کیا گیا مگر اس پر عمل بہت کم ہوا۔ یہ طے کرنا کہ کون کون غریب ہیں اصل میں خود کسانوں کا حق تھا مگر وہ اس سے کام نہ لے سکے۔ افسوس یہ ہے کہ ان میں اپنے اس حق سے فائدہ اٹھانے کی طاقت ہی نہ تھی۔ لوگوں نے ستیاگرہ کی فتح کی خوشیاں منائیں مگر میرے دل میں ذرا بھی جوش نہ تھا کیونکہ یہ فتح محض برائے نام تھی۔ ستیاگرہ کی تحریک کامیاب بھی کہلا سکتی ہے جب اس کے خاتمے کے وقت ستیاگرھیوں کی ہمت اور قوت پہلے سے بڑھ گئی ہو۔

Marfat.com

مگر اس معرکے کے بالواسطہ اثرات بہت گہرے تھے اس وقت جو پودا لگایا گیا تھا وہ آج پھل دے رہا ہے۔ کھیدا کی ستیاگرہ سے گجرات کے کسانوں کی بیداری اور ان کی سیاسی تعلیم شروع ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر اینی بسنینٹ کی ہوم رول کی تحریک کا تھوڑا بہت اثر کسانوں پر ہوا تھا مگر کھیدا کی مہم کی بدولت تعلیم یافتہ لوگوں کو کسانوں کی واقعی زندگی سے واقفیت حاصل کرنے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ انہیں اپنا حقیقی دائرہ عمل معلوم ہو گیا اور ان میں ایثار اور قربانی کی صلاحیت بڑھ گئی اور پھر یہ کیا کم ہے کہ ولبھ بھائی کو اس معرکے میں معلوم ہو گیا کہ انہیں خدا نے کس کام کے لئے بنایا ہے اس نعمت کی قدر ہمیں پارسال سیلاب زدوں کی امداد کی مہم میں اور اس سال بردولی کی ستیاگرہ میں ہوئی۔ گجرات کی قومی زندگی میں نیا زور اور نئی امنگ پیدا ہو گئی۔ پٹی دار کسانوں کو اپنی قوت کا پورا اندازہ ہو گیا لوگوں کے دل پر یہ بات نقش ہو گئی کہ ان کی نجات خود ان کے ہاتھ میں ہے اور ان کے ایثار اور قربانی پر منحصر ہے۔ کھیدا کے معرکے سے ستیاگرہ نے گجرات میں جڑ پکڑ لی۔

اس لئے اگرچہ مجھے ستیاگرہ کے خاتمے پر کچھ زیادہ خوشی نہ تھی لیکن کھیدا کے کسان کامیابی کا جشن منا رہے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہم نے جو کامیابی حاصل کی ہے وہ ہماری کوشش کے لحاظ سے بہت ہے اور اب ہمیں ایسی تدبیر ہاتھ آ گئی ہے جس کے ذریعہ سے ہم حکومت کو دادرسی پر مجبور کر سکتے ہیں۔

پھر بھی کھیدا کے کسانوں نے ستیاگرہ کے اصلی بھید کو نہیں سمجھا تھا۔ آئندہ بابوں میں معلوم ہو گا کہ اس کی انہیں کیا سزا ملی۔

حوالہ

1 - گجرات میں تحصیل کو "تعلقہ" اور تحصیلدار کو "معاملت دار" کہتے ہیں۔

Marfat.com

چھبیسواں باب

اتحاد کی گرما گرمی

جس زمانے میں کھیدا کا معرکہ شروع ہوا ہے یورپ کی مہلک جنگ جاری تھی۔ اب اس میں ایک بڑا نازک موقع آن پڑا اور وائسرائے نے ہر خیال کے لیڈروں کو دہلی میں "وار کانفرنس" میں شریک ہونے کے لئے بلایا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ مجھ سے اور لارڈ چیمفورڈ سے بہت اچھے تعلقات تھے انہوں نے مجھ سے بھی کانفرنس کی شرکت کے لئے اصرار کیا۔

میں نے یہ دعوت قبول کرلی اور دہلی پہنچ گیا۔ مگر کئی وجوہ سے مجھے کانفرنس میں تامل تھا۔ جن میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ اس میں علی برادران شامل نہیں کئے گئے تھے۔ یہ دونوں ان دنوں جیل میں تھے۔ مجھ سے ان سے صرف دو ایک بار کی ملاقات تھی مگر میں نے ان کا ذکر بہت سنا تھا۔ ہر شخص ان کی خدمات اور ان کی ہمت کی تعریف کرتا تھا۔ حکیم صاحب سے مجھے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ مگر پرنسپل رورا اور دین بندھو اینڈریوز نے مجھ سے ان کی بہت تعریف کی تھی۔ شعیب قریشی صاحب اور خواجہ صاحب سے میں کلکتے کی مسلم لیگ میں مل چکا تھا۔ ڈاکٹر انصاری اور ڈاکٹر عبدالرحمن سے بھی میری ملاقات ہو سکتی تھی مجھے اچھے مسلمانوں کی صحبت کی تلاش تھی۔ میں چاہتا تھا کہ ان میں جو پاک نفس اور وطن پرست لوگ ہیں ان سے مل کر مسلمانوں کی طبیعت کا اندازہ کروں اس لئے میں ہر جگہ ان کے ساتھ جانے کے لئے تیار رہتا تھا تاکہ ان سے اچھی طرح ربط ضبط ہو جائے۔

مجھے جنوبی افریقہ میں اس کا احساس ہو چکا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے دل ایک دوسرے کی طرف سے صاف نہیں ہیں۔ میں انتہائی کوشش کرتا تھا کہ باہمی اتحاد کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں وہ دور ہو جائیں۔ اپنی خودداری کھو کر یا خوشامد کر کے لوگوں کو خوش کرنا مجھے نہیں آتا تھا مگر جنوبی افریقہ کے

Marfat.com

تجربوں سے مجھے یہ یقین ہو گیا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد کے معاملے میں میری اہمسا کا بڑا سخت امتحان ہو گا اور مجھے اہمسا کے نئے تجربوں کے لئے بڑا وسیع میدان ملے گا۔

جنوبی افریقہ سے واپسی کے وقت یہ عقیدہ میرے دل میں راسخ ہو چکا تھا اس لئے میں نے علی برادران کی ملاقات کو ایک نعمت سمجھا۔ مگر ابھی ان سے اچھی طرح راہ و رسم نہیں ہونے پائی تھی کہ وہ نظر بند کر دیئے گئے۔ مولانا محمد علی مجھے بتیول اور جھنڈوارے کے جیل سے بہت مفصل خط لکھا کرتے تھے۔ میں نے علی برادران سے ملنے کی اجازت مانگی مگر میری درخواست منظور نہیں ہوئی۔

ان دونوں بھائیوں کی گرفتاری کے بعد کلکتے میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا جس میں میرے مسلمان دوستوں نے مجھے بھی مدعو کیا۔ وہاں مجھ سے تقریر کی فرمائش ہوئی میں نے اس موضوع پر تقریر کی کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ جیسے بنے علی برادران کو رہا کرا لیں اس کے کچھ دن بعد یہی دوست مجھے علی گڑھ کالج لے گئے وہاں میں نے نوجوانوں کو دعوت دی کہ فقیری اختیار کر کے مادر وطن کی خدمت کریں۔

اس کے بعد میں نے حکومت سے علی برادران کی رہائی کے متعلق خط و کتابت شروع کی اسی سلسلے میں میں نے اس سے واقفیت حاصل کی کہ خلافت کے مسئلے میں ان دونوں بھائیوں کے خیالات کیا ہیں اور انہوں نے اس کے متعلق کیا کچھ کیا ہے مجھ سے اور مسلمان دوستوں سے ان امور پر بحث ہوا کرتی تھی۔ مجھے یہ محسوس ہوا کہ اگر میں مسلمانوں کا سچا دوست بننا چاہتا ہوں تو مجھے چاہیئے کہ علی برادران کی رہائی اور مسئلے خلافت کے تصفیے کی کوشش میں ہر طرح کی مدد دوں مجھے اس سے بحث نہ تھی کہ اس مسئلے کی مذہبی صورت کیا ہے میرے لئے یہی کافی تھا کہ یہ مسلمانوں کا مطالبہ ہے اور اس میں کوئی بات اخلاق کے منافی نہیں۔

مذہب کے معاملے میں لوگوں کے عقائد مختلف ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنے عقیدے کو صحیح سمجھتا ہے۔ اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو اتنے مذہب کیوں ہوتے۔ آگے چل کر مجھے یہ معلوم ہوا کہ انگلستان کے وزیر اعظم نے تسلیم کر لیا ہے کہ مسلمانوں کا مطالبہ خلافت کے بارے میں صحیح ہے اس لئے میں نے اپنا فرض سمجھا کہ وزیر اعظم کو عہد کی پابندی پر مجبور کرنے میں مسلمانوں کا ساتھ دوں۔ یہ عہد اس قدر صاف لفظوں میں تھا کہ مجھے اس کے بعد مسلمانوں کے مطالبات کی زیادہ چھان بین کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے جو کچھ کیا اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے کیا۔

دوستوں نے اور نکتہ چینوں نے خلافت کے بارے میں میرے رویہ پر بہت کچھ اعتراضات کئے ہیں مگر اس کے باوجود مجھے مسلمانوں کا ساتھ دینے کا مطلق افسوس نہیں۔ اگر ایسا موقع پھر آئے تو میں

Marfat.com

پھر وہی طرز عمل اختیار کروں گا۔

غرض جب میں دہلی گیا تو میں نے پوری طرح ارادہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں کے مطالبات وائسرائے کے سامنے پیش کروں گا۔ اس وقت تک خلافت کے مسئلے کی وہ صورت نہیں تھی جو آگے چل کر ہو گئی۔

دہلی پہنچ کر ایک بات اور پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے مجھے "وار کانفرنس" کی شرکت میں تامل ہوا۔ دین بندھو اینڈریوز نے مجھے شبہے میں ڈال دیا کہ کانفرنس میں میری شرکت اخلاقاً جائز ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا انگلستان کے اخباروں میں یہ مسئلہ چھڑا ہوا ہے کہ برطانیہ نے اطالیہ سے خفیہ معاہدہ کر لیا ہے اگر یہ صحیح ہے تو آپ کی شرکت کانفرنس میں کہاں تک مناسب ہے؟ مجھے اس خفیہ معاہدے کا علم نہیں تھا مگر میرے لئے اینڈریوز کا قول کافی تھا میں نے لارڈ چیمسفورڈ کو ایک خط لکھا جس میں اپنے شبہات بیان کر دیئے انہوں نے جواب دیا کہ آپ مجھ سے مل کر گفتگو کر لیجئے۔ ان سے اور ان کے پرائیویٹ سیکرٹری نے مسٹر میفے سے طول وطویل بحث کے بعد میں کانفرنس میں شریک ہونے پر راضی ہو گیا۔

وائسرائے کی دلیلوں کا خلاصہ یہ تھا "کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کے وائسرائے کو برطانوی مجلس وزراء کے سب فیصلوں کی خبر ہوتی ہے؟ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا اور میں کیا کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ برطانوی حکومت معصوم ہے۔ لیکن اگر آپ یہ مانتے ہیں کہ برطانوی سلطنت مجموعی حیثیت سے دنیا کے لئے مفید ہے اور ہندوستان کو اس کے سابقے سے مجموعی حیثیت سے فائدہ پہنچا ہے تو کیا آپ کے خیال میں ہر ہندوستانی کا یہ فرض نہیں ہے کہ ایسی ضرورت کے وقت اس کی مدد کرے؟ میں نے بھی انگلستان کے اخباروں میں خفیہ معاہدے کی بحث دیکھی ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان اخباروں کی قیاس آرائیوں کے سوا مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی ہے اور انہیں میں مطلق قابل اعتبار نہیں سمجھتا کیونکہ یہ اکثر بے سروپا خبریں گھڑ دیا کرتے ہیں کیا آپ ان اخباری چہ میگوئیوں کی بناء پر ایسے نازک وقت میں سلطنت کی مدد سے منہ موڑیں گے؟ لڑائی ختم ہو جانے دیجئے۔ پھر آپ دل کھول کر اخلاقی بحثیں چھیڑ دیئے گا اور جو اعتراض کرنا ہو کر لیجئے گا آج اس کا موقع نہیں۔"

یہ استدلال نیا نہیں تھا۔ مگر یہ ایسے موقع پر اور ایسے انداز میں پیش کیا گیا کہ مجھے نیا معلوم ہوا اور میں نے کانفرنس کی شرکت قبول کر لی۔ مسلمانوں کے مطالبات کے متعلق یہ طے ہوا کہ میں وائسرائے کو ایک خط لکھوں۔

Marfat.com

Marfat.com

ستائیسواں باب

رنگروٹوں کی بھرتی

غرض کہ میں کانفرنس میں شریک ہوا۔ وائسرائے کا بہت اصرار تھا کہ تم رنگروٹوں کی بھرتی کے رزولیوشن کی تائید کرو۔ میں نے ہندی میں تقریر کرنے کی اجازت چاہی۔ وائسرائے نے اسے منظور کر لیا۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ جو کچھ ہندی میں کہو اس کا ترجمہ انگریزی میں بھی کر دو مجھے کوئی طویل تقریر نہیں کرنا تھی۔ میں نے صرف ایک جملہ کہا جس کا مضمون یہ تھا۔"میں اپنی ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ اس رزولیوشن کی تائید کرتا ہوں۔

بہت سے لوگوں نے مجھے ہندوستانی میں تقریر کرنے پر مبارک باد دی۔ انہوں نے کہا یہ پہلا موقع ہے کہ ایسے جلسے میں ہندوستانی زبان سننے میں آئی۔ جب میں نے یہ مبارکباد سنی اور مجھے یہ معلوم ہوا کہ وائسرائے کے مشورے کے جلسوں میں مجھ سے پہلے کسی نے ہندوستانی میں تقریر نہیں کی تو مجھے اپنی قوم کی حالت پر بڑا صدمہ ہوا۔ یہ معلوم ہوا جیسے میرا دل مرجھا کر رہ گیا ہو۔ غضب خدا کا ہندوستان کے اندر جلسہ ہو، ہندوستان کے معاملات پیش ہوں اور ہندوستانی زبان میں تقریر کرنا ممنوع ہو اور میری طرح کوئی اپنی زبان میں تقریر کر گزرے تو مبارکباد کے قابل سمجھا جائے! اسی قسم کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری پستی کس حد تک پہنچ چکی ہے۔

یہ ایک جملہ جو میں نے کانفرنس میں کہا میرے لئے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس کانفرنس اور اس رزولیوشن کا خیال میرے دل پر چھا گیا۔ دہلی کے قیام کے دوران میں مجھے ایک فرض انجام دینا تھا یعنی وائسرائے کو خط لکھنا تھا۔ یہ کوئی سہل کام نہ تھا میں حکومت اور ملک دونوں کی اغراض کو مدنظر رکھ کر اپنا فرض سمجھتا تھا کہ اس خط میں یہ ظاہر کر دوں کہ میں کانفرنس میں کیوں شریک ہوا اور صاف صاف بتادوں کہ ملک کو حکومت سے کیا توقعات ہیں۔

Marfat.com

میں نے اس میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ لوکمانیہ تلک اور علی برادران جیسے لیڈر کانفرنس میں شریک نہیں کئے گئے اور بہت تفصیل سے لکھا کہ جنگ نے جو صورت حال پیدا کر دی ہے اس کے سبب سے ہندوستانی کم از کم اس قدر سیاسی حقوق چاہتے ہیں اور مسلمانوں کے مخصوص مطالبات یہ ہیں۔

وائسرائے کانفرنس کے بعد ہی شملے چلے گئے تھے۔ اس لئے میں نے یہ خط وہیں بھیجا۔ میں اس کے مضمون کو بہت اہم سمجھتا تھا اور جواب جلدی چاہتا تھا اس لئے اسے ڈاک سے نہیں بھیج سکتا تھا۔ مگر باوجود عجلت کے کسی ایسے ویسے شخص کے ہاتھ بھیجنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی پاک نفس آدمی خود جا کر وائسرائیگل لاج میں خط پہنچا دے۔ پرنسپل رودرا اور آئیڈریوز نے کیمبرج مشن کے نیک دل پادری مسٹر آئر لینڈ کو تجویز کیا انہوں نے کہا "اگر آپ مجھے یہ خط دکھا دیں اور میں اس کے مضمون کو اچھا سمجھوں تو میں اس کے لے جانے کے لئے حاضر ہوں۔ مجھے خط دکھانے میں کوئی عذر نہیں تھا کیونکہ اس میں کوئی نج کی بات نہیں تھی۔ انہوں نے وہ خط پڑھا اس کا مضمون پسند کیا اور اسے پہنچانے پر تیار ہو گئے۔ میں نے دوسرے درجے کا کرایہ دینا چاہا مگر انہوں نے کہا کہ میں ڈیوڑھے درجے میں سفر کرنے کا عادی ہوں چنانچہ باوجود اس کے کہ رات کا سفر تھا وہ ڈیوڑھے ہی درجے میں گئے۔ ان کی سادگی اور صاف گوئی کی وجہ سے مجھے ان سے محبت ہو گئی۔ ایسے پاک نفس آدمی کے ہاتھ خط بھیجنے کی برکت سے نتیجہ حسب دلخواہ نکلا۔ اس سے مجھے بڑا اطمینان ہوا اور میرا راستہ صاف ہو گیا۔

میرا دوسرا فرض یہ تھا کہ رنگروٹ بھرتی کروں۔ اس کی یہی صورت تھی کہ میں کھیدا سے ابتدا کروں اور سب سے پہلے اپنے رفیقوں کو بھرتی ہونے کی دعوت دوں۔ چنانچہ ندیاد پہنچتے ہی میں نے دلبھ بھائی اور دوسرے دوستوں کو مشورے کے لئے جمع کیا ان میں سے بعض نے اس تجویز کو ناپسند کیا۔ جنہوں نے پسند کیا انہیں بھی اس کی کامیابی میں بہت شبہ تھا۔ جن لوگوں کو میں دعوت دینا چاہتا تھا انہیں سرکار سے بالکل محبت نہ تھی۔ سرکاری ملازموں کا جو تلخ تجربہ انہیں ہوا تھا اس کی یاد ابھی تازہ تھی۔

پھر بھی دوستوں کی یہ رائے ہوئی کہ کام شروع کر دینا چاہیئے۔ پہلا قدم اٹھاتے ہی میری آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا۔ میری امیدوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔ ستیاگرہ کے زمانے میں تو لوگ بیل گاڑی بے کرائے کے دے دیا کرتے تھے اور جہاں ایک رضاکار کی ضرورت ہوتی تھی وہاں دو موجود ہو جاتے تھے مگر اب رضاکار تو ایک طرف گاڑی تک کرائے پر نہیں ملتی تھی۔ مگر ہم لوگ ہمت ہارنے والے اسامی نہ تھے۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ پیدل سفر کریں تاکہ گاڑی کا جھگڑا ہی نہ رہے۔ ہمیں روز بیس میل

Marfat.com

پیدل چلنا پڑتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب لوگ گاڑی تک نہیں دیتے تھے تو ان سے یہ توقع کرنا فضول تھا کہ ہمیں کھانا کھلائیں گے اور ہمارے لئے مناسب بھی نہ تھا کہ ان پر اس کا بار ڈالیں۔ اس لئے یہ طے ہوا کہ ہر رضا کار اپنے تھیلے میں اپنا کھانا لے چلے۔ بستر کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ گرمی کے دن تھے۔

ہم ہر جگہ جلسے کرتے جاتے تھے۔ جلسوں میں مجمع تو خاصا ہو جاتا تھا مگر رنگروٹ ایک دو سے زیادہ نہیں بنتے تھے۔ لوگ ہم سے اس قسم کے سوال کیا کرتے تھے "آپ اہمسا کے قائل ہو کر ہمیں ہتھیار اٹھانے کی صلاح کیسے دیتے ہیں؟" گورنمنٹ نے ہندوستان کے لئے کیا کیا ہے جو ہم اس کا ساتھ دیں؟

پھر بھی ہماری کوششوں کا اثر ہونے لگا۔ لوگوں نے خاصی تعداد میں نام لکھوائے اور ہمیں یہ امید ہو گئی کہ پہلی کھیپ بھیجنے کے بعد بھرتی کا سلسلہ بندھ جائے گا۔ میں نے کمشنر سے اس بارے میں مشورہ شروع کر دیا کہ رنگروٹ کہاں رکھے جائیں۔

ہر قسمت کے کمشنر دہلی کی وار کانفرنس کے نمونے پر مشورے کے جلسے کر رہے تھے۔ چنانچہ گجرات میں بھی جلسہ ہوا اور مجھے اور میرے رفیقوں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ ہم لوگ شریک تو ہوئے مگر مجھے یہاں دہلی کے جلسے سے بھی زیادہ یہ بات محسوس ہوئی کہ ایسی جگہ میرے جیسے شخص کے لئے گنجائش نہیں۔ اس غلامی اور چاپلوسی کی فضا میں میرا دم الجھتا تھا۔ میں نے یہاں کسی قدر طویل تقریر کی مجھے جو کچھ کہنا تھا اس میں حکام کو خوش کرنے والی کوئی بات نہ تھی بلکہ دو چار جملے ایسے تھے جس سے انہیں تکلیف ہوئی ہو گی۔

میں لوگوں کو رنگروٹ بننے کی ترغیب دلانے کے لئے چھوٹے چھوٹے رسالے چھپوا کر شائع کیا کرتا تھا ان میں میں نے منجملہ اور دلیلوں کے اس دلیل سے کام لیا تھا "برطانوی حکومت نے ہندوستان میں جو مظالم کئے ہیں ان میں سے وہ قانون جس کی رو سے قوم کی قوم ہتھیاروں سے محروم کر دی گئی۔ تاریخ کی نظر میں سب سے بڑا ظلم سمجھا جائے گا۔ اگر ہم قانون اسلحہ کو منسوخ کرانا چاہتے ہیں اور ہتھیاروں کا استعمال سیکھنا چاہتے ہیں تو اس سے اچھا موقع اور کیا ہو گا۔ اگر متوسط طبقہ اس آڑے وقت میں حکومت کا ساتھ دے تو حکومت کے دل سے بے اعتمادی دور ہو جائے گی اور ہتھیاروں کی بندش اٹھا دی جائے گی۔"

یہ بات کمشنر کو ناگوار ہوئی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں اس کا ذکر کیا اور کہا کہ مجھے بہت خوشی ہے کہ باوجود اس کے کہ ہمارے آپ کے خیالات میں اختلاف ہے آپ اس کانفرنس میں شریک

Marfat.com

ہوئے۔ میں نے جہاں تک ہو سکا نرم اور مہذب الفاظ میں اپنے نقطہ نظر کی حمایت کی۔

میں نے وائسرائے کے نام جو خط لکھا تھا اس کا مضمون یہ ہے۔

"آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے اپنے 26 اپریل کے خط میں وہ وجوہ عرض کی تھیں جن کی بنا پر مجھے کانفرنس کی شرکت میں تامل تھا۔ مگر آپ سے ملاقات اور گفتگو کا شرف حاصل کرنے کے بعد میں اس میں شریک ہونے پر راضی ہو گیا جس کا بڑا سبب وہ خلوص تھا جو مجھے آپ کی ذات سے ہے۔ مجھے کانفرنس کی شرکت میں سب سے قومی اعتراض یہ تھا کہ لوکمانیہ تلک مسز بسنیٹ اور علی برادران جیسے باا ثر لیڈر اس میں نہیں بلائے گئے۔ میرا اب تک یہی خیال ہے کہ یہ بہت بڑی غلطی تھی اور میری ناقص رائے میں اس غلطی کی تلافی اس طرح ہو سکتی ہے کہ حکومت ان لیڈروں کو صوبہ وار کانفرنسوں میں جواب ہونے والی ہیں مدعو کرے اور ان کے مشورے سے فائدہ اٹھائے۔ میری مؤدبانہ گزارش ہے کہ کسی حکومت کو یہ جرات نہیں کرنا چاہیئے کہ ایسے لیڈروں کو جو اتنی بڑی جماعتوں کے نمائندے ہیں ناقابل توجہ سمجھے خواہ ان کے خیالات کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں۔ اسی کے ساتھ میں بڑی خوشی سے اعتراف کرتا ہوں کہ کانفرنس کی کمیٹیوں میں مختلف خیال کے لوگوں کو آزادی سے اظہار رائے کی اجازت دی گئی۔ خود میں نے اپنی رائے کا اظہار اس کمیٹی میں جس کی ممبری کا مجھے فخر تھا اور کانفرنس میں خاص کر کے نہیں کیا میں سمجھتا تھا میرے لئے کانفرنس کی خدمت کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ جو رزولیوشن پیش ہوں ان کی تائید کروں چنانچہ میں نے بغیر کسی شرط کے تائید کی۔ میں اپنے قول کو عمل کی صورت دینے کے لئے تیار ہوں اور اس خط کے ساتھ اپنی درخواست بھیج رہا ہوں۔ اس کے منظور ہوتے ہی کام شروع کر دوں گا۔"

"میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہمیں اس نازک وقت میں اپنے وعدے کے مطابق سلطنت برطانیہ کی دل کھول کر مدد کرنا چاہیئے جس کے زیر سایہ عنقریب نو آبادی کا درجہ حاصل کرنے کی ہمیں آرزو ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ ہم سلطنت کا ساتھ اسی توقع کی بنا پر دے رہے ہیں کہ اس کے ذریعے سے ہم اپنا مقصد زیادہ جلد حاصل کر لیں گے۔ جو اپنا فرض ادا کرتا ہے اس کا حق خود بخود قائم ہو جاتا ہے اس لئے اگر ہندوستان والے یہ سمجھتے ہیں کہ جن اصطلاحات کی طرف آپ کی تقریر میں اشارہ کیا گیا ہے وہ کانگریس لیگ اسکیم کے عام اصولوں پر مبنی ہوں گی تو کچھ بیجا نہیں سمجھتے۔ مجھے یقین ہے کہ اسی خیال سے کانفرنس کے بہت سے ممبروں نے حکومت کی پوری پوری امداد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

"اگر میرے ہموطن میرے کہنے پر چلتے تو میں کانگریس کے تمام رزولیوشن واپس کرا لیتا اور جنگ

Marfat.com

کے دوران میں "ہوم رول" یا "ذمہ دار حکومت" کا نام بھی نہ آنے دیتا میں مادر ہند کے سارے صحیح الجسم نوجوانوں کو ایسے نازک وقت میں سلطنت کی خدمت کے لئے حاضر کر دیتا اور مجھے یقین ہے کہ اس قربانی کی بدولت ہندوستان سلطنت کا محبوب ترین رفیق بن جاتا اور نسل و قوم کے امتیازات خود بخود مٹ جاتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کا تعلیم یافتہ طبقہ اس گرمجوشی سے حکومت کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں اور ملک پر اب اسی طبقے کا اثر ہے۔ مجھے جنوبی افریقہ سے آنے کے بعد کسانوں سے بہت سابقہ رہا ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ ہوم رول کی تحریک سے متاثر ہو چکے ہیں۔ میں کانگریس کے پچھلے اجلاس میں موجود تھا اور میں نے اس رزولیوشن کی تائید کی تھی کہ ہندوستان کو اس میعاد کے اندر جو پارلیمنٹ تجویز کرے کامل ذمہ دارانہ حکومت دے دی جائے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ اقدام خطرے سے خالی نہیں مگر جب تک ہندوستان کو جلد سے جلد ہوم رول حاصل ہونے کی امید نہ دلائی جائے، ان کا مطمئن ہونا ممکن نہیں۔ آپ یقین کیجئے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اس مقصد کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کرنے کو تیار ہیں اور یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس سلطنت کی جاں نثاری ہمارا فرض ہے جس کے سایہ عاطفت میں ہمیں نو آبادی کا درجہ حاصل کرنے کی آرزو اور امید ہے۔ ہمارا مقصد جلد تر حاصل ہونے کی یہی صورت ہے کہ ہم دل و جان سے سلطنت کی خدمت میں مصروف ہو جائیں اور اسے دشمنوں کے نرغے سے بچائیں۔ ہماری قوم اس بدیہی حقیقت کو نہ سمجھے تو خودکشی کی مرتکب ہوگی اگر ہم اس نازک وقت میں سلطنت کے آڑے آئیں تو ہوم رول ہمیں خود بخود مل جائے گا۔"

غرض اس کا تو مجھے یقین ہے کہ ہمیں جتنے آدمی مل سکیں سلطنت کی حفاظت کے لئے حاضر کر دینا چاہیئے مگر مالی امداد کے بارے میں مجھے تامل ہے۔ کسانوں سے ملنے جلنے اور ان کی حالت دیکھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان پہلے ہی اپنی مقدرت سے زیادہ رقم سلطنت کے خزانے کی نذر کر چکا ہے۔ یہ صرف میری ہی رائے نہیں بلکہ میرے اکثر ہم وطنوں کا یہی خیال ہے۔

میں اور میرے بہت سے بھائی یہ سمجھتے ہیں کہ اس کانفرنس نے ہمیں سلطنت کے مشترکہ مفاد کے لئے اپنی جانیں نثار کرنے کی دعوت دے کر، نو آبادیوں کے دوش بدوش کھڑا کر دیا ہے۔ مگر ہماری حالت ان سے مختلف ہے ہم ابھی تک شرکائے سلطنت کے زمرے سے باہر ہیں۔ ہماری جاں نثاری آئندہ ترقی کی امید پر مبنی ہے میں نے صاف صاف عرض کر دیا ہے کہ یہ امید کیا ہے۔ اگر ایسا نہ کرتا تو آپ سے اور اپنے ملک سے بے وفائی ہوتی۔ میں اس معاملے میں سودا نہیں کرنا چاہتا مگر یہ سمجھ لیجئے کہ

Marfat.com

امیدیں پوری نہ ہوں تو اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ ایک اور بات عرض کر دینا ضروری ہے آپ نے ہم سے اپیل کیا ہے کہ اندرونی جھگڑے مٹادو۔ اگر اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم حکام کے ظلم چپ چاپ سہیں تو اس کی تعمیل میرے امکان سے باہر ہے جب تک میرے دم میں دم ہے میں باضابطہ جبر و تشدد کا مقابلہ کروں گا۔ آپ کو اپیل کرنا ہے تو حکام سے کہیئے کہ کسی متنفس سے بد سلوکی نہ کریں، ہر معاملے میں رائے عامہ سے مشورہ کریں اور اس کا احترام ہر وقت مدنظر رکھیں۔

چمپارن میں میں نے اس ظلم کا انسداد کر کے، جو پشتہاپشت سے ہوتا چلا آیا تھا۔ یہ دکھادیا کہ ایک نہ ایک دن برطانوی انصاف کا بول بالا ہو کر رہتا ہے۔ کھیدا میں جو لوگ حکومت کو کوستے تھے انہیں آج یہ محسوس ہو گیا ہے کہ جب حق ان کی طرف ہو اور وہ اس کی خاطر قربانی کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو حکومت ان کے آگے سر جھکا دیتی ہے۔ اس طرح میں نے جو کام چمپارن اور کھیدا میں کیا ہے اسے میری نمایاں اور مخصوص خدمات جنگ میں شمار کرنا چاہیئے۔ یہی جد وجہد میری جان ہے مجھ سے یہ فرمائش کرنا کہ اسے روک دو گویا مجھے خود کشی کی دعوت دینا ہے اگر میں ہر شخص کو بہیمی قوت کی جگہ، روحانی قوت یعنی محبت کی قوت سے کام لینے پر آمادہ کر سکوں تو آپ کو دکھادوں کہ ساری دنیا مل کر بھی ہندوستان کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ اس لئے میں دن رات اس ریاضت میں مصروف رہتا ہوں کہ اپنی ذات کو قربانی کے ابدی قانون کا نمونہ بنا کر اہل نظر کے سامنے پیش کروں جب کبھی میں کوئی اور مشغلہ اختیار کرتا ہوں تو اسی نیت سے کرتا ہوں کہ اس قانون کی فضیلت ظاہر ہو جائے۔

میری آخری درخواست آپ سے یہ ہے کہ برطانوی وزرار سے کہیئے کہ اسلامی ممالک کے بارے میں ہمیں پوری طرح مطمئن کر دیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہر مسلمان کا دل ان کے درد سے بے چین ہے اور میں بھی ہندو ہونے کی حیثیت سے اس درد سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان کی مصیبت ہماری مصیبت ہے سلطنت کی حفاظت کی یہی صورت ہے کہ اسلامی ممالک کے حقوق کی دل و جان سے حمایت کی جائے، مقامات مقدمہ کے بارے میں مسلمانوں کے جذبات کا پورا احترام مدنظر رکھا جائے، اور ہندوستان کے مطالبہ ہوم رول کا جلد سے جلد منصفانہ تصفیہ کر دیا جائے۔ میری یہ گزارش اس لئے ہے کہ مجھے انگریز قوم سے محبت ہے اور میں ہر ہندوستانی کو انگریزوں کا وفادار بنانا چاہتا ہوں۔

Marfat.com

اٹھائیسواں باب

قریب مرگ

رنگروٹوں کی بھرتی میں میں نے اتنی محنت کی کہ میری صحت نے جواب دے دیا۔ ان دنوں میری غذا مونگ پھلی کا تیل اور لیمو تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ ذرا سی غفلت میں تیل کا استعمال اعتدال سے بڑھ جاتا ہے اور صحت کو ضرر پہنچ جاتا ہے پھر بھی مجھ سے بے اعتدالی ہو ہی گئی۔ اس کے اثر سے مجھے خفیف سی پیچش ہو گئی۔ میں نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا۔ شام کو جیسا میں اکثر کیا کرتا تھا، آشرم چلا گیا۔ اس زمانے میں میں حتی الامکان دوا کا استعمال نہیں کرتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر ایک وقت کھانا نہ کھاؤں تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی اور واقعی دوسرے دن صبح کا ناشتہ ناغہ کر دینے سے مجھے بہت سکون ہو گیا۔ مگر میں جانتا تھا کہ پوری صحت تب ہی ہو گی جب میں کئی وقت کا فاقہ کروں یا اگر بہت خواہش ہو تو پھلوں کے افشردے پر قناعت کروں۔

ایک روز کوئی تہوار تھا۔ میں نے کستورا بائی سے کہہ دیا تھا کہ میں دن کا کھانا نہیں کھاؤں گا مگر انہوں نے ترغیب دلائی اور میں لالچ میں آ گیا۔ چونکہ میں یہ عہد کر چکا تھا کہ دودھ یا دودھ کی کوئی چیز استعمال نہیں کروں گا اس لئے انہوں نے خاص میرے لئے گیہوں کا میٹھا دلیہ پکایا تھا اور اس میں گھی کی جگہ تیل ڈالا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے پیالہ بھر مونگ کی دال بھی میرے سامنے رکھ دی۔ یہ دونوں چیزیں مجھے بہت مرغوب تھیں اس لئے میں نے بڑے شوق سے کھائیں۔ میں سمجھتا تھا کہ بس اتنا کھاؤں گا کہ نقصان کا اندیشہ نہ ہو، کستورا بائی کی خوشی ہو جائے اور مجھے ذائقے کی لذت مل جائے۔ مگر شیطان تاک میں بیٹھا تھا۔ تھوڑا سا کھانے کی جگہ میں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ موت کے فرشتے کے لئے یہ دعوت کافی تھی۔ ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ مجھے بہت سخت پیچش ہو گئی۔

Marfat.com

اسی دن شام کو مجھے ندیاد واپس جانا تھا۔ بڑی مصیبت سے میں سابر متی کے اسٹیشن تک پہنچا جس کا فاصلہ آشرم سے سوا میل سے زیادہ نہیں ہے۔ احمد آباد سے دلبھ بھائی ساتھ ہو لئے انہیں میرے چہرے سے معلوم ہو گیا کہ میری طبیعت اچھی نہیں ہے مگر میں نے ان پر یہ ظاہر ہونے نہیں دیا کہ مجھے کس قیامت کی تکلیف ہے۔

دس بجے رات کو ہم ندیاد پہنچے۔ ہندو آشرم جہاں ہم لوگ مقیم تھے اسٹیشن سے صرف آدھ میل ہے مگر میرے لئے یہ فاصلہ اس وقت دس میل سے کم نہ تھا۔ کسی نہ کسی طرح میں آشرم پہنچ گیا۔ مگر درد کی شدت بڑھتی جاتی تھی۔ پاخانہ کسی قدر دور تھا اس لئے مجھے اپنے رفیقوں سے یہ کہنا پڑا کہ پاس کے کمرے میں ایک کموڈ رکھوا دیا جائے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے بڑی شرم آئی مگر مجبوری تھی۔ پھول چند جی نے فوراً کموڈ مہیا کر دیا۔ سب لوگ تردد کی حالت میں میرے گرد جمع ہو گئے وہ بڑی محنت سے میری خدمت کر رہے تھے لیکن میرے درد کو دور کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی اور میری ضد نے انہیں اور بے دست و پا کر دیا۔ میں نے طبی امداد سے قطعی انکار کیا۔ مجھے اپنی حماقت کی سزا بھگتنا قبول تھا مگر دوا کرنا قبول نہ تھا اس لئے وہ بیچارے حسرت سے دیکھتے تھے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ مجھے چوبیں گھنٹے میں تیس چالیس دست آئے۔ میں نے غذا بالکل ترک کر دی یہاں تک کہ ابتدا میں پھلوں کے افشردے سے بھی پرہیز کیا۔ بھوک نام کو نہ تھی۔ میں سمجھا کرتا تھا کہ میری کاٹی لوہے کی ہے مگر اب دیکھا تو میرا جسم مٹی کا ایک ڈھیر ہو کر رہ گیا ہے اس میں مرض سے مقابلے کی قوت بالکل نہیں رہی تھی۔ ڈاکٹر کانو گالے نے آکر مجھے بہت سمجھایا کہ دوا پی لو مگر میں نے کسی طرح منظور نہیں کیا پھر انہوں نے کہا اچھا میں انجکشن دیتا ہوں (1) میں اس پر راضی نہیں ہوا۔ اس زمانے میں انجکشن کے متعلق میری معلومات اس قدر غلط تھی کہ میں سمجھتا تھا کہ ہر انجکشن میں سیرم (2) ہوتا ہے آگے چل کر مجھے معلوم ہوا کہ جو انجکشن ڈاکٹر صاحب نے تجویز کیا تھا وہ نباتاتی مادے کا تھا۔ مگر اس وقت یہ علم بے کار تھا۔ دست برابر جاری رہے اور میں بالکل پست ہو گیا اس تکان سے مجھے بخار ہو آیا اور سرسامی کیفیت پیدا ہو گئی۔ میرے دوست اور گھبرائے اور انہوں نے اور ڈاکٹروں کو بلایا۔ مگر وہ ایسے مریض کا کیا علاج کرتے جو ان کی بات سنتا ہی نہ تھا؟

سکیٹھا مبالال اپنی نیک دل بیوی کے ساتھ ندیاد پہنچے۔ انہوں نے میرے دوستوں سے مشورہ کیا اور مجھے نہایت احتیاط سے اپنے مرزا پور (احمد آباد) والے بنگلے میں لے گئے اس بیماری میں جس محبت اور بے نفسی سے میری خدمت کی گئی شاید ہی کبھی کسی کو نصیب ہوئی ہو۔ مگر ایک خفیف سی حرارت

Marfat.com

ہر وقت رہتی تھی اور میرے جسم کو روز بروز تحلیل کر رہی تھی۔ مجھے یہ خیال ہو گیا کہ میری بیماری طول پکڑے گی اور میں جانبر نہ ہو سکوں گا۔ اس لئے گو سکیتھا مبالال کے یہاں میری خبر گیری انتہائی محبت اور توجہ سے ہوتی تھی مگر میری طبیعت الجھنے لگی اور میں نے بار بار یہ کہنا شروع کیا کہ مجھے آشرم پہنچادو۔ میرے اصرار سے وہ بیچارے مجبور ہو گئے۔

میں آشرم میں بستر علالت پر بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا کہ دلبھ بھائی پٹیل یہ خبر لائے کہ جرمنی کو کامل شکست ہو گئی ہے اور کمشنر نے کہلا بھیجا ہے کہ اب رنگروٹوں کی ضرورت نہیں یہ سن کر مجھے بڑی تسکین ہوئی کہ اب اس معاملے میں دردسری نہیں کرنا ہوگی۔

اب میں پانی کا علاج کر رہا تھا۔ اس سے کسی قدر فائدہ تھا مگر جسم کو از سر نو بنانا کوئی سہل کام نہ تھا میرے طبی مشیر بہت تھے اور انہوں نے طرح طرح کے مشورے دیئے مگر میں کسی غذا یا دوا کے استعمال پر راضی نہیں ہوا۔ ان میں دو تین نے کہا آپ دودھ کے ترک کا عہد کر چکے ہیں اس لئے مناسب ہو گا کہ یخنی پیا کیجئے اور اس کے جواز میں آیور وید کی سند پیش کی۔ ایک نے انڈے کے استعمال پر اصرار کیا مگر میرے پاس سب کے لئے ایک ہی جواب تھا "مجھے معاف کیجئے۔"

میں غذا کے بارے میں شاستر کی سند کا قائل نہیں تھا۔ یہ مسئلہ میری زندگی کا اہم جز تھا اور میری زندگی کے اصول بیرونی سند کے پابند نہیں تھے۔ اگر میرا جینا ان اصولوں کے ترک کرنے پر موقوف تھا تو مجھے ایسا جینا منظور نہیں تھا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں اپنے بارے میں اس اصول کو توڑ دوں جس کی پابندی پر میں بارہا اپنے بیوی بچوں اور دوستوں کو مجبور کر چکا تھا!

میری عمر میں یہ پہلی طویل بیماری تھی۔ اس میں مجھے اپنے اصولوں کے امتحان کا بہت اچھا موقع ملا۔ ایک رات میں بالکل مایوس ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ موت آ پہنچی ہے میں نے انسویا بین کو بلا بھیجا۔ وہ بیچاری فوراً دوڑی آئیں۔ دلبھ بھائی ڈاکٹر کانو نگا کو لے کر پہنچے انہوں نے میری نبض دیکھی اور کہا "آپ کی نبض اچھی خاصی چل رہی ہے۔ کسی قسم کا خطرہ مطلق نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ انتہائی کمزوری سے اعصاب نے جواب دے دیا ہے۔ مگر مجھے اس سے اطمینان نہیں ہوا۔ ساری رات جاگتے گزری۔

صبح ہو گئی اور موت نہیں آئی۔ پھر بھی میرے دل سے یہ خیال کسی طرح نہیں نکلتا تھا کہ خاتمہ نزدیک ہے اور میں سوائے سونے کے اوقات کے ہر وقت آشرم والوں سے گیتا پڑھوا کر سنتا تھا۔ میں خود پڑھ نہیں سکتا تھا۔ بولنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ جہاں ذرا بات کی دماغ بل جاتا تھا۔ زندگی کی خواہش مطلق نہیں رہی تھی کیونکہ محض جینے کی خاطر جینا مجھے کبھی گوارا نہیں ہوا۔ اس بے بسی اور معذوری کی

Marfat.com

حالت میں نفس شماری کرنا اور اپنے دوستوں اور رفیقوں سے خدمت لینا اور اپنے جسم کو تحلیل ہوتے دیکھنا میرے لئے سوہان روح تھا۔

ایک دن اسی طرح موت کے انتظار میں پڑا تھا کہ ڈاکٹر نلوا لکر ایک عجیب و غریب آدمی کو ساتھ لے کر آئے۔ یہ مہاراشٹر کے رہنے والے تھے یہ کوئی مشہور آدمی نہ تھے مگر میں ان کی صورت دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ بھی میری طرح خبطی ہیں وہ اپنا علاج آزمانے کے لئے آئے تھے انہوں نے گرانٹ میڈیکل کالج میں اپنی تعلیم کی قریب قریب تکمیل کر لی تھی مگر سند نہیں لی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ برھمو سماج کے رکن تھے۔ یہ کیلکر جی کہلاتے تھے۔ ان کے منوج میں بے حد خود رائی اور ضد تھی۔ یہ برف کے علاج کا کلمہ پڑھتے اور مجھے اپنا تختہ مشق بنانا چاہتے تھے۔ ہم نے ان کا نام برف کا ڈاکٹر رکھ دیا۔ انہیں یقین ہے کہ انہوں نے بہت ایسی باتیں معلوم کی ہیں جن کی باقاعدہ ڈاکٹروں کو ہوا بھی نہیں لگی۔ اپنی اور میری بد قسمتی سے وہ مجھے اپنے طریقہ علاج کا معتقد نہ کر سکے۔ میں ان کے اصولوں کو ایک خاص حد تک تسلیم کرتا ہوں لیکن میرے خیال میں انہوں نے بعض نتیجے نکالنے میں بہت عجلت سے کام لیا ہے۔

بہر حال ان کے دریافت کئے ہوئے اصول صحیح ہوں یا غلط میں اس پر راضی ہو گیا کہ وہ میرے جسم کو تختہ مشق بنائیں۔ مجھے خارجی علاج میں کوئی تامل نہ تھا ان کا علاج یہ تھا کہ سارے جسم پر برف رکھ دیا جائے۔ ان کو میرے علاج میں جس کامیابی کا دعویٰ ہے اس کی تو میں تصدیق نہیں کر سکتا مگر اس میں شک نہیں کہ ان کے علاج سے میرے دل میں نئے سرے سے امید اور قوت پیدا ہو گئی اور اس کا اثر لامحالہ میرے جسم پر بھی ہوا۔ مجھے بھوک لگنے لگی اور میں دس پانچ منٹ آہستہ آہستہ ٹہلنے لگا۔ اب انہوں نے میری غذا کی اصلاح پر توجہ کی۔ انہوں نے کہا "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ کچے انڈوں کا استعمال کریں تو آپ کی طاقت بہت جلد عود کر آئے گی انڈا دودھ کی طرح بے ضرر چیز ہے اسے ہرگز گوشت نہیں کہہ سکتے۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ سب انڈوں میں بچے نہیں ہوتے؟ بازار میں خالی انڈے بھی ملتے ہیں۔" مجھے خالی انڈوں کا استعمال بھی گوارا نہ تھا پھر بھی مجھے اتنا افاقہ ہو گیا کہ میں ملکی مسائل کی طرف توجہ کرنے لگا۔

حوالہ جات

1 - بازو میں سوئی چبھو کر پچکاری کے ذریعے جسم میں دوا پہنچانے کو انجکشن کہتے ہیں

2 - یرم جانوروں کے جسم میں وبائی جراثیم داخل کر کے ان کے خون سے بنتا ہے اور چیچک ہیضہ وغیرہ کے ٹیکے میں استعمال ہوتا ہے۔

Marfat.com

انتیسواں باب

رولٹ بل اور میری کشمکش

میرے دوستوں نے اور ڈاکٹروں نے مجھے یقین دلایا کہ اگر تم تبدیل آب و ہوا کے لئے ماتھران چلے جاؤ تو تمہاری طاقت بہت جلد عود کر آئے چنانچہ میں وہاں گیا لیکن ماتھران کا پانی بہت شور تھا اس لئے وہاں کے قیام میں مجھے بڑی تکلیف ہوئی۔ پیچش کے سبب سے بواسیر کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور قضائے حاجت کے وقت بہت شدید درد ہوتا تھا اس لئے میں غذا کے خیال سے لرزتا تھا۔ ایک ہفتے کے اندر ہی مجھے ماتھران سے بھاگنا پڑا۔ اب شنکر لال بینکر میری صحت کے محافظ بن گئے اور انہوں نے اصرار کیا کہ ڈاکٹر دلال کو دکھاؤ۔ چنانچہ ڈاکٹر دلال بلائے گئے مجھے ان کی یہ بات بہت پسند آئی کہ وہ ہر معاملے کا فیصلہ فوراً کر دیتے تھے۔

انہوں نے کہا جب تک آپ دودھ نہ استعمال کریں آپ کے بدن میں طاقت نہیں آسکتی اور اگر اسی کے ساتھ آپ فولاد اور سنکھیا کے انجکشن بھی لیں تو پھر میں ذمہ لیتا ہوں کہ آپ کو پھر سے مضبوط اور توانا بنا دوں گا۔

میں نے کہا "آپ انجکشن شوق سے دیجئے، مگر دودھ کا معاملہ اور ہے۔ اس کے متعلق میں عہد کر چکا ہوں" ڈاکٹر نے پوچھا "آخر معلوم تو ہو آپ کا عہد ہے کیا؟"

میں نے انہیں اپنے عہد کی ساری تاریخ سنائی کہ جب سے یہ معلوم ہوا کہ گائے بھینسوں کے تھن جلائے جاتے ہیں مجھے دودھ سے نفرت ہو گئی۔ علاوہ اس کے میرا ہمیشہ سے یہ خیال تھا کہ دودھ انسان کی قدرتی غذا نہیں ہے۔ اس لئے میں نے اس کے ترک کا عہد کر لیا۔ کستورا بائی جو میری پٹی کے پاس کھڑی یہ باتیں سن رہی تھیں بول اٹھیں "تو پھر آپ کو بکری کا دود پینے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔"

ڈاکٹر بھی ان کے ہمنوا ہو گئے۔ انہوں نے کہا "آپ بکری کا دودھ پیئں تب بھی کام چل جائے

Marfat.com

گا۔"میں لالچ میں آگیا۔ ستیاگرہ شروع کرنے کے شوق نے میرے دل میں زندگی کی دبی ہوئی آرزو کو ابھار دیا تھا۔ اس لئے میں نے اپنے عہد کی لفظی پابندی پر اکتفا کی اس کے اصل منشا کے گلے پر چھری پھیر دی۔ یہ سچ ہے کہ عہد کرتے وقت میرے دل میں صرف گائے اور بھینس کے دودھ کا خیال تھا مگر ظاہر ہے کہ اس کا مفہوم سب جانوروں کے دودھ پر حاوی تھا۔ اس کے علاوہ جب میرا یہ عقیدہ تھا کہ دودھ انسان کی قدرتی غذا نہیں ہے تو پھر میرے لئے کسی قسم کے دودھ کا استعمال جائز نہ تھا۔ ان سب باتوں کے علم کے باوجود میں بکری کا دودھ پینے پر راضی ہو گیا۔ زندگی کی خواہش حق کی محبت پر غالب آ گئی اور طالب حق نے ستیاگرہ کی لڑائی چھیڑنے کے شوق میں اپنے پاک نصب العین کا دامن مصلحت کے چھینٹوں سے ناپاک کر دیا۔ یہ بات اب تک میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے اور گناہ کی حجالت مجھے چین نہیں لینے دیتی۔ میں ہمیشہ اس فکر میں رہتا ہوں کہ بکری کا دودھ چھوڑ دوں۔ لیکن ہنوز دنیاداری کی آخری زنجیر یعنی خدمت کا شوق مجھے پابند کئے ہوئے ہے۔ مجھے اپنے غذائیاتی تجربے اس لئے عزیز ہیں کہ میں انہیں اہمسا کی منزل کے مرحلے سمجھتا ہوں۔ لیکن بکری کا دودھ پینے میں مجھے اہمسا کے ترک کے خیال سے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی ترک حق یعنی نقض عہد کے خیال سے ہوتی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے حق کی معرفت اہمسا کی معرفت سے زیادہ حاصل ہے اور میرا تجربہ کہتا ہے کہ اگر تو نے حق کا دامن چھوڑ دیا تو اہمسا کا معمہ کبھی حل نہ ہو گا۔ حق کا یہ تقاضا ہے کہ انسان جو عہد کرے اسے لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے پورا کرے۔ موجودہ صورت میں میں نے اپنے عہد کی لفظی پابندی تو کی مگر اس کے معنی کا گلا گھونٹ دیا۔ یہ سب جاننے کے باوجود مجھے راہ عمل صاف نظر نہیں آئی یا شاید یہ بات ہے کہ مجھ میں سیدھے راستے پر چلنے کی ہمت نہیں۔ سچ پوچھئے تو ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ شک جبھی ہوتا ہے کہ ایمان نہ ہو یا ایمان میں استواری نہ ہو۔ میں دن رات دعا مانگتا ہوں "اے میرے داتا مجھے ایمان عطا کر۔"

غرض میں نے بکری کے دودھ کا استعمال شروع کر دیا۔ اس کے چند ہی روز کے بعد ڈاکٹر دلال نے مجھ پر آپریشن کیا اور وہ کامیاب ہوا۔ جوں جوں میرے بدن میں طاقت آتی گئی میرے دل میں زندگی کی خواہش بڑھتی گئی خاص کر اس لئے کہ خدا کو مجھ سے ایک کام لینا تھا۔

ابھی مجھے اچھی طرح صحت نہیں ہو پائی تھی کہ اخبار دیکھتے دیکھتے میری نظر رولٹ کمیٹی کی رپورٹ پر پڑ گئی۔ اس کی تجویزیں دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ شنکر لال بینکر اور عمر سبحانی نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ کو اس معاملے میں فوری کارروائی کرنا چاہیئے۔ مگر میں ایک مہینے کے بعد اس قابل

Marfat.com

ہوا کہ احمد آباد جاسکوں۔

دلبھ بھائی قریب قریب روزانہ مجھے دیکھنے آیا کرتے تھے۔ میں نے ان سے اپنے اندیشے کا ذکر کیا اور کہا کہ کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے۔ وہ کہنے لگے "ہم ایسی صورت میں کیا کر سکتے ہیں؟" میں نے جواب دیا۔ اگر چند آدمی بھی ایسے مل جائیں جو مقاومت کے حلف نامے پر دستخط کر دیں اور اس پر بھی یہ قانون پاس ہو جائے تو ہم فوراً ستیاگرہ شروع کر سکتے ہیں۔ اگر میری یہ حالت نہ ہوتی تو میں تن تنہا اس مقابلے کے لئے کھڑا ہو جاتا اور رفتہ رفتہ اور لوگ بھی میرا ساتھ دیتے مگر اس بے بسی کی حالت میں میں اس مہم کا بیڑا نہیں اٹھا سکتا۔ اس گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ میرے دوستوں کو جمع ہو کر مشورہ کرنے کی دعوت دی گئی۔ میرے خیال میں رولٹ کمیٹی کی تجاویز ان شہادتوں کی بنا پر جو اس کے ساتھ شائع ہوئی تھیں، ہرگز جائز نہیں قرار دی جاسکتی تھیں اور کوئی قوم جس میں ذرا سی خودداری بھی ہو انہیں کسی طرح قبول نہیں کر سکتی تھی۔

خدا خدا کر کے مجوزہ جلسہ آشرم میں منعقد ہوا، اس میں بیس آدمی سے زیادہ نہیں بلائے گئے تھے۔ مجھے ان میں سے دلبھ بھائی کے علاوہ مسز سروجنی نائڈو، مسٹر ہارنمین، سیٹھ عمر سبحانی شنکر لال بینکر اور انسویا بین کے نام یاد رہ گئے ہیں اس جلسے میں ستیاگرہ کا حلف نامہ مرتب کیا گیا اور جہاں تک مجھے یاد ہے سب حاضرین نے اس پر دستخط کر دیئے۔ میں اس زمانے میں کوئی اخبار نہیں نکالتا تھا مگر کبھی کبھی روزانہ اخباروں میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ یہی صورت میں نے اس موقعے پر اختیار کی۔ شنکر لال بینکر نے بڑے زور و شور سے یہ تحریک اٹھائی اور مجھے پہلی بار ان کی بے نظیر قوت عمل اور قوت تنظیم کا اندازہ ہوا۔

مجھے ملک کی کسی انجمن سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ ستیاگرہ کے نئے حربے سے کام لینے پر تیار ہو گی، اس لئے میری تحریک پر ایک خاص انجمن ستیاگرہ سبھا کے نام سے قائم کی گئی۔ اس کے ممتاز ارا کین سب بمبئی کے تھے اس لئے وہی اس کا صدر مقام قرار پایا۔ تھوڑے دن میں کھیدا کی لڑائی کا سارا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ ہزارہا آدمی حلف نامے پر دستخط کر رہے تھے، بلیٹن نکالے جا رہے تھے، جدھر دیکھئے عام جلسے ہو رہے تھے۔ میں ستیاگرہ سبھا کا صدر بنایا گیا مجھے بہت جلد یہ محسوس ہو گیا کہ مجھ میں اور سبھا کے تعلیم یافتہ ممبروں میں اتفاق رائے نہیں ہو سکتا۔ میرا اس پر زور دینا کہ سبھا کی کارروائی گجراتی میں ہو اور اسی قسم کی اور انوکھی باتیں، ان کے لئے بڑی زحمت کا باعث تھیں۔ مگر اس کا مجھے اعتراف ہے کہ ان میں سے اکثر نے میرے مزاق کو برداشت کرنے میں بڑی فراخدلی دکھائی۔

Marfat.com

پھر بھی ابتدا سے کچھ ایسا نظر آتا تھا کہ یہ سبھا زیادہ دن چلنے والی نہیں۔ مجھ پر یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ اس کے بعض ممبروں کو میرا حق اور اہمسا پر زور دینا ناگوار ہے۔ پھر بھی شروع میں ہماری تحریک زور شور سے چلی اور روز بروز قوت پکڑتی گئی۔

Marfat.com

تیسواں باب

وہ شاندار منظر!

ادھر تو رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کے خلاف شورش بڑھ رہی تھی اور ادھر حکومت کو کد تھی کہ کمیٹی کی تجاویز پر عمل کر کے رہے گی۔ چنانچہ اس نے رولٹ بل چھپ کر شائع کر دیا۔ میں عمر بھر میں ایک بار ہندوستان کی مجلس وضع قوانین میں تماشائی کی حیثیت سے شریک ہوا ہوں اور یہ وہی موقع تھا جب رولٹ بل پر بحث ہو رہی تھی۔ شاستری جی نے ایک پر جوش تقریر میں حکومت کو آگاہ کر دیا کہ سمجھ بوجھ کر قدم اٹھائے۔ ان کی خطابت کا دریا موجیں مار رہا تھا اور وائسرائے ان کے چہرے پر نظر جمائے، محویت کے عالم میں ان کی تقریر سن رہے تھے ان کے الفاظ میں اس قدر سچائی اور اس قدر جوش تھا کہ مجھے تھوڑی دیر کے لئے یہ گمان ہو گیا کہ وائسرائے کے دل پر بھی ان کا اثر پڑا ہو گا۔

لیکن جاگے تو وہ جو سوتا ہو۔ جو جان بوجھ کر سوتا بن جائے اسے کون جگا سکتا ہے،

حکومت کی بعینہ یہی حالت تھی۔ اسے تو بس یہی فکر تھی کہ قانونی ضابطے کی رسم پوری ہو جائے اسے جو فیصلہ کرنا تھا پہلے ہی کر چکی تھی۔ شاستری جی کے متنبہ کرنے کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔

ایسی صورت میں میری فریاد گویا نقار خانے میں طوطی کی آواز تھی۔ میں نے وائسرائے کو منت سماجت سے سمجھایا، ان کے نام نج کے خط لکھے، ضابطے کی درخواستیں بھیجیں مگر یہ ساری کوششیں بے کار گئیں۔

یہ مسودہ ابھی تک قانون کی حیثیت سے گزٹ میں شائع نہیں ہوا تھا کہ میرے پاس مدراس والوں کی طرف سے دعوت آئی۔ میں بہت کمزور تھا اور سفر بہت دور دراز کا تھا مگر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ چاہے جو کچھ ہو جانا ضرور چاہیئے۔ ان دنوں میں اتنی بلند آواز میں گفتگو نہیں کر سکتا کہ سارا جلسہ سن سکے۔ یہ

Marfat.com

معذوری ایک حد تک اب بھی باقی ہے اگر میں کھڑے ہو کر تقریر کروں تو تھوڑی دیر میں سارے بدن سے کانپنے لگتا ہوں اور شدت سے اختلاج شروع ہو جاتا ہے۔

جنوبی ہند والوں کی صحبت میں بہت جلد گھل مل جاتا ہوں۔ تامل اور تیلگیو بھائیوں پر میں خاص طور سے اپنا حق سمجھتا ہوں کیونکہ جنوبی افریقہ میں میں نے برسوں ان کے ساتھ مل کر کام کیا ہے اور ان نیک لوگوں نے بھی ہمیشہ اس حق کو نباہا ہے۔ میرے پاس جو دعوت نامہ آیا تھا اس پر کستوری رنگ آئنگر آنجہانی کے دستخط تھے۔ مگر راہ میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس دعوت کے محرک درپردہ راجا گوپال چاری ہیں۔ اصل میں یہ میری ان کی پہلی ملاقات تھی۔

راجا گوپال چاری ان دنوں نئے نئے سلم سے مدراس آئے تھے۔ ان کے دوستوں نے جن میں کستوری رنگ آئنگر آنجہانی بھی تھے، انہیں مجبور کیا تھا کہ مدراس میں رہ کر وکالت کریں۔ اس میں یہ مصلحت تھی کہ یہاں انہیں قومی کام کا موقع زیادہ ملے گا۔ ہم لوگ مدراس میں انہیں کے یہاں ٹھہرے۔ یہ بات مجھے دو دن کے بعد معلوم ہوئی کہ ہم ان کے مہمان ہیں۔ وہ مکان کستوری رنگ آئنگر جی کا تھا اس لئے میں یہ سمجھتا تھا کہ وہی ہمارے میزبان ہیں مگر مہادیو دیسائی نے میری یہ غلط فہمی دور کر دی۔ انہوں نے راجا گوپال چاری سے جو اپنے خلقی حجاب کے سبب دور دور رہتے تھے، بہت جلد دوستی پیدا کر لی اور مجھ سے بھی کہا کہ دیکھئے ان سے ضرور تعلقات بڑھائیے۔

میں نے یہی کیا۔ ہم روزانہ لڑائی کے منصوبوں پر بحث کیا کرتے تھے۔ مگر اس وقت تک مجھے سوائے جلسے کرنے کے اور کوئی پروگرام نہیں سوجھا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اگر رولٹ بل تمام مدارج سے گزر کر قانون بن جائے تو مجھے سول نافرمانی کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس کی نافرمانی اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ حکومت اس کا موقع دے میں یہ سوچتا تھا کہ اگر ایسا موقع نہ ملے تو ہمارے لئے دوسرے قوانین کی سول نافرمانی کرنا جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو کس حد تک؟ یہ مسئلہ اور اسی قسم کے اور مسائل ہمارے موضوع بحث رہا کرتے تھے۔

آئنگر جی نے لیڈروں کی ایک چھوٹی سی کانفرنس اس معاملے کے سب پہلوؤں پر غور کرنے کے لئے منعقد کی منجملہ اور لوگوں کے وجیار راگھو چاری جی نے بھی اس میں نمایاں حصہ لیا۔ انہوں نے مجھے یہ رائے دی کہ ستیاگرہ کے فن کا ایک مفصل دستور العمل مرتب کرو جو تمام جزئیات پر حاوی ہو۔ میں نے کہا کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔

ابھی یہ مشورے ہو ہی رہے تھے کہ خبر آئی کہ رولٹ بل قانون کی حیثیت سے شائع کر دیا گیا۔ اس

Marfat.com

رات کو میں اس مسئلے پر غور کرتے کرتے سو گیا۔ پچھلے پہر میری آنکھ معمولی وقت سے ذرا پہلے کھل گئی۔ ابھی میں خواب و بیداری کی سرحد پر تھا کہ یکایک اس مسئلے کا حل میری سمجھ میں آگیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میں نے خواب دیکھا ہو۔ میں نے یہ سارا قصہ راجا گوپال چاری سے بیان کیا۔

رات مجھے خواب میں یہ خیال آیا کہ اس قانون کے جواب میں ہمیں سارے ملک میں عام ہڑتال کرانا چاہیئے۔ ستیا گرہ تزکیہ نفس کا نام ہے ہماری لڑائی مقدس لڑائی ہے اس لئے میرے خیال میں یہی مناسب ہے کہ ہم اس کا آغاز تزکیہ نفس کے عمل سے کریں۔ اس لئے ایک دن مقرر کیا جائے اور اس دن سارے ہندوستانی اپاس کریں، اپنا کاروبار موقوف رکھیں اور اپنا وقت عبادت میں بسر کریں۔ مسلمانوں کے یہاں ایک دن سے زیادہ کا روزہ ناجائز ہے اس لئے اپاس چوبیس گھنٹے کا رکھا جائے اس کا اندازہ مشکل ہے کہ سب صوبے ہماری اس التجا کو قبول کریں گے یا نہیں مگر بمبئی، مدراس، بہار اور سندھ کی طرف سے مجھے اطمینان ہے۔ میرے خیال میں اگر انہی چار صوبوں میں اچھی طرح ہڑتال ہو جائے تو کافی ہے۔

یہ تجویز راجا گوپال چاری کے دل میں کھب گئی اور دوستوں سے ذکر آیا تو انہوں نے بھی اسے بہت پسند کیا۔ میں نے ایک مختصر سی اپیل کا مسودہ بنایا۔ ہڑتال کے لئے 30 مارچ 1919ء رکھی گئی مگر آگے چل کر یہ تاریخ بدل دی گئی اور 16 اپریل مقرر ہوئی۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کو تیاری کی مہلت بہت کم ملی۔ لیکن ہمیں اس کام میں عجلت مد نظر تھی اس لئے اس سے زیادہ دور کی تاریخ رکھنا مناسب نہ تھا۔

انسان کی عقل یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ اتنی جلدی سب انتظام کیونکر ہو گیا۔ اس دن سارے ہندوستان کے ایک ایک شہر میں، ایک ایک گاؤں میں مکمل ہڑتال ہوئی۔ کتنا شاندار تھا وہ منظر!

Marfat.com

Marfat.com

اکتیسواں باب

وہ یادگار ہفتہ! (۱)

جنوبی ہند میں ایک مختصر سا دورہ کرنے کے بعد میں 4 اپریل کو بمبئی پہنچ گیا۔ شنکر لال بینکر نے مجھے تار دے دیا تھا کہ 6 اپریل کے معرکے میں آپ کو بمبئی میں موجود رہنا چاہیئے۔

دہلی میں 30 مارچ کو ہڑتال ہو چکی تھی وہاں سوامی شردھانند جی اور حکیم اجمل خان صاحب مرحوم کا طوطی بولتا تھا۔ انہی ہڑتال کے التوا کا تار دیر میں پہنچا اس لئے اس کی تعمیل نہ کر سکے دہلی میں جیسی ہڑتال اس دن ہوئی اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ ہندو مسلمان ایک دل ہو گئے۔ سوامی شردھانند جی سے جامع مسجد میں تقریر کرائی گئی۔ بھلا حکام ان باتوں کو کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ پولیس نے ہڑتال کے جلوس کو اسٹیشن کی راہ میں روکا اور ان پر گولی چلائی بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ بہت سے مارے گئے دہلی میں جبر و تشدد کا دور دورہ ہو گیا۔ شردھانند جی نے مجھے تار دیا کہ فوراً دہلی پہنچو۔ میں نے تار پر جواب دیا کہ بمبئی میں 6 اپریل منا کر میں سیدھا دہلی آؤں گا۔

جو واقعہ دہلی میں پیش آیا تھا قریب قریب وہی لاہور امرت سر میں گزرا۔ امرت سر سے میرے پاس ڈاکٹر ستیہ پال اور ڈاکٹر کچلو کی تاکیدی دعوت آئی۔ میں اس وقت تک دونوں صاحبوں سے بالکل واقف نہیں تھا مگر میں نے ان سے وعدہ کیا کہ دہلی سے امرت سر آؤں گا۔

6 اپریل کی صبح کو بمبئی والے ہزاروں کی تعداد میں چوپاٹی پر جمع ہوئے اور انہوں نے سمندر میں اشنان کیا۔ اس کے بعد ان کا جلوس ٹھاکر دوار کی طرف روانہ ہوا اس جلوس میں کچھ عورتیں اور بچے بھی نظر آتے تھے اور مسلمان بہت بڑی تعداد میں شامل تھے۔ ٹھاکر دوار سے مسلمان بھائی ہم میں سے کچھ لوگوں کو قریب کی ایک مسجد میں لے گئے اور وہاں انہوں نے مجھ سے اور مسز نائڈو سے تقریریں کرائیں۔ سیٹھ وٹھل داس جی جیراجنی نے یہ تجویز پیش کی کہ اسی جگہ لوگوں سے ہندو مسلم اتحاد اور

Marfat.com

سودیشی کا عہد لیا جائے لیکن میں نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہا کہ عہد کرنے یا عہد لینے میں جلدی نہیں کرنا چاہیئے۔ اس وقت لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہی کیا کم ہے۔ عہد کرنے کے بعد اس سے پھرنے کا موقع نہیں رہتا اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ پہلے لوگ سودیشی کے عہد کے معنی اچھی طرح سمجھ لیں اور ہندو مسلم اتحاد کی پوری ذمہ داری محسوس کر لیں۔ میری رائے میں جو لوگ عہد کرنا چاہتے ہیں وہ کل صبح پھر کسی جگہ جمع ہوں۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بمبئی میں ہڑتال پوری طرح کامیاب ہوئی۔ سول نافرمانی کی تیاریاں بھی مکمل ہو چکی تھیں۔ اس سلسلے میں دو تین تجویزوں پر غور کرنے کے بعد یہ طے ہوا تھا کہ صرف وہی قوانین سول نافرمانی کے موضوع بنائے جائیں جن کی خلاف ورزی عام طور پر ممکن ہو۔ لوگ ان دنوں نمک کے محصول کے بہت مخالف تھے اور عرصے سے اسے منسوخ کرانے کی کوشش ہو رہی تھی اس لئے میں نے یہ تجویز پیش کی کہ لوگ سمندر کے پانی سے اپنے گھروں میں نمک بنائیں اور اس طرح قانون نمک کی خلاف ورزی کریں میری دوسری تجویز ممنوعہ کتابوں کی فروخت سے متعلق تھی۔ میری دو کتابیں ہند سوراج اور دویا (1) جو ممنوع قرار دی جا چکی ہیں اس مقصد کے لئے بہت موزوں تھیں۔ سول نافرمانی کا سب سے سہل طریقہ یہی نظر آیا کہ یہ دونوں کتابیں چھاپ کر کھلم کھلا بیچی جائیں۔ اس لئے یہ کتابیں مناسب تعداد میں چھپوائی گئیں اور یہ طے ہوا کہ شام کو فاقہ شکنی کے بعد جو عظیم الشان جلسہ ہونے والا ہے اس کے ختم ہونے پر ان کے نسخے فروخت کئے جائیں۔

اس لئے 6 اپریل کی شام کو والنٹیروں کی فوج کی فوج ممنوع کتابوں کو لے کر بیچنے کے لئے نکلی میں اور مسز نائڈو موٹر میں بیٹھ کر چلے۔ تھوڑی دیر میں سب نسخے بک گئے ان کتابوں کی آمدنی سول نافرمانی کے معرکے کے لئے مخصوص کر دی گئی تھی۔ ان کی قیمت چار چار آنے تھی۔ مگر شاید ہی کسی نے مقررہ قیمت دینے پر اکتفا کی ہو۔ بہت سے لوگوں نے تو اپنی جیبیں جھاڑ کر جو کچھ تھا ایک نسخے کی قیمت میں دے دیا۔ پانچ پانچ اور دس دس روپے کے نوٹ ہر طرف سے برس رہے تھے اور مجھے یاد ہے کہ ایک شخص نے مجھ سے ایک نسخہ پچاس روپے میں خریدا! یہ بات اچھی طرح لوگوں کے ذہن نشین کر دی گئی تھی کہ ممنوع کتابوں کے خریدنے سے وہ گرفتاری اور قید کے مستوجب ہوں گے۔ مگر تھوڑی دیر کے لئے لوگوں نے جیل کا خوف دل سے نکال دیا تھا۔

آگے چل کر معلوم ہوا کہ حکومت نے آسانی کے لحاظ سے یہ قانونی نکتہ نکالا ہے کہ ان کتابوں کا بیچنا ممنوعہ کتابوں کی فروخت کی حد میں نہیں آسکتا۔ ممانعت پہلے ایڈیشن کے بیچنے کی تھی اور یہ نسخے جو

Marfat.com

بھیجے گئے ہیں حکومت کے خیال میں نئے ایڈیشن کے تھے اس خبر سے سب کو بڑی مایوسی ہوئی۔

دوسرے دن صبح کو ایک اور جلسہ سودیشی اور ہندو مسلم اتحاد کا عہد لینے کے لئے کیا گیا۔ وٹھل داس جی جیراجنی کو پہلی بار یہ تجربہ ہوا کہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی جلسے میں بہت کم لوگ آئے۔ ان میں سے دو چار خواتین کے نام مجھے اب تک یاد ہیں۔ مرد بھی محدودے چند تھے میں حلف نامے کا مسودہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس پر دستخط لینے سے پہلے میں نے اس کا مطلب سب لوگوں کو اچھی طرح سمجھا دیا۔ حاضرین کی کمی پر مجھے نہ افسوس ہوا اور نہ تعجب میں جانتا ہوں کہ عوام شورش اور ہنگامے کو پسند کرتے ہیں اور خاموش تعمیری کاموں سے گھبراتے ہیں۔ اس کا تجربہ مجھے آج تک ہو رہا ہے۔

غرض 7 اپریل کی شام کو میں دہلی اور امرتسر کے قصد سے روانہ ہو گیا۔ 8 کو متھرا پہنچ کر میں نے یہ چرچا سنا کہ حکومت مجھے گرفتار کرنے والی ہے۔ متھرا کے بعد جس اسٹیشن پر گاڑی کھڑی ہوئی وہاں اچاریا گڈوانی مجھ سے ملنے آئے۔ انہوں نے اس خبر کی تصدیق کی اور کہا کہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں حاضر ہوں۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر ضرورت ہو گی تو میں آپ کو ضرور تکلیف دوں گا۔

پلول کا اسٹیشن آنے سے پہلے مجھے ایک حکمنامہ دکھایا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ آپ کو پنجاب کی سرحد میں داخل ہونے کی ممانعت کی جاتی ہے کیونکہ آپ کی موجودگی سے نقض امن کا اندیشہ ہے۔ پولیس والوں نے مجھ سے کہا کہ آپ اگلے اسٹیشن پر اتر جائیے میں نے اترنے سے انکار کیا اور کہا "مجھے پنجاب والوں نے بہت اصرار سے بلایا ہے۔ میں وہاں شورش بھڑکانے نہیں بلکہ فرو کرنے جا رہا ہوں مجھے افسوس ہے کہ میں سرکاری حکم کی تعمیل سے معذور ہوں۔

اتنے میں گاڑی پلول پہنچی۔ مہادیو دیسائی میرے ساتھ تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ دہلی جا کر شردھانند جی کو اس واقعے کی اطلاع دیجئے اور وہاں کے لوگوں سے کہیے کہ سکون سے کام لیں انہیں میری عدول حکمی کی وجہ سمجھا دیجئے اور اچھی طرح ان کے ذہن نشین کر دیجئے کہ ہماری فتح اسی میں ہے کہ اگر مجھے سزا بھی ہو جائے تو وہ پوری طرح امن قائم رکھیں۔

پلول کے اسٹیشن میں گاڑی سے اتار کر پولیس کی حراست میں دے دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں دہلی سے ایک گاڑی آئی۔ میں اس میں ایک تیسرے درجے میں بٹھایا گیا اور پولیس والے میرے ساتھ بیٹھے۔ متھرا میں یہ لوگ مجھے پولیس لین لے گئے مگر وہاں کسی کو نہیں معلوم تھا کہ میرے متعلق کیا صورت اختیار کی جائے گی اور میں کہاں بھیجا جاؤں گا۔ دوسرے دن صبح چار بجے میں سوتے سے اٹھا کر ایک بمبئی

Marfat.com

جانے والی گاڑی میں سوار کر دیا گیا۔ دوپہر کو سوائی مادھوپور میں پھر اترنا پڑا۔ ڈاک گاڑی سے مسٹر براؤن انسپکٹر پولیس لاہور سے آئے اور انہوں نے مجھے اپنی حراست میں لے لیا۔ اب میں ان کے ساتھ فرسٹ کلاس میں بٹھایا گیا۔ پہلے معمولی قیدی تھا اب "جنٹلمین" قیدی بن گیا۔ انسپکٹر صاحب نے سرانکل اور ڈائر کی قصیدہ خوانی شروع کی۔ انہوں نے کہا لاٹ صاحب کا خیال خو آپ کے متعلق خراب نہیں۔ مگر انہیں اندیشہ تھا کہ آپ کے پنجاب آنے سے نقص امن ہو گا۔ اسی قسم کی اور باتیں کرتے رہے آخر میں انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ خود ہی بمبئی واپس چلے جائیے اور یہ وعدہ کر لیجئے کہ پنجاب کی سرحد میں قدم نہ رکھیئے گا۔ میں نے کہا کہ میں حکومت پنجاب کے اس حکم کی تعمیل سے معذور ہوں اور اپنی خوشی سے ہرگز واپس نہیں جاؤں گا۔ انسپکٹر نے جب اور کوئی چارہ نہ دیکھا تو کہا کہ اب مجھے مجبوراً قانونی کارروائی کرنا پڑے گی۔ میں نے پوچھا "مگر یہ تو بتائیے کہ آخر میرے متعلق آپ کی تجویز کیا ہے؟" انہوں نے کہا "یہ تو مجھے خود نہیں معلوم۔ میں مزید احکام کا انتظار کر رہا ہوں۔ فی الحال تو میں آپ کو بمبئی لئے چلتا ہوں۔"

سورت پہنچ کر میں ایک دوسرے پولیس افسر کے سپرد کر دیا گیا۔ بمبئی پہنچ کر اس نے مجھ سے کہا۔ اب آپ آزاد ہیں۔ مگر مناسب یہ ہے کہ آپ میرین لائن کے قریب اتر جائیں میں وہاں گاڑی کھڑی کرالوں گا۔ قلابہ اسٹیشن پر تو غالباً بڑی بھیڑ ہو گی۔ میں نے کہا کہ میں خوشی سے آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔ اس پر وہ خوش ہو گیا اور اس نے میرا شکریہ ادا کیا۔

غرض میں میرین لائن پر اترا۔ اتفاق سے ایک دوست کی گاڑی ادھر سے گزری۔ انہوں نے مجھے ڈاکٹر جوہری کے گھر پہنچا دیا۔ راہ میں ان سے معلوم ہوا کہ میری گرفتاری کی خبر سن کر لوگ بہت برہم ہیں اور ان کا جوش جنون کی حد تک پہنچ گیا ہے پائدھونی کے قریب فساد کا اندیشہ ہے اور مجسٹریٹ اور پولیس وہاں پہنچ گئی ہے۔

میں نے ڈاکٹر جوہری کے یہاں قدم رکھا ہی تھا کہ انسویا بین اور عمر سبحانی آپہنچے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ فوراً ہمارے ساتھ موٹر میں پائدھونی چلئے لوگوں میں بیحد بے چینی پھیل گئی ہے ہمارے سنبھالے نہیں سنبھلتے۔ بغیر آپ کے کام نہیں چلے گا۔

میں ان کے ساتھ موٹر میں بیٹھ گیا۔ پائدھونی کے قریب پہنچ کر آدمیوں کا جنگل نظر آیا۔ لوگ مجھے دیکھ کر خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ فوراً ایک جلوس مرتب ہو گیا اور "بندے ماترم" اور "اللہ اکبر" کی صدائیں آسمان کی خبر لانے لگیں۔ پائدھونی پر سوار پولیس کا ایک دستہ نظر آیا۔ بالا خانوں سے اینٹیں

Marfat.com

برس رہی تھیں۔ میں نے لوگوں سے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ سکون سے کام لیں مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم اینٹوں کی بوچھار سے بچ کر نہیں نکل سکیں گے۔

یہ جلوس عبدالرحمن اسٹریٹ سے مڑ کر کرافرڈ مارکٹ جا رہا تھا کہ چوراہے پر پولیس سے مڈ بھیڑ ہوئی۔ جو اس لئے آئی تھی کہ ہمیں فورٹ کی طرف نہ جانے دے، مجمع بہت گھنا تھا۔ لوگ پولیس کی صف کو توڑ کر آگے بڑھنے لگے۔ اس ہنگامے میں میری آواز کام نہیں دے سکتی تھی۔ یکا یک سواروں کے افسر نے مجمعے کو منتشر کرنے کا حکم دیا اور سواروں نے نیزے تان کر لوگوں پر حملہ کر دیا۔ پہلے میں یہ سمجھا کہ میں بھی زخمی ہو جاؤں گا۔ مگر میرا خیال غلط نکلا۔ نیزے موٹر کو چھوتے ہوئے نکل گئے اور نیزہ بردار تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ مجمع درہم برہم ہو گیا اور بھگدڑ مچ گئی۔ کچھ لوگ روندے گئے کچھ زخمی ہوئے اس آدمیوں کے جنگل میں نہ تو گھوڑوں کے گزرنے کی جگہ تھی نہ لوگوں کو بھاگنے کی راہ ملتی تھی۔ نیزہ بردار اندھادھند کچلتے روندتے آگے بڑھتے چلے جاتے تھے۔ انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ عجیب ہولناک منظر تھا۔

مجمع منتشر کر دیا گیا۔ ہمارے موٹر کو آگے بڑھنے کی اجازت ملی۔ میں کمشنر کے دفتر کے سامنے اتر پڑا کہ ان سے پولیس کے ظلم کی شکایت کروں۔

حوالہ

1 - رسکن کی مشہور کتاب Unts this lsat کا آزاد ترجمہ گجراتی زبان میں۔

Marfat.com

Marfat.com

بتیسواں باب

وہ یادگار ہفتہ! (۲)

میں مسٹر گریفتھ کے دفتر میں داخل ہوا۔ زینے کے دونوں جانب فوجی سپاہی سر سے پیر تک مسلح کھڑے تھے گویا لام پر جانے کے لئے تیار ہیں۔ برآمدے میں بھی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ اندر پہنچ کر دیکھا کہ مسٹر گریفتھ کے پاس مسٹر براڈننگ بیٹھے ہوئے ہیں۔

میں نے جو منظر دیکھے تھے ان کی روداد کمشنر سے بیان کی۔ انہوں نے یہ مختصر جواب دیا۔ "میں جلوس کو فورٹ نہیں جانے دینا چاہتا تھا کیونکہ وہاں ضرور فساد ہوتا جب لوگ سمجھانے سے نہیں مانے تو میں نے مجبوراً پولیس کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔"

میں نے کہا" مگر آپ جانتے تھے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا لوگوں کو گھوڑوں سے روندا جانا لازمی تھا۔ آخر سواروں کا دستہ بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟"

مسٹر گریفتھ بولے "ان باتوں کو آپ نہیں جانتے ہم پولیس والے آپ سے بہتر سمجھتے ہیں کہ آپ کی تعلیم کا لوگوں پر کیا اثر پڑے گا اگر ہم سختی سے کام نکالیں معاملہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائے۔ آپ میری بات یاد رکھئے کہ لوگ آپ سے سنبھالے نہیں سنبھل سکتے وہ قانون توڑنے پر تو فوراً آمادہ ہو جاتے ہیں مگر امن کی تعلیم ان کی سمجھ سے باہر ہے۔ مانا کہ آپ کے اصول اچھے ہیں مگر عوام تو انہیں نہیں سمجھتے وہ تو اپنی فطرت کے مطابق عمل کریں گے۔"

میں نے جواب دیا۔ "اسی میں تو مجھے آپ سے اختلاف ہے لوگ فطرتاً تشدد پسند نہیں بلکہ امن پسند ہیں۔" دیر تک یہی بحث ہوتی رہی۔ آخر میں مسٹر گریفتھ نے کہا۔ "فرض کیجئے آپ کو یقین ہو جائے کہ لوگ آپ کی تعلیم کو مطلق نہیں سمجھتے ہیں تو پھر آپ کیا کیجئے گا۔"

Marfat.com

میں نے کہا "اگر مجھے یہ یقین ہو جائے تو میں سول نافرمانی فوراً روک دوں گا۔"

"ہیں! آپ نے تو مسٹر براؤ نگ سے کہا تھا کہ میں رہا ہوتے ہیں سیدھا پنجاب جاؤں گا۔"

"ہاں میں سب سے پہلی ٹرین سے جانا چاہتا تھا مگر آج تو یہ ناممکن ہے۔"

"اگر آپ ذرا سا غور کریں تو آپ کو یقین ہو جائے کہ لوگ آپ کے اصول کو نہیں سمجھ سکتے۔ آپ کو معلوم ہے کہ امرتسر میں کیا ہوا اور احمد آباد میں کیا ہو رہا ہے؟ جہاں دیکھیے لوگ آپے سے باہر ہیں۔ مجھے اب تک پوری خبریں معلوم نہیں۔ بعض جگہ تار کاٹ دیئے گئے ہیں۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ ان بلوؤں کی ذمہ داری آپ ہی پر ہے یا کسی اور پر۔"

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں مجھے اپنی غلطی محسوس ہوئی میں سارا الزام اپنے سر لے لوں گا۔ اگر احمد آباد کے بلوے کی خبر صحیح نکلی تو مجھے بے حد تعجب اور صدمہ ہو گا۔ اب رہا امرتسر تو وہاں جو کچھ ہوا اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں نہ میں کبھی پنجاب گیا اور نہ مجھے وہاں کوئی جانتا ہے مگر یہ مجھے یقین ہے کہ اگر حکومت نے مجھے پنجاب جانے سے روکا ہوتا تو میرے سبب سے وہاں امن قائم رکھنے میں بہت آسانی ہوتی۔ میرا داخلہ بند کر کے حکومت نے لوگوں کو خواہ مخواہ اشتعال دلایا۔"

غرض اس بحث کا سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔ آخر میں کمشنر سے یہ کہہ کر رخصت ہو گیا کہ میں چوپاٹی پر ایک جلسہ کر کے لوگوں کو امن قائم کرنے کی ہدایت کروں گا۔

چوپاٹی کے جلسے میں میں نے بہت دیر تک تقریر کی جس میں لوگوں کو عدم تشدد کے فرض کا احساس دلایا اور ستیاگرہ کی پابندیاں سمجھائیں۔ آخر میں میں نے کہا "ستیاگرہ حق پرستوں کا حربہ ہے۔ ستیاگرہی عدم تشدد کا پابند ہوتا ہے۔ جب تک آپ خیال قول اور فعل سب میں عدم تشدد نہ برتیں گے میں عام ستیاگرہ کو نہیں چلا سکتا۔"

انسویا بین نے بھی احمد آباد کے بلوے کی خبر سنی تھی۔ وہاں کسی نے یہ افواہ پھیلا دی تھی کہ انسویا بین گرفتار ہو گئی ہیں۔ کارخانوں کے مزدور یہ افواہ سن کر غصے سے مجنون ہو گئے۔ انہوں نے کام بند کر دیا اور مار دھاڑ شروع کر دی اس ہنگامے میں ایک پولیس کا سپرنٹنڈنٹ جان سے مارا گیا۔

میں احمد آباد پہنچا۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ لوگوں نے ندیاد کے اسٹیشن کے قریب ریل کی پٹری اکھاڑ ڈالنے کی کوشش کی، ویرام گام میں ایک سرکاری افسر قتل کر دیا گیا اور احمد آباد میں مارشل لاء جاری ہے۔ لوگ خوف سے نیم جان تھے انہوں نے مجنونانہ جوش میں تشدد کیا اور اب وہ اس کی دگنی چوگنی سزا بھگت رہے تھے۔

Marfat.com

اسٹیشن پر ایک پولیس کا افسر میرے انتظار میں کھڑا تھا۔ وہ مجھے مسٹر پریٹ کمشنر کے پاس لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ غصے میں بھرے بیٹھے ہیں۔ میں نے ان سے بہت نرمی سے کہا کہ "مجھے اس بلوے کا بے حد افسوس ہے، مگر میرے خیال میں مارشل لا کی ضرورت نہیں۔ میں امن قائم کرنے میں ہر قسم کی مدد دینے کو تیار ہوں۔ میں نے ان سے برمتی آشرم میں عام جلسہ کرنے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے اس تجویز کو پسند کیا اور جہاں تک مجھے یاد ہے 13 اپریل کو اتوار کے دن جلسہ ہوا۔ اسی روز یا اس کے دوسرے دن مارشل لا اٹھالیا گیا۔ میں نے جلسے میں لوگوں کو ان کے جرم کا احساس دلایا اور کہا کہ میں اس جرم کے کفارے میں تین دن اپاس کروں گا آپ لوگ بھی اپاس کریں اور آپ میں سے جن لوگوں نے تشدد کی حرکتیں کی ہیں وہ اپنے جرم کا اقرار کرلیں۔

مجھے اپنے فرض کا پورا احساس تھا۔ یہ صدمہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا کہ انہی مزدوروں نے جن کے ساتھ میں بہت دن رہا تھا، اور جن سے مجھے بہت امیدیں تھیں اس بلوے میں حصہ لیا۔ میں بھی اپنے آپ کو ان کا شریک جرم سمجھتا تھا۔

جس طرح میں نے لوگوں کو نصیحت کی تھی کہ اپنے جرم کا اقرار کرلیں اسی طرح حکومت کو مشورہ دیا کہ ان کے جرم سے درگزر کرے۔ مگر فریقین میں سے کسی نے میری صلاح نہ مانی۔

سر رامنی بھائی آنجہانی اور احمد آباد کے دوسرے معززین نے آکر مجھ سے کہا کہ ستیاگرہ کو ملتوی کر دو ان کے کہنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ میں خود ہی ارادہ کر چکا تھا کہ اس وقت تک ستیاگرہ موقوف رکھوں گا جب تک لوگ امن کا سبق نہ سیکھ لیں یہ سب دوست خوش خوش واپس گئے۔

مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہیں میرے اس فیصلے سے تکلیف ہوئی ان کا یہ خیال تھا کہ اگر میں ہر جگہ امن کی توقع رکھوں اور ستیاگرہ کو اس پر مشروط کر دوں تو پھر عام ستیاگرہ کا کوئی امکان ہی نہیں ہے مجھے افسوس کے ساتھ ان کی رائے کی مخالفت کرنا پڑی۔

میں نے کہا اگر وہ لوگ جن کے ساتھ کام کرتا ہوں اور جن سے میں عدم تشدد اور ملا کشی کی توقع رکھتا ہوں تشدد سے باز نہ رہ سکیں تو واقعی ستیاگرہ کا چلانا ناممکن ہے۔ میرا محکم عقیدہ تھا کہ جو لوگ عوام سے ستیاگرہ کرانا چاہتے ہیں انہیں ان پر اتنا قابو ہونا چاہیئے کہ انہیں مقررہ حد تک عدم تشدد کا پابند رکھ سکیں۔ اسی عقیدے پر میں آج بھی قائم ہوں۔

Marfat.com

Marfat.com

تنتیسواں باب

میری ہمالیہ برابر غلطی

احمد آباد کے جلسے کے بعد میں سیدھا ندیاد گیا۔ وہیں میں نے اپنی تقریر میں ہمالیہ برابر غلطی کا فقرہ استعمال کیا جو آگے چل کر اس قدر مشہور ہوا مجھے احمد آباد ہی میں اپنی غلطی کا کچھ دھندلا سا احساس ہونے لگا تھا مگر جب ندیاد پہنچ کر وہاں کی حالت دیکھی اور کھیدا ضلع کے ہزاروں آدمیوں کی گرفتاری کی خبر سنی تو مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے کھیدا اور دوسرے مقامات کے لوگوں کو قبل از وقت ستیاگرہ کی دعوت دینے میں بڑی سخت غلطی کی۔ میں نے عام جلسے میں اس کا اعتراف کیا۔ اس پر میرا خوب مضحکہ اڑایا گیا۔ لیکن مجھے یہ اعتراف کرنے پر کبھی افسوس نہیں ہوا۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ جب تک انسان اپنی غلطیوں کو بڑھا کر اور دوسروں کی غلطیوں کو گھٹا کر نہ دیکھے اسے دونوں میں صحیح تناسب کا اندازہ نہیں ہو سکتا اور میرے نزدیک ہر ستیاگرھی کو اس اصول پر سختی سے عمل کرنا چاہیئے۔

آئیے اب ذرا یہ دیکھیں کہ اس ہمالیہ برابر غلطی کی حقیقت کیا ہے۔ انسان سول نافرمانی کے قابل تبھی ہوتا ہے جب وہ ادب اور خلوص سے سلطنت کے قوانین کی اطاعت کر چکا ہو۔ ہم زیادہ تر قانون کی پابندی سزا کے خوف سے کرتے ہیں۔ خصوصاً ان ضابطوں کی جن کی بنا ر کسی اخلاقی اصول پر نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک ایماندار اور شریف آدمی کبھی چوری کا مرتکب نہیں ہوتا خواہ سزا کا خوف ہو یا نہ ہو۔ مگر یہی شخص بے تکلف اس ضابطے کی خلاف ورزی کرتا ہے جس کی رو سے اندھیرا ہو جانے کے بعد بائیسکل بغیر لیمپ کے نہیں چلانا چاہیئے اور اسے ذرا بھی ندامت کا احساس نہیں ہوتا بلکہ اگر کوئی سمجھائے کہ اس معاملے میں احتیاط کیا کرو تو برا مانتا ہے۔ ہاں اگر یہ خوف ہو کہ میں گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا جاؤں گا تو وہ چار و ناچار ایسے ضابطوں کی پابندی کرتا ہے اس قسم کی پابندی اس کامل اطاعت کے حکم میں نہیں آتی جو ستیاگرھی سے مطلوب ہے ستیاگرھی اجتماعی قوانین کی پابندی سمجھ بوجھ کر اور دل سے کرتا ہے

Marfat.com

کیونکہ وہ اسے اپنا پاک فرض سمجھتا ہے۔ جو شخص اس قدر سختی سے اجتماعی قوانین کی پابندی کر چکا ہو وہی یہ فیصلہ کرنے کا اہل ہے کہ کون قاعدے اچھے اور منصفانہ ہیں اور کون برے اور غیر منصفانہ۔ اسی کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ معینہ صورتوں میں بعض مخصوص قوانین کی نافرمانی کرے۔ میری غلطی یہ تھی کہ میں نے اس ضروری شرط کا خیال نہیں رکھا۔ میں نے لوگوں کو سول نافرمانی کی دعوت دے دی حالانکہ وہ ابھی تک اس کے اہل نہ تھے۔ یہی خطا مجھے ہمالیہ کے برابر معلوم ہوئی۔ جیسے ہی میں کھیدا ضلع میں داخل ہوا ہوں وہاں کی پرانی ستیاگرہ کے واقعات میری نظروں میں پھر گئے اور مجھے اپنے اوپر تعجب ہوا کہ ایسی کھلی ہوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ بہرحال اب مجھے یہ اچھی طرح محسوس ہوا کہ جب تک لوگ سول نافرمانی کی باریکیوں کو نہ سمجھتے ہوں وہ اسے برتنے کے قابل نہیں ہوتے۔

یہاں اس اعتراض کی گنجائش ہے کہ جب ہماری قوم اور بہت سی قوموں کی طرح قانون کا حکم ٹالنے کی عادی ہے تو اس سے یہ توقع کیوں کر ہو سکتی ہے کہ دفعتاً سول نافرمانی کے اصلی اصول کو سمجھ جائے گی اور اس کے حدود سے باہر قدم نہ رکھے گی۔ اس میں شک نہیں کہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے گروہ کے لئے ان شرائط کی پوری پوری پابندی ناممکن ہے۔ اسی لئے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ عام سول نافرمانی شروع کرنے سے پہلے آزمائے ہوئے پاک نفس رضاکاروں کی ایک جماعت تیار کی جائے۔ جو ستیاگرہ کے اصولوں کو کماحقہ، سمجھتی ہو۔ یہ رضاکار عوام کو ان اصولوں کی تعلیم دیں اور ہر وقت چوکس رہیں کہ لوگ راہ راست سے ہٹنے نہ پائیں۔

انہیں خیالات میں ڈوبا ہوا میں بمبئی پہنچا۔ یہاں میں نے ستیاگرہ سبھا کے ذریعے سے رضاکار بھرتی کئے اور ان کی مدد سے لوگوں کو ستیاگرہ کے اصول سمجھانا شروع کیا اس کی صورت یہ تھی کہ اس مضمون پر چھوٹے چھوٹے رسالے چھپوا کر لوگوں کو تقسیم کئے جاتے تھے۔

اس کام کے دوران میں مجھے یہ محسوس ہوا کہ لوگوں کو باامن ستیاگرہ کا شوق دلانا بہت مشکل ہے رضاکار بہت کم ملے جو ملے بھی ان میں اکثر ایسے تھے جو باقاعدہ تربیت حاصل کرنے کی زحمت نہیں اٹھاتے تھے۔ نئے رنگروٹوں کی تعداد روز بروز کم ہونے لگی۔ مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی کہ سول نافرمانی کی تربیت کے کامیاب ہونے میں میری توقع سے کہیں زیادہ دیر لگے گی۔

Marfat.com

چونتیسواں باب

"نوجیون" اور "ینگ انڈیا"

ادھر عدم تشدد کی تحریک آہستہ آہستہ ترقی کر رہی تھی اور ادھر حکومت کے جبر و تشدد کا بازار گرم تھا۔ خصوصاً پنجاب میں تو اس نے ظاہر داری کا پردہ بھی اٹھا دیا تھا۔ لیڈر قید میں تھے، فوجی قانون (مارشل لا) جو محض نام کو قانون ہے، جاری تھا، غیر معمولی عدالتیں قائم تھیں ان عدالتوں کو عدل و انصاف سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک مطلق العنان حاکم کے استبداد کا آلہ کار تھیں۔ بغیر کافی شہادت کے سزائیں دی جارہی تھیں اور انصاف کا خون ہو رہا تھا۔ امرتسر میں بے گناہ مرد اور عورتیں کیڑوں کی طرح پیٹ کے بل رینگنے پر مجبور کی جارہی تھیں۔ اس ذلت کے آگے میری نظروں میں جلیانوالہ باغ کا قتل عام جس نے سارے ہندوستان بلکہ ساری دنیا کو پنجاب کی طرف متوجہ کر دیا، کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا۔

ایسی صورت میں میرا پنجاب جانا بہت ضروری تھا۔ میں نے وائسرائے سے خط لکھ کر اجازت مانگی، تار بھی دیا۔ مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر میں بغیر اجازت کے جاؤں گا تو حکومت مجھے پنجاب کی سرحد میں داخل ہونے سے روک دے گی اور مجھے مجبوراً سول نافرمانی کرنا پڑے گی۔ اس وقت میں عجب کشمکش میں مبتلا تھا۔ سول نافرمانی کے لئے امن و امان کی فضا ضروری ہے مگر یہاں یہ صورت تھی کہ حکومت کے مظالم نے پنجاب کے لوگوں کے دل میں غصے کی آگ بھڑکا رکھی تھی۔ ایسی حالت میں میرے نزدیک داخلہ پنجاب کے حکم کی خلاف ورزی کرنا سول نافرمانی کے اصول کے خلاف تھا۔ اگر مجھے سول نافرمانی کا موقع بھی ملتا تو یہ خوف تھا کہ لوگوں کا اشتعال اور بڑھ جائے گا۔ اس لئے باوجود اس کے کہ میرے دوست مجھے پنجاب جانے کی رائے دے رہے تھے میں نے اسے مناسب نہ

Marfat.com

سمجھا۔ یہ میرے لئے زہر کا گھونٹ تھا مگر مجبوراً پینا پڑا۔ پنجاب سے روز نئے ظلم و جبر کی خبریں آتی تھیں اور میں بے بسی میں تلملا کر رہ جاتا تھا۔

اسی زمانے میں حکومت نے دفعتاً مسٹر ہارنیمین کو جن کی ادارت میں بمبئی کرانیکل نے بڑا زبردست اثر پیدا کر لیا تھا، ملک بدر کر دیا۔ حکومت کا یہ فعل میرے نزدیک اس قدر مکروہ تھا کہ آج تک اس خیال سے گھن آتی ہے مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ مسٹر ہارنمین شورش اور فساد کے حامی نہیں تھے۔ انہوں نے مجھ پر اعتراض کیا تھا کہ آپ کو ستیاگرہ کمیٹی کی اجازت کے بغیر حکومت پنجاب کے امتناعی حکم کی خلاف ورزی کا کیا حق تھا اور جب میں نے سول نافرمانی کو روکا تو انہوں نے میری تائید کی تھی بلکہ میرے اس فیصلے سے پہلے انہوں نے مجھے خط لکھا تھا جس میں التوار کا مشورہ دیا تھا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ ان کا خط میرے فیصلے کے بعد پہنچا۔ غرض ان کے یکا یک ملک بدر کر دیئے جانے سے مجھے بے حد تعجب اور صدمہ ہوا۔

جب بمبئی کرانیکل مسٹر ہارنمین کی خدمات سے محروم ہو گیا تو اس کے ڈائریکٹروں نے مجھ سے کہا کہ آپ اس کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لے لیجئے۔ بریلوی صاحب موجود ہی تھے اس لئے میرا کام محض برائے نام تھا۔ پھر بھی میری طبیعت ایسی واقع ہوئی ہے کہ اس ذمہ داری کے قبول کر لینے سے میری مصروفیت بہت بڑھ جاتی۔ مگر حکومت نے کرانیکل کو بند کرا کے مجھے اس مشکل سے بچالیا۔

ان دنوں کرانیکل کا انتظام سیٹھ عمر سبحانی اور شنکر لال بینکر کے ہاتھ میں تھا اور "ینگ انڈیا" کو بھی وہی چلا رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ کرانیکل تو بند ہو گیا اب آپ "ینگ انڈیا" کی ادارت قبول کر لیجئے اور کرانیکل کی کمی پوری کرنے کے لئے اسے ہفتہ وار کی جگہ سہ روزہ کر دیجئے۔

میں خود یہی چاہتا تھا مجھے یہ ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ لوگوں کو ستیاگرہ کے حقیقی اصول سمجھاؤں اور مجھے امید تھی کہ اس اخبار کے ذریعے میں حکومت کو پنجاب کی داد رسی پر مجبور کر دوں گا۔ کیونکہ اسے خوب معلوم تھا کہ میری ہر تحریر ستیاگرہ کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے ان دوستوں کی تجویز کو خوشی سے قبول کر لیا۔ مگر یہ بڑی مشکل تھی کہ انگریزی اخبار عام لوگوں کو ستیاگرہ کی تعلیم دینے کے لئے بیکار تھا۔ میرے کام کا خاص میدان گجرات تھا اس لئے مجھے ایک گجراتی اخبار کی ضرورت تھی۔ ان دنوں اندولال جی یا جنگ، سیٹھ عمر سبحانی اور شنکر لال بینکر کے حلقے میں شامل تھے۔ وہ اپنے دوستوں کی مالی امداد سے گجراتی میں ایک ماہوار رسالہ نو جیون نکال رہے تھے۔ ان دوستوں نے نو جیون میرے حوالہ کر دیا اور اندولال جی میرے ساتھ کام کرنے پر راضی ہو گئے۔ اس رسالے کو ہم

Marfat.com

نے ہفتہ وار اخبار کر دیا۔

اس عرصے میں کرانیکل پھر جاری ہو گیا۔ اس لئے ینگ انڈیا بدستور ہفتہ وار کر دیا گیا۔ دو ہفتہ وار اخبار دو مختلف مقامات سے نکالنے میں مجھے بڑی دقت تھی اور مصارف بھی زیادہ تھے۔ نو جیون احمد آباد سے نکلتا تھا میری درخواست پر ینگ انڈیا بھی احمد آباد منتقل کر دیا گیا۔

اس تبدیلی مقام کی اور وجوہ بھی تھیں۔ مجھے انڈین اوپنین سے یہ تجربہ ہوا تھا کہ اس قسم کے اخباروں کے لئے اپنے مطبع کی ضرورت ہے اس کے علاوہ اس زمانے میں مطبع کا قانون اس قدر سخت تھا کہ اگر میں اپنے خیالات آزادی سے ظاہر کرنا چاہتا تو موجودہ مطبعے جو کاروباری اصول پر قائم کئے گئے تھے ان کو شائع کرنے میں آمادہ نہ ہوتے۔ اس لئے اپنا مطبع قائم کرنا اور بھی ضروری تھا۔ ایسا مطبع قائم کرنے کے لئے احمد آباد ہی میں آسانی تھی۔ اس لئے ینگ انڈیا۔یہیں لانا پڑا۔

ان اخباروں کے ذریعے سے میں نے پڑھے لکھے لوگوں کو ستیاگرہ کی تعلیم کی پوری کوشش شروع کر دی۔ ان دونوں اخباروں کے خریدار بہت بڑھ گئے اور ایک زمانے میں ہر ایک کی اشاعت کم و بیش چالیس ہزار تک پہنچ گئی۔ مگر نو جیون کی اشاعت ایک دم سے بڑھی اور ینگ انڈیا کی آہستہ آہستہ میرے قید ہونے کے بعد ان کے خریدار بہت کم ہو گئے اور اب آٹھ ہزار سے زیادہ نہیں۔

میں نے شروع ہی سے یہ طے کر لیا کہ ان اخباروں میں اشتہار نہیں چھاپوں گا۔ میرے خیال میں اس سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ انہیں اپنی آزادی رائے قائم رکھنے میں بہت مدد ملی۔

ان اخباروں سے مجھے بھی یہ ضمنی فائدہ ہوا کہ یہ ایک حد تک میرا سکون قلب قائم رکھنے کا باعث ہوئے۔ جب تک ستیاگرہ کا وقت نہیں آیا میں ان کے ذریعے سے اپنے خیالات آزادی سے ظاہر کرتا رہا اور لوگوں کو ہمت دلاتا رہا اس طرح میرے خیال میں یہ دونوں اخبار آڑے وقت قوم کے کام آئے اور انہوں نے اپنی بساط بھر مارشل لا کے مظالم کو روکا

Marfat.com

Marfat.com

پینتیسواں باب

پنجاب میں

سر مائیکل اور ڈائر نے مجھے پنجاب کے بلوؤں کا ذمہ دار ٹھہرایا اور چند غصہ دار نوجوان پنجابیوں نے مارشل لا کا الزام میرے سر رکھا۔ ان کا یہ دعویٰ تھا کہ اگر میں سول نافرمانی کو نہ روکتا تو جلیانوالہ کا قتل عام نہ ہوتا۔ بعض تو اتنے خفا تھے کہ انہوں نے مجھے دھمکایا کہ اگر تم نے پنجاب میں قدم رکھا تو ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔

مگر میرا یہ خیال تھا کہ میرا طرز عمل بالکل درست اور ناقابل اعتراض ہے اور کسی سمجھ دار آدمی کو اس کے متعلق غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔

میں پنجاب جانے کے لئے بے چین تھا۔ مجھے اس سے پہلے کبھی وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے میرا اور بھی جی چاہتا تھا کہ وہاں جا کر اپنی آنکھ سے سب حالات دیکھوں۔ ڈاکٹر ستیہ پال، ڈاکٹر کچلو اور پنڈت رام بھج دت چودھری، جنہوں نے مجھے پنجاب بلایا تھا قید ہو چکے تھے۔ مگر مجھے یقین تھا کہ حکومت ان لوگوں کو اور ان کے ساتھیوں کو زیادہ دن تک قید نہیں رکھ سکتی۔ جب کبھی میں بمبئی جاتا تھا تو بہت سے پنجابی مجھ سے ملنے آتے تھے۔ میں ایسے موقعوں پر ایک آدھ ہمت افزائی کا کلمہ کہہ دیتا تھا جس سے انہیں تقویت ہو جاتی تھی۔ ان دنوں مجھے اپنے اوپر اس قدر بھروسا تھا کہ جس سے ملتا تھا اسے گرما دیتا تھا۔ لیکن مجھے پنجاب جانے کا ارادہ بار بار ملتوی کرنا پڑا۔ جب کبھی میں نے وائسرائے سے اجازت مانگی انہوں نے یہی جواب دیا۔ "ابھی نہیں" اسی طرح بات ٹلتی رہی۔

اسی زمانے میں اعلان ہوا کہ ہنٹر کمیٹی اس کی تحقیقات کرے گی کہ مارشل لا کے زمانے میں حکومت پنجاب کا طرز عمل کہاں تک جائز تھا۔ مسٹر سی تف اینڈریوز پنجاب پہنچ گئے تھے۔ ان کے خطوں میں جو جانگداز حالات لکھے گئے انہیں پڑھ کر مجھے یہ اندازہ ہوا کہ مارشل لا کے مظالم کی اصلیت ان

Marfat.com

خبروں سے کہیں زیادہ ہے جو اخباروں میں آئی تھیں میں نے پھر وائسرائے کو تار دے کر جانے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ فلاں تاریخ کے بعد جاسکتے ہیں مجھے وہ تاریخ ٹھیک یاد نہیں شائد 17 اکتوبر تھی۔

لاہور پہنچ کر میں نے جو منظر دیکھا وہ ہمیشہ میرے دل میں نقش رہے گا۔ اسٹیشن پر آدمیوں کا سمندر امڈ آیا تھا۔ شہر کے سارے باشندے اس اشتیاق اور بیتابی سے گھروں سے نکل پڑے تھے جیسے کسی مدتوں کے بچھڑے عزیز سے ملنے جا رہے ہیں۔ جسے دیکھئے خوشی سے دیوانہ تھا۔ میں پنڈت رام بھج دت کے بنگلے میں ٹھہرایا گیا اور میری مہمانداری کی زحمت سارلا دیوی چودھرانی کے حصے میں آئی۔ یہ زحمت کوئی معمولی زحمت نہ تھی کیونکہ پہلے بھی یہی صورت تھی جواب ہے کہ جس گھر میں ٹھہرتا ہوں وہ کاررواں سرائے بن جاتا ہے۔

پنجاب کے بڑے لیڈر سب جیل میں تھے اس لئے ان کی جگہ مالوی جی موتی لال جی اور شردھانند جی کام کر رہے تھے اور یہی مناسب بھی تھا۔ مالوی جی اور شردھانند جی کو تو میں پہلے سے اچھی طرح جانتا تھا مگر موتی لال جی سے میرا پہلا سابقہ تھا۔ یہ سب حضرات اور وہ مقامی لیڈر جو جیل جانے سے محروم رہ گئے تھے، مجھ سے اس طرح گھل مل گئے کہ مجھے اس صحبت سے مطلق اجنبیت کا احساس نہیں ہوا

ہمارا یہ متفقہ فیصلہ کہ ہنٹر کمیٹی کے سامنے شہادت نہ دی جائے قومی تاریخ کا جزو بن گیا ہے۔ جن وجوہ کی بنا پر ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا وہ اسی زمانے میں ضائع کر دی گئی تھیں یہاں انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اتنے دن کے بعد غور کرنے پر بھی مجھے کمیٹی کے مقاطعے کا فیصلہ بالکل صحیح اور مناسب نظر آتا ہے۔

ہنٹر کمیٹی کے مقاطعے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ کانگرس کی طرف سے ایک غیر سرکاری تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جائے۔ چنانچہ یہی ہوا اور مالوی جی نے پنڈت موتی لال نہرو دیش سندھو، سی آر داس، آنجہانی، مسٹر ایم، آر جیکار، عباس طیب جی صاحب کو اور مجھے اس کمیٹی میں نامزد کیا۔ ہم لوگوں نے مختلف مقامات پر الگ الگ تحقیقات کی۔ کمیٹی کے سامنے جو شہادتیں پیش ہوئیں انہیں ترتیب دینا میرے ذمے رکھا گیا اور سب سے زیادہ مقامات پر تحقیقات کرنے کا شرف بھی مجھی کو حاصل ہوا اس لئے مجھے پنجاب کے لوگوں اور وہاں کے دیہات کی حالت کا گہرا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔

اپنی تحقیقات کے دوران میں مجھے پنجاب کی عورتوں سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ مجھ سے اس قدر مانوس ہوگئیں جیسے میرا ان کا برسوں کا ساتھ رہا ہو۔ میں جہاں کہیں جاتا تھا یہ دیویاں جوق در جوق آتی

Marfat.com

تھیں اور میرے سامنے اپنے کاتے ہوئے سوت کا ڈھیر لگا دیتی تھیں۔اس طرح مجھے اس تحقیقات کے دوران میں یہ بات معلوم ہوئی کہ پنجاب کھدر کے کام کا بہت بڑا مرکز بن سکتا ہے۔

لوگوں پر جو مظالم ہوئے تھے ان کی تحقیقات کے دوران حکومت کے ظلم اور استبداد کے وہ قصے سننے میں آئے جن کا گمان بھی نہ تھا۔انہیں سن کر مجھے جو اذیت ہوئی اسے میرا ہی دل جانتا ہے۔مجھے تعجب تھا، اور آج تک ہے، کہ جس صوبے نے جنگ کے زمانے میں حکومت برطانیہ کو سب سے زیادہ سپاہی دیئے تھے اس نے ان وحشیانہ مظالم کو چپ چاپ کیوں کر سہہ لیا۔

کمیٹی کی رپورٹ لکھنے کا کام بھی میرے ہی ذمے تھا۔جو لوگ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ پنجاب کے لوگوں پر کیا کیا ستم توڑ دیئے گئے وہ اس رپورٹ کا مطالعہ کریں میں۔یہاں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اس میں اول سے آخر تک کہیں جان بوجھ کر مبالغہ نہیں کیا گیا اور جو کچھ لکھا گیا کافی شہادت کی بنا پر لکھا گیا۔جتنی شہادتیں شائع کی گئیں وہ ان کا عشر عشیر بھی نہیں جو کمیٹی کے سامنے پیش ہوئی تھیں جس بیان کے متعلق ذرا سا بھی شبہہ تھا وہ رپورٹ میں نہیں آنے دیا گیا۔اس رپورٹ سے جو محض احقاق حق کے لئے لکھی گئی ہے۔پڑھنے والوں کو اندازہ ہو جائے گا کہ برطانوی حکومت اپنی قوت قائم رکھنے کے لئے کیا کچھ کر گزرتی ہے اور کیسی کیسی انسانیت سوز اور وحشیانہ حرکتوں کی مرتکب ہوتی ہے۔جہاں تک مجھے معلوم ہے اس رپورٹ کا ایک فقرہ بھی غلط ثابت نہیں کیا جا سکا۔

Marfat.com

Marfat.com

چھتیسواں باب

خلافت کے بدلے گئو رکھشا؟

پنجاب کی درد انگیز داستان کو یہیں چھوڑ تا ہوں۔

کانگریس کی طرف سے پنجاب کی ڈائر شاہی کی تحقیقات ابھی شروع ہی ہوئی تھی کہ میرے پاس ہندو مسلمانوں کی اس مشترکہ کانفرنس میں شریک ہونے کی دعوت آئی جو مسئلہ خلافت پر غور کرنے کے لئے دہلی میں ہو رہی تھی۔ اس دعوت نامے پر منجملہ اور لوگوں کے حکیم اجمل خان صاحب مرحوم اور مسٹر آصف علی کے دستخط تھے۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ کانفرنس میں سوامی شردھانند جی بھی شریک ہوں گے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے سوامی جی اس کانفرنس کے نائب صدر منتخب ہوئے تھے اور اس کا اجلاس نومبر میں قرار پایا تھا۔ اس کانفرنس کا مقصد اس صورت حال پر غور کرنا تھا جو خلافت کے معاملے میں حکومت کی بد عہدی سے پیدا ہو گئی تھی اور یہ طے کرنا تھا کہ ہندو مسلمان صلح میں شرکت کریں یا نہ کریں۔ دعوت نامے میں یہ بھی لکھا تھا کہ کانفرنس میں علاوہ خلافت کے گئو رکھشا کے مسئلے پر بھی بحث ہو گی اور یہ اس کے طے کرنے کا بہترین موقع ہے۔ مجھے گئو رکھشا کا ذکر اس سلسلے میں پسند نہیں آیا میں نے اس دعوت نامے کے جواب میں جو خط لکھا اس میں شرکت کا وعدہ کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ ان دونوں مسئلوں کو گڈ مڈ نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر ان دونوں کے متعلق بحث کرنا ہے تو اس طرح نہ کیجئے جیسے سودا کیا جاتا ہے بلکہ دونوں کے حسن و قبح پر الگ الگ غور کیجئے۔

یہ خیالات دل میں لئے ہوئے میں کانفرنس میں گیا اس میں مجمع بہت کافی تھا مگر اتنا نہیں جتنا اس کے بعد کے جلسوں میں ہوا۔ میں نے اس مسئلے پر جس کا ذکر آ چکا ہے سوامی شردھانند جی آنجہانی سے گفتگو کی۔ انہوں نے میری تجویز کو پسند کیا اور کہا کہ آپ اسے کانفرنس میں پیش کیجئے۔ میں نے حکیم صاحب سے بھی مشورہ کر لیا کانفرنس میں میں نے یہ کہا کہ اگر خلافت کا مسئلہ جیسا کہ میں سمجھتا ہوں حق پر مبنی ہے اور اگر حکومت نے اس معاملے میں صریحی بے انصافی کی ہے تو ہندوؤں کا فرض ہے کہ وہ اس

Marfat.com

کی تلافی کے مطالبے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ ان کے لئے یہ بات نازیبا ہے کہ اس موقع پر گئو رکھشا کا مسئلہ بیچ میں لے آئیں اور صورت حال سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں سے سودا چکائیں اور مسلمانوں کے لئے بھی اس پر یہ شرط گاؤ کشی بند کرنا نامناسب ہے کہ ہندو خلافت کے معاملے میں ان کا ساتھ دیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان ہندوؤں کے مذہبی جذبات کے لحاظ سے ہمسائیگی اور ملکی برادری کے حقوق کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی خوشی سے گاؤ کشی ترک کر دیں۔ ان کا یہ سلوک بہت خوشنما اور قابل تعریف ہو گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر مسلمان گاؤ کشی بند کرنا فرض ہمسائیگی سمجھتے ہیں تو انہیں ہر حال میں بند کر دینا چاہیئے۔ ہندو خلافت کے مسئلے میں ان کا ساتھ دیں چاہے نہ دیں ایسی صورت میں مناسب ہے کہ ان دونوں مسئلوں پر الگ الگ بحث کی جائے اور یہ کانفرنس صرف خلافت کے مسئلے پر غور کرے میرا یہ استدلال حاضرین کو پسند آیا اور گئو رکھشا کے سوال پر کانفرنس میں بحث نہیں ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود مولانا عبدالباری صاحب نے اپنی تقریر میں کہا "خواہ ہندو ہماری مدد کریں خواہ نہ کریں مسلمانوں کو اپنے برادران وطن کے جذبات کا لحاظ کر کے گاؤ کشی ترک کر دینا چاہیئے" اور ایک زمانے میں واقعی یہ حالت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان گاؤ کشی بالکل موقوف کر دیں گے۔

بعض لوگوں کی تجویز تھی کہ پنجاب کا مسئلہ بھی خلافت کے ساتھ نتھی کر دیا جائے مگر میں نے اس کی مخالفت کی۔ میں نے کہا پنجاب کا معاملہ ثقافتی ہے اس لئے اس کا فیصلہ کرنے میں کہ جشن صلح میں شرکت کی جائے یا نہ کی جائے اس کو مدنظر رکھنا مناسب نہیں۔ یہ خلاف مصلحت ہے کہ مقامی معاملات کو مسئلہ خلافت کے ساتھ جو براہ راست شرائط صلح سے تعلق رکھتا ہے، مخلوط کر دیں۔ اسے بھی لوگوں نے مان لیا۔

مولانا حسرت موہانی اس جلسے میں موجود تھے۔ میں انہیں پہلے سے جانتا تھا مگر یہ اس کانفرنس میں معلوم ہوا کہ وہ کس غضب کے لڑنے والے ہیں۔ مجھ میں اور ان میں ابتدا سے اختلاف رائے تھا اور بعض مسئلوں میں اب تک ہے۔

منجملہ اور بہت سے رزولیوشنوں کے جو کانفرنس میں پاس ہوئے ایک یہ بھی تھا کہ ہندو اور مسلمان سودیشی چیزوں کے استعمال کا عہد کر لیں اور اس بنا پر بدیشی چیزوں کا مقاطعہ کریں۔ کھدر کی ابھی تک اتنی قدر نہ تھی جتنا ہونا چاہیئے تھی۔ یہ رزولیوشن حسرت صاحب کے مذاق کا نہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اگر خلافت کے معاملے میں سلطنت برطانیہ انصاف نہ کرے تو اس سے اس کا بدلہ لیا جائے۔ اس لئے انہوں نے اس کے مقابلہ میں یہ تجویز پیش کی کہ جہاں تک ممکن ہو صرف برطانوی چیزوں کا مقاطعہ کیا جائے۔ میں نے اصولی اور عملی نقطہ نظر سے اس تجویز کی مخالفت کی اور انہیں دلیلوں سے کام لیا

Marfat.com

جن سے اب لوگ اچھی طرح واقف ہو گئے ہیں میں نے کانفرنس کے سامنے اپنا عدم تشدد کا اصول بھی پیش کیا۔ میں نے دیکھا کہ حاضرین پر میری دلیلوں کا بہت اثر ہوا۔ مجھ سے پہلے حسرت صاحب کی تقریر پر اس قدر نعرہ ہائے تحسین بلند ہوئے تھے کہ مجھے خوف تھا کہ میری بات کوئی نہیں سنے گا۔ میں نے محض اس خیال سے زبان کھولنے کی جرات کی کہ اگر میں اپنے خیالات کانفرنس کے سامنے پیش نہ کردں تو یہ ادائے فرض میں کوتاہی ہوگی لیکن مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور خوشی ہوئی کہ حاضرین نے میری تقریر بہت توجہ سے سنی اور جو لوگ پلیٹ فارم پر تھے انہوں نے یکے بعد دیگرے میری تائید میں تقریریں کیں۔ لیڈروں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ برطانوی چیزوں کا مقاطعہ چلنے والا نہیں اس کی کوشش سے کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ مفت میں جگ ہنسائی ہوگی۔ اس مجمع میں شاید ہی کوئی شخص ہو جس کے جسم پر برطانوی ساخت کی کوئی نہ کوئی چیز موجود نہ ہو اس لئے اکثر حاضرین کو یہ محسوس ہوا کہ ایسا رزولیوشن پاس کرنے سے جس کی تعمیل خود ووٹ دینے والوں کے لئے ناممکن تھی سراسر نقصان ہوگا۔

مولانا حسرت موہانی نے اپنی تقریر میں کہا "محض بدیشی کپڑے کا مقاطعہ ہمارے لئے کافی نہیں۔ خدا جانے کب وہ دن آئے کہ سودیشی کپڑا کافی مقدار میں تیار ہو سکے اور بدیشی کپڑے کا مقاطعہ پوری طرح کامیاب ہو۔ ہمیں تو کسی ایسی چیز کی ضرورت ہے جس کا برطانیہ والوں پر فوراً اثر پڑے آپ شوق سے بدیشی کپڑے کا مقاطعہ کیجئے ہمیں اس میں کوئی عذر نہیں مگر اس کے علاوہ کوئی ایسی تجویز بھی ہونا چاہیئے جس پر فوراً عمل ہو سکے۔"

جس وقت وہ یہ الفاظ کہہ رہے تھے میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ واقعی ہمیں بدیشی کپڑے کے مقاطعے کے علاوہ کسی اور چیز کی کبھی ضرورت ہے۔ میرا بھی یہی خیال تھا کہ بدیشی کپڑے کا فوری مقاطعہ ناممکن ہے اس وقت تک مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ اگر ہم چاہیں تو اپنی ضروریات کے لئے کافی کھدر تیار کر سکتے ہیں۔ یہ حقیقت مجھ پر آگے چل کر کھلی مگر اتنا میں جانتا تھا کہ اگر ہم بدیشی کپڑے کے مقاطعے میں ملوں کے پابند رہیں تو دھوکا کھائیں گے۔ میں اسی الجھن میں تھا کہ مولانا کی تقریر ختم ہو گئی۔

میرے لئے یہ بڑی مشکل تھی کہ اپنا مطلب ہندی یا اردو کے مناسب الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے ایسے مجمع میں، جو زیادہ تر شمالی ہندوستان کے مسلمانوں پر مشتمل تھا، مدلل تقریر کرنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ میں نے کلکتے کی مسلم لیگ میں اردو میں تقریر کی تھی۔ مگر وہاں تو صرف چند الفاظ میں اپنے محبت اور خلوص کا اظہار کر دیا تھا۔ یہاں صورت دوسری تھی۔ یہاں مجھے ایسے مجمع کو اپنا زاویہ نظر سمجھانا اور اپنا ہم خیال بنانا تھا جس سے مخالفت نہیں تو تنقید کا اندیشہ ضرور تھا مگر میں نے دل میں سوچا کہ جھجنے سے کام نہیں چلے گا۔ میں یہاں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ دہلی کے مسلمانوں کی فصیح اور سشتہ اردو

Marfat.com

میں تقریر کروں بلکہ اس لئے کہ ٹوٹی پھوٹی ہندی میں اپنے خیالات ظاہر کر دوں۔ چنانچہ میں نے یہی کوشش کی اور اس میں مجھے کامیابی ہوئی۔ مجھ پر یہ ثابت ہو گیا کہ ہندی اردو ہندوستان کی عام زبان بن سکتی ہے۔ اگر میں انگریزی میں تقریر کرتا تو حاضرین پر اتنا اثر کبھی نہ ہوتا اور مولانا کو چیلنج دینے کی ضرورت نہ پڑتی۔ یا وہ چیلنج دیتے تو میں اس کا موثر جواب نہ دے سکتا۔

میرے ذہن میں جو خیال تھا اسے ظاہر کرنے کے لئے مجھے کوئی مناسب ہندی یا اردو لفظ نہیں ملتا تھا۔ اسے سے میں ذرا گھبرایا مگر آخر میں نے اسے انگریزی لفظ "نان کو آپشن" (1) کے ذریعے سے ادا کر دیا۔ یہ لفظ میں نے پہلی بار اس جلسے میں استعمال کیا۔ مولانا کی تقریر کے دوران میں مجھے یہ خیال آیا کہ جس حکومت کے ساتھ یہ بہت سی باتوں میں اتحاد عمل کر رہے ہیں اس کا مقابلہ کرنے کی ان کے لئے ایک ہی صورت ہے یعنی ہتھیاروں سے کام لینا اور وہ نامناسب یا ناقابل عمل ہے۔ پھر مقابلے کا خیال ہی فضول ہے۔ مقابلہ اگر ہو سکتا ہے تو اسی طرح کہ حکومت سے اتحاد عمل ترک کر دیا جائے۔ اسی سلسلے میں مجھے "نان کو آپریشن" کا لفظ سوجھا۔ اس وقت اس تجویز کے کل پہلو میرے پیش نظر نہ تھے اس لئے میں نے اس کے بیان کرنے میں زیادہ تفصیل سے کام نہیں لیا۔ میں نے اس کے متعلق صرف یہ الفاظ کہے۔

"آپ حضرات نے ایک نہایت اہم ریزولیوشن پاس کیا ہے کہ اگر خدانخواستہ صلح کے شرائط آپ کے خلاف ہوئے تو آپ حکومت سے اتحاد عمل ترک کر دیں گے میرے نزدیک یہ ہر قوم کا خدا داد حق ہے کہ وہ ایسی صورت میں حکومت کے ساتھ اتحاد عمل کرنے سے انکار کر دے۔ اگر حکومت ہمارے ساتھ خلافت کے مہتمم بالشان مسئلے میں عہد شکنی کرے تو ہمارے لئے "نان کو آپریشن" کے کوئی چارہ نہیں اور ہمارا یہ "نان کو آپریشن" بالکل جائز ہو گا۔"

لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ "نان کو آپریشن" کا لفظ سارے ملک میں رائج ہو جائے۔ اس میں کئی مہینے کی دیر تھی۔ اس وقت تو یہ کانفرنس رزولیوشنوں کے اخبار میں دب کر رہ گیا۔ بلکہ ایک مہینے کے بعد خود میں نے امرتسر کانگریس میں "کو آپریشن" کے رزولیوشن کی تائید کی۔ میں سمجھتا تھا کہ حکومت ہمیں دھوکا نہیں دے گی۔

حوالہ

1 - ترک موالات

Marfat.com

سینتیسواں باب

امرتسر کانگریس

حکومت پنجاب ان سیکڑوں پنجابیوں کو جنہیں مارشل لا کے زمانے میں برائے نام عدالتوں بے بنیاد شہادتوں پر جیل میں بھر دیا تھا کب تک اس قید فرنگ میں رکھ سکتی تھی۔ ان کے اس صریحی ظلم پر وہ شور احتجاج بلند ہوا کہ اسے مجبور ہو کر ان لوگوں کو رہا کرنا پڑا۔ بہت سے لوگ کانگریس کے اجلاس سے پہلے اور لالہ ہرکشن لال اور دوسرے لیڈر دوران اجلاس میں رہا کر دیئے گئے۔ علی برادران جیل سے رہا ہوتے ہیں سیدھے یہیں آئے۔ لوگ تھے کہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ پنڈت موتی لال نہرو جنہوں نے اپنی اعلیٰ درجے کی وکالت قربان کر کے پنجاب میں ڈیرہ ڈالا تھا کانگریس کے صدر تھے اور سوامی شردھانند جی آنجہانی مجلس استقبالیہ کے صدر۔

میں نے ابتک کانگریس میں صرف اتنا حصہ لیا تھا کہ سمندر پار کے ہندوستانیوں کے مطالبات پر ہندی میں ایک تقریر کر کے ہندی کی عملی حمایت کا ثبوت دیا تھا اس کے بعد میں سمجھتا تھا کہ اس سال مجھ سے کوئی اور کام نہیں لیا جائے گا۔ لیکن جیسا کہ پہلے اکثر ہو چکا تھا دفعتاً مجھ پر بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ پڑ گیا۔

اسی وقت شاہی اعلان نئی اصلاحات کے متعلق شائع ہوا تھا۔ ان اصلاحات سے میں خود پوری طرح مطمئن نہ تھا اور دوسرے تو انہیں بالکل قابل قبول نہیں سمجھتے تھے مگر ان دنوں میرا یہ خیال تھا کہ گو یہ اصلاحات ناقص ہیں پھر بھی ہمیں منظور کر لینا چاہیئے مجھے شاہی اعلان کی زبان میں لارڈ سنہا کا قلم کارفرما نظر آتا تھا جس نے مایوسی کی تاریکی میں ایک امید کا توپر تو پیدا کر دیا تھا۔ مگر لوکمانیہ اور دیشبندھو چترنجن داس جیسی پختہ کار اسے فریب نظر سمجھتے تھے مالوی جی غیر جانبدار تھے۔

پنڈت مالوی جی نے مجھے اپنے کمرے میں ٹھہرایا تھا۔ مجھے ہندو یونیورسٹی کے تاسیس (1) کے

Marfat.com

جلسے میں ان کے طرز زندگی کی سادگی کا کچھ تھوڑا سا اندازہ ہوا تھا لیکن اس بار ان کے ساتھ رہ کر ان کے روز مرہ مشاغل کو اچھی طرح دیکھنے کا موقع ملا جس سے میں بے حد متاثر ہوا ان کے کمرے پر غریبوں کی سرائے کا دھوکا ہوتا تھا لوگوں کے ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک گزرنا دشوار تھا ہر شخص کو اجازت تھی کہ وقت ناوقت جب چاہے پہنچ جائے اور جب تک چاہے ان سے باتیں کرے ۔اس جھونپڑے کے ایک کونے میں میری چارپائی اس منظر کی شان کو دوبالا کر رہی تھی۔

غرض مالوی جی کے ساتھ رہنے کی وجہہ سے مجھے ان سے روز مرہ گفتگو کرنے کا موقع ملتا تھا اور وہ برادرانہ شفقت سے مجھے مختلف پارٹیوں کا زاویہ نظر سمجھایا کرتے تھے مجھے یہ محسوس ہوا کہ ریفارمس (اصلاحات) کے رزولیوشن کی بحث میں میرا شریک ہونا لازمی ہے کانگریس کی طرف سے پنجاب کے مظالم کے متعلق جو رپورٹ لکھی گئی تھی اس کی ذمہ داری ایک حد تک مجھ پر بھی تھی ۔اس لئے مجھے یہ فکر تھی کہ اس معاملے کو انجام تک پہنچاؤں ۔پھر خلافت کا مسئلہ بھی پیش نظر تھا۔میں سمجھتا تھا کہ مسٹر مانٹیگو ہندوستان سے بیوفائی نہیں کریں گے اور اس کے حقوق کو پامال نہیں ہونے دیں گے۔ علی برادران اور دوسرے لیڈروں کی رہائی میرے نزدیک بہت اچھی علامت تھی ۔ان سب باتوں کو مدنظر رکھ کر میری یہ رائے تھی کانگریس کے لئے اصلاحات کارد کرنا مناسب نہیں بلکہ اسے ان کی منظوری کا رزولیوشن پاس کرنا چاہئے ۔ مگر دیشبندھو چترنجن داس اس پر اڑے ہوئے تھے کہ اصلاحات کو بالکل ناکافی اور ناقص قرار دے کر رد کردینا چاہئے ۔لوکمانیہ تلک آنجہانی نے اس معاملے میں کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی تھی مگر یہ کہہ دیا تھا کہ جس رزولیوشن کو دیشبندھو پسند کریں گے اس کی میں تائید کروں گا۔

میرے لئے ان آزمودہ سرد و گرم چشیدہ محترم لیڈروں سے اختلاف رائے کرنا بہت تکلیف دہ تھا ۔لیکن میرا ضمیر مجھے اس پر مجبور کر رہا تھا میں نے چاہا کہ کانگریس سے بھاگ جاؤں ۔میں نے پنڈت مالوی جی اور موتی لال جی سے کہا کہ قومی مفاد کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں کانگریس کے بقیہ اجلاسوں سے غیر حاضر رہوں تاکہ مجھے ایسے محترم لیڈروں سے اختلاف کا اظہار نہ کرنا پڑے۔

مگر ان دونوں بزرگوں نے میری تجویز کو پسند نہیں کیا۔ کہیں لالہ ہرکشن لال کو میرے اس ارادے کی خبر ہو گئی۔ انہوں نے کہا کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا۔اس سے پنجابیوں کے جذبات کو بہت سخت صدمہ پہنچے گا۔میں نے لوکمانیہ دیشبندھو اور مسٹر جناح سے گفتگو کی مگر اس مشکل کے حل کرنے کی کوئی صورت نہیں نکلی ۔ آخر میں نے مالوی جی سے اپنی پریشانی بیان کی۔ میں نے ان سے کہا "مصلحت کا کوئی موقع نظر نہیں آتا۔اگر میں نے رزولیشن پیش کیا تو ووٹ لینا پڑیں گے اور اس کا یہاں

Marfat.com

کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ کانگریس کے عام جلسے میں اب تک یہ دستور رہا ہے کہ رائے لینے کے لئے ہاتھ اٹھوائے جاتے ہیں اور اس میں نمائندوں اور تماشائیوں کی کوئی تفریق نہیں رہتی۔ اب رہا تحریری ووٹ لینا اس کی اتنے بڑے مجمعے میں کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ مگر لالہ ہرکشن لال نے اس مشکل میں میری دستگیری کی۔ انہوں نے کہا "جس دن اس رزولیوشن پر رائے لی جائے گی ہم تماشائیوں کو کانگریس کے پنڈال میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اب رہا ووٹ جمع کرنا اسے میں دیکھ لوں گا مگر آپ کو کانگریس سے غیر حاضر ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔

میں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ جب میں رزولیوشن کا مسودہ تیار کر کے پیش کرنے کے لئے چلا تو میرا دل دھڑک رہا تھا۔ مالوی جی اور مسٹر جناح میرے موید تھے میں نے یہ دیکھا کہ ہر چند ہمارے باہمی اختلافات میں کسی قسم کی تلخی نہیں تھی اور ہماری تقدیریں محض نفس امر سے متعلق تھیں مگر لوگوں کو ہمارا یہ اختلاف ہی ناگوار تھا ان کے چہروں سے دل صدمہ کا اظہار ہوتا تھا وہ اتفاق رائے کے آرزومند تھے۔

ادھر تقریریں ہو رہی تھیں اور ادھر اس اختلافات کو دور کرنے کی کوشش جاری تھی لیڈر ایک دوسرے کو رقعے بھیج رہے تھے۔ مالوی جی انتہائی سرگرمی سے مصالحت کی سعی میں مصروف تھے۔ اتنے میں جرام دوس نے مجھے اپنی ترمیم دکھائی اور اپنی مخصوص دلکش انداز میں کہا کہ نمائندے عجب کشمکش میں پڑ گئے ہیں جیسے بنے انہیں اس مشکل سے بچائیے اور رائے شماری کی نوبت نہ آنے دیجئے میں نے ان کی ترمیم پڑھی اور وہ مجھے پسند آئی۔ مالوی جی پہلے ہی چاروں طرف نظر دوڑ رہے تھے کہ شاید کہیں امید کی جھلک دکھائی دے میں نے ان سے کہا کہ جبرام داس کی ترمیم دونوں پارٹیوں کے لے رقابل قبول ہے اس کے بعد یہ ترمیمی لوکمانیہ کو دکھائی گئی تو انہوں نے کہا اگر داس منظور کر لیں تو مجھے کوئی عذر نہیں بڑی قیل و قال کے بعد ویشبندھو کچھ اور انہوں نے بپن چندر پال جی کی طرف دیکھا۔

مالوی جی کا دل امید سے معمور ہو گیا۔ ابھی ویشبندھو نے پوری طرح رضامندی بھی ظاہر نہیں کی تھی کہ انہوں نے ترمیم کا مسودہ چھین لیا اور چلا اٹھے " بھائیو، آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ مصالحت ہوگی۔" اس کے بعد جو منظر دیکھنے میں آیا وہ بیان نہیں ہو سکتا۔ سارا پنڈال تالیوں کے شور سے گونج اٹھا اور افسردہ چہرے خوشی سے دمکنے لگے۔

یہاں ترمیم کا مضمون بیان کرنے کی ضرورت نہیں مجھے تو صرف یہ دکھانا تھا کہ میں نے ان تجربوں کے سلسلے میں جن کا اس کتاب میں ذکر ہے۔ یہ رزولیوشن کس طرح پیش کیا۔

Marfat.com

اس مصالحت سے میری ذمہ داری اور بڑھ گئی۔

حوالہ

1- Foundation

Marfat.com

اڑتیسواں باب

کانگریس کے اندرونی حلقے میں

امرتسر کی کانگریس میں میں نے جو حصہ لیا اسے میں اپنا باقاعدہ داخلہ کانگریس کی سیاست میں نہیں سمجھتا۔ اس سے پہلے کی کانگریسوں میں تو میں محض عہد وفاداری کی تجدید کے لئے شریک ہوا کرتا تھا۔ میں اپنے آپ کو ایک معمولی سپاہی سمجھتا تھا اور اسی پر قانع تھا۔

امتسر کے تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ مجھے بعض ایسے کاموں سے مناسبت ہے جو کانگریس کے لئے مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ لوکمانیہ ویشبندھو پنڈت موتی لال جی اور دوسرے لیڈروں کو میری خدمات جو میں نے مظالم پنجاب کی تحقیقات کے سلسلے میں انجام دی تھیں پسند آئیں وہ مجھے اپنی خاص صحبتوں میں بلانے لگے جہاں سجکٹ کمیٹی کے پیچیدہ مسئلے حل ہوا کرتے تھے۔ ان جلسوں میں صرف وہی لوگ بلائے جاتے تھے جن پر لیڈروں کو خاص طور سے اعتماد ہو اور جن سے انہیں کام لینا ہو۔ مگر کبھی کبھی ناخواندہ مہمان بھی آپہنچتے تھے۔

آئیندہ سال کانگریس کے پیش نظر دو چیزیں ایسی تھیں جن سے مجھے مناسبت اور دلچسپی تھی۔ ان میں سے ایک جلیانوالہ باغ کے قتل عام کی یادگار تھی۔ کانگریس نے بڑے جوش و خروش سے یہ رزولیوشن پاس کیا تھا کہ شہیدوں کی یادگار قائم کی جائے اس کے لئے پانچ لاکھ روپیہ جمع کرنا تھا۔ ٹرسٹیوں کی کمیٹی میں میرا نام بھی تھا۔ مالوی جی ان دنوں قومی فقیروں کے بادشاہ کہلاتے تھے مگر میں جانتا تھا کہ میں بھی بھیک مانگنے میں ان سے کم نہیں۔ جنوبی افریقہ میں مجھے اپنے اس کمال کا اندازہ ہوچکا تھا۔ مالوی جی کا جادو رئیسوں پر خوب چلتا تھا۔ والیان ملک سے شاہانہ عطیے وصول کرنے میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ مگر جلیانوالہ باغ کی یادگار کے لئے رئیسوں سے چندہ مانگنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ اس لئے جیسا کہ میں سمجھتا تھا، اس چندے کی ذمہ داری زیادہ تر مجھ پر عائد کی گئی۔ بمبئی کے فیاض باشندوں نے

Marfat.com

میری جھولی بھر دی اور یادگار کے لئے معقول سرمایہ اکٹھا ہوگیا جواب تک بینک میں جمع ہے۔ مگر آج ملک کے سامنے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ جس زمین پر ہندو مسلمان اور سکھ شہیدوں کے پاک خون کی آمیزش ہوئی تھی وہاں کس شکل میں یادگار تعمیر کی جائے ان تینوں مذہبوں کے پیرو محبت اور اخلاص کے رشتوں کو توڑ کر باہمی جنگ میں مصروف ہیں اور قوم حیران ہے کہ یادگار کے سرمایہ کو کس کام میں صرف کرے۔

چندہ جمع کرنے کے علاوہ مجھ میں مسودے تیار کرنے کی صلاحیت تھی اور یہ بھی کانگریس کے کام آسکتی تھی۔ کانگریس کے لیڈروں نے دیکھا کہ مجھے مختصر اور جامع عبارت لکھنے کا ملکہ ہے یہ بات میں نے مدت کی مشق میں حاصل کی تھی۔ کانگریس کا موجودہ دستور اساسی گو کھلے کا بنایا ہوا تھا۔ انہوں نے چند قوائد قلمبند کر دیئے تھے جن کے مطابق کانگریس چل رہی تھی۔ ان قواعد کے مرتب کئے جانے کی دلچسپ داستان میں نے خود گو کھلے کی زبانی سنی تھی۔ مگر کانگریس کا کام روز بروز بڑھتا جاتا تھا اور ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ موجودہ قواعد اس کی رہنمائی کے لئے ناکافی ہیں۔ یہ مسئلہ کئی سال سے کانگریس میں پیش ہو رہا تھا۔ ان دنوں کانگریس کے پاس کوئی مستقل عملہ نہیں تھا جو سالانہ اجلاس کے بعد بھی کام کرتا رہے اور نئے سال کے دوران میں جو اتفاقی معاملے پیش آجائیں ان سے عہدہ برآ ہو سکے۔ موجودہ قواعد کی رو سے چمن سیکرٹری منتخب ہوتے تھے مگر اصل میں صرف ایک شخص کام کرتا تھا اور وہ بھی اپنا پورا وقت نہیں دیتا تھا۔ سچ پوچھئے تو اتنا کام ایک شخص کے بس کا تھا بھی نہیں کہ کانگریس کے دفتر کو چلائے، اگلے اجلاس کی فکر کرے اور پچھلے اجلاس کے رزولیوشنوں کی تعمیل کرے۔ ہر شخص جانتا تھا کہ اس سال یہ مسئلہ اور بھی اہم ہوگیا ہے۔ کانگریس کے عام اجلاس میں وہ چپقلش ہوتی تھی کہ قومی معاملات پر بحث کرنا ناممکن تھا۔ نمائندوں کو کوئی تعداد مقرر نہ تھی۔ ہر صوبہ جتنے نمائندے چاہتا بھیج دیتا۔ اس بے ترتیبی کو رفع کرنے کی ضرورت عام طور پر محسوس کی جارہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ملک میں سب سے زیادہ اثر لوکمانیہ اور دیشبندھو کا ہے اس لئے میں نے درخواست کی کہ یہ حضرات رائے عامہ کے نمائندوں کی حیثیت سے میرے ساتھ اس کمیٹی میں کام کریں جو دستور اساسی کو ترتیب دینے کے لئے مقرر کی جارہی ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ ان حضرات کو خود اس کام میں شریک ہونے کی فرصت نہیں اس لئے میں نے یہ تجویز پیش کی کہ کمیٹی تین ممبروں پر مشتمل ہو جن میں سے دو ان دونوں صاحبوں کے معتمد ہوں اور ایک میں خود۔ اس تجویز کو لوکمانیہ اور دیشبندھو نے پسند کیا اور ان کی رائے سے کیلکر جی اور آئی۔ بی۔ سین باہوان کے نمائندے مقرر کر دیئے گئے۔

Marfat.com

اس کمیٹی کا جلسہ ایک بھی نہ ہو سکا۔ مگر ہم تینوں میں خط و کتابت کے ذریعے سے مشورہ ہوتا رہا اور آپس میں ہم نے متفقہ رپورٹ پیش کر دی مجھے ایک حد تک اس دستور اساسی کے بنانے پر ناز ہے ۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر اس پر پوری طرح عمل ہو تو یہی ہمیں سوراج دلانے کے لئے کافی ہے ۔ جب سے میں نے یہ ذمہ داری اپنے سر لی اس وقت سے میں واقعی کانگریس کی سیاست میں شریک ہو گیا۔

Marfat.com

Marfat.com

انتالیسواں باب

کھدر کی تحریک کا جنم

1900ء میں جب میں نے "ہند سوراج" میں کھدر کو ہندوستان کے روز افزوں افلاس کا علاج قرار دیا، اس وقت تک مجھے کبھی چرخہ یا کرگھا دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس کتاب میں میں نے یہ بات ایک بدیسی اصول کے طور پر پیش کی کہ جو ہندوستانیوں کو افلاس کی چکی میں پسنے سے بچائے اس سے گویا سوراج قائم کر دیا۔ ہندوستان کا افلاس دور ہوتے ہی سوراج خود بخود مل جائے گا۔ 1912ء میں جنوبی افریقہ سے واپسی تک مجھے چرخہ دیکھنا نصیب نہیں ہوا تھا جب سابرمتی میں ستیاگرہ آشرم قائم ہوا تو چند کرگھے بھی منگائے گئے مگر مشکل یہ تھی کہ سب وکیل مختار یا کاروباری لوگ تھے ہم میں سے کوئی دستکار نہ تھا۔ ایک کاریگر کی ضرورت تھی جو ہمیں بتا سکھائے۔ اس کے بغیر کرگھے بیکار تھے خدا خدا کر کے پالن پور سے ایک شخص لایا گیا۔ مگر اس نے بھی ہمیں اپنا ہنر پوری طرح نہیں بتایا۔ تاہم مگن لال گاندھی سے بچ کر جہاں جا سکتا تھا۔ انہیں دستکاری سے فطری مناسبت تھی اور انہوں نے تھوڑے ہی دن میں اس فن پر عبور حاصل کر لیا۔ آشرم میں یکے بعد دیگرے کئی آدمیوں نے بنائی کا کام سیکھ لیا۔

ہمارا مقصود یہ تھا کہ ہم سب اپنے ہاتھوں سے تیار کئے ہوئے کپڑے پہنیں اس لئے ہم نے مل کے بنے ہوئے کپڑے پہننا چھوڑ دیا اور یہ عہد کر لیا کہ صرف ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑے پہنیں گے اور وہ بھی ہندوستان کے کتے ہوئے سوت کے۔ اس تجویز پر عمل کرنے سے ہمیں بہت سے نئے تجربے حاصل ہوئے۔ ہمیں جلاہوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا اور یہ معلوم کرنے کا موقع ملا کہ ان کی زندگی کیونکر بسر ہوتی ہے، کارکردگی کتنی ہے، انہیں سوت ملنے میں کیا کیا دقتیں ہوتی ہیں، ان کے

Marfat.com

ساتھ کیسی کیسی دغابازیاں کی جاتی ہیں اور وہ کس طرح روز بروز قرض کے جال میں پھنستے جاتے ہیں۔ ہم فی الحال خود اتنا کپڑا بن سکتے تھے جتنا ہمیں درکار تھا اس لئے سوائے اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ جلاہوں سے کپڑا خریدیں مگر ہندوستانی ملوں سے تیار کیا ہوا کپڑا بڑی مشکل سے دستیاب ہوتا تھا۔ یہ جلاہے جتنا باریک کپڑا بنتے تھے سب باہر کے سوت سے کیونکہ ہندوستانی مل باریک سوت تیار نہیں کرسکتے تھے۔ آج بھی ہندوستان کے ملوں میں اوسط درجے کا باریک سوت بہت کم کاتا جاتا ہے اور زیادہ باریک سوت کاتنا تو ان کے لئے ممکن ہی نہیں بڑی مشکلوں سے چند جلاہے اس پر راضی ہوئے کہ ہمارے لئے سودیشی سوت کا کپڑا بنیں اور وہ بھی اس شرط پر کہ وہ جتنا کپڑا تیار کریں آشرم سب خرید لے۔ غرض ہم لوگوں نے خود بھی مل کے سوت کا کپڑا پہننا شروع کیا اور اپنے دوستوں میں بھی اس کا پرچار کیا۔ اس طرح ہم کتائی کا کام کرنے والے ہندوستانی ملوں کے رضاکار ایجنٹ بن گئے اس ذریعے سے ہمیں ملوں کے انتظامات اور ان کی دقتوں سے بھی واقفیت ہوگئی۔ ہم نے دیکھا کہ ان ملوں کا مقصد یہ ہے کہ جتنا سوت کاتیں اسے خود ہی بنا بھی کریں وہ اپنی خوشی سے جلاہوں سے اتحاد عمل نہیں کرتے ہیں بلکہ مجبوری ہے، اور یہ تعلق محض عارضی ہے ہمیں یہ فکر پیدا ہوئی کہ ہم اپنے لئے خود سوت کاتا کریں کیونکہ بغیر اس کے ہم ملوں کے محتاج رہیں گے ہمیں یہ محسوس ہوا کہ ہم ملوں کے ایجنٹ کی حیثیت سے ملک کی کوئی خدمت نہیں کرسکتے۔

اب ہمیں پہلے سے بھی زیادہ مشکلوں کا سامنا ہوا نہ کہیں چرخہ دستیاب ہوتا تھا اور نہ کوئی کاتنے والا ملتا تھا جو ہمیں کاتنا سکھائے۔ آشرم میں چند چرخے تھے جن سے ہم لکڑیوں پر سوت چڑھاتے تھے مگر ہمیں یہ خبر نہ تھی کہ ان سے سوت بھی کاتا جاسکتا ہے۔ ایک بار کالیدس جوہری کو ایک عورت ملی جو بقول ان کے کاتنا سکھانے کے لئے تیار تھی آشرم کا ایک طالب علم جسے نئی چیزیں سیکھنے سے خاص مناسبت تھی اس عورت کے پاس بھیجا گیا مگر وہ بھی اس راز کو معلوم کئے بغیر لوٹ آیا۔

غرض اسی طرح وقت گزرتا رہا اور ہماری بے صبری بڑھتی گئی۔ آشرم کے آنے جانے والوں میں سے جس شخص کی نسبت یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید یہ کتائی سے واقف ہو اس سے میں اس فن کے متعلق سیکڑوں سوال کر ڈالتا تھا۔ لیکن معلوم یہ ہوا کہ یہ فن عورتوں تک محدود ہے اور ان میں بھی قریب قریب معدوم ہوچکا ہے جو اکادکا کاتنے والیاں رہ گئی ہیں ان کا پتہ کسی عورت ہی سے چلے گا۔

1917ء میں میرے گجراتی دوستوں نے مجھے بڑوچ کا تعلیمی کانفرنس کی صدارت کے لئے مدعو کیا۔ وہاں گنگا بین موزمدار سے ملاقات ہوئی ان خاتون کی ذات عجیب وغریب صفات کا مجموعہ تھی۔ یہ

Marfat.com

ایک بیوہ عورت تھیں مگر ان کا حوصلہ دیکھ کر مردوں کو رشک آتا تھا وہ کچھ زیادہ پڑھی لکھی نہ تھیں مگر ہمت و جرات اور سمجھ بوجھ میں عام تعلیم یافتہ عورتیں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ انہوں نے چھوت چھات کا تعصب دل سے نکال دیا تھا اور بے تکلف اچھوتوں سے ملتی جلتی اور ان کی خدمت کرتی تھیں۔ وہ اپنے گھر سے خوش تھیں مگر ان کی ضروریات بہت محدود تھیں۔ ان کا جسم خاصہ مضبوط تھا اور جہاں چاہتی تھیں اکیلی چلی جاتی تھیں انہیں گھوڑے کی سواری کی خاصی مشق تھی مجھے ان سے گودھرا کی کانفرنس میں زیادہ تفصیل سے بات چیت کرنے کا موقع ملا۔ میں نے انہیں بھی اپنا چرخے کا دکھڑا کہہ سنایا انہوں نے وعدہ کیا کہ چرخے کی تلاش میں دل و جان سے کوشش کروں گی۔ اس سے میرے دل کا بوجھ بہت ہلکا ہو گیا۔

Marfat.com

Marfat.com

چالیسواں باب

مل گیا!

گنگا بین نے چرخے کی تلاش میں تمام گجرات چھان مارا اور آخر اسے دیجا پور (ریاست بڑودہ) میں ڈھونڈھ نکالا وہاں اکثر لوگوں کے گھروں میں چرخے تھے مگر مدت ہوئی انہوں نے بے کار سمجھ کر کباڑ کوٹھڑی میں ڈال دیئے تھے۔ انہوں نے کہا اگر ہمیں پونیاں ملتی رہیں اور کوئی سوت خرید لیا کرے تو ہم پھر چرخا کاتنا شروع کر دیں۔ گنگا بین نے یہ خوشخبری مجھے سنائی۔ پونیوں کا انتظام کرنا ہمارے لئے دشوار تھا۔ عمر سوبانی مرحوم سے اس کا ذکر آیا تو انہوں نے فوراً وعدہ کر لیا کہ جتنی پونیوں کی ضرورت ہو گی اپنے مل سے بھیج دیا کریں گے یہ مشکل بھی آسان ہو گئی عمر سوبانی کے یہاں سے جو پونیاں آتی تھیں وہ گنگا بین کو بھیج دیا کرتا تھا۔ تھوڑے دنوں میں اتنا سوت آنے لگا کہ ہمیں بتا مشکل ہو گیا۔

سیٹھ عمر سوبانی دریا دل آدمی تھے مگر آخر ہم کب تک ان کی فیاضی سے فائدہ اٹھاتے مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ ہم ان سے پونیاں لیتے چلے جائیں۔ اس کے علاوہ میرے نزدیک مل کی پونیاں استعمال کرنا اصولاً ناجائز تھا کیونکہ مل کی پونیوں سے کام لینا ایسا ہی تھا جیسا مل کا کتا ہوا سوت استعمال کرنا۔ میں نے سوچا کہ آخر پرانے زمانے میں لوگ چرخا کاتتے تھے تو پونیاں کہاں سے آتی تھیں؟ کیا وہ بھی ملوں سے لیا کرتے تھے؟

ان خیالات کی بنا پر میں نے گنگا بین سے کہا کہ دھنیے تلاش کیجئے جو پونیاں بنا کر دیا کریں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا یہ کونسی بڑی بات ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک دھنیا پینتیس روپے مہینے پر رکھ لیا اور کئی لڑکوں کو پونیاں بنانا سکھا دیا۔ میں نے بمبئی میں روئی کی بھیک مانگی۔ یشونت پرشاد دیسائی نے میری جھولی بھر دی گنگا بین کا کام امید سے بڑھ کر سرسبز ہوا۔ انہوں نے دیجا پور کے کتے ہوئے سوت کو بننے کے لئے جلاہے بھی ڈھونڈھ نکالے اور تھوڑے دن میں دیجا پور کا کھدر مشہور ہو گیا۔

Marfat.com

اس عرصے میں آشرم میں بھی چرخا چلنے لگا۔ مگن لال گاندھی نے پانی قوت انتزع سے کام لے کر چرخے میں بہت کچھ اصلاح کی اور چرخے اور ان کے کل لوازمات آشرم میں تیار ہونے لگے۔ کھدر کا پہلا تھان آشرم میں تیار ہوا اس پر سترہ آنے فی گز لاگت آئی میں نے بے تامل اپنے دوستوں سے اصرار کیا کہ یہ موٹا بھدا کپڑا ان داموں میں خریدیں انہوں نے خوشی سے قبول کر لیا۔

میں بمبئی میں بستر علالت پر پڑا ہوا تھا۔ مگر اتنی طاقت تھی کہ چرخے کو تلاش جاری رکھوں آخر مجھے دو کاتنے والیاں مل گئیں۔ وہ مجھ سے اٹھائیس تولے سوت کا ایک روپیہ لیتی تھیں میں ان دنوں کھدر کے کاروباری پہلو سے ناواقف تھا ہاتھ کا کاتا سوت میرے نزدیک کسی طرح مول منگانا تھا ان کی شرح کا مقابلہ دیجاپور کی شرح سے کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مجھے ٹھگ رہی ہیں۔ میں نے انہیں بہت سمجھایا مگر وہ کسی طرح کمی پر راضی نہ ہوئیں۔ اس لئے مجبوراً انہیں رخصت کرنا پڑا۔ مگر ان سے جو کام لینا تھا وہ لیا جا چکا تھا۔ اونتکا بائی، رامی بائی، کامدا شنکر لال بینکر کی والدہ اور داسومتی بین نے ان سے چرخا کاتنا سیکھا لیا تھا میرے کمرے میں چرخا چلنے لگا اور میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ اس کے جانفزا نغمے نے میری شفایابی میں بہت مدد دی۔ میں مانتا ہوں کہ اس کا اثر جسمانی نہیں بلکہ نفسیاتی تھا۔ مگر اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی جسمانی حلت بڑی حد تک اس کی نفسی کیفیت کے تابع ہے۔ میں نے بھی چرخا کاتنا چاہا مگر اس وقت کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

بمبئی میں پھر وہی پونیوں کی دقت پیش آئی۔ دیوا شنکر جی کے مکان کے قریب سے ایک دھنیا روز اپنی دھنکی بجاتا گزرا کرتا تھا۔ میں نے اسے بلوایا تو معلوم ہوا کہ توشکوں میں بھرنے کے لئے روئی دھنکتا ہے وہ پونیوں کے لئے روئی دھنکنے پر راضی ہو گیا مگر اس نے دام بہت مانگے اور مجھے دینا پڑے میں یہ کہتا ہوا سوت بعض ویشنو دوستوں کو دیدیا کرتا تھا کہ وہ پوترا کا دشی کے تہوار کے لئے اس کے ہار بنوالیں شیوجی نے بمبئی میں کتائی کا ایک کلاس بھی کھول دی۔ ان سب تجربوں میں خرچ بہت ہو جاتا تھا مگر وطن پرست احباب کھدر پر عقیدہ رکھتے تھے خوشی سے یہ تمام مصارف برداشت کرتے تھے۔ میری ناقص رائے میں یہ روپیہ برباد نہیں ہوا۔ اس سے ہمیں بڑے قیمتی تجربے حاصل ہوئے اور یہ معلوم ہوا کہ چرخے کی کامیابی کے لئے کتنا وسیع میدان ہے۔

اب مجھے یہ جوش اٹھا کہ خالص کھدر کا لباس اختیار کروں۔ ابھی تک میں مل کے سوت کی بنی ہوئی دھوتی باندھتا تھا موٹا کھدر کا کپڑا جو آشرم میں یا دیجاپور میں بنا جاتا تھا اس کا عرض صرف 30 انچ تھا۔ میں نے گنگا بین سے کہہ دیا کہ اگر آپ نے مجھے ایک مہینے کے اندر پینتالیس انچ کے عرض کی دھوتی

Marfat.com

تیار کرا کر نہ دی تو میں اسی چھوٹے عرض کے کھدر کی دھوتی باندھنا شروع کر دوں گا۔ وہ اس الٹیمیٹم سے بہت گھبرائیں مگر انہوں نے وہ کام کر دکھایا جو میں چاہتا تھا۔ ایک مہینے سے پہلے ہی انہوں نے 45 انچ عرض کے کھدر کا دھوتیوں کا جوڑا بھیج دیا۔

اسی زمانے میں لکشمی داس جی، رام جی کولی اور ان کی بیوی گنگا بین کو لاٹھی گاؤں سے آشرم میں لائے۔ اب آشرم میں بھی دھوتی بنی جانے لگی۔ ان میاں بیوی کی بدولت کھدر کی ترقی میں بہت مدد ملی۔ انہوں نے گجرات میں اور دوسرے مقامات پر بہت سے لوگوں کو ہاتھ کے کتے ہوئے سوت کا کپڑا بننا سکھا دیا۔ گنگا بین کو کرگھے پر کام کرتے دیکھ کر دل پر بڑا اثر ہوا ہے جب وہ بننا شروع کرتی ہیں تو اس قدر محو ہو جاتی ہیں کہ کچھ بھی ہو جائے انہیں خبر نہیں ہوتی اور ان کی نظر اپنے پیارے کرگھے سے نہیں ہٹتی۔

Marfat.com

Marfat.com

اکتالیسواں باب

ایک سبق آموز مکالمہ

ملوں کے مالک پہلے ہی دن سے کھدر کی تحریک سے جو اس زمانے میں سودیشی کی تحریک کہلاتی تھی اختلاف رکھتے تھے۔ عمر سوبانی مرحوم جو خود اپنے مل بڑی قابلیت سے چلاتے تھے مجھے اپنی معلومات اور تجربے سے مدد دیا کرتے تھے اور دوسرے مل والوں کے خیالات سے مطلع کرتے رہتے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب کے استدلال کا مجھ پر بہت اثر ہا انہوں نے مجھ سے ملنے پر اصرار کیا۔ میں راضی ہوگیا۔ عمر سوبانی صاحب نے ہم دونوں کی ملاقات کا انتظام کر دیا۔ سیٹھ صاحب نے گفتگو ان الفاظ سے شروع کی "آپ کو معلوم ہے کہ پہلے بھی سودیشی کی جدوجہد ہو چکی ہے؟" میں نے کہا "جی ہاں معلوم ہے"۔

آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ تقسیم بنگال کے زمانے میں ہم مل والوں نے سودیشی کی تحریک سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو خوب لوٹا جب یہ تحریک شباب پر پہنچی تو ہم نے کپڑے کی قیمت بڑھا دی اور اس سے بھی زیادہ شرمناک حرکتیں کیں۔

"ہاں میں یہ سن چکا ہوں اور اس سے مجھے بہت دکھ پہنچا۔"

"بے شک آپ کو رنج ہوا ہوگا لیکن میرے نزدیک اس میں رنج کی کوئی بات نہیں ہم اپنا کاروبار کچھ خلق خدا کی خدمت کے لئے تو نہیں چلاتے ہمیں نفع کمانا ہے اور اپنے حصہ داروں کو خوش کرنا ہے۔ چیزوں کی قیمت ان کی مانگ پر موقوف ہے طلب اور رسد (1) کے قانون پر عملدر آمد کون روک سکتا ہے؟ بنگالیوں کو پہلے ہی سمجھ لینا چاہئے تھا کہ ان سے ایجیٹیشن سے سودیشی کی مانگ بڑھے گی اور قیمتیں خود بخود چڑھ جائیں گی۔

میں نے ان کی بات کاٹ کر کہا کہ بنگالی بھی میری طرح سادہ دل تھے۔ وہ خوش عقیدگی سے یہ

Marfat.com

سمجھتے تھے کہ ملوں کے مالک اتنے خود غرض اور بے حمیت بھی کیا ہوں گے کہ اپنے ملک کو وقت پر دھوکا دیں اور بے ایمانی سے بدیشی کپڑے کو سودیشی کہہ کر بیچیں۔"

انہوں نے جواب دیا "میں آپ کی سادہ دلی سے واقف ہوں اسی لئے میں نے آپ کو یہاں آنے کی زحمت دی۔ میں آپ کو آگاہ کئے دیتا ہوں کہ کہیں وہی غلطی نہ کیجئے گا جو ان بھولے بھالے بنگالیوں نے کی تھی۔

یہ کہہ کر انہوں نے منشی کو اشارہ کیا اور اس نے ان کے مل کا بنا ہوا کپڑا لا کر مجھے دکھایا سٹھ صاحب نے کہا "دیکھئے یہ نیا مال ہمارے یہاں تیار ہوا ہے۔ اس کی ہر طرف سے مانگ آرہی ہے۔ یہ ہم ادنیٰ درجے کی روئی سے بناتے ہیں اس لئے بہت سستا ہوتا ہے۔ ہم اسے شمال میں ہمالیہ کی وادیوں تک بھیجتے ہیں۔ ہماری ایجنسیاں سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں ہمارے گماشتے ایسے ایسے مقامات پر موجود ہیں جہاں نہ آپ کی آواز پہنچ سکتی ہے اور نہ آپ کے کارکن۔ ہمیں اور ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ آپ جانتے ہوں گے کہ ہندوستان میں جتنے کپڑے کی کھپت ہے اس سے بہت کم پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے سودیشی کے مسئلے کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ کپڑے کی پیدائش (1) بڑھائی جائے۔ جب ہم کافی مقدار میں اچھا کپڑا بنانے لگیں گے تو باہر کا کپڑا آنا خود بخود بند ہو جائے گا۔ اس لئے میں آپ کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ آپ جدوجہد اب کر رہے ہیں اسے چھوڑ دیجئے اور نئے مل کھلوانے کی کوشش کیجئے۔ ملک کو اس کی ضرورت نہیں کہ جو مال موجود ہے اس کی مانگ بڑھے بلکہ اور مال کی ضرورت ہے۔"

میں نے کہا "پھر تو آپ کو میری کوششوں کی قدر کرنی چاہئے۔ میں وہی کر رہا ہوں جو آپ چاہتے ہیں۔ انہوں نے کسی قدر تعجب سے پوچھا یہ کیسے؟ کیا آپ نئے مل کھلوانے کی فکر کر رہے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو یقیناً آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔"

میں نے جواب دیا۔ یہ تو نہیں مگر میں چرخے کو دوبارہ رواج دینے کی کوشش کر رہا ہوں اب وہ اور بھی چکرائے اور کہنے لگے "یہ کیا چیز ہے؟"

میں نے چرخے کی داستان انہیں سنائی اور کہا میں آپ کی رائے سے بالکل متفق ہوں اس سے کوئی فائدہ نہیں کہ میں ملوں کا رضاکار ایجنٹ بن جاؤں بلکہ اس میں ملک کا نقصان ہے۔ ہمارے ملوں کے لئے عرصے تک گاہکوں کی کمی نہیں ہوگی۔ میرا کام یہ ہونا چاہئے اور ہے کہ ہاتھ کا کتا ہاتھ کا بنا کپڑا تیار کراؤں اور اس کی فروخت کا انتظام کروں۔ اس لئے میں اپنی پوری توجہ کھدر کی پیدائش پر صرف کرہا

Marfat.com

ہوں ۔ میں سودیشی کی اس شکل پر اس لئے جان دیتا ہوں کہ اس کے ذریعے سے ہندوستان کی عورتوں کا بھلا ہو جنہیں کافی کام نہیں ملتا اور پیٹ بھر روٹی میسر نہیں آتی ۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ عورتیں سوت کاتیں اور اس سے جو کھدر بنا جائے اسے ہندوستان کے لوگ پہنیں ۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ تحریک کہاں تک کامیاب ہوگی ۔ ابھی تو یہ محض ابتدائی حالت میں ہے مگر میرا عقیدہ ہے کہ میرا ایک دن ضرور پھلے پھولے گی ۔ بہر صورت اس میں کسی نقصان کا اندیشہ تو ہو ہی نہیں سکتا ۔ اس سے ملک کے کپڑے کی پیدائش میں خفیف سا اضافہ بھی ہو جائے تو کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہوگا ۔ اب تو غالباً آپ یہ تسلیم ربں گے اس تحریک میں وہ کمزوریاں نہیں ہیں جن کا آپ نے ذکر کیا تھا ۔"

محمد نے جواب دیا "اگر اس تحریک کے چلانے سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ کپڑے کی پیدائش بڑھے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ۔ رہا یہ کہ مشینوں کے زمانے میں چرخا چل سکتا ہے یا نہیں یہ دوسرا سوال ہے ۔ بہر حال میری یہی تمنا ہے کہ آپ کی تحریک کامیاب ہو ۔

حوالہ جات

1- Demanand supply

2- Production

Marfat.com

Marfat.com

بیالیسواں باب

چڑھتا دریا

میں یہاں کھدر کی مزید نشو نما کا ذکر نہیں کر سکتا۔ اس کتاب میں مختلف تحریکوں کی پوری تاریخ کی گنجائش نہیں۔ خصوصاً کھدر کی داستان بیان کرنے کے لئے تو ایک جداگانہ کتاب کی ضرورت ہے۔ مجھے ان اوراق میں صرف یہ دکھانا ہے کہ تلاش حق کے سلسلے میں کس طرح بعض نکتے مجھے خود بخود سوجھ گئے۔

اس لئے میں اس ذکر کو چھوڑ کر ترک موالات کی کہانی پوری کرتا ہوں۔ علی برادران کی شروع کی ہوئی تحریک خلافت شباب پر تھی۔ مجھ سے مولانا عبدالباری مرحوم اور دوسرے علمار سے اس کے متعلق طول طویل بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ خصوصاً یہ مسئلہ درپیش رہا تھا کہ ایک مسلمان کس حد تک عدم تشدد کا پابند رہ سکتا ہے۔ آخر سب علمار اس بات پر متفق ہو گئے کہ اسلام میں عدم تشدد پالیسی کے طور پر اختیار کرنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ جتنے عرصے کے لئے مسلمان اس پالیسی کو برتنے کا عہد کر لیں اتنے دنوں اس کی پابندی ان پر فرض ہے۔ بہت غور و تامل کے بعد پاس ہو گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک بار الہ آباد میں کمیٹی رات بھر اس مسئلے پر غور کرتی رہی۔ ابتدا میں حکیم صاحب مرحوم کو عدم تشدد پر مبنی ترک موالات کے قابل عمل ہونے میں شبہہ تھا۔ لیکن جب ان کا یہ شبہہ رفع ہو گیا تو وہ دل و جان سے اس تحریک میں شریک ہو گئے اور ان کی شرکت سے اسے بے حد تقویت پہنچی۔

اس کے کچھ دن بعد میں نے ترک موالات کا رزولیوشن گجرات کی پولٹیکل کانفرنس میں پیش کیا۔ مخالف پارٹی نے پہلا اعتراض یہ کیا کہ ایک صوبے کی کانفرنس اس کی مجاز نہیں کہ کانگریس پر سبقت کر کے کوئی رزولیوشن پاس کرے میں نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ قید صرف پیچھے ہٹنے کے معاملے

Marfat.com

میں ہے۔ آگے قدم بڑھانے کا ماتحت انجمنوں کو ہر وقت اختیار ہے بلکہ اگر ان میں ہمت اور حوصلہ ہو تو ان کا فرض ہے اگر ماتحت انجمن کانگریس کا اقتدار بڑھانے کے لئے کوئی تدبیر عمل میں لانا چاہئے تو اجازت کی ضرورت نہیں بہ شرطیکہ وہ جو کچھ کرے اپنی ذمہ داری پر کرے۔ اس کے بعد نفس تجویز پر غور کیا جانے لگا۔ دونوں طرف سے بحث میں بڑی گرما گرمی رہی مگر تحمل اور معقولیت کے ساتھ ووٹ لئے گئے تو منافقین کی تعداد بہت زیادہ نکلی اور رزولیوشن کثرت رائے سے پاس ہو گیا۔ یہ کامیابی زیادہ تر ڈلبھ بھائی اور عباس طیب جی کی ذات سے ہوئے۔ طیب جی صدر تھے اور ان کا رجحان ترک موالات کے رزولیوشن کی طرف تھا۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے یہ طے کیا کہ ستمبر 1921ء میں اس مسئلے پر غور کرنے کے لئے جلسہ خاص منعقد کیا جائے۔ لالہ لاجپت رائے صدر منتخب ہوئے کانگریس کی تیاریاں بہت بڑے پیمانے پر ہوئیں بمبئی سے کانگریس اور خلافت کی اسپیلیں چھوٹیں۔ غرض کلکتے میں نمائندوں اور تماشائیوں کا جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔

مولانا شوکت علی کی فرمائش سے میں نے ریل میں ترک موالات کے رزولیوشن کا مسودہ مرتب کیا۔ اب تک میں نے اپنے مسودوں میں Non violent کا لفظ لانے سے پرہیز کیا تھا مگر اپنی تقریر میں بے تکلف یہ لفظ استعمال کرتا تھا۔ اس موضوع کے متعلق ابھی میرے پاس الفاظ کا ذخیرہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ مسلمانوں کے مجمعے میں Non- Violent کا مترادف سنسکرت لفظ استعمال کرتا ہوں تو لوگ میرا مطلب پوری طرح نہیں سمجھتے۔ اس لئے مولانا ابوالکلام سے کہا کہ اس کے لئے کوئی اردو کا لفظ بتائیے۔ انہوں نے اس کا "ترجمتہ باامان" اور نان کو آپریشن کا "ترک موالات" تجویز کیا۔

غرض میں ہنوز نان کو آپریشن کے لئے ہندی گجراتی اور اردو کی مناسب اصلاحیں ڈھونڈنے میں مصروف تھا کہ مجھے اس معرکے کی کانگریس میں ترک موالات کا رزولیوشن پیش کرنا پڑا۔ اصل مسودے میں Non- violent کا لفظ رہ گیا تھا۔ رات کو مجھے اس غلطی کا خیال آیا۔ صبح اٹھتے ہی میں نے مہادیو کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ مسودے کو اخباروں میں بھیجنے سے پہلے یہ غلطی درست کر دی جائے مگر مجھے خیال پڑتا ہے کہ مسودہ پہلے ہی چھپ چکا تھا اسی دن شام کو سبجکٹس کمیٹی کا جلسہ ہونے والا تھا۔ مجھے چھپی ہوئی کاپیوں میں اپنے قلم سے یہ ترمیم کرنا پڑی آگے چل کر معلوم ہوا کہ اگر میرا مسودہ تیار نہ ہوتا تو بڑی مشکل پڑ جاتی۔

Marfat.com

اب بھی میری حالت قابل رحم تھی ۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ کون رزولیوشن کی تائید کرے گا کون مخالفت کرے گا یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ لالہ جی کا رویہ کیا ہوگا البتہ یہ میں دیکھ رہا رہا تھا کہ اس معرکے کے لئے بڑے بڑے تجربہ کار نبرد آزما کلکتے میں صف آرا ہیں جیسے ڈاکٹر مبینٹ پنڈت مالوی جی وجیاراگھو چاری جی، پنڈت موتی لال، ویشبندھو داس ۔

میں نے اپنے رزولیوشن میں ترک موالات کا مقصد صرف یہ قرار دیا تھا کہ حکومت کو خلافت اور پنجاب کے معالے میں انصاف کرنے پر مجبور کیا جائے ۔ یہ بات وجیاراگھو چاری جی کو پسند نہیں آئی ۔ انہوں نے کہا: "اگر ترک موالات کرنا ہی ہے تو کسی ضمنی بے انصافی کو دور کرانے کے لئے کیوں کیا جائے ۔ ملک پر سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ وہ سوراج سے محروم ہے ۔ اسی کی چارہ جوئی کے لئے ترک موالات کرنا چاہیئے، پنڈت موتی لال جی بھی یہی چاہتے تھے کہ رزولیوشن میں سوراج کے مطالبے کا اضافہ کردیا جائے میں نے یہ تجویز خوشی سے قبول کرلی اور اپنے رزولیوشن میں سوراج کا مطالبہ بھی شامل کرلیا ۔ کانگریس میں اس کے ہر پہلو پر نہایت سرگرمی سے بحث ہوئی اور جس میں کبھی کبھی تندی اور تلخی بھی پیدا ہو جاتی تھی ۔ آخر رزولیوشن کثرت رائے سے پاس ہو گیا ۔

سب سے پہلے پنڈت موتی لال ہی اس تحریک میں شریک ہوئے ۔ اس معاملے میں مجھ سے ان سے جو دوستانہ بحث ہوئی تھی ۔ وہ مجھے ابتک یاد ہے ۔ انہوں نے بعض اصلاحوں میں ترمیمیں تجویز کیں انہیں میں نے قبول کرلیا انہوں نے بیڑا اٹھایا کہ میں دیشبندھو کو بھی اس تحریک میں کھینچ لاؤں گا دیشبندھو کا دل خود اس طرف کھچتا تھا مگر انہیں یقین نہ تھا کہ لوگ اس پروگرام پر عمل کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں اصل میں وہ اور لالہ جی ناگ پور کی کانگریس میں اس تحریک میں دل سے شامل ہوئے ۔

کانگریس کے اجلاس میں صرف میرا دل لوکمانیہ کی یاد میں تڑپتا تھا مجھے آج تک یقین ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو اس وقت مجھے شیرباد دیتے اور اگر وہ مخالفت بھی کرتے تو میں ان کی مخالفت کو اپنے لئے باعث عزت سمجھتا اور اس سے سبق حاصل کرتا ہم دونوں میں بعض باتوں میں اختلاف بھی تھا مگر اس کی وجہ سے کبھی ہمارے باہمی تعلقات میں تلخی نہیں پیدا ہوئی ۔

ان کا برتاؤ میرے ساتھ ہمیشہ دوستی اور محبت کا رہا ۔ ان سطرونکو لکھتے وقت ان کی موت کے واقعات میری آنکھوں میں پھر رہے ہیں ۔ آدھی رات کو پٹوردھن نے جو ان دنوں میرے رفیق تھے ٹیلیفون سے ان کے انتقال کی خبر سنائی ۔ میں اس وقت اپنے ساتھیوں کے حلقے میں بیٹھا ہوا تھا ۔ میری

Marfat.com

زبان پر خود بخود یہ الفاظ جاری ہو گئے میرا پشت و پناہ دنیا سے اٹھ گیا۔

ترک موالات کی تحریک پورے شباب پر تھی اور میں ان سے تقویت اور فیضان کا متوقع تھا کوئی نہیں کہہ سکتا ان کا ردیہ ترک موالات کی آخری شکل کے متعلق کیا ہوتا مگر یہ یقینی ہے کہ ان کے انتقال سے کلکتے میں عام اداسی چھائی ہوئی تھی اور ہر شخص افسردہ نظر آتا تھا۔ ہر شخص کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ قومی تاریخ کے اس نازک موقعے پر ان کی ہدایت اور رہنمائی کی بڑی ضرورت تھی۔

Marfat.com

تینتالیسواں باب

ناگ پور میں

کلکتے میں کانگریس کے جلسہ خاص میں جو رزولیوشن پاس ہوئے تھے وہ ناگ پور کی کانگریس میں منظوری کے لئے پیش ہوئے یہاں بھی کلکتے کی طرح نمائندوں اور تماشائیوں کا بڑا ہجوم تھا ابھی تک نمائندوں کی تعداد محدود نہیں ہوئی تھی چنانچہ جہاں تک مجھے یاد ہے اس موقع پر چودہ ہزار نمائندے موجود تھے، لالہ جی میرے رزولیوشن کے اس حصے میں جو اسکولوں کے مقاطعے متعلق تھا کچھ خفیف سی ترمیم چاہتے تھے جسے میں نے قبول کرلیا۔ اسی طرح دیشبندھو کی رائے سے کچھ ترمیمیں ہوئیں۔ اس کے بعد ترک موالات کا رزولیوشن اتفاق رائے سے پاس ہوگیا۔

اسی اجلاس میں کانگریس کے دستور اساسی کی ترمیم و تنسیخ کا رزولیوشن پیش ہونے والا تھا۔ کلکتے کے جلسہ خاص میں سب کمیٹی کے مرتب کئے ہوئے مسودے پر بحث ہو چکی تھی اور اس کے ہر پہلو سے غور کرلیا گیا تھا۔ ناگ پور میں وجیاراگھوچاری جی کے زیر صدارت سبجکٹس کمیٹی نے ایک اہم تبدیلی کرنے کے بعد اسے پاس کردیا۔ وہ تبدیلی یہ تھی کہ میرے مسودے میں غالباً نمائندوں کی تعداد 1500 تھی اور اب 6000 کردی گئی۔ میری رائے میں یہ اضافہ ناعاقبت اندیشی پر مبنی تھا۔ اس کے بعد کے اجلاسوں میں جو تجربے ہوئے ان سے میری رائے کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ محض خیال ہی خیال ہے کہ نمائندوں کی تعداد زیادہ ہونے سے کام میں آسانی ہوتی ہے یا جمہوریت کے اصولوں پر عمل ہوتا ہے۔ پندرہ سو مخلص اور روشن خیال نمائندے جنہیں دل سے قوم کی بہبود کی فکر ہو ان چھ ہزار غیر ذمہ دار آدمیوں سے جو اٹکل پچو منتخب کردیئے جائیں کہیں زیادہ جمہوریت کے ضامن ہوں گے جمہوریت کی اصلی ضمانت یہ ہے کہ لوگوں میں آزادی، خودداری اور قومی اتحاد کا گہرا احساس ہو اور وہ انہیں لوگوں کو اپنا نمائندہ بنائیں جو نیک اور سچے ہوں لیکن سبجکٹس کمیٹی کے دماغ پر تعداد کی زیادتی کا خیال

Marfat.com

اس قدر مسلط تھا کہ وہ اس سے بھی زیادہ نمائندہ رکھنا چاہتی تھی۔ بڑی مشکل سے چھ ہزار پر سمجھوتا ہوا۔

کانگریس کے نصب العین کے سوال پر بڑی گرما گرمی سے بحث ہوئی۔ میں نے اپنے دستور اساسی میں کانگریس کا نصب العین یہ رکھا تھا "سوراج حاصل کرنا اگر ممکن ہو تو سلطنت برطانیہ کے اندر ورنہ اس کے باہر" کانگریس کی ایک پارٹی یہ چاہتی تھی اس کا نصب العین سلطنت برطانیہ کے اندر سوراج حاصل کرنے تک محدود کر دیا جائے اس پارٹی کے خیالات پنڈت مالویہ جی اور مسٹر جناح نے کانگریس کے سامنے پیش کئے مگر انہیں زیادہ ووٹ نہ مل سکے۔ میرے مسودے میں یہ شرط بھی تھی کہ سوراج حاصل کرنے کے لئے باامن اور جائز ذریعے استعمال کئے جائیں۔ بعض لوگوں نے اس شرط کی مخالفت کی اور کہا کہ ذرائع کو محدود کر دینا مناسب نہیں۔ لیکن کانگریس نے بہت کچھ بحث و مباحثے کے بعد اصل مسودے کو پاس کر دیا۔ میرا یہ خیال ہے کہ اگر لوگ اس دستور پر سمجھ بوجھ کر دیانتداری اور خلوص سے عمل کرتے تو عوام کی تعلیم اور تنظیم میں بڑی کامیابی ہوئی اور یہ بجائے خود ہمیں سوراج دلانے کے لئے کافی تھا۔

اسی کانگریس میں ہندو مسلم اتحاد اور کھدر کی حمایت اور چھوت کی اصلاح کے رزولیوشن بھی پاس ہوئے۔ اسی دن سے کانگریس کے ہندو ممبروں نے اپنے سر یہ ذمہ داری لے لی کہ ملک کو چھوت چھات کی لعنت سے پاک کر دیں گے اور کانگریس نے کھدر کے ذریعے سے ہندوستان کے فاقہ کش غریبوں سے ہمدردی اور محبت کا مضبوط رشتہ قائم کر لیا۔ خلافت کی تائید میں ترک موالات کی تحریک شروع کر کے ناگپور کی کانگریس نے ہندو مسلم اتحاد کی عملی بنیاد بھی ڈال دی۔

Marfat.com

خدا حافظ

اب میں اس مقام پر پہنچ گیا ہوں جہاں ان اوراق کو ختم کر دینا چاہیئے۔ اس کے بعد میری زندگی کے جتنے واقعات ہیں ان سے لوگ بخوبی واقف ہیں پھر ایک اور وجہ بھی ہے جو مجھے خاموشی پر مجبور کرتی ہے۔ 1921ء سے مجھ سے کانگریس کے لیڈروں سے اس قدر ربط ضبط رہا کہ اگر میں اس کے بعد کا کوئی واقعہ اپنی زندگی کا بیان کروں تو اپنے اور ان کے تعلقات کا ذکر کرنا پڑے گا۔ کیونکہ گو آج ثردھانند جی ویشبندھو حکیم صاحب اور لالہ جی دنیا میں نہیں ہیں مگر ہماری خوش نصیبی سے اور بہت سے پختہ کار کانگریس لیڈر ابھی موجود ہیں۔ کانگریس کی تاریخ میں ان تبدیلیوں کے بعد سے جن کا میں نے ذکر کیا ایک اہم دور آیا ہے جس کے اثرات ابھی پوری طرح ظاہر نہیں ہوئے پچھلے سات سال میں میں نے جتنے قابل ذکر تجربے کئے سب کانگریس کے ذریعے سے کئے اس لئے اگر ان تجربوں کی داستان چھیڑوں تو ان معاملات کا ذکر کرنا ناگزیر ہے جو میرے اور ان لیڈروں کے درمیان پیش آئے اور یہ کم سے کم اس وقت کسی طرح مناسب نہیں علاوہ اس کے جو تجربے میں نے حال میں کئے ہیں ان سے ابھی کوئی قطعی نتیجے بھی نہیں نکالے جاسکتے اس لئے میں اپنا صریح فرض سمجھتا ہوں کہ اس داستان کو یہیں پر ختم کردوں سچ پوچھئے تو میرا قلم آگے بڑھتا ہیں نہیں۔

اس کتاب کے پڑھنے والوں سے رخصت ہونا مجھ پر بہت شاق ہے۔ میں اپنے ان تجربوں کو بہت قیمتی سمجھتا ہوں۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں ان کے بیان کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوا ہوں۔ البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان کی سچی تصویر پیش کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ میری اول سے آخر تک یہی کوشش رہی کہ حق کا جو جلوہ مجھے نظر آیا اور جس طرح نظر آیا اسے بے کم و کاست بیان کردوں۔ اس مشق سے مجھے بڑا اطمینان قلب نصیب ہوا کیونکہ میرے دل میں ہمیشہ یہ امید رہی کہ شاید یہ کتاب سست اعتقادوں کے دل میں حق اور اہمسا کے عقیدے کو مستحکم کردے اگر اس کا ہر ورق پڑھنے والوں سے پکار پکار کر یہ نہ کہے کہ حق کی معرفت کا لجز اہمسا کے کوئی رسیلہ نہیں تو میں یہ

Marfat.com

سمجھونگا کہ میری ساری محنت اکارت گئی۔ فرض کیجئے میری سعی تلاش حق میں ناکامیاب ثابت ہو تو اس میں مطلوب کا قصور نہیں طالب کی کوتاہی ہے۔ میری طلب کتنی ہی سچی کیوں نہ ہو پھر بھی ناتمام اور ناکافی ہے مجھے حق کے جو جلوے کبھی کبھی نظر آگئے ان سے اس نور محض کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا جس کے آگے آفتاب ایک ذرہ بے نور ہے سچ پوچھئے تو میں نے جو کچھ دیکھا وہ فروغ تجلی کا ایک خفیف سا پرتو ہے مگر اتنا میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ حق کا کامل دیدار اسی کو نصیب ہو سکتا ہے جو اہمسا کی تکمیل کر چکا ہو۔

حق وہ روح کلی ہے جو ساری کائنات میں جاری و ساری ہے انسان اس کے جلوے کی تاب تبھی لا سکتا ہے جب وہ ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق کو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہو۔ جسے اس کا حوصلہ ہو وہ زندگی کے کسی شعبے سے بے تعلق نہیں رہ سکتا یہی وجہ ہے کہ حق کی جستجو مجھے سیاست کے میدان میں کھینچ لائی ہے میری ناچیز رائے میں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مذہب کو سیاست سے کوئی تعلق نہیں وہ مذہب کے مفہوم کو ناآشنا ہیں ہر ذی حیات سے روحانی اتحاد کا احساس بغیر تزکیہ نفس کے ناممکن ہے جب تک نفس آرائشوں سے پاک نہ ہو جائے اہمسا کے قانون کی پابندی محض خیال خام ہے جو شخص عفت سے محروم ہے اسے خدا کی معرفت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ تزکیہ نفس کے معنی یہ ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے میں عفت برتی جائے پاک نفسی میں خدا نے بڑی تاثیر دی ہے اگر انسان اپنے نفس کا تزکیہ کرے تو اس کا ماحول بھی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

مگر تزکیہ نفس کی منزل بڑی کٹھن ہے۔ کامل عفت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خیال قول اور فعل میں جذبات کی غلامی سے آزاد ہو جائے محبت اور عداوت رغبت اور نفرت کی دوئی سے نجات حاصل کرلے مجھے معلوم ہے کہ میں مسلسل سعی کے باوجود عفت کی یہ تینوں شرطیں اب تک پوری نہیں کر سکا ہوں اسی لئے دنیا کی تعریف میرے کانوں کو اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ اکثر میرے دل پر تیر کی طرح لگتی ہے میرے نزدیک روحانی قوت سے شب و روز جذبات کو مغلوب کرنا مشکل ہے اور جسمانی قوت سے دنیا کو فتح کرنا سہل ہے جب سے میں ہندوستان واپس آیا ہوں میرے دل میں جذبات کی دبی ہوئی آگ سلگتی رہتی ہے اس احساس سے مجھے ندامت ہوتی ہے مگر مایوسی نہیں ہوتی میرے روحانی تجربے میرے لئے تقویت اور مسرت کا باعث ہیں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ابھی مجھے بڑی کٹھن منزلوں سے گزرنا ہے جب تک میں خودی کو بالکل مٹا نہ دوں مجھے چین نہیں آئے گا۔ انسان کی نجات اسی پر موقوف ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر ذی حیات سے کم تر سمجھنے لگے۔ اہمسا عاجزی و

Marfat.com

انکساری کی آخری حد کا نام ہے۔

بالمفصل میں ناظرین سے رخصت ہوتا ہوں اور ان سے اس دعا میں شرکت کا طالب ہوں کہ حق تعالیٰ مجھے خیال، قول اور فعل میں اہمسا کی توفیق عطا کرے۔

ختم شد

Marfat.com

فکشن ہاؤس کی علم و ادب پر نمائندہ کتابیں

تاریخ اور فلسفہ تاریخ	ڈاکٹر مبارک علی	Rs. 150/-
شاہی محل	ڈاکٹر مبارک علی	Rs. 150/-
تاریخ شناسی	ڈاکٹر مبارک علی	Rs. 125/-
تاریخ کی روشنی	ڈاکٹر مبارک علی	Rs. 90/-
تاریخ اور عورت	ڈاکٹر مبارک علی	Rs. 70/-
تلاش حق (آپ بیتی)	مہاتما گاندھی	Rs. 250/-
خانہ بدوش (آپ بیتی)	اجیت کور	Rs. 100/-
فالتو عورت (اجیت کور کی کہانیاں)	اجیت کور	Rs. 100/-
گوری (ناول)	اجیت کور	Rs. 75/-
خانماں برباد (ناول)	سلمیٰ مسعود	Rs. 125/-
نئی عورت (افسانے)	جیلانی بانو	Rs. 125/-
انسانی تہذیب کا ارتقاء	ول ڈیورانٹ	Rs. 80/-
روشن خیالی	سبط حسن/احمد سلیم	Rs. 150/-
نیا عالمی نظام اور پاکستان	احمد سلیم	Rs. 175/-
پشتون اینڈ بلوچ ہسٹری (انگریزی)	احمد سلیم	Rs. 100/-
خیال و خواب (سیاست)	افتخار علی شیخ	Rs. 150/-
تحریک آزادی اور باچا خان	فارغ بخاری	Rs. 150/-
صوبہ سرحد کی انقلابی تحریکیں اور مولانا عبدالرحیم پوپلزئی	ڈاکٹر عبدالجلیل پوپلزئی	Rs. 125/-
خلیل جبران کے شاہکار افسانے	مرتب= ملک اشفاق	Rs. 150/-
شاہکار سندھی افسانے	مرتب=طاہر اصغر	Rs. 100/-
کالام سے کافرستان تک (سیاحت)	محمد پرویش شاہین	Rs. 75/-
ہمایوں نامہ	گلبدن بیگم	Rs. 40/-
ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں	ڈاکٹر کنور اشرف	Rs. 150/-
فیض احمد فیض تنقیدی جائزہ	خلیق انجم	Rs. 150/-
یورپ کا بہترین ادب	سجاد بخاری	Rs. 60/-
اردو ادب کی خواتین ناول نگار	نیلم فرزانہ	Rs. 150/-
کرشن چندر اور افسانہ نگاری	ڈاکٹر احمد حسن	Rs. 75/-
کشمیری انشائیے کانٹے	ڈاکٹر زمان	Rs. 50/-
ٹوٹتے بکھرتے لوگ (ناول)	یوگیش کمار	Rs. 90/-
بیدی نامہ	ڈاکٹر شمس الحق عثمانی	Rs. 250/-
وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا (شاعری)	ازہر منیر	Rs. 50/-

فکشن ہاؤس

۱۸۔مزنگ روڈ، لاہور

Marfat.com

فکشن ہاؤس کی علم و ادب پر نمائندہ کتابیں

تاریخ اور فلسفہ تاریخ	ڈاکٹر مبارک علی	Rs. 150/-
شاہی محل	ڈاکٹر مبارک علی	Rs. 150/-
تاریخ شناسی	ڈاکٹر مبارک علی	Rs. 125/-
تاریخ کی روشنی	ڈاکٹر مبارک علی	Rs. 90/-
تاریخ اور عورت	ڈاکٹر مبارک علی	Rs. 70/-
تلاش حق (آپ بیتی)	مہاتما گاندھی	Rs. 250/-
خانہ بدوش (آپ بیتی)	اجیت کور	Rs. 100/-
فالتو عورت (اجیت کور کی کہانیاں)	اجیت کور	Rs. 100/-
گوری (ناول)	اجیت کور	Rs. 75/-
خانماں برباد (ناول)	سلمیٰ مسعود	Rs. 125/-
نئی عورت (افسانے)	جیلانی بانو	Rs. 125/-
انسانی تہذیب کا ارتقاء	ول ڈیورانٹ	Rs. 80/-
روشن خیالی	سبط حسن/احمد سلیم	Rs. 150/-
نیا عالمی نظام اور پاکستان	احمد سلیم	Rs. 175/-
پشتون اینڈ بلوچ ہسٹری (انگریزی)	احمد سلیم	Rs. 100/-
خیال و خواب (سیاست)	افتخار علی شیخ	Rs. 150/-
تحریک آزادی اور باچا خان	فارغ بخاری	Rs. 150/-
صوبہ سرحد کی انقلابی تحریکیں اور مولانا عبدالرحیم پوپلزئی	ڈاکٹر عبدالجلیل پوپلزئی	Rs. 125/-
خلیل جبران کے شاہکار افسانے	مرتب= ملک اشفاق	Rs. 150/-
شاہکار سندھی افسانے	مرتب=طاہر اصغر	Rs. 100/-
کالام سے کافرستان تک (سیاحت)	محمد پرویش شاہین	Rs. 75/-
ہمایوں نامہ	گلبدن بیگم	Rs. 40/-
ہندوستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں	ڈاکٹر کنور اشرف	Rs. 150/-
فیض احمد فیض تنقیدی جائزہ	خلیق انجم	Rs. 150/-
یورپ کا بہترین ادب	سجاد بخاری	Rs. 60/-
اردو ادب کی خواتین ناول نگار	نیلم فرزانہ	Rs. 150/-
کرشن چندر اور افسانہ نگاری	ڈاکٹر احمد حسن	Rs. 75/-
کشمیری انشائیے کانٹے	ڈاکٹر زمان	Rs. 50/-
ٹوٹتے بکھرتے لوگ (ناول)	یوگیش کمار	Rs. 90/-
بیدی نامہ	ڈاکٹر شمس الحق عثمانی	Rs. 250/-
وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا (شاعری)	ازہر منیر	Rs. 50/-

فکشن ہاؤس

۱۸۔ مزنگ روڈ، لاہور

Marfat.com